دریائے نور

مصنفہ

ڈاکٹر مریم کرم الٰہی

ایم اے پی ایچ ڈی

سابقہ چیئرپرسن جغرافیہ ڈیپارٹمنٹ

پنجاب یونیورسٹی لاہور

مولای صل وسلم دائما ابدا — على حبيبك خير الخلق كلهم

هو الحبيب الذی ترجی شفاعته — لكل هول من الاهوال مقتحم

محمد سید الکونین والثقلین — والفریقین من عرب ومن عجم

فان من جودك الدنيا وضرتها — ومن علومك علم اللوح والقلم

Marfat.com

دریائے نور

مصنفہ

ڈاکٹر مریم کرم الٰہی

ایم اے . پی ایچ ڈی

سابقہ چیئرپرسن جغرافیہ ڈیپارٹمنٹ

پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

154829

جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ ہیں

نام کتاب .... دریائے نور

مصنفہ .... ڈاکٹر مریم کرم الٰہی

اشاعت .... مئی 2016

تعداد 500

صفحات 560

قیمت .... فی سبیل اللہ

ملنے کا پتہ

A-61 کینال ویو لاہور

03349851032

Marfat.com

انتساب

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلفاء

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

کے نام

Marfat.com

Marfat.com

پروفیسر ڈاکٹر مریم الٰہی کا تعلق ایک دینی گھرانے سے ہے ایک عرصے تک علمی اور تدریسی میدان میں اپنے علم کے ذریعے بے شمار طالب علموں کو سیراب کرتی رہی ہیں۔ نہ صرف علمی میدان میں بلکہ دینی و مذہبی میدان میں بھی اِن کے بے شمار کارنامے ہیں۔ قرآن سے اِن کا تعلق بہت پرانا ہے۔ آپ کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے قرآن کی درس وتدریس کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ اُن کی حالیہ کتاب ''دریائے نور'' اِس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے آپ نے نہایت عرق ریزی سے اِس کتاب کی تالیف کی ہے۔

یہ کتاب اُن ۸۸ آیات کی تشریح اور توضیح پر مشتمل ہے جن کا آغاز ''یا ایھا الذین امنو'' سے ہوتا ہے۔ جن آیات کا آغاز اِن کلمات سے ہوتا ہے اُن میں یا تو اللہ سبحان وتعالیٰ مومنوں کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیتے ہیں یا پھر کسی چیز سے رُک جانے کو کہہ رہے ہوتے ہیں یعنی یہ آیات اللہ سبحان وتعالیٰ کے اوامر و نواہی سے متعلق ہیں اور بے حد اسم آیات ہیں۔ یہ آیات قرآنِ مجید کی تعلیمات کے ایک بڑے حصے کا احاطہ کرتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے یہ تمام آیات ایک جگہ جمع کر دی ہیں اِسلیئے پڑھنے والوں کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ کے اوامر و نواہی کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ یہ آیات تمام تر اِسلامی تعلیمات، عبادات، اخلاقیات کا احاطہ کرتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحبہ نے اپنی کتاب میں اِن مضامین سے متعلق قرآنِ مجید کی دوسری آیات کو بھی شامل کیا ہے اور اِن سے متعلق احادیث بھی بیان کی ہیں جسکی بدولت اِن موضوعات کو مکمل طور پر احاطہ ہو جاتا ہے کیونکہ قرآنِ مجید کی بہترین تفسیر سب سے پہلے

Marfat.com

قرآن اور پھر احادیث سے ہی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ نے نہایت آسان اور عام فہم زبان اِستعمال کی ہے جس سے اُردو سے اتنی شُد بُد نہ رکھنے والے بھی اِسکو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

غرضیکہ یہ کتاب ڈاکٹر مریم الٰہی کی بہترین کاوش ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ اُن کی اِس کوشش کو قبول فرمائے اور یہ کتاب اُن کی دوسری کتابوں کی طرح اُن کے لیے صدقۂ جاریہ بنے (آمین) میں ڈاکٹر صاحبہ کو اِتنی جامع کتاب تالیف کرنے پر دِلی مبارک باد دیتی ہوں۔ آپ نے یقیناً دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ میری دعا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اِسے پڑھیں، اِس سے فائدہ اُٹھائیں، رہنمائی حاصل کریں اور اِسے اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔ (آمین)

۲۱ نومبر ۲۰۱۵ء

اِرم نایاب
معلّمہ الھدیٰ انٹرنیشنل
گارڈن ٹاؤن برانچ

Marfat.com

پیش لفظ

پروفیسر ڈاکٹر محترمہ مریم الٰہی جن کی علمیت اور قوتِ ایمانی کا میں نصف صدی سے معترف چلا آ رہا ہوں، وہ ایک دینی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں جنہوں نے مغرب کی اعلیٰ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے اور پنجاب یونیورسٹی سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنی زندگی تدابر اور تفہیمِ قرآن کے لیے وقف کر دی اور اپنے گھر پر درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ درسِ قرآن کے دوران اُنہیں اندازہ ہوتا رہا کہ نوجوان نسل کے ذہنوں میں اسلامی تصورات اور اِس کی تہذیب وتمدن کے بارے میں کیا کیا احساسات پرورش پا رہے ہیں اور کس پیرائے میں اِسے قرآن کے مطالب سمجھانے کی ضرورت ہے۔ وہ برسوں کی ریاضت کے بعد ''دریائے نور'' تالیف کرنے میں کامیاب رہیں۔ اِس میں صرف اُن ۸۸ قرآنی آیات کا احاطہ ہوا جن میں ایمان والوں سے براہِ راست خطاب کیا گیا ہے۔ اِس حوالے سے اِن صفات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ مومنوں میں دیکھنا اور اُن کے مطابق معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں۔ اِن اوصاف کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمانِ کامل کے ساتھ نماز قائم کرنا اور اِس کی حفاظت کرنا، اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرنا، حلال رزق کھانا، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنا، فضول باتوں سے کنارہ کش رہنا، اللہ کا خوف رکھنا، اللہ کا ذکر اُٹھتے بیٹھتے کرتے رہنا اور اِسی پر بھروسہ کرنا، نفسانی خواہشات پر قابو پانا، عہد اور امانت کی پاسداری کرنا، اکڑ کر چلنے کے بجائے منکسر المزاج ہونا، اسراف سے بچنا، شرک، ناحق قتل اور جھوٹی گواہی سے مکمل اجتناب کرنا، مومنوں کے لیے نرم خو اور کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانا، قول وفعل کے تضاد سے بچنا اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت اور توبہ استغفار کرتے رہنا، تمام تر اسلامی تعلیمات، عبادات اور اخلاق کا تربیتی نظام ایسی صفات کی پرورش اور تحفظ کے لیے ہیں۔

اِس تناظر میں پوری کتاب میں انہی صفات کی قرآن وحدیث کی روشنی میں تشریح کی گئی اور مثالوں سے واضح کیا گیا ہے کہ دورِ جدید میں اِن کا اظہار کن صورتوں

Marfat.com

میں ہو سکتا ہے۔ قرآنِ حکیم جو ہمارے لیے رشد و ہدایت کا سب سے بڑا سر چشمہ ہے، وہ جامع الکلام ہے اور اِس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے سر لی ہے۔ اِسی طرح سرورِ دو عالم حضرت محمد ﷺ انسانیت کے سب سے بڑے محسن اور انسانی حقوق، عدل و انصاف، قانون کی عملداری اور امن و آشتی کے حقیقی محافظ ہیں۔ آپؐ نے اقلیتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور مذہبی رواداری کی وہ زندہ جاوید مثالیں قائم کیں جن کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ خواتین کا آپؐ بے پناہ احترام کرتے اور اُن کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتے۔ حرمتِ رسولؐ ہر مسلمان پر فرض ہے اور آپؐ کی شان میں گستاخی کرنے والا مرد ہو یا عورت، سزائے موت کا مستحق ہے۔ ذکر اللہ جس سے مسلم معاشرہ معطر اور شفاف رہتا ہے، اِس کے آداب مؤلفہ صاحبہ نے بڑے قرینے سے بیان کیے ہیں اور نماز، روزے، زکوٰۃ اور جہاد کی جدید تفسیرات پیش کی ہیں اور جغرافیے کے پروفیسر کی حیثیت سے یہ مشورہ دیا ہے کہ قطب شمالی جہاں چھ ماہ کی راتیں اور چھ ماہ کے دن ہوتے ہیں، وہاں صبح و شام کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور اُن کے مطابق روزے رکھے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبہ نے بڑے دل نشیں اسلوب میں اسلامی تہذیب و تمدن کے خدوخال اُجاگر کیے ہیں اور اخلاقِ حسنہ، معاشرتی آداب، لین دین کے معاملات، خواتین کے حقیقی مسائل اور غیر مسلم آبادیوں کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسلام کا مکمل ضابطۂ حیات پیش کر دیا ہے۔ دریائے نور، علم و حکمت کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جو نوجوان نسل کو قرآن و سنت کی طرف لوٹ آنے اور انسانی تہذیب کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کرنے کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔ میں اِس عظیم کاوش پر ڈاکٹر صاحبہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور مسلم گھرانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اسے اپنے مطالعے کا حصہ بنائیں اور اپنی اولاد کی تربیت میں 'دریائے نور' سے راہنمائی حاصل کریں کہ وہ دل اور ذہن کو یکساں طور پر مسخر کرتی ہے۔

۵ نومبر ۲۰۱۵ء

الطاف حسن قریشی

مدیر اعلیٰ اُردو ڈائجسٹ

Marfat.com

تعارف کتاب

'دریائے نور'

'دریائے نور' یایھا الذین آمنوا سے شروع ہونیوالی قرآن الحکیم کی ۸۸ آیات کی تفسیر کی تالیف ہے۔ میری اتنی استطاعت نہیں کہ میں خود ان آیات کی تفسیر لکھ سکوں۔ مقام شکر ہے تالیف کی توفیق عطا ہوئی۔ کہیں کہیں حالات حاضرہ کے پیش نظر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے مگر ہر وقت یہ خوف طاری رہا کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔

قرآن الحکیم کی مذکورہ بالا آیات' جو کہ ساری ہی مدنی سورتوں میں ہیں' میں مختلف موضوعات کے بارے میں رب کریم نے مومنوں کیلئے احکامات و ہدایات نازل فرمائی ہیں۔ ان موضوعات سے متعلق قرآن الحکیم کی دوسری آیات بھی شامل کر لی گئی ہیں تا کہ ایک موضوع پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی جا سکے اور ایک موضوع کا جامع تصور ذہن نشین ہو جائے۔ اسی طرح جہاں مناسب سمجھا' آیت مذکورہ سے پہلی والی اور پچھلی آیات بھی شامل کر لی گئی ہیں کہ پہلی آیت میں موضوع کا پس منظر اور اگلی والی آیت میں احکامات کا تسلسل جاری رہتا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا مقصد عامۃ المسلمین تک ان احکام و ہدایات کا پہنچانا ہے جو ان سورتوں میں نازل ہوئے ہیں اور جن کے مخاطب ایمان والے ہیں۔ قرآن الحکیم کی آفاقی دعوت کا مخاطب انسان ہے بالخصوص ایمان والے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایمان والوں کو مخاطب فرمایا ہے اللہ کی حکمتوں کو وہی جانتا ہے یا اس کا رسولؐ۔ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے احکامات کے ذریعے ہیروں کی طرح تراش کر آنے والی نسلوں کیلئے نمونہ بنانا چاہتا ہے۔

قرآن الحکیم وہ آسمانی صحیفہ ہے جو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ اس کی جتنی تفاسیر لکھی گئی ہیں کسی اور آسمانی صحیفے کی نہیں لکھی گئیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مزید نہیں لکھا جانا چاہیے۔ ہر لکھنے والے کا اپنا اسلوب ہوتا ہے اور ایک خواہش کہ اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں اس کا بھی کچھ حصہ ہو جو اس کیلئے زادِ راہ بن جائے۔

Marfat.com

اس کتاب کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ پہلے تمہید کے ذیل میں دو باب ہیں' پہلا قرآن الحکیم کے نزول اور حقانیت کے بارے میں اور دوسرا ایمان اور ایمان والوں کی صفات کے بارے میں ہے۔

اصل کتاب کے ۸ رکن ہیں اور ۲۵ باب ہیں جو فہرست میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ کچھ آیات کی تفسیر ایک سے زیادہ مرتبہ دوہرائی گئی ہے کہ اس کا تعلق ایک سے زیادہ موضوع سے ہے۔

اصل کتاب میں پہلے عبادات اور پھر 'اکل حلال' اسکے بعد انفاق فی سبیل اللہ' معاملات 'لین دین' حق گوئی اور انصاف' صنف نازک کے معاملات و آداب معاشرت' حرمت رسولؐ' اطاعت و فرمانبرداری' مومنوں پر اللہ کے احسانات' شیطان کی دشمنی اور اس سے بچنے کا طریقہ اور توبہ استغفار کا ذکر ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کا مقصد اللہ کے فرامین بنام مومنین پہنچانا ہے۔ تفاسیر کی کوئی کمی نہیں مگر یہ بھی ایک کاوش ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ساری توفیق مالک کی عطا کردہ ہے ورنہ **ماتوفیقی الا باللہ**

☆☆☆☆☆

Marfat.com

فہرست موضوعات

xii تا iii

عنوان	ذیلی عنوانات	تفصیل مباحث	صفحہ نمبر
تعارف	کتاب 'دریائے نور'		ii , i
تمہید	باب اول: الکتاب' قرآن الحکیم	☆ بعثت انبیاء ورسل	۱
		☆ وحی ذریعہ علم ربانی	
		☆ حضور پر وحی کے نزول کے انداز	
		☆ کفار و مشرکین کا قرآن الحکیم کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار	
		☆ عظمت قرآن	
		☆ حضورؐ کی بعثت مومنوں پر اللہ کا احسان عظیم	
		☆ اسلام سب نبیوں کا دین	
		☆ ارتقائے اسلام	
		☆ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب	
		☆ مکی و مدنی سورتوں کی کچھ خصوصیات	
		☆ حفاظت قرآن	
		☆ یایھا الذین آمنو سے شروع ہونیوالی آیات	
	باب دوئم: ایمان اور اہل ایمان		۲۹

Marfat.com

☆ایمان

☆مومنوں کی صفات

☆مومنوں کی کچھ اضافی صفات

☆ایمان والوں کو اللہ کی رحمت اور نور کی بشارت

اصل کتاب

رکن اول:

عبادات — باب اول: صبر و نماز — ٦٧

☆ایمان والوں کو صبر اور نماز کی تلقین

☆صبر

☆نماز

☆نماز کا جسم اور روح

☆ہر نبی کی امت کیلئے نماز کا حکم

☆اوقات نماز

☆صلوٰۃ الجمعہ

☆جمعہ کی نماز کی خصوصیت

☆جمعہ کی نماز کی تاکید

☆کن حالتوں میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے

☆تیمم کی اجازت

باب دوئم: روزہ — ٩٥

Marfat.com

☆روزے کی فرضیت

☆روزے کی قضاء

☆روزہ کے احکامات میں تبدیلیاں

☆رمضان المبارک کی مخصوص عبادات

☆نفلی روزہ کی اقسام

☆نفلی روزے

☆روزہ بطور کفارہ

☆روزہ بطور کفارہ قتل

☆حالت احترام میں شکار کا کفارہ

☆روزہ ظھار کا کفارہ

باب سوئم: جہاد ۱۱۵

☆مسلمانوں کو تیار رہنے کا حکم

☆جہاد کے معانی

☆اذن جہاد

☆جہاد ایک کسوٹی

☆فرامین جہاد

☆جہاد سے گریز

☆ارتداد کرنیوالوں کیخلاف جہاد

☆جہاد میں پیٹھ نہ پھیرنے کا حکم

☆جہاد میں صلوٰۃ خوف

باب چہارم: ذکر اللہ ۱۳۰

Marfat.com

☆ذکراللہ کے معانی
☆ذکرالٰہی کی خصوصیات
☆ذکرکثیر کی ہدایت
☆ذکرکرنیوالوں کے لیے اجرعظیم
☆دوران حج ذکر کی ہدایت
☆یادالٰہی کا طریقہ وآداب
☆ذکر باعث قربت الٰہی اور اطمینان قلب
☆تلاوت قرآن ذکرجمیل ہے
☆ذکر الٰہی سے غافل انسان پر شیطان کا تسلط
☆ذکراللہ کرنیوالوں کی صفات
☆ذکر سے منہ موڑنے والوں کا انجام
☆استغفار کی فضیلت
☆ذکر میں مداومت
☆ذکر بھلائی کا ذریعہ
☆یاداللہ سے روکنے والی چیزیں
☆اللہ کے ذکر کرنیوالی جگہیں مساجداور اہل ایمان کے گھر

رکن دوئم:
اکل حلال | باب اول: رزق حلال | ۱۵۸

Marfat.com

☆ حلال چیزیں کھانے کا حکم
☆ کھانیوالی اشیاء کی حرمت
☆ کسب حلال
☆ دوسرے کے مال کی حرمت
☆ اکل حلال اور اعمال صالح

باب دوئم: شعائر اللہ کی حرمت ۱۷۵

☆ احرام کی حالت میں بندش
☆ شعائر اللہ کی بے حرمتی کے اشکال
☆ حرمت کعبہ
☆ بھلائی کے کاموں میں شرکت
☆ احرام کی حالت میں آزمائش
☆ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں
☆ شعائر اللہ کا تقدس قائم کرنیکا حکم

باب سوئم: سود کی حرمت ۱۹۱

☆ سود کے بارے میں آیات قرآنیہ
☆ تجارت اور سود میں فرق
☆ سود کا مسئلہ اور عصر حاضر

رکن سوئم:

حقوق العباد — باب اول: انفاق فی سبیل للہ ۲۰۴

Marfat.com

☆انفاق فی سبیل اللہ کا حقوق العباد سے تعلق
☆صدقہ وخیرات کے مقبول ہونے کی شرائط
فرض صدقہ زکوٰۃ
☆زکوٰۃ کا مصرف
☆صدقہ وخیرات دے کر احسان جتانا
☆نام ونمود اور ریاکاری سے صدقہ ضائع ہوجاتا ہے
☆خلاصہ
☆صدقہ وخیرات کے بارے میں مزید احکامات
باب دوئم: معاملات 'لین دین' ۲۲۶
☆لین دین
☆لین دین کے احکامات
☆عورتوں کی گواہی کے متعلق حکمت خداوندی
☆لین دین اور رہن
باب سوئم: غیر مسلموں سے روابط ۲۳۳
☆غیر مسلموں کو رازدار نہ بنانے کی حکمت
☆دین سے پھر جانیوالوں کیساتھ مسلمانوں کا رویہ

Marfat.com

☆مسلمانوں کا رفیق اللہ اور اللہ کا رسول
☆مغضوب لوگوں سے دوستی کی ممانعت

رکن چہارم:
اخلاقی تعلیمات | باب اول: حق گوئی اور انصاف | ۲۵۱
☆سچائی اور انصاف ایمان والوں کا خاصہ
☆شہادت برحق
☆شہادت نہ چھپانے کا حکم
باب دوئم: امانت داری اور رسولؐ اللہ سے خیانت | ۲۵۶
☆مسلمانوں کو امانت داری کا حکم
☆خیانت میں مبتلا ہونے کے اسباب
☆اللہ اور رسولؐ اللہ کی اطاعت فائز ہے
☆ہجرت اور جہاد
☆عشق رسولؐ اطاعت رسولؐ ہے
باب سوئم: صنف نازک کے بارے میں ہدایات | ۲۷۰

Marfat.com

☆زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج

☆محرمات کی نشاندہی

☆طلاق کے معاملے میں حسن سلوک

باب چہارم: استیذان ۲۸۲

☆دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کیلئے استیذان

☆استیذان کے حکم کی حکمت

☆اجازت، رضا حاصل کرنیکا حکم

☆استیذان کا مسنون طریقہ

☆استیذان فی البیت

باب پنجم: زبان کی حفاظت ۲۹۰

☆سچ بولنا

☆جھوٹی خبر کی تحقیق

☆طعن و تشنیع اور برے القاب سے پرہیز

☆ظن، تجسس اور غیبت سے پرہیز

رکن چہارم (۲)

اخلاقی تعلیمات — باب اول: آداب معاشرت ۳۰۵

Marfat.com

☆سرگوشیوں سے اجتناب
☆مجلس میں بیٹھنے کے آداب
☆خاندان کے سربراہ پر ذمہ داری
☆غلط خبر پھیلانے کے نتائج سے آگاہی
☆سلام کرنے کی اہمیت
☆کھانا کھانے کے آداب
☆مومنوں کی اخلاقی صفات' جو معاشرے کے سکون کا باعث ہوتی ہیں
☆مساکین' یتامیٰ اور قیدیوں کیساتھ حسن سلوک اور دیگر اخلاقی تعلیمات
☆غیر اخلاقی رویے

رکن پنجم:
رسول کامل کی امتیازی شان و حرمت
باب اول: رسول کامل کی امتیازی شان ۳۴۰
☆ہر خطے کیلئے راہبر
☆حضورؐ کی آفاقی دعوت حق
☆آپؐ کی بعثت کا مقصد
☆حضورؐ کی رسالت کی امتیازی شان
☆حضورؐ کی تحریم اللہ کی نظر میں
☆حضورؐ کی نسبت

Marfat.com

☆حضورؐ پر درود بھیجنے کا حکم اور اسکی فضیلت
☆صلوٰۃ وسلام کا طریقہ اور برکات
☆حضورؐ کے ذِکر کی بلندی

باب دوئم: حرمت رسولؐ ۳۶۴
☆حضورؐ کو متوجہ کرانیکا احسن طریقہ
☆حضورؐ کے گھر اور اہل خانہ کی حرمت
☆حضورؐ کا احترام وادب
☆حضورؐ سے تخلیہ میں بات کرنیکا صدقہ
☆صحابہ کرامؓ کی حرمت رسولؐ
☆توہین رسالت
☆دربار رسالت کے فیصلے
☆دور خلافت کے فیصلے
☆بیسویں صدی کے شہیدان رسالت
☆تحریک ناموس رسول اور قانون توہین رسالتؐ

رکن ششم:
فلاح مسلمین باب اول: اطاعت وفرمانبرداری ۳۸۸
☆اللہ کی اطاعت
☆اللہ کے رسول کی اطاعت
☆اولی الامر کی اطاعت

Marfat.com

باب دوئم: ثابت قدمی و پامردی ۳۹۸

☆ دشمن کے مقابلہ کیلئے تیار رہنے کا حکم

☆ مسلمانوں کو پورے کا پورا اسلام میں داخل ہونے کی ہدایت

☆ دین پر قائم رہنے کی ہدایت

☆ اتفاق واتحاد کی برکات

☆ علماء کی جماعت

رکن ہفتم: مومنوں پر اللہ کے احسانات اور بعثت رسولؐ

باب اول: مومنوں پر اللہ کے احسانات ۴۱۳

☆ دولت ایمان

☆ جنگ بدر میں اللہ کے احسانات

☆ جنگ احد میں اللہ کے احسانات

☆ جنگ احزاب، اللہ کے احسانات

☆ جنگ حنین میں اللہ کے احسانات

باب دوم: بعثت رسولؐ

☆ مومنوں پر اللہ کا عظیم احسان ۴۳۷

☆ حضور کی بعثت کا مقصد

☆ تلاوت قرآن

☆ تعلیم قرآن

☆ تزکیہ نفس

☆ قرآنی تعلیمات کی اہمیت

Marfat.com

رکن ہشتم:
شیطان کی دشمنی
اوراس سے بچنے
کے نسخے

باب اول: شیطان کی دشمنی ۴۴۳

☆شیطان انسان کا کھلا دشمن
☆شیطان کا سب سے پہلا وار
☆شیطان راہ حق کا دشمن
☆شیطان کی فتنہ پردازیاں
☆نبیوں اور رسولوں کی شیطان اور
شیطان انسانوں کے شر سے حفاظت
☆شیطان سے پناہ مانگنا
☆شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے
☆شیطان کن پر وارد ہوتا ہے؟
☆قرآن الکریم میں شیطان کی
فریب دہی کے واقعات
☆اجنا کا تعمیری پہلو
☆شیطان کو گمراہ کرنے کا اذن
☆یوم حساب شیطان کا رویہ

باب دوئم: شیطان کی گمراہی سے
بچنے کے طریقے ۴۹۸

Marfat.com

تمہید

باب اول

الکتاب.....قرآن الحکیم

قرآن الحکیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونیوالی آخری کتاب ہے۔ یہ مصحف عظیم بنی نوع انسان کے لیے سائبان رحمت ہے۔ یہ سب سے زیادہ پڑھی جانیوالی کتاب ہے۔ یہ نور ہدایت ہے' انسانی زندگی کے ہر شعبے میں راہبری کرتی ہے۔ یہ تاریخ' سیاسیات' معاشیات' سائنس' قانون اور عمرانیات کیلئے اصول وضع کرتی ہے۔ تسخیر کائنات کی جتنی ترکیب اس کتاب میں ہے وہ کسی اور صحیفہء آسمانی میں نہیں ہے۔ یہ حضور نبی کریمؐ پر وحی کے ذریعے نازل کی گئی۔ وحی کا سلسلہ تقریباً ۲۳ سال پر محیط رہا۔

بعثت انبیاء ورُسل:

انسانوں کی ہدایت کا سلسلہ حضرت آدمؑ کی خلافت ارض کے عہد سے شروع ہوا اور نبی پاکؐ خاتم النبین پر ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات تخلیق فرمائی' زمین وآسمان بنائے' زمین کو خدوخال بخشے' نباتات' حیوانات پیدا کیے اور ہر طرح کے وسائل سے مالا مال کیا۔ پھر اشرف المخلوقات کی تخلیق فرمائی۔ آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ پھر آدمؑ سے اماں حوا کو پیدا کیا تاکہ دونوں جنت میں ایک دوسرے کے ساتھی بن کر رہیں اور جنت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں مگر ایک شرط لگادی کہ ایک ممنوعہ شجر کا پھل نہ کھائیں۔

آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء عطاء فرمایا اور اسی برتری کی بنا پر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ (سورۃ البقرہ ۳۴ تا ۳۷ واذقلنا.....تواب الرحیم (ترجمہ) ''پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا' وہ اپنی بڑائی اور گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہوگیا۔ پھر ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کا رُخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں

Marfat.com

شمار ہو گئے۔ آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم سے ہٹا دیا اور انہیں اس سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا کہ اب تم یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا ہے اور وہیں گزر بسر کرنا ہے۔ اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے، توبہ کی، جس کو رب نے قبول کرلیا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنیوالا اور رحم فرمانے والا ہے''۔

ابلیس نے آدم کی برتری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور راندہ درگاہ ہو گیا۔ ابلیس جنات میں سے تھا اور آگ سے پیدا کیا گیا تھا اس لیے اس نے مٹی سے پیدا کیے گئے انسان کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا (الکہف ۵۰) حالانکہ مٹی آگ سے بہتر ہے کہ پردہ پوش ہے، اسمیں قوت نمو ہے، انکساری ہے اور قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ راندہ درگاہ ابلیس نے اللہ سے قیامت تک کی مہلت مانگی کہ میں تیرے نیک بندوں کے علاوہ، کہ وہ میرے بہکاوے میں نہیں آئیں گے، باقی سب کو گمراہ کر دوں اور ان کی جڑ کاٹ نہ دوں تو سہی۔ اللہ نے اس کو مہلت عطا فرما دی اور کہا کہ میرے سچے بندوں پر تیرا زور نہ چلے گا۔ جو تری پیروی کریگا جہنم میں جھونک دیا جائیگا۔ شیطان کا پہلا وار آدمؑ پر ہوا۔ شیطان نے ان کو وسوسے میں ڈال دیا اور انہوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا۔ اُنسے لغزش ہوئی۔ انہوں نے توبہ کی جو اللہ نے اپنی رحمت سے قبول فرمالی۔ انکو نبوت عطا فرمائی اور زمین پر خلیفہ بنا کر اتار دیا۔ اللہ نے آدمؑ کو پیدا ہی زمین کی خلافت کیلئے کیا تھا البتہ امتحان کی غرض سے جنت میں رکھا تھا۔

سورہ الحجر ۲۸ تا ۴۳ میں بھی حضرت آدمؑ اور ابلیس کا قصہ بیان فرمایا گیا ہے۔

واذقال............اجمعین (ترجمہ) ''پھر یاد کرو اس موقع کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔ جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا، چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا۔ رب نے پوچھا، اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنیوالوں کا ساتھ نہ دیا، اس نے کہا، میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا ہے، رب نے فرمایا،

Marfat.com

اچھا تو نکل جا یہاں سے کیونکہ تو بلاشبہ مردود ہے' اور اب روز جزا تک تجھ پر لعنت ہے' اس نے عرض کیا' میرے رب یہ بات ہے تو پھر مجھے اس روز تک کیلئے مہلت دے جبکہ سب انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے' فرمایا' اچھا تجھے مہلت ہے اس دن تک جسکا وقت ہمیں معلوم ہے' بولا! میرے رب جیسا تو نے مجھے بہکایا اسی طرح اب میں زمین میں ان کے لیے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دونگا' سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو' فرمایا! یہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ بے شک جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہ چلے گا۔ تیرا بس تو صرف ان بھٹکے ہوئے لوگوں ہی پر چلے گا' جو تیری پیروی کریں اور بیشک ان سب کیلئے جہنم کی وعید ہے۔''

خلیفۃ الارض کے ذمے دو فریضے سونپے گئے' اللہ کے دیئے ہوئے وسائل کا صحیح استعمال اور خالق کائنات کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ وقت کے ساتھ نسل انسانی کی افزائش ہوتی رہی اور انسان کو گمراہی سے بچانے کیلئے ہر خطے میں کوئی راہبر' برگزیدہ نبی یا رسول مبعوث فرمایا جاتا رہا کہ اتمام حجت ہو جائے اور کوئی گروہ روز حشر یہ عذر نہ پیش کر سکے کہ ہمیں تو کچھ معلوم ہی نہ تھا۔ ہر نبی اپنی قوم کی راہنمائی کرتا رہا۔

سورۃ النحل میں فرمایا (النحل ۳۶) **لقد بعثنا...... المکذبین** (ترجمہ) ''اور یقیناً ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا اور اس کے ذریعے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو' پھر ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہو گئی۔ لہذا ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔''

ہدایت نامے بشمول قرآن الحکیم اللہ نے بذریعہ وحی اپنے برگزیدہ نبیوں تک پہنچائے۔ ہر نبی کو اللہ نے خاص مشن کیلئے چنا۔ (البقرہ ۲۱۳) **کان.......... مستقیم** ☆ (ترجمہ) ''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کر دے۔ اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی

Marfat.com

کرنا چاہتے تھے۔ پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھا دیا' جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہے راہ راست دکھا دیتا ہے''۔

حضرت موسیٰؑ پر جو احکامات نازل ہوئے' بالکل عدل و انصاف پر مبنی تھے اور جو کچھ حضرت عیسیٰؑ کی زبان مبارک سے سنا گیا وہ سراسر اخلاق رحمت اور احسان تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت احکام عشرہ پر مشتمل ہے جو عفو و درگزر سے خالی ہے' صرف مردہ جسم ہے اور دوسری طرف عیسائیوں کی تعلیم جو غیر محسوس روح ہے جس میں ظالم کا مقابلہ نہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے بلکہ فرمان ہے کہ جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے' دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے۔ ان دونوں تعلیمات پر دنیا کا نظام قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ دعوت حق خاص وقت کے لیے اور خاص قوم کیلئے تھی۔

قرآن الحکیم آخری' طویل ترین' مفصل صحیفہ ہے جو مکمل دین کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ یہ آفاقی دعوت حق ہے' دین فطرت ہے اور زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ یہ قیامت تک کا منشور ہے۔

وحی ذریعہ علم ربانی:

ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے حق کی پیغام رسانی کیلئے چن لیا تھا۔ حضورؐ کی بعثت سے قبل دعوت کا دائرہ آفاقی نہ تھا بلکہ خاص خاص قوموں کیلئے تھا۔ ہر نبی اپنے مشاہدات اور ذکر و فکر کی بنا پر علم الیقین تک رسائی حاصل کر لیتے اور اللہ پر پکا ایمان رکھتے' پھر اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی علم عطا فرما کر عین الیقین اور حق الیقین کی منزل تک پہنچا دیتے۔

انسان کیلئے علم حاصل کرنے کے مختلف ذرائع ہیں۔ انسان اپنے حواس خمسہ سے اپنی عقل سے اور مشاہدے سے علم حاصل کرتا ہے۔ یہ علم محدود ہے۔ اللہ اپنے خاص بندوں یعنی نبیوں کو وحی کے ذریعہ علم عطا فرماتے تھے۔ وحی کے معنی' مخفی اشارہ کرنا' دل میں کوئی بات ڈال دینا یا کوئی پیغام بھیجنا ہے۔ یہ ایسا اشارہ ہے جس کو اشارہ کرنیوالا اور جسے اشارہ کیا گیا ہو وہی جانتا ہے۔ وحی کی یہ خاص صورت ہے جو بندوں کی ہدایت کیلئے صحیفوں کی صورت میں انبیاء کرام پر نازل ہوئی۔

Marfat.com

وحی کی دوسری قسمیں بھی ہیں، سچے خواب انبیاء کرام کیلئے وحی کی ایک صورت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا۔ یہ اللہ کا حکم تھا، حضرت ابراہیمؑ نے اس پر عمل کیا اور اپنے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر چھری پھیرنی چاہی مگر اللہ نے اپنی خاص رحمت سے قربانی کیلئے ایک مینڈھا عطا فرمایا۔ (الصافات آیہ ۱۰۲ تا ۱۰۷، **فلما بلغ ...... بذبح عظیم** (ترجمہ) ''وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے اس سے کہا 'بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے! اس نے کہا! ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیئے آپ انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے' آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے ندا دی کہ ''اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنیوالوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی'' اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔''

وحی کی ایک صورت یہ بھی تھی، گو پیغمبرانہ نہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ نو مولود بچے کو بچانے کیلئے ایک صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دے اور ساتھ یہ بھی تسلی دی کہ ہم تمہارے لخت جگر کو تم سے ملا دیں گے۔ (طٰہٰ ۳۸، ۳۹، ۴۰) **اذاوحینا .... ولاتحذن** ☆ (ترجمہ) ''یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے تیری ماں کو اشارہ کیا، ایسا اشارہ جو وحی کے ذریعہ سے ہی کیا جاتا ہے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور پھر صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور میرا دشمن اور اس بچے کا دشمن اٹھا لے گا۔ میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کر دی اور ایسا نظام کیا کہ تو میری نگرانی میں پالا جائے۔ یاد کرو جبکہ تیری بہن چل رہی تھی، پھر جا کر کہتی ہے' میں تمہیں اس کا پتہ دوں جو اس بچے کی پرورش اچھی طرح کرے؟ اس طرح ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہو' ایسے اشارہ کا ذکر سورہ القصص کی آیت ۷ میں بھی کیا گیا ہے۔

وحی کی جبلی اور طبعی قسم بھی ہے جس کے ذریعے جانور، نباتات و جمادات کو کام کرنا سکھایا گیا ہے۔ شہد کی مکھی کو اپنے کام کے سلسلہ میں جو ہدایت دی گئی وہ اس کی جبلت بن گئی۔ (النحل ۶۸، ۶۹) **واوحیٰ .... یتفکرون** ☆ (ترجمہ) ''اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر

Marfat.com

یہ بات وحی کردی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنائے اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہ پر چلتی رہ۔ اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کیلئے۔ یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔"

بئے کا گھونسلا بھی کاریگری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ کام بھی وہ اپنی جبلی وحی کی ہدایت کے مطابق کرتا ہے۔

سب سے طویل المدت پیغمبرانہ وحی نبی پاک ﷺ پر تقریباً ۲۳ سال تک نازل ہوتی رہی جو قرآن الحکیم کی صورت میں ہمارے سامنے آئی۔ یہ نور ہدایت حضور ﷺ کے قلب متین پر اتارا گیا۔ حضور ﷺ رحمت اللعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کا پیغام حق کسی خاص قوم کیلئے نہیں بلکہ آفاقی ہے۔ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئیگا' وحی کا سلسلہ بھی آپ پر ختم ہوگیا۔

حضور ﷺ پر وحی کے نزول کے انداز:

ایک صورت یہ تھی کہ پہلے گھنٹیوں سے متشابہ آواز سنائی دیتی اور پھر فرشتہ بات کرتا۔ یہ صورت سب سے دشوار تھی کہ جاڑے کے موسم میں بھی آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ گھنٹیوں سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہ آواز مسلسل اور ہر سمت سے آتی تھی۔ آپ اس کو پوری توجہ سے سنتے۔ دوسری صورت میں عموماً جبرائیلؑ مشہور صحابی حضرت وحیہ کلبیؓ کی شکل میں تشریف لاتے۔ وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ جبرائیلؑ امین اپنی اصلی شکل میں دکھائی دیتے۔ ایسا صرف دو مرتبہ ہوا۔ پہلی مرتبہ جب حضور ﷺ نے خود جبرائیلؑ امین کو اصلی حالت میں دیکھنے کی خواہش فرمائی اور دوسری مرتبہ معراج کے وقت۔ وحی کی چوتھی صورت اللہ سے بلاواسطہ ہمکلام ہونے کی ہے۔ پانچویں صورت وحی کی یہ تھی کہ جبرائیلؑ امین کسی شکل میں سامنے آئے بغیر آپؐ کے قلب مبارک میں کوئی بات القا فرما دیتے۔

حضور پاک ﷺ پر قرآن کے وحی کیے جانے کی بابت قرآن الحکیم میں کئی جگہ ذکر

Marfat.com

فرمایا گیا ہے (النساء ۱۶۳) انـا .... زبـوراً ☆ (ترجمہ) "اے محمد ﷺ ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیمؑ اسماعیلؑ یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ عیسیٰؑ ایوبؑ ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی۔ ہم نے داؤدؑ کو زبور دی"۔ سورہ آل عمران ۴۴ سورہ یونس آیہ ۱۵ سورہ ھود ۱۲ ۴۹ سورہ یوسف ۱۰۲ میں بھی انباء الغیب کا ذکر ہے۔

کفار اور مشرکین کا قرآن الحکیم کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار:

قرآن الحکیم حضورؐ پر بذریعہ وحی نازل فرمایا گیا۔ یہ اللہ کا مکتوب اس کے بندوں کے نام ہے۔ یہ کسی بشر کی تصنیف نہیں ہے۔ کفار اور مشرکین اپنی ہٹ دھرمی اور کجی کی وجہ سے آپ کو اللہ کا رسول ماننے کو تیار نہ تھے۔ وہی لوگ جن میں آپ اپنی حیات مبارکہ کے ۴۰ سال گزار چکے تھے اور وہ آپ کو صادق و امین گردانتے تھے بعثت کے بعد آپ کو جھٹلانے لگے۔ ایمان نہ لانے کے طرح طرح کے بہانے تراشنے لگے۔ آپ ﷺ پر الزام لگاتے رہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ من گھڑت چیز ہے اور محمد ﷺ کچھ لوگوں سے سیکھ کر ہمیں سناتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن الحکیم میں الفرقان کی آیات ۴، ۵، ۶ میں کفار کے اعتراضات کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

(الفرقان ۴، ۵، ۶) وقـال .... رحیماً ☆ (ترجمہ) "جن لوگوں نے نبیؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب) ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔ اے محمد ﷺ ان سے کہو اسے اسی نے نازل کیا ہے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے وہ بڑا غفور الرحیم ہے"۔

نبیؐ نے ایک عمر مکہ والوں کے درمیان گزاری۔ مکہ والے اچھی طرح جانتے تھے کہ آپؐ اُمی ہیں۔ بعثت سے پہلے آپ تجارت کے سلسلے میں باہر جاتے تو سفر میں اکیلے نہ ہوتے تھے۔ اگر

Marfat.com

آپؐ کسی سے کچھ سیکھتے تو قافلہ والوں کو اس کا علم ضرور ہوتا۔ اگر بحیرا راہب سے ملاقات میں جب آپؐ کی عمر بارہ تیرہ برس کی تھی آپ نے کچھ سیکھا ہوتا تو یہ کیسے ہو سکا تھا کہ آپ نے اس علم کا اظہار چالیس سال کی عمر میں کیا۔ کفار مکہ کا کہنا تھا یہ شخص (حضورؐ) پڑھنا نہیں جانتا' یہ ساری معلومات کہاں سے حاصل کرتا ہے۔ لامحالہ کچھ پرانی تاریخی کتابوں سے کچھ اقتباسات نقل کروائے جاتے ہیں' یہ انہیں یاد کر لیتا ہے اور ہمیں سناتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ کچھ پڑھے لکھے لوگوں کے نام لیتے تھے جو اہل کتاب اور مکہ کے رہائشی تھے۔ یہ تین نام تھے' عداس' یسار اور جبیر۔ یہ تینوں آزاد کردہ غلام تھے۔ سورۃ النحل ۱۰۳ میں اسی بارے میں فرمایا گیا ہے ولقد ...... مبین ☆ (ترجمہ) ''ہمیں معلوم ہے یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے اس کی زبان عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے''۔

بظاہر یہ اعتراض ایسا ہے کہ اس پر شبہات جنم لیتے مگر تھوڑی سی عقل والے اس بات کو غیر معقول سمجھنے میں دیر نہ کریں گے۔ کفار اس مواد کو حضورؐ سے برآمد کر کے لوگوں کو دکھا سکتے تھے مگر انہوں نے اپنے جھوٹ کو ثابت کرنے کیلئے ایسا نہ کیا۔ حضورؐ نے جو اللہ کا کلام پیش کیا یہ فصاحت' بلاغت اور مضامین کے لحاظ سے اعلیٰ ترین مرتبے کا کلام ہے اور یہ کہ اگر ان آزاد کردہ غلاموں کا مہیا کردہ کلام اس پایہ کا تھا کہ آپؐ اپنی نبوت کا سورج اس کی بنیاد پر چمکاتے تو انہوں نے خود کیوں نہ یہ کلام پیش کیا کہ وہ بھی شہرت کی بلندیوں کو چھوتے۔ یہ سب آزاد کردہ غلام دوسرے ملکوں کے باشندے تھے۔ ان کو عربی زبان پر ایسا عبور کہاں حاصل ہو سکتا تھا۔ کفار مکہ اگر سچے ہوتے تو ان لوگوں سے اعتراف کروانے کیلئے کئی حربے استعمال کر سکتے تھے مگر ایسا نہ ہوا کہ سب الزام بے بنیاد اور اعتراض برائے اعتراض تھے جن کا کوئی وزن نہ تھا۔

آپؐ کے صحابہ کرام جو آپ کے ساتھ دن رات رہتے تھے وہ اس راز سے کیونکر واقف نہ ہو سکے۔ یہ راز حضرت ابوبکرؓ صدیق' حضرت علیؓ' زید بن حارثہ اور آپ کی زوجہ حضرت خدیجہ الکبریٰ سے کیسے مخفی رہ سکتا تھا۔

قرآن کو من جانب اللہ نہ ماننے والوں کو دعوت مبارزت دی کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو سب عرب سے شعراء اور ادیب کو مدد کے لیے اکٹھے کر لو اور اس جیسا کلام' چاہے ایک ہی

Marfat.com

سورت ہو پیش کرو۔ (سورۃ البقرہ ۲۳) وان کنتم فی .... صادقین ☆ (ترجمہ) ''اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمائی ہے' کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنالاؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو''۔ سورۃ یونس آیہ ۳۸ میں یہی مضمون ہے۔ سورۃ ھود آیہ ۱۳ میں کفار سے ایسی دس سورتیں بنا کر لانے کو کہا گیا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل ۸۸ میں فرمایا قل لئن .... ظھیراً ☆ (ترجمہ) ''کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے' چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں''۔

حق تعالیٰ نے قرآن الحکیم میں آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ایسی صداقتوں کا انکشاف فرمایا ہے جو حالیہ سائنسی دور میں سامنے آرہی ہیں۔ سائنس ابھی بہت پیچھے ہے۔ قرآن الحکیم میں تخلیق کائنات' زندگی کا آغاز' پہاڑوں کو توازن قائم کرنے کیلئے بنانا' انسان کے تخلیق کے مراحل' ہر جاندار کا پانی سے پیدا ہونا' کشش ثقل اور بے شمار حقیقتوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ یہاں اس بارے میں چند آیات کا حوالہ دیا ہے۔ النور آیہ ۴۵ میں فرمایا گیا ہے کہ ''اور اللہ نے زمین پر چلنے والا ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا' کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اسی طرح سورہ الانبیاء آیت ۳۰ تا ۳۳ میں تخلیق کائنات کا ذکر فرمایا ہے۔ انسان کے تخلیق کے مراحل سورہ الحج آیہ ۵ اور سورہ مومن ۶۷ میں بیان فرمائے ہیں۔ سورہ النحل آیہ ۱۵ میں فرمایا ''اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دی تا کہ زمین تم کو لیکر ڈھلک نہ جائے'' اسمیں Isostasy کا نظریہ پیش کر دیا ہے۔ پھر سورہ یاسین آیہ ۳۸ تا ۴۰ میں نظام شمسی کے بارے میں بڑی اہم باتیں بیان فرمادی گئی ہیں۔ فرمایا ''اور سورج وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جارہا ہے یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے اور چاند' اس کیلئے ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لیجاسکتی ہے۔ سب ایک فلک (مدار) میں تیر رہے ہیں''۔

Marfat.com

مسلمانوں نے اپنے پہلے سنہری دور میں قرآن کے انکشافات کو بنیاد بنا کر تحقیق کی' دور دراز سفر کیئے' تبلیغ کی خاطر' تجارت اور معلومات کی خاطر' بڑے بڑے تاریخ دان' جغرافیہ دان اور سائنس دان پیدا کیے۔ پھر طاؤس و رباب میں کھو گئے اور تحقیق کو چھوڑنے کی وجہ سے اپنی سائنسی ترقی کی راہ سے ہٹ گئے۔ مغربی اقوام جو مسلمانوں کے عروج کے دور میں جاہلیت کے اندھیروں میں گھری ہوئی تھیں' مسلمانوں کی تحقیق کو بنیاد بنا کر آگے بڑھتی چلی گئیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان سائنسی اور تکنیکی معاملات میں غیر مسلموں کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں اب یہ حال ہے کہ جس دین کی بنیاد ہی علم ہے' اسکے پیروکاروں کی اکثریت ناخواندہ ہے۔

عظمت قرآن:

قرآن نور ہدایت ہے' اللہ کا نازل کردہ آخری مصحف ہے جو حضور ﷺ پر وحی کے ذریعے نازل کیا گیا۔ اوپر دی گئی تفصیلات قرآن کی عظمت کی گواہی ہیں۔ مشرکین اور کفار کو اس جیسی کتاب یا دس سورتیں یا پھر ایک ہی سورت لانے کی دعوت دی گئی۔ وہ لوگ اس میں ناکام رہے کہ قرآن الحکیم کی فصاحت و بلاغت کسی بندے کی تحریر میں نہیں ہو سکی۔ پھر ایسی باتوں کا انکشاف ایک نبی اُمی کیلئے بذریعہ وحی ہی ہو سکتا تھا۔

قرآن الحکیم واحد صحیفہ ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے (الحجر آیہ ۹) انا نحن .... لحفظون ☆ (ترجمہ) ''رہا یہ ذکر' تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اسکے نگہبان ہیں''۔ قرآن اسی شکل میں محفوظ ہے جس طرح حضور ﷺ پر نازل فرمایا گیا اور اس کی ترتیب وہی ہے جو حضور نے مرتب فرمائی۔

قرآن پڑھتے وقت اور سنتے وقت اسکے آداب ملحوظ رکھنے کی ہدایات قرآن میں دی گئی ہیں اس کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ یعنی باوضو ہونا' پاک لباس میں ہونا ضروری ہے۔ (سورہ واقعہ آیہ ۷۷ تا ۷۹) وانہ .... المطھرون ☆ (ترجمہ) ''کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے' ایک محفوظ کتاب میں ثبت' جسے مطہرین کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا''۔ زبانی یاد کردہ

Marfat.com

آیات یا سورہ بغیر وضو بھی پڑھی جاسکتی ہیں مگر اس کو ہاتھ لگانے کیلئے پاک ہونا ضروری ہے۔

سورہ النحل میں فرمادیا گیا ہے کہ قرآن الحکیم کی تلاوت سے پہلے تعوذ ضروری ہے (آیہ ۹۸) فاذا قرات .... الرحیم ☆ (ترجمہ) ''پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو''۔ یہ قرآن پڑھتے وقت شیطان کے گمراہ کن وسوسوں سے محفوظ رہنے کیلئے ہے تا کہ قرآن کو اس کی اصلی روشنی میں سمجھ سکے۔ قرآن اس طرح انہماک سے پڑھا جائے جیسے یہ خود پر نازل ہو رہا ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب پڑھنے والا عربی زبان کی سدھ بدھ رکھتا ہو۔ جن قوموں کی زبان عربی نہیں ہے ان کو اپنے تعلیمی نظام میں اس بات کا بندوبست کرنا ہے اور عربی زبان کو سکول میں ایک لازمی مضمون کا درجہ دینا ہے۔ پاکستان میں اس ضمن میں بھرپور کوشش نہیں کی گئی۔ صرف چند سورتیں نصاب میں شامل کرنے سے بات نہیں بنتی۔ روح قرآن تک رسائی عربی زبان کی واقفیت سے ہی ہو سکتی ہے۔

قرآن کے پڑھنے اور سننے کے آداب میں ہے کہ اسے خاموشی سے سنا جائے' خوش الہانی سے پڑھا جائے (الاعراف ۲۰۴) واذا .... ترحمون ☆ (ترجمہ) ''اور جب قرآن (تمہارے سامنے) پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو' شاید کہ تم پر بھی رحم کیا جائے''۔

سورہ المزمل میں فرمایا کہ قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو (آیہ ۴) یعنی آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو تا کہ اس کا مفہوم ذہن میں پوری طرح اجاگر ہو جائے۔ قرآن خوش الہانی سے اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ یہ بڑا پرتاثیر کلام ہے' دلوں کو متاثر کرتا ہے۔

قرآن اللہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم اسے پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔ (الحشر آیہ ۲۱) یہ حضور کے قلب متین پر اتارا گیا۔ قرآن الحکیم کا اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں اور متقین اس سے ہدایت پاتے ہیں۔ (البقرہ ۲)

قرآن الحکیم جوامع الکلم ہے۔ اس سے پہلے آنے والے صحیفے جوامع الکلم نہ تھے۔

''تورات اقوام کی تاریخ اور احکام وقوانین کا مجموعہ ہے۔ عقیدۂ توحید و رسالت کے سوا تمام دیگر

Marfat.com

ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام وقائق واخلاق سے یکسر خالی ہے۔ زبور صرف دعاؤں اور مناجات کا ذخیرہ ہے۔ سفر ایوبؑ میں صرف عقیدۂ تقدیر اور رضا کی تعلیم ہے۔ امثال سلیمانؑ صرف مواعظ اور حکم ہیں۔ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ وندامت پیشن گوئی اور ماتم ہیں۔ انجیل کا صحیفہ حضرت مسیحؑ کی سرگزشت اور تعلیمات اخلاقی کا مجموعہ ہے' لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو جو صحیفہ ملا وہ جوامع الکلم ہے۔ یعنی وہ تمام باتوں کی جامع ہے' وہ تورات بھی ہے' زبور بھی ہے انجیل بھی ہے اور کچھ ان سے زیادہ بھی' اس لیے آپؐ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ'' مجھے تورات کی جگہ سبع طول (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں اور سور مفصلات علاوہ بریں ملیں''۔

قرآن الحکیم میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں' تمام مراسم وعبادات ہیں' تمام معاملات کے احکامات وقوانین ہیں۔ اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لیے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں۔ اسلام قرآن کے باہر کچھ نہیں' باہر جو کچھ ہے (احادیث) اس کی عملی توضیح وتفسیر ہے۔ وہی مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل ہے اور ہر سوال کا مجیب ہے اور اسی لیے اس کے پیروکار حسبنا کتاب اللہ (ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

قرآن' دائمی معجزہ:

''اسلام کے علاوہ باقی ادیان محدود زمانوں اور محدود قوموں کیلئے تھے' اسی لیے ان کے معجزے بھی محدود الوقت تھے' یعنی ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے اور مٹ گئے۔ اب عصائے موسیٰؑ' لحن داؤدؑ' تعبیر یوسفؑ' ناقہ صالحؑ' نفس عیسیٰؑ کا کہاں پتہ ہے' لیکن جو دین محمد ﷺ رسول اللہ کے ذریعے آیا' کامل تھا اور قیامت تک کیلئے آیا تھا' بنابریں اس کیلئے ایک دائمی معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ خود صحیفہء اسلام ہے''۔ یہ دعوت آفاقی ہے' ہر زمان ومکان کیلئے' جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے۔ وانا لہ لحافظون (الحجر) ترجمہ: ''ہم خود اسکے محافظ ہیں''۔

(سیرت النبی' شبلی نعمانی جلد ۳' ص ۴۵۸' ۴۵۹)

Marfat.com

حضور ﷺ کی بعثت مومنوں پر اللہ کا احسان عظیم ہے:

آل عمران ۱۶۴ میں فرمایا لقد من .... ضلل مبین ☆ (ترجمہ) ''درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہی کو سناتا ہے' ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور انکو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے''۔

اسلام سب نبیوں کا دین:

اسلام کے لغوی معنی فرمانبرداری' اطاعت' اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اقرار' اعتقاد اور عمل ہیں۔ یہ نعمت دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا حل موجود ہے اور اس کے بعد کسی اور ہدایت کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ ہر نبی نے اللہ کی اطاعت اور بندگی کا پیغام دیا۔ توحید کا سبق دیا اور خود بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی کا نمونہ بنے۔ اسلام کی ابتداء اسی دن ہو گئی تھی جس روز نور رسالت کو حضرت آدمؑ کی صورت میں انسان کی ہدایت کیلئے تخلیق فرمایا۔ حضرت آدمؑ سے لیکر نبی آخر الزمان تک تمام نبی اور رسول دین اسلام پر قائم رہے۔ (سورہ الحج آیہ ۷۸ میں اللہ کا فرمان ہے) وجاھدو .... النصیر ☆ (ترجمہ) ''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کیلئے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا نام یہی ہے) تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔ پس نماز قائم کرو' زکوۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ وہ ہے تمہارا مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے اور مددگار ہے''۔ یہاں تمہارا نام سے مراد وہ لوگ ہیں جو آغاز تاریخ انسانی سے توحید' آخرت' رسالت اور کتب الٰہی کے ماننے والے ہیں۔ یہ ایمان والے لوگ نہ نوحی' نہ ابراہیمی' نہ موسوی' نہ مسیحی اور نہ ہی محمدی ہیں بلکہ ان کے لیے ایک ہی نام ہے ''مسلم''۔ انبیاء کے ذکر مبارکہ میں یہ لفظ متعدد بار استعمال ہوا ہے۔

Marfat.com

(۱) حضرت نوحؑ بھی مسلم تھے۔ سورہ یونس آیہ ۷۲ فـــان .... مـــن المسلمین ☆ (ترجمہ) ''پھر اس دعوت حق کے بعد بھی) تم منہ موڑ و تو میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو اللہ کے ذمہ ہے' مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں۔''

(۲) حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ مشرک نہ تھے بلکہ توحید پر قائم ایک مسلم تھے (آل عمران ۶۷) ومـــان کـــان .... مـــن المشـــر کیـــن ☆ (ترجمہ) ''ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک اللہ کے ماننے والے یکسو مسلم تھے۔ وہ مشرکین میں سے نہیں تھے''۔ اس سے پہلے آل عمران آیت ۶۴ میں فرمادیا کہ دعوت حق قبول نہ کرنیوالوں کو کہہ دو کہ ہم مسلم ہیں یعنی خدا کی بندگی اور اطاعت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانے والے ہیں۔

(۳) حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے ساتھ کعبے کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی تھی کہ ہمیں اپنا مسلم' یعنی فرمانبردار بنا اور آئندہ نسل سے بھی مسلم ہونے کی دعا فرمائی اور حضورؐ کی بعثت کیلئے دعا فرمائی۔ (سورہ البقرہ آیہ ۱۲۸) ربنا وا .... الحکیم ☆ (ترجمہ) ''اور اے رب ہم دونوں کو اپنا 'مسلم' بنا (فرمانبردار) ہماری نسل سے ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو' ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا' ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما' تو بڑا معاف کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہے۔ اور اے رب ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے' تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے''۔

(۴) سورہ البقرہ (آیہ ۱۳۲' ۱۳۳) فرمایا گیا ووصـــی .... مسلـــمـــون ☆ (ترجمہ) ''اور اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت اسؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب اپنے بیٹے کو کر گیا۔ اس نے کہا تھا کہ 'میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔ پھر کیا تم اس وقت موجود تھے' جب یعقوبؑ اس دنیا سے رخصت ہورہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے

Marfat.com

پوچھا! بچو میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟ ان سب نے جواب دیا! ہم سب ایک خدا کی بندگی کریں گے، جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے خدا مانا ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔"

(۵) حضرت لوطؑ کے مسلم ہونے کے بارے میں، قوم پر عذاب نازل ہوتے وقت فرمایا گیا ہے (الذاریات ۳۵،۳۶) فاخرجنا.........المسلمین ☆ (ترجمہ) "پھر ہم نے ان سب لوگوں کو نکال لیا جو اس بستی میں مومن تھے، اور وہاں ہم نے ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا"۔ یہاں گھر سے مراد لوطؑ کا گھر تھا جہاں ایمان و اسلام کی روشنی پائی جاتی تھی۔

(۶) حضرت یوسفؑ نے بھی مسلم کی حیثیت سے موت سے ہمکنار ہونے کی دعا مانگی۔ یہ وہ موقع تھا جب حضرت یوسفؑ کے حاسد بھائی اس کے تخت شاہی کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ (سورہ یوسف آیہ ۱۰۱) رب قد ا.........بالصالحین ☆ (ترجمہ) "اے میرے رب تو نے مجھے حکمت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین آسمان کے بنانیوالے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے۔ میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا"۔

(۷) حضرت موسیٰؑ نے ایمان لے آنیوالوں کو مسلم کہا۔ (سورہ یونس آیہ ۸۴) وقال ....مسلمین ☆ (ترجمہ) "موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا، لوگو اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر مسلمان ہو"۔ گویا کہ اسلام کی بنیاد رب واحد کی اطاعت اور بندگی ہے۔

(۸) جادوگروں نے جب موسیٰؑ کے مقابلے میں شکست کھائی تو حقیقت کا ادراک ہوتے ہی ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ فرعون کی تجویز کردہ سزا سن کر تا حیات مسلمان رہنے کی دعا مانگی (الاعراف ۱۲۶) ربنا.........مسلمین ☆ (ترجمہ) "اے ہمارے رب، ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس حال میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں۔"

Marfat.com

(۹) حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سباء کو خط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی (سورہ نمل ۳۰، ۳۱) **انہ من ...... واتونی مسلمین** ☆ (ترجمہ) ''وہ (خط) سلیمانؑ کی جانب سے ہے اور اللہ رحمان ورحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ مضمون یہ ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ''۔ اس سورت کی آیہ ۴۴ میں ملکہ کا مسلمان ہونا بتایا گیا ہے۔

(۱۰) حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے اپنے آپ کو مسلمان کہا (آل عمران آیہ ۵۲) **فلما......... مسلمون** ☆ (ترجمہ) ''جب عیسیٰؑ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر وانکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا ''کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے''؟ حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں''۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات محکم ہو جاتی ہے کہ نبیوں پر ایمان لانے والوں کو ایک ہی نام دیا گیا اور وہ نام 'مسلم' ہے۔ جب جب ادیان میں بگاڑ پیدا ہوا تو کسی امت نے اپنا نام یہودی رکھ لیا، کوئی عیسائی کہلوانے لگے اور اس یک رنگی سے جو مسلم کہلوانے سے پیدا ہوئی اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا۔

حضورﷺ کی بعثت کے وقت پچھلی امتوں کے ہر فرد کیلئے یہ نام اجنبی بن گیا تھا۔ حضورﷺ پر ایمان لانے والوں کا نام بھی مسلم رکھا۔ (سورہ زمر ۱۱، ۱۲) میں فرمایا **وامرت .... مسلمین** ☆ (ترجمہ) ''(اے نبی) ان سے کہو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کروں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود مسلم بنوں''۔ سورہ آل عمران ۸۴، سوہ البقرہ ۱۳۶، سورہ الانعام ۱۶۲، ۱۶۳ میں یہی مفہوم ادا ہوا ہے کہ ہم تو صرف اللہ کے مسلم ہیں، یعنی اس کی اطاعت کرنے والے۔ حضورﷺ پر ایمان لانے والے انسانوں کے علاوہ اجنا میں سے ایمان لانے والے بھی مسلم کہلائے (سورہ جن ۱۴)۔

ایمان والوں کو اللہ تبارک تعالیٰ نے روز حساب ہر غم ور خوف سے نجات کی خوشخبری سنائی ہے۔ سورہ الزخرف ۶۸، ۶۹، ۷۰ میں فرمایا **یعباد......... مسلمین** ☆ (ترجمہ) ''اس روز ان لوگوں سے جو ہماری آیات پر ایمان لائے تھے اور مطیع فرمان بن کر رہے تھے کہا جائے گا

Marfat.com

کہ اے میرے بندو آج تمہارے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ تمہیں کوئی غم لاحق ہوگا' داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں' تمہیں خوش کر دیا جائیگا۔"

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ایک نام ودیعت فرمایا 'مسلم' جس سے ان کے درمیان ایک تسلسل قائم کیا۔ گمراہی میں پڑ کر اپنے کئی نام رکھ لیے یہودی' عیسائی وغیرہ۔ حضور ﷺ کی امت بھی امت مسلمہ کہلائی۔ بعد میں فرقہ بندی میں پڑ گئے۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے خیر و شر کے زمانوں کا ذکر کرتے ہوئے ایسے زمانے کی طرف اشارہ فرمایا جب لوگ گمراہی کی دعوت دیں گے۔ اشارہ فرقہ بندی کی طرف تھا۔ حضرت حذیفہؓ نے مزید وضاحت چاہی تو فرمایا 'تم جماعت اور جماعت مسلمین کے امیر سے چمٹے رہنا اور اگر جماعت مسلمین نہ ہو تو تم تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا' خواہ تمہیں درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں حتیٰ کہ اس حالت میں تمہیں موت آجائے تو مر جانا لیکن کسی فرقہ میں شامل نہ ہونا۔ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعۃ)۔

آج مسلمان فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ فقہی اختلافات کی بنا پر کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ مگر آج انہیں اختلافات کی بنا پر ایک فرقہ دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگانے میں دیر نہیں کرتا۔ یہ نفاق رب تعالیٰ کے دیئے ہوئے نام مسلم سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ مسلم کہلوانے میں ہر زمان و مکان' ہر رنگ و نسل و زبان' اور ملک کے لوگ ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وقت کی ضرورت ہے کہ ہم پھر اپنے اسی نام کو اپنائیں۔

ارتقائے اسلام:

اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام اپنے ارتقائی منازل طے کرتا ہوا حضور ﷺ نبی پاک پر مکمل ہوا۔ دین کی مختلف منازل ایک زنجیر کی کڑیں ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

خلق و تقدیر و ہدایت اول است
رحمت اللعالمین آخر است

Marfat.com

تجسس، حقیقت وعشق ذات کا پہلا قدم حضرت ابراہیمؑ کا ہے۔ خلیل اللہ ہوئے ابراہیمی انداز عرفان وحدت حقیقت ہوتا تھا۔ موسوی سبق اصول شریعت اور قوانین کی پابندی تھا۔ شریعت کی حدود تورات میں قائم کر دیں۔ حضرت موسیٰؑ عشق کی شدت کا مظہر ہے کہ میں دیکھوں گا (اللہ کو) اور کلیم اللہ ہوئے۔ حضرت عیسیٰؑ کا رنگ طریقت کا مظہر ہے۔ محبت، عجز وانکساری کا پیکر۔ حضور ﷺ محبوبیت کا پیکر بنے، خلق کیلئے رحمت عالم ہو کر مبعوث ہوئے۔ کلمہ طیبہ کی تکمیل ہوئی رسول اللہ کہلائے۔ اسلام انہی رحمتوں کا سبق دیتا ہے اور دوسرے مذاہب پر سبقت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غضب پر سبق لے گئی) اسی رحمت کے صدقے بھٹکے ہوئے بھی نظر کرم سے محروم نہیں رہتے۔ (الاعراف ۱۵۶ میں فرمایا) و رحمتی .... کل شئی ☆ (ترجمہ) ''میری رحمت ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے۔''

جنہوں نے نبی ﷺ پاک کا دامن رحمت تھام لیا، انوار سے نوازے گئے۔ یہ دین حنیف ہے۔ ابراہیمؑ کا طریقہ (البقرہ ۱۳۵) قل بل .... مشرکین ☆ (ترجمہ) ''ان سے کہو بلکہ ہم ملت ابراہیم کی پیروی کرتے ہیں جو حق پرست تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔'' سورہ الانعام ۱۶۱ میں بھی ابراہیمؑ کے طریقے کو سیدھا راستہ کہا گیا ہے جو ابراہیمؑ کا طریق تھا۔ سورہ النحل ۱۲۳، میں حضرت ابراہیم کے طریقے پر چلنے کا حکم فرمایا۔ ثم اوحینا .... من المشرکین ☆ (ترجمہ) ''پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یک سو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا''۔

اصل شرع اللہ اور اس کے رسول سے محبت کا انداز ہے اور جس سے محبت کی جائے اس کی فرمانبرداری بھی لازم ہے۔ اللہ کے قرب کا راستہ اس کی خلقت سے لگاؤ کا راستہ ہے۔ بقول اقبالؒ۔

میں اسکا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اگر مخلوق سے محبت کا انداز ہی نہ اپنایا تو ارتقائے باطنی کیسے ہو۔

اسلام روحانی اور مادی پہلوؤں کا میزان ہے۔ نفس، قلب اور روح کو میزان میں لا کر انسان اپنا صحیح مقام پا سکتا ہے۔ ایسی ذات عالم وجود میں صرف ایک ہی گزری ہے'' حضور ﷺ

Marfat.com

کی ذاتِ اقدس' ہر رنگ میں' ہر روپ میں میزان رکھ کر الا اللہ کے رموز میں بسنے والی۔

اللہ کی نازل کردہ کتاب:

آیئے اب قرآن الحکیم کے نزول اور اس کی حفاظت کے بارے میں کچھ بات ہو جائے۔ قرآن الحکیم اللہ کا کلام ہے جو وحی کے ذریعہ سے حضور ﷺ پرنور پر نازل فرمایا گیا۔ اس سے پہلے نازل ہونے والے صحیفے بھی منجانب اللہ اسی علم سے عبارت ہیں۔ قرآن الحکیم' آخری اور سب سے مفصل صحیفہ ہے۔ (حٰم السجدہ ۲'۳) تنزیل .... یعلمون ☆ (ترجمہ) ''یہ خدائے رحمان رحیم کی طرف سے نازل کردہ چیز ہے' ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ عربی زبان کا کلام ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں۔'' سورہ یوسف کی آیہ ۲ میں بھی قرآن الحکیم کے عربی زبان میں نازل کرنے کی حکمت بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا تا کہ وہ سمجھ سکیں اور پھر جو رسول بھی بھیجے گئے بشر تھے تا کہ وہ اپنے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں اور معلم کی حیثیت سے اس کی تعلیم دیں۔ (سورہ النحل ۴۳'۴۴ میں فرمایا) ومآ ارسلنا .... یتفکرون ☆ (ترجمہ) ''اے محمد ﷺ ہم نے تم سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں آدمی ہی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کرتے تھے۔ اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔ پچھلے رسولوں کو بھی ہم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا' اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح اور توضیح کرتے جاؤ جو ان کیلئے اتاری گئی ہے اور تا کہ لوگ غور و فکر کریں۔'' سورہ الانبیاء آیہ ۷'۸ میں بھی تقریباً یہی مضمون ہے' اس اضافے کے ساتھ یعنی کہ رسول بشریت کے تقاضے کے تحت کھاتے پیتے تھے اور سدا جینے والے نہ تھے۔ سورہ الکہف میں قرآن الحکیم کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل کی جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں۔ قرآن رحمت و شفا ہے یہ بلند پایہ کتاب جہالت کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لیجاتی ہے اپنے رب کی توفیق سے اس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے (ابراہیم آیہ ا)۔

Marfat.com

کفار اور مشرکین قرآن الحکیم کو الہامی کتاب ماننے کو تیار ہی نہ تھے۔ حضور ﷺ پر بہتان باندھتے تھے کہ کہیں سے سیکھ کر ہمیں بتاتا ہے۔ اس ضمن میں پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے (الطارق ۲۱، ۲۲) بل ھو.......... محفوظ ☆ (ترجمہ) ''بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے، اس لوح میں (نقش ہے) جو محفوظ ہے''۔ لوح محفوظ سے اس کا نزول دو مرتبہ ہوا، پہلا نزول آسمان دنیا کے بیت المعمور پر جو کعبۃ اللہ کے محاذات میں آسمان میں فرشتوں کی عبادت گاہ ہے۔ دوسری مرتبہ یہ تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت حضور ﷺ پر نازل فرمایا گیا۔ یہ سلسلۂ وحی تقریباً ۲۳ سال جاری رہا۔ (سورہ بنی اسرائیل ۱۰۶) وقرآنا.......... تنزیلاً ☆ (ترجمہ) ''اور اس قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کو سناؤ اور اسے ہم نے بتدریج اتارا ہے''۔

نزول قرآن کے سلسلے میں کفار طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے کہ ایک ہی دفع مجلد صورت میں کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب کی شکل میں کیوں نہ نازل ہوا۔ اگر ایسا بھی ہوتا تو بھی نہ ماننے والے اس پر اعتراض کرتے۔ اللہ نے ہر اعتراض کی نفی کر دی ہے کہ یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں ہے، نہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے۔ (الفرقان ۳۲، ۳۳)۔

سب سے پہلی وحی لیلۃ القدر کی رات غار حرا میں نازل ہوئی اس کے بعد کچھ عرصہ وحی کا عرصہ 'فترۃ' رہا پھر یہ سلسلہ ۲۳ سال پر محیط رہا۔ قرآن کے احکامات بتدریج نازل فرمائے تاکہ اہل ایمان کو ان پر عمل کرنے میں آسانی ہو۔ اگر سارا قرآن ایک دفع نازل ہو جاتا تو اس کا یاد رکھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا مشکل ہو جاتا۔ امام رازیؒ نے قرآن کے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمانے کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) حضور ﷺ اُمی تھے لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا تھا، آپ جاہل نہ تھے۔ اگر سارا قرآن جو کہ طویل ترین صحیفہ ہے یک بارگی نازل فرمایا جاتا تو اسکا یاد رکھنا اور کتابت کروانا مشکل ہوتا۔ حضرت موسیٰؑ پڑھنا لکھنا جانتے تھے اس لیے تورات لکھی ہوئی صورت میں نازل فرمائی گئی۔ ویسے بھی یہ صحیفہ قرآن کے مقابلے میں بہت ہی مختصر تھا۔

Marfat.com

(۲) ایک ہی دفعہ نازل ہونے کی صورت میں تمام احکامات فوراً لازم ہو جاتے اور ان پر عمل بہت مشکل ہو جاتا۔ اس کا بتدریج نازل ہونا امتیوں کیلئے سہولت فراہم کرتا ہے کہ وہ احکامات الٰہی کو روزمرہ کی زندگی کا حاصل بنالیں۔

(۳) حضور ﷺ نبی کریم بڑی آزمائشوں سے گزرتے رہے۔ جبرائیلؑ کا بار بار وحی لیکر آنا آپ ﷺ کے لیے باعث تقویت ہوتا تھا۔

قرآن الحکیم میں دو قسم کی آیات یا سورتیں ہیں' ایک وہ جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں' کسی واقعے یا سوال کا جواب میں نازل نہیں ہوئیں۔ دوسری وہ آیات ہیں جو کسی خاص واقعہ یا کسی سوال کے جواب میں نازل ہوئیں مثلاً سورہ یوسف' سورہ الکھف' سورہ مجادلہ۔ قرآن الحکیم کی سب سے پہلی نازل ہونے والی آیات سورہ علق کی پہلی پانچ آیات ہیں جو اقراء سے شروع ہوئیں۔ یعنی پڑھو۔ یہ آیات غار حرا میں لیلۃ القدر کی رات نازل ہوئیں۔ ان آیات کے بعد وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کیلئے بند رہا۔ یہ عرصہ بعض مفسرین کے مطابق ۳ سال پر محیط تھا اور بعض کے مطابق اس سے کم عرصہ تھا۔ پھر سورہ المدثر کی آیات نازل ہوئیں پھر یہ سلسلہ ۲۳ سال تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ دین مکمل ہو گیا اور وحی کا سلسلہ تا قیامت بند ہو گیا۔

بعض اوقات جبرائیلؑ امین ایک آیت یا اس کا ایک جز لیکر تشریف لاتے اور بعض مرتبہ کئی کئی آیات یا پوری سورہ یکبارگی نازل ہو جاتیں۔ سورہ الانعام ایک ہی مرتبہ نازل فرمائی گئی۔ قرآن کا سب سے چھوٹا حصہ جو نازل ہوا وہ سورہ النساء کی آیت ۹۵ کا حصہ ہے یہ غیـــر و الوی الضرر ہے۔

قرآن کی کچھ آیات مکی اور کچھ مدنی ہیں۔ مکی آیات سے مراد وہ آیات یا سورتیں ہیں جو نبی پاک ﷺ کے مدینہ المنورہ ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہوئیں اور مدنی آیات یا سورتیں وہ ہیں جو حضور ﷺ کے مدینہ المنورہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سے مراد فقط شہر مکہ یا مدینہ نہیں ہے بلکہ اصل فرق مکی اور مدنی دور کا ہے۔ ہجرت سے قبل جو آیات مکہ کے باہر یا سفر کے دوران نازل ہوئیں انکو بھی مکی شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہجرت کے بعد سفر کے دوران مدینے سے سینکڑوں میل دور مقامات پر نازل ہوئیں وہ مدنی سورتیں کہلائیں۔ بعض سورتوں کی ایسی

Marfat.com

صورت حال ہے کہ زیادہ تر آیات مکی ہیں مگر چند آیات مدنی بھی اس میں آ گئی ہیں مثلاً سورہ اعراف۔اسی طرح سورہ الحج مدنی ہے مگر اس میں چار آیات مکی ہیں۔

مکی و مدنی سورتوں کی کچھ خصوصیات:

(۱) مکی دور کی سورتوں میں لوگوں سے خطاب یاایھا الناس یعنی اے لوگو کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے یہ آفاقی دعوت حق سب انسانوں کیلیے ہے۔

(۲) مکی سورتوں میں توحید، رسالت اور آخرت اور پچھلی امتوں کے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۳) مدنی سورتوں میں احکامات، قوانین معاشرت، معیشت، جہاد اور حدود کی تقاریر ہیں۔

(۴) کلا کا لفظ صرف مکی سورتوں میں آیا ہے جو ۳۳ مرتبہ ۱۵ سورتوں میں آیا ہے۔

(۵) سجدے کی آیات مکی سورتوں میں آئی ہیں۔

(۶) ہر آیت جس میں منافقوں کا ذکر ہے مدنی ہے (معارف القرآن جلد اول صفحہ ۲۷)

اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مکی دور میں چونکہ واسطہ بت پرستوں اور کفار سے تھا اس لیے عقائد کی تصلیح، شرک کی نفی کا ذکر ان سورتوں میں خاص طور پر کیا گیا ہے۔ جب مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست قائم ہوگئی، مسلمانوں کی اچھی خاصی جماعت تیار ہو چکی اور لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے تو نظام عدل پر مبنی ایک صاف ستھرا، متوازن اور اعلیٰ اخلاق کے حامل معاشرہ کے قیام کیلیے زندگی کے ہر شعبے کے متعلق قوانین اور ضوابط مدنی سورتوں میں نازل فرما دیے گئے۔

حفاظت قرآن:

قرآن الحکیم واحد صحیفہ ہے جو نزول سے لیکر آج تک تحریف سے محفوظ رہا ہے اور قیامت تک رہے گا۔قرآن الحکیم کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے۔(سورہ الحجر آیہ ۹ میں فرمایا)

15482

Marfat.com

انا نحن ....لحافظون ☆ (ترجمہ) ''بے شک اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔ سورہ الواقعہ کی آیات ۷۷ تا ۷۸ میں قرآن الکریم کے بارے میں فرمایا گیا ہے ''کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے ایک محفوظ کتاب میں ثبت'' یعنی یہ ایک نوشتہ ہے جو لوح محفوظ میں چھپا کر رکھا گیا ہے اور حضور ﷺ پر نازل ہونے سے پہلے یہ نوشتہ تقدیر میں ثبت ہو چکا ہے۔ یہ ہر مخلوق کی پہنچ سے بالاتر ہے اور اس کے اندر کسی ردوبدل کا امکان نہیں ہے۔ سورہ البروج آیہ ۲۱'۲۲ میں بھی یہی بات فرمائی گئی ہے۔

حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ابتداء ہی میں حفاظت قرآن اور اس کی کتابت کا بندوبست فرمایا گیا۔ جب وحی نازل ہوتی تو حضور ﷺ نبی کریم وحی کے الفاظ دہرانے لگتے مبادا کہیں بھول نہ جائیں اس ضمن میں حضور ﷺ کو بتادیا گیا کہ وحی کے نزول کے وقت آپ کو جلدی جلدی دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا حافظہ دے گا کہ آپ نہیں بھولیں گے۔ سورہ القیامہ ۱۶ اور ۱۷ میں' سورہ الاعلیٰ آیہ ۶ اور طٰہٰ آیہ ۱۱۴ میں حضور ﷺ کو یہی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ قرآن سب سے پہلے آپ کے سینہء مبارک میں محفوظ فرمادیا گیا۔ ہر سال رمضان المبارک میں حضور ﷺ نے جبرائیلؑ امین کو سنایا اور آخری سال دو مرتبہ سنایا۔

نبی ﷺ پاک صحابہ کرام کو بھی قرآن یاد کراتے اور اس کی تفسیر بھی بیان فرماتے۔ صحابہ کرامؓ کو قرآن حفظ کرنے کا بڑا شوق تھا۔ تھوڑی مدت میں حفاظ کی بہت بڑی جماعت تیار ہوگئی۔ یہ اس لیے بھی ممکن ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کو حافظے کی بڑی قوت عطا فرمائی ہے۔

حفظ قرآن کے علاوہ قرآن الحکیم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام کیا گیا۔ حضرت زید بن حارثؓ حضور ﷺ کیلئے وحی کی کتابت فرماتے' پھر پڑھ کر سناتے کہ کہیں کوئی فروگذاشت تو نہیں ہوئی۔ کچھ اور صحابہ کرامؓ بھی کتابت وحی کا کام سرانجام دیتے جن میں خلفائے راشدینؓ حضرت ابی ابن کعبؓ ' حضرت زبیر بن عوامؓ ' حضرت معاویہؓ ' حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ' حضرت خالد بن ولیدؓ ' حضرت ثابت بن قیسؓ ' حضرت ریان بن سعیدؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (معارف القرآن جلد اصفحہ ۳۷)

لکھواتے وقت نبی ﷺ پاک ہدایت فرماتے کہ فلاں آیت فلاں سورت میں فلاں

Marfat.com

جگہ لکھی جائے اس طرح قرآن الحکیم کی آیات پتھروں کی سلوں' چمڑے' کھجور کی شاخوں' بانس کے ٹکڑوں' درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی رہیں۔ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے' جو اس دور میں کمیاب تھے' بھی اس کام کیلئے استعمال کیے گئے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں قرآن کتابی صورت میں نہیں بلکہ متفرق پارچوں کی صورت میں تحریر تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں قرآن کو یکجا کر کے محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جنگ یمامہ میں جب حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی تو یہ خطرہ بھانپ لیا گیا کہ اگر جنگوں میں حفاظ کی شہادت اسی طرح ہوتی رہی تو کہیں قرآن الحکیم کا کوئی حصہ ناپید نہ ہو جائے۔ اتفاق رائے سے جمع القرآن کا کام شروع کر دیا گیا۔ یہ کام حضرت زید بن ثابتؓ کو سونپا گیا۔ چنانچہ ہر جگہ سے قرآنی آیات جمع کی گئیں اور حفاظ کی مدد سے حضور ﷺ کی ترتیب کے مطابق لکھی گئیں۔ جب کوئی لکھی ہوئی آیت زید بن حارث ﷺ کے پاس لیکر آتا تو آپ اس کی تصدیق کرتے تھے' پہلے اپنے حافظہ سے پھر حضرت عمرؓ کے حافظہ سے' پھر دو گواہوں کی شہادت سے کہ یہ آیت حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی۔ پھر لکھی ہوئی آیتوں کا صحابہ کرام کے لکھے ہوئے مجموعوں سے مقابلہ کرتے۔ اس طرح قرآن جمع کر کے کاغذ کے صفحات پر منتقل کیا گیا۔ اور حضور نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق رقم کیا گیا۔ یہ صحیفے حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہے اور آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس اور آپ کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس منتقل کر دیئے گئے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں چار صحابہ کی ایک جماعت بنائی گئی جو حضرت زید بن ثابتؓ' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ' حضرت سعد بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمان بن حارث بن حشامؓ پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں نے دوسرے صحابہ کرامؓ کی مدد سے قرآن الحکیم کا ایک معیاری مجلد نسخہ مرتب کیا۔ ایسے سات نسخے تیار کیے گئے' ایک مکہ مکرمہ' ایک شام' ایک یمن' ایک بحرین' ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا۔ ایک نسخہ مدینہ منورہ میں محفوظ رکھا گیا۔ اس کے بعد تمام دوسرے نسخے ضائع کر دیئے گئے۔

Marfat.com

چونکہ قرآن پہلے حفظ کیا جاتا رہا اس لیے نقطے اور حرکات زیر زبر وغیرہ لگانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس کے علاوہ اہل عرب' جن کی زبان عربی تھی' قرآن کو بغیر علامات کے پڑھ سکتے تھے۔ جب اسلام دور دراز عجمی علاقوں میں پھیلا تو صحیح قرات کے لیے نقطے اور حرکات لگادی گئیں۔ قرآن کو سات منزلوں میں تقسیم کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام قرآن الحکیم کی تلاوت ایک ہفتے میں ختم کر لیتے تھے۔ قرآن کی تیس پاروں میں تقسیم بھی صرف پڑھنے کی سہولت کے لحاظ سے کی گئی۔ قرآن الکریم میں رکوع کی علامت رائج ہے جو مضمون کے لحاظ سے متعین کی گئی ہے۔

حضور ﷺ نے نہ صرف قرآن لوگوں تک پہنچایا بلکہ اسکی تعلیم بھی دی۔ یہ مومنوں پر احسان عظیم ہے' خدائے بزرگ و برتر کا۔ (سورہ آل عمران آیہ ۱۶۴ میں فرمایا گیا ہے) لقد من ......مبین ☆ (ترجمہ) ''اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے' ان کی زندگیاں سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے''۔

ایک حدیث قدسی ہے کہ ''اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں یہ افلاک (کائنات) پیدا نہ کرتا'' کائنات کا خلاصہ انسان ہے اور انسانیت کا خلاصہ انبیاء کریم اور رسل ہیں اور تمام نبیوں اور رسولوں کے سرتاج نبی کریمؐ ہیں' اللہ کی تخلیق کا نقطۂ عروج۔ سورہ الاحزاب آیہ ۷ میں جہاں نبیوں کے عہد لینے کا ذکر ہے' حضور ﷺ کا اسم مبارک پہلے رکھا گیا ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے اس کی ترجمانی یوں فرمائی ہے۔

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

قرآن الکریم بندوں کے نام اللہ کا مکتوب ہے' یہ ذکر اللہ ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ مومن کے صرف ایک سبحٰن اللہ' الحمد للہ یا اللہ اکبر کہنے سے آسمان و زمین کے درمیان ساری فضا اس سے بھر جاتی ہے۔ نیز فرمایا کہ میں ساری کائنات میں کہیں نہیں سماتا مگر مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔ یہ مومن کے دل کی وسعت کو متشرح کرتی ہے۔

Marfat.com

حدیث مبارک ہے ''خیر کم من تعلم القرآن و علمه ☆(ترجمہ) ''تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جس نے قرآن کو پڑھا اور پڑھایا'' حضرت عباسؓ کا قول ہے کہ قرآن کو تھوڑا تھوڑا پڑھو مگر سمجھ کے پڑھو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ابوذرؓ سے فرمایا ''یا اباذر لان تغدو و تتعلم آیة من القرآن خیر لک من ان تصلی مائة رکعة ☆(ترجمہ) ''اے ابوذر اگر صبح اٹھ کر قرآن پاک کی ایک آیت (علم و فکر کے ساتھ) سیکھ لو تو یہ تمہارے لیے سو رکعت نماز سے افضل ہے۔'' (ابوداؤد) (ا ج ا ص ۴۸)

قرآن نور ہدایت ہے۔ یہ بیماروں کیلئے روحانی اور جسمانی شفا ہے۔ (سورہ یونس آیہ ۵۷ میں فرمایا) یا ایھا الناس..........للمومنین ☆(ترجمہ) ''لوگوں تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کیلئے راہنمائی اور رحمت ہے'' ۔ سورہ بنی اسرائیل آیہ ۸۲ میں بھی فرمایا گیا ہے وتنزل..........الاخسارا ☆(ترجمہ) ''ہم اس قرآن کے سلسلہء تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کیلئے تو شفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کیلئے خسارے کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔'' قرآن الحکیم پر نظر ڈالنا بھی نیکی ہے اور ناظرہ پڑھنا بھی ثواب ہے مگر سمجھ کر تفسیر کے ساتھ پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ قرآن الحکیم کے آداب ملحوظ رکھ کر پڑھنے سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ طہارت اور وضو کے ساتھ ہر حرف پر ۲۵ نیکیاں اور اگر نماز میں تلاوت کی جائے تو پچیس کی بجائے ۵۰ نیکیاں ملتی ہیں۔ قرآن کو خوش الحانی سے اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔

یاایھاالذین آمنوا سے شروع ہونیوالی آیات:

قرآن الحکیم نبی پاک ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ اس مصحف میں کل ۱۱۴ سورتیں ہیں جن میں سے ۸۶ مکی سورتیں ہیں اور ۲۸ مدنی ہیں۔ قرآن الحکیم میں کل ۵۵۸ رکوع اور ۶۲۳۶ آیات ہیں۔ مکی سورتوں میں آفاقی دعوت کا رنگ ہے اور خطاب یا ایھا الناس کہہ کر فرمایا گیا ہے۔ مدینۃ المنورہ میں ہجرت کے بعد مسلمانوں کی اچھی خاصی جماعت بن گئی تھی اس لیے

Marfat.com

خطاب یا ایھا الذین آمنوا کہہ کر کیا گیا ہے۔ ان آیات میں کہیں اسکے مخاطب سچے اہل ایمان ہیں اور کہیں مسلمانوں کی جماعت بحیثیت مجموعی مخاطب ہے جس میں مومن' منافق اور ضعیف الایمان لوگ شامل ہیں کہ بظاہر منافق اور ضعیف الایمان لوگ بھی مومن ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ انکو شرم دلانا مقصود ہے کہ تمہارا دعویٰ کچھ ہے اور حرکتیں کچھ اور ہیں جبکہ ذات باری نے ایمان والوں کیلئے راہیں متعین کر دی ہیں جو انکے ظاہر و باطن کو نکھارتی ہیں۔ (ت ج ۴ ص ۱۳۴' سورہ الاحزاب حاشیہ ۱۱۸)

ایمان والوں سے خطاب والی کل ۸۸ آیات ہیں جو سب مدنی ہیں۔ ان آیات کا حوالہ فہرست کی شکل میں کتاب کے آخر میں دیا گیا ہے۔ ان آیات میں جو ہدایات دی گئی ہیں انمیں متفرق موضوع ہیں۔ انمیں حرمت رسول ﷺ' عبادات' معاملات' مساوات' مروت' دوستی' ضبط نفس' حق گوئی' ایفائے عہد' والدین کا احترام اور اطاعت' معاشی اور معاشرتی مضامین کو سمودیا گیا ہے۔ ان آیات میں ایک ترتیب ہے۔ سب سے پہلی آیت جس میں ایمان والوں کو مخاطب کیا گیا ہے، حرمت رسول کے بارے میں ہے۔ یہی نقطہء ایمانی ہے۔ حضور کے نام سے کلمہ طیبہ کی تکمیل ہوئی۔ محمدؐ جو اللہ کے بھیجے ہوئے آخری رسول ہیں' ان کی عظمت اور اطاعت میں ذرا ذرا سی بات کا خیال ہی مومن کا شعار ہے۔ گستاخ رسول مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ زبان کی حفاظت اس معاملے میں لازمی ہے۔ سورہ البقرہ آیہ ۱۰۴ کے علاوہ قرآن الحکیم میں کئی اور مقامات پر حرمت رسولؐ کے بارے میں احکامات جاری فرمائے ہیں۔ سوورہ الحجرات میں اس بارے میں خاص ہدایات دی گئی ہیں۔ یا ایھا الذین آمنو سے شروع ہونیوالی آخری آیت سورت التحریم کی آیت ۸ ہے۔ اس میں خالص توبہ سے برائیاں دور ہونے اور جنت میں داخلے کی بشارت ہے۔ یعنی خدائے بلند و برتر نے ان خصوصی آیات میں بات اپنی رحیمی کریمی پر ختم کی ہے کہ مومن چاہے کتنا ہی متقی ہو پھر بھی خطا سے بری نہیں ہے اور سچی توبہ اس کا علاج ہے۔ رب کریم معاف فرمائے گا اور آخرت بھی سنوار دے گا۔

ان آیات میں حقوق اللہ میں حقوق العباد کا بھی کوئی نہ کوئی پہلو نکل آتا ہے۔ رزق حلال' نماز' زکوٰۃ' غریبوں' مسکینوں اور یتیموں سے عملی ہمدردی ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

Marfat.com

ایک اچھا عمل دوسرے اچھے عمل کو تقویت دیتا ہے۔ ان سب ہدایات کی جہت ایک ہی ہے۔ اپنے اندر فکر و عمل کی توحید پیدا کرنا ہے تاکہ انفرادی طور پر شخصیت کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ایک معتدل اور صالح معاشرہ وجود میں آئے۔

ان آیات کی جامعیت انکا حسن ہے۔ یہ آیات خصوصی اہمیت کی حامل ہیں' یوں تو مومن کیلئے قرآن کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہونا ہے جو ان آیات میں آئے ہیں اور جو ان آیات کے علاوہ ہیں۔ یہاں اس کتاب میں ان خصوصی آیات کی تشریح کی گئی ہے۔ ان آیات کے ساتھ قرآن الحکیم میں دوسری جگہ جہاں ان موضوعات پر آیات نازل ہوئی ہیں' انکو بھی شامل کر لیا گیا ہے تاکہ اس طرح اس موضوع کی اہمیت واضح ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

باب دوئم

ایمان اور اہل ایمان

ایمان:

زیر بحث آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب فرمایا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ ایمان کیا ہے اور اہل ایمان کی صفات کیا ہیں۔

ایمان کسی چیز کو دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔ دل کے ساتھ زبان سے اقرار اور فرمانبرداری کا اظہار بھی ضروری ہے۔ ایمان بدوں اسلام اور اسلام بدوں ایمان معتبر نہیں۔ سورہ البقرہ آیت ۲۸۵ میں فرمایا آمن الرسول...... المصیر ☆ (ترجمہ) ''رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور انکا قول یہ ہے کہ ''ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے ہیں' ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کر لی۔ مالک ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔''

مذکورہ بالا آیت میں اسلام کے بنیادی عقائد بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ اسلام میں داخل ہونے کیلئے ایمان بالغیب یعنی اللہ' فرشتوں اور آخرت پر ایمان' حضورؐ سے پہلے آنے والے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا ہے اور بلا چوں چراں ہر حکم کی پابندی کرنی ہے تا کہ یوم حساب خطا بخشی ہو سکے۔

آل عمران کی آیت ۸۴ میں اسی بات کی وضاحت فرما دی گئی ہے۔ فرمایا قل آمنا ...... مسلمون ☆ (ترجمہ) ''اے نبی ﷺ کہو کہ ''ہم اللہ کو مانتے ہیں' اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے' ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ' یعقوبؑ اور اولاد یعقوب پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے

Marfat.com

پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں۔ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے تابع فرمان (مسلم) ہیں'' یعنی کہ تمام رسولوں پر اور ان کی تعلیمات جو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں ایمان کی شرط ہے ہم کسی نبی کو جھوٹا یا سچا کہنے کے مجاز نہیں۔ ہر اس راہبر پر جس کا قرآن میں نام لیا گیا ہے اور جس کا نام نہیں بھی لیا گیا' جس عہد یا علاقے میں وہ ہدایت لے کر آیا' پر ایمان رکھتے ہیں۔سورہ النساء آیت ۱۳۶ میں بھی ایمان کے بارے میں تقریباً یہی باتیں فرمائی گئی ہیں۔ نہ ماننے والے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ایمان بالسان بالقلب اور بالعمل سچے مومن کا چلن ہے۔مختلف احادیث میں بھی ایمان کی وضاحت کردی گئی ہے۔

حدیث ۴۷ البخاری' کتاب لایمان باب سوال جبرائیلؑ النبیؑ 'اس حدیث مبارکہ میں ایمان اور اس کے فضائل کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرتؐ لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پاک کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ اور اس کے فرشتوں پر اور اللہ کی ملاقات برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ پھر اس نے پوچھا اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے پھر جواب دیا کہ اسلام یہ ہے کہ تم خالص اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ فرض ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو' پھر اس نے احسان کے بارے میں پوچھا' آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو' اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو پھر یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا اس بارے میں جواب دینے والے سے پوچھنے والا کچھ زیادہ نہیں جانتا (البتہ) میں اس کی نشانیاں بتا سکتا ہوں وہ یہ ہیں کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور جب سیاہ اونٹوں کے چرانے والے (دیہاتی لوگ ترقی کرتے کرتے) مکانات کی تعمیر میں ایک دوسرے سے ترقی لے جانے کی کوشش کریں گے۔ (یاد رکھو) قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر نبی کریمؐ نے سورہ لقمٰن کی آیہ ۳۴ پڑھی ان اللہ ...... علیم الخبیر ☆ (ترجمہ) ''سمجھ رکھو کہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے' وہی بارش نازل فرماتا ہے' اور ماں کے پیٹ میں جو کچھ

Marfat.com

ہے اسے جانتا ہے' کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کچھ کرے گا' نہ کسی کو معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا۔ یاد رکھو اللہ پورے علم والا ہے اور صحیح خبروں والا ہے'' پھر وہ پوچھنے والا پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ جبرائیلؑ تھے جو لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے (اللؤلو والمرجان' کتاب الایمان صفحہ ۳۵'۳۶)

کلمہء طیبہ کے دو جز ہیں ایک کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے یعنی اللہ جو نہیں دِکھتا اور دوسرا اللہ کا رسولؐ جو دِکھتا ہے۔ پورا کلمہ طیبہ اسلام میں داخلے کا اعلان ہے۔ حضرت میتب بن حزنؓ نے بیان کیا کہ جب ابو طالب' کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے' دیکھا کہ ان کے پاس اس وقت ابو جہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی' امیہ بن مغیرہ موجود تھے۔ آپؐ نے ابو طالب سے فرمایا کہ چچا آپ ایک کلمہ لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کہہ دیجئے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کلمہ کی وجہ سے آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔ اس پر ابو جہل اور عبداللہ بن ابی نے کہا ابو طالب کیا تم اپنے باپ کے دین سے پھر جاؤ گے''؟ حضورؐ برابر کلمہ اسلام ان پر پیش کرتے رہے اور ابو جہل اور عبداللہ بھی اپنی بات دُہراتے رہے۔ آخر ابو طالب کی آخری بات یہ تھی کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر ہیں۔ انہوں نے لا الہٰ کہنے سے انکار کر دیا۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ کیلئے استغفار کرتا رہوں گا تا آنکہ مجھے منع نہ کر دیا جائے اس پر سورہ التوبہ کی آیت ۱۱۳ نازل ہوئی۔ فرمایا' **ماکان للنبی ...... الجحیم** ☆ (ترجمہ) ''نبی کو اور ایمان والوں کو یہ لائق نہیں کہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں گو وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں' اس کے بعد کہ ان پر ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔'' (م ج ۴ ص ۱۷۴)

ایمان حضورؐ کی محبت کا نام ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہ ہوگا جب تک کہ اس کے دل میں اپنے والد اور اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو جائے'' (اللؤلو والمرجان ج ۱ ص ۴۸)

نافرمانیاں ایمان کو کم کر دیتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ نبی کریم نے فرمایا ''کوئی شخص جب زنا کرتا ہے تو عین زنا کرتے وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب کوئی شراب پیتا ہے تو عین شراب پیتے وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ

Marfat.com

مومن نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا'' کہا گیا اس کے بعد کون سا؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا'' کہا گیا پھر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ''حج مبرور'' (اللؤلؤ والمرجان ص ۵۷)

مندرجہ بالا حوالوں سے ایمان کے بارے میں جو بتایا گیا اس میں یہ بات واضح ہے کہ ایمان کی پہلی شرط لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار بالسان ہے اور یہ اسلام میں داخلے کا دروازہ ہے۔ کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ اللہ پر ایمان ہے' جو غیب میں ہے' مگر اپنی مخلوق میں عیاں ہے۔ علامہ اقبال نے رموز بے خودی میں اسلام کے بنیادی عقائد کی جو وضاحت فرمائی ہے اس میں توحید کو رکن اول قرار دیا ہے کہ یہی توحید فکر کو اجالتی ہے فرمایا۔

دین ازو حکمت ازو آئیں ازو
زور ازو قوت ازو تمکین ازو

نور بصیرت میں میاں عبدالرشید (مرحوم) فرماتے ہیں کہ توحید کا جلوہ عالموں کو ورطہء حیرت میں ڈال دیتا ہے اور عاشقوں کو قوت عمل سے معمور کر دیتا ہے۔ توحید کے سائے میں پست قد بلند و بالا شخصیت حاصل کر لیتا ہے۔ جو مٹی کی طرح بے قیمت ہو' توحید کی وجہ سے اکسیر کی مانند قیمتی ہو جاتا ہے۔ توحید اللہ تعالیٰ کی ذات کو بلا شرکت غیر' خالق اور مالک سمجھنا ہے اور اللہ سے شدید محبت' مکمل اطاعت' گہرا قلبی رابطہ قائم کرنا ہے۔ توحید سے اس کی رگوں میں خون بجلی بن کر دوڑنے لگتا ہے اور وہ اللہ کی راہ میں تیزی سے سرگرم ہو جاتا ہے۔ اسکے اندر سے خوف و شکست نکل جاتا ہے اور جذبہء عمل سے معمور ہو جاتا ہے یعنی کہ۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

اللہ کی احدیت' خالقیت' حکمت' قدرت اور کبریائی کے بعد دوسرا نام جو کلمہ طیبہ میں ہے وہ اللہ کے رسول کا ہے۔ تخلیق آدم کے وقت خیر اور شر دونوں اس میں رکھی گئیں۔ انسان خود اسکا اہل نہ تھا کہ کونسا عمل سعادت اور کونسا عمل شفاعت کا موجب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو اس راز سے آگاہ

Marfat.com

کرنے کے لیے مبعوث فرمایا کہ اتمام حجت ہو سکے۔ آخر میں حضورﷺ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا۔ آپ کی نبوت کو درجہ کمال پر پہنچایا' اور قرآن کا معجزہ عطا فرمایا۔ حضورﷺ نے شریعت کامل کی دعوت حق دی اور جن وانس کو اس کی پیروی کا حکم صادر فرمایا۔ یہی اطاعت عمل کی صورت میں مومن کو نکھارتی ہے اور حسن معاشرت کی بنیاد بنتی ہے۔

مومنوں کی صفات:

اللہ تعالیٰ نے جہاں ایمان کی تعریف فرمائی ہے وہاں ایمان والوں کی صفات کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ ان اعمال حسنہ کا ذکر فرمایا ہے جو مومن کی پہچان بن جاتے ہیں' جو مومن کی دین و دنیا سنوارتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ ہونے کا شرف بخشتا ہے اور جنت میں داخل فرماتا ہے۔ مومن اپنے اچھے اعمال کی وجہ سے نفس مطمئن کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ سورہ الفجر آیہ ۲۷'۲۸'۲۹'۳۰ میں اسی حال کا بیان ہے فرمایا کہ **یا ایھا النفس ...... جنتی** ☆ (ترجمہ)" (دوسری طرف سے ارشاد ہوگا) 'اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف' اس حال میں کہ تو (انجام نیک سے) خوش اور (اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔"

اس ضمن میں سورہ البقرہ کی آیہ ا تا ۵ میں متقی لوگوں کی صفات گنا دی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آخری کتاب کے احکامات کی پابندی فرماتے ہیں۔ فرمایا **الـــــــم** ☆ **ذالک ...... المفلحون** ☆ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں یعنی ایسی حقیقتوں پر جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہیں' جو انسان کے عمل میں نہ ہو اور نہ وہ آنکھ' کان' ناک' زبان یا ہاتھ کے ذریعے معلوم کر سکتا ہو' ایمان رکھتا ہو مثلاً اللہ کی ذات اور صفات' فرشتے' وحی' جنت دوزخ' یوم حساب' ہر نبی نے ان کی خبر دی اور اب حضور بھی اس کی خبر از روئے قرآن دے رہے ہیں۔

(۲) ایمان لانے کے ساتھ عمل صالح ہی اطاعت گزاری کی سند ہے۔ حقوق اللہ میں

Marfat.com

اقامت الصلوٰۃ دین کے ستون کا درجہ رکھتی ہے۔ نماز باجماعت ادا کرنا اجتماعی فلاحی نظام کا حصہ ہے۔ بدنی عبادت میں اور بھی اعمال ہیں مگر چونکہ نماز سب سے اہم ہے اس لیے یہاں اس کا ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(۳) اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرنیوالے مومن اسکے بندوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ جو بھی رزق عطا ہوا وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے اور اس میں سے اللہ کی راہ میں' اس کی اطاعت میں خرچ کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس میں زکوٰۃ' صدقات و خیرات شامل ہیں۔ مالی عبادات سب کی سب انفاق میں شامل ہیں۔

(۴) مومن اللہ کے صحیفوں پر جو بلاواسطہ وحی کے ذریعے حضورؐ سے پہلے آنیوالے نبیوں پر مختلف زمانوں مین نازل کیے گئے اور قرآن الحکیم جو نبی پاک ﷺ پر نازل کیا گیا' پر یقین رکھتے ہیں' یہ متقی لوگ قرآن کے نصاب پر چلنے والے ہیں۔ پہلے نبیوں کا ذکر ہے مگر بعد کا کوئی اشارہ نہیں اور یہ ختم نبوت کی شہادت کیلئے کافی ہے' حالانکہ قرآن الحکیم میں کئی دوسری جگہ بھی مسئلہ ختم نبوت اور وحی کے انقطاع کی شہادت ملتی ہیں۔

(۵) مومن یوم آخرت پر کامل یقین رکھتا ہے اور احتساب کے عمل اور جوابدہی پر کسی شک میں مبتلا نہیں ہوتا۔ دنیا کو امتحان گاہ تصور کرتا ہے تاکہ حیات ابدی کے لیے کوئی زادراہ حاصل کرلے۔ ایسے مومن ہی اللہ کی کتاب' قرآن الحکیم' سے پورے پورے مستفید ہوتے ہیں۔

سورہ المائدہ کی آیہ ۵۵'۵۶ میں بھی مومنوں کی تعریف فرمائی گئی ہے فرمایا انـمـا ....ھم غالبون ☆ (ترجمہ) ''تمہارے رفیق تو درحقیقت صرف اللہ اور اللہ کا رسولؐ اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے''

ان آیات مبارکہ میں مومنوں کی صفات واضح طور پر بیان فرمادی گئی ہیں۔ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہی نیک اعمال کی بنیاد ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرنیوالے اور رب ذوالجلال' وحدۂ لاشریک کے سامنے جھکنے والے اللہ کی جماعت بن جاتے ہیں۔ اللہ ان سے محبت

Marfat.com

کرتا ہے اور کبھی ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اور انہیں مغلوب نہیں ہونے دیتا۔ یہ لوگ ایمان اور اعمال صالح سے اللہ سے رابطے میں رہتے ہیں اور یہی رابطہ ان کو حوصلہ عطا کرتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہیں تم اپنا دوست بناؤ کہ نیکوکاروں کی صحبت باعث برکت ہے۔ یہی جماعت کے سفینے والے پار اترتے ہیں۔

سورہ مائدہ کی آیت ۹۳ میں مومنوں کے بارے میں فرمایا ہے یعنی کہ ایمان والے' نیک عمل کرنیوالے' حرام چیزوں سے بچنے والے' ثابت قدم رہنے والے، اطاعت گزار اور خداترس متقی بن جاتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے نیک کردار کے بل بوتے پر اللہ کے پسندیدہ ہو جاتے ہیں اور اللہ ان کو دوست رکھتا ہے۔

مومنوں کی صفات کا ذکر جہاں جہاں قرآن الحکیم میں کیا گیا ہے' کچھ باتوں کو دوہرایا گیا ہے اور کچھ اور صفات بھی شامل فرمادی گئی ہیں۔ سورہ الانفال آیت ۲'۳'۴ میں فرمایا انما المومنون......رزق کریم ☆ (ترجمہ) ''سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں' جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ انکے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں' قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔''

(۱) پہلی صفت خدا کا خوف ہے۔ یہ خوف ایسا نہیں جو کسی درندے کو دیکھ کر دل میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے ذکر سے سہم جاتے ہیں' اللہ کی جلالت سے۔ اسکے دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ یہ لوگ تقوی کے اس مقام پر ہوتے ہیں کہ یاد الٰہی انکو غلط کام کرنے سے روکتی ہے۔ یہ ایسا خوف ہے جس سے مومن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں اپنے آپ کو نئے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ اپنی مانوس عادتوں' مفادات' آسائشوں' محبتوں اور دوستیوں کو اللہ اور رسول کے فرمان کے مطابق بدل ڈالتے ہیں۔ ذکر اللہ انکے دلوں کو اطمینان بخشتا ہے۔ الرعد ۲۸' الا بذکر اللہ تطمعن القلوب۔

Marfat.com

(۲) دوسری صفت ایمان میں ثابت قدمی ہے۔قرآنی آیات کی تلاوت سے ان کے دل روشن ہو جاتے ہیں اور نیک اعمال ان کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔انکو ہر دم یہ خیال رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر کام سے باخبر ہے۔

(۳) مومن اللہ پر بھروسہ کرتا ہے یہ ایسا توکل نہیں جو کسی کام کی سعی سے روکے۔سارے مادی وسائل اور تدابیر بروئے کار لائے اور اس کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔ حضور کی حدیث مبارکہ ہے فرمایا ''اجملوا في الطلب وتوكلوا عليه ''یعنی اپنی حاجات کے حصول کیلئے مادی اسباب کے ذریعے کوشش کرو اور پھر معاملہ اللہ کے سپرد کر دو اور جو نتیجہ نکلے' خوش دلی سے قبول کر لو۔

(۴) اقامۃ الصلوٰۃ مومن کی لازمی صفت ہے۔نماز پورے آداب وشرائط وخلوص کے ساتھ نبی پاک ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے ادا کی جانی چاہیے۔صرف پانچ وقت کی حاضری مقصود نہیں ہے بلکہ ایسی حضوری سے پڑھی جائے کہ جیسے مومن اللہ کو دیکھ رہا ہے یا مومن کو اللہ دیکھ رہا ہے' نماز مشاہدہ جمال الٰہی ہے۔نماز تحریک اقامت دین ہے' پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونیوالے کے دل میں خشیت الٰہی گھر کر جاتی ہے اور وہ غلط کام کرنے سے رک جاتا ہے۔سورت عنکبوت آیہ ۴۵ میں یہی فرمایا گیا ہے اتل ما............ تصنعون ☆ (ترجمہ) ''اے نبیؐ تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو' یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑی چیز ہے۔اللہ جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔'' ذکر اللہ میں ہر نیک کام شامل ہے۔

(۵) مومن اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔اسی خرچ میں فرضی صدقات (زکوٰۃ) نفلی صدقات وخیرات' مسکینوں' معذوروں' ضعیفوں کی مالی امداد شامل ہے۔مومن کی یہ صفت اس کو مال کی محبت سے نکال دیتی ہے۔اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے۔

سورہ فاطر آیت ۲۹' ۳۰ میں مندرجہ بالا صفات کے حامل مومنوں کو اجر اور مغفرت کی نوید سنائی

Marfat.com

ہے۔ خالص مومن یہی لوگ ہیں جن کا ظاہر و باطن توحید سے آشنا ہوتا ہے۔ کلمہ طیبہ صرف زبان سے نہیں ادا کرتے' دل سے مانتے ہیں اور عمل صالح سے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایسے مومن کامل کیلئے اللہ تعالیٰ نے درجات عالیہ' مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا ہے۔ مومن جب اپنے اللہ سے قلبی رشتہ جوڑتا ہے۔ اپنی جسمانی عبادت اور مالی عبادت کا حق ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے اور اسکی خطاؤں سے درگزر فرما کر اس کی آخرت اچھی فرما دیتا ہے۔

سورہ التوبہ آیہ ۷۱' ۷۲ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے بارے ارشاد فرمایا۔ اب تک ایمان والوں کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اس میں مرد اور عورتیں دونوں سے خطاب ہے مگر ان آیات میں مومنات کہہ کر بات اور بھی واضح کر دی ہے کہ جو مومن عورتیں بھی ایسی صفات کی حامل ہوں گی انہیں بھی اعلیٰ درجات اور آخرت کی نعمتوں سے نوازا جائیگا۔ فرمایا والمومنون .... العظیم ☆ (ترجمہ) ''ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں' بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں' اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم اور دانا ہے۔ ان مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ ان صدا بہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

یہ وہ اہل ایمان ہوں گے جن کی آپس کی رفاقت دنیاوی غرض کے لیے نہیں اور نہ یہ رفاقت امارت' غربت' عربی عجمی' رنگ نسل' وطنیت و قومیت کی بنا پر ہوتی ہے۔ یہ دوستی تو خلوص اور ہمدردی کی بنا پر' خالص اللہ کی رضا کیلئے ہوتی ہے۔ سچے دوست وہی ہوتے ہیں جو مومن ساتھیوں کو وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کی تلقین کریں اور شیطان کی راہ پر چلنے سے روکیں اور بھلائی کے کاموں کی ترغیب دیں۔ ایسے بے غرض دوستوں کا آپس میں گہرا قلبی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی لوگ اللہ کے ہاں اجر عظیم سے نوازے جاتے ہیں۔ المومنون ۱ تا ۱۱ میں علاوہ نماز اور زکوٰۃ کے مومنوں کی کچھ اور بھی صفات شامل فرما دی ہیں۔ فرمایا قد افلح ...... خلدون ☆

Marfat.com

(ترجمہ) ''یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں' لغو باتوں سے دور رہتے ہیں' زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں' اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں البتہ جو اس کے علاوہ وہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنیوالے ہیں۔ اپنی امانتوں اور اپنے عہدو پیمان کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں' یہی لوگ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

یہاں فلاح سے مراد ہر نیک مراد کا پانا' ہر تکلیف سے نجات پانا ہے' ایسی فلاح جس کو بقا ہے' جہاں یعنی آخرت میں جنتیوں کی ہر خواہش پوری کی جائیگی' جہاں انہیں کوئی رنج وغم نہ ہوگا' کامل سکون اور مسرت ہوگی۔

یہ آیات مکی سورت کی ہیں جہاں سرداران قبائل' خوشحال اور اپنے کاروبار میں کامیاب تھے' اس ماحول میں ان لوگوں کا فلاح کا معیار صرف دنیاوی کامیابی تک محدود تھا اور وہ اپنی خوشحالی کو اس بات کی علامت خیال کرتے تھے کہ اللہ ان سے راضی ہے۔ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے کہ یہ دنیاوی نعمتیں جو ان کو ملی ہیں اللہ کی ربوبیت کا مظہر ہیں کہ رب تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کا رازق ہے۔ جن وانس کو روزی عطا فرماتا ہے چاہیے وہ مومن ہوں یا کافر۔ صاحب کردار مومن لوگ' اعلیٰ اخلاق کے حامل' آخرت کی پونجی کو چندروزہ دنیاوی آسائشوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

سورہ المومنون کی ان آیات میں جن سات صفات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:۔

(۱) یہ اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ سکون اور دلجمعی سے نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز میں ظاہری آداب ملحوظ رکھتے ہیں' نماز میں کوئی ایسی حرکت نہیں کرتے جیسے کپڑے درست کرنا' ادھر ادھر دیکھنا' اپنے کسی اعضا سے کھیلنا۔ نگاہ سجدہ گاہ پر مرکوز رکھتے ہیں' کسی غیر اللہ کے خیال کو نہیں آنے دیتے' آواز پست رکھتے ہیں۔ نبی پاک نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے۔ جب وہ دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشہ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں'' (رواہ احمد نسائی' وابوداؤد وغیرھم'

Marfat.com

مظہری)(م ج ۶ ص ۲۹۶)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو فرمایا یعنی اگر اسکے دل میں سکون ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا (مظہری)(م ۶ ص ۲۹۶) امام غزالیؒ کے مطابق خشوع کے بغیر نماز ادا نہ ہوگی۔ دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ نماز تو ادا ہو جائے گی مگر بے جان۔ خشوع نماز کی روح ہے اور قبولیت نماز کیلئے احسن ہے۔

مومن کی صفات میں نماز کو اولین درجہ حاصل ہے۔ قرآن الحکیم میں نماز کا سب سے زیادہ ذکر ہے۔ کل ۷۰۰ مرتبہ سے زائد ذکر ہے اسمیں بلا واسطہ ۲۰۰ مرتبہ ہے (سائبان رحمت ص ۹) نماز مومن کے کردار میں اہم وظیفہ کی حامل ہے۔ پانچ وقت فرض نماز میں اللہ کے سامنے پیش ہوتا اپنی عبدیت کا اقرار کرتا ہے اور اپنے خالق سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ باجماعت نماز مومن کے اندر ایک نظم اور اجتماعی تحریک پیدا کرتی ہے اور پابندی اوقات اور مساوات کا سبق سکھاتی ہے۔ دل اللہ کی یاد سے معمور ہو جاتا ہے اور برائیوں سے دور رہنے کی ترغیب ملتی ہے۔ سورہ العنکبوت ۴۵ میں اللہ کا فرمان ہے کہ اتل ما .... تصنعون☆ (ترجمہ) ''جو کتاب تم پر نازل کی گئی اس کی تلاوت کرتا رہ اور نماز قائم کر' بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے' اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

(۲) دوسری صفت جو مومنوں کو فلاح کے راستے پر ڈالتی ہے وہ فضول باتوں سے دور رہنا ہے۔ ایسی باتیں جو دینی فائدے کی نہ ہو' جو بے ضرورت اور بے مقصد ہوں۔ مومن کامل ایسی محفل سے دور رہتا ہے جہاں ٹھٹھے بازی ہو' گندہ مذاق ہو' غیبت اور بدزبانی ہو۔ مومن اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے' نہ وہ لغو باتیں سنتا ہے نہ ایسی باتوں میں حصہ لیتا ہے۔ مومن کیلئے اللہ کا فرمان بھی یہی ہے کہ جب کسی ایسی جگہ سے اس کا گزر ہوتا ہے جہاں لغو باتیں ہو رہی ہوں' لغو کام ہو رہا ہو' وہاں سے مہذب طریقے سے گزر جاتے ہیں (الفرقان آیہ ۷۲)۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے بارے میں بھی یہی فرمایا ہے

Marfat.com

کہ وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ (الواقعہ آیہ ۲۵) **لا یسمعون** .... **لا تاثیما** ☆

(۳) تیسری صفت زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہونا۔ زکوٰۃ کے معنی ہیں پاکیزگی اور نشوونما۔ زکوٰۃ مال کو پاک کرتی ہے اور تزکیہ نفس کا باعث بنتی ہے۔ نماز روحانی پاکیزگی کی طرف لے جاتی ہے جبکہ زکوٰۃ مال کی میل نکال دیتی ہے۔ اور ارشاد ربانی ہے کہ فلاح پائی اس شخص نے جس نے پاکیزگی اختیار کی (الاعلیٰ آیہ ۱۴) **قد افلح من تزکی** ☆

(۴) مومن اپنی نفسانی خواہشات کو ضابطے کے اندر رکھتے ہیں۔ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس سے دو مفہوم لیے جاتے ہیں' ایک جسم کے قابل شرم حصوں کی ستر پوشی اور دوسرا مطلب اپنی عصمت وعفت کی حفاظت ہے۔ اس حفاظت سے دو قسم کی عورتیں مستثنیٰ ٹھہرائی گئی ہیں ایک منکوحہ بیوی اور دوسری وہ عورت جو آدمی کی ملک ہو۔ ان سے ان کا کوئی پردہ نہیں اور ان کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق اپنی نفسانی خواہشات پوری کر سکتے ہیں اور ان پر کوئی ملامت نہیں۔ شرعی ضابطہ کے مطابق اپنی نفسانی خواہشات سے مراد کوئی دیگر صورت حلال نہیں ہے۔ ان دیگر صورتوں میں جو حرام ہیں انہیں زنا' عمل لوط' متاع ودیگر غیر فطری طریقے شامل ہیں۔ متاع کے بارے میں کچھ حضرات کا اختلاف ہے۔ اس کی حرمت خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ بعض فقہا اس کو صرف اضطراری حالت اور اشد ضرورت کی حالت میں جائز رکھتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ اس کے قائلین میں سے ہیں۔ وہ بھی اس مسلک کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "یہ تو مردار کی طرح ہے کہ مضطر کے سوا کسی کیلئے حلال نہیں۔" (ت ج ۳ ص ۲۶۶) اس مسلک سے صاحب ثروت لوگوں کیلئے بازار حسن کا شرعی دروازہ کھل جانے کا کوئی جواز نہیں۔ یہ متاع کی بگڑی ہوئی صورت اور اس کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی شرع میں ایسے کسی فعل کو مباح کرنے کی کوئی گنجائش نہیں جس سے عورت اپنے مقام سے گر جائے۔

(۶۵) امانتوں اور عہد کی پاسداری مومنوں کا خاصہ ہے' اور اس کے برخلاف منافق کی

Marfat.com

خصلت ہے۔ امانت سے مراد وہ تمام امانتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے یا معاشرے نے یا انفرادی طور پر ایک شخص نے دوسرے کے سپرد کی ہوں۔ عہد و پیمان میں سب سے پہلے وہ عہد ہے جو انسان نے روز ازل سے اپنے مالک سے کیا ہے ''الست بربکم قالو بـــــلا'' اس کے بعد وہ عہد ہے جو ایک قوم دوسری قوم کے درمیان ہو' پھر وہ عہد جو ایک قبیلہ یا گروہ دوسرے سے باندھتا ہے' اور پھر وہ عہد جو انفرادی طور پر ایک شخص دوسرے سے استوار کرتا ہے۔

امانتوں میں وہ سب قسمیں شامل ہیں جو حقوق اللہ یا حقوق العباد سے متعلق ہیں۔ ہر شخص جس کام پر معمور ہے اور اس کو اس کا معاوضہ دیا جاتا ہے' اس پر لازم ہے کہ وہ اس میں کام چوری نہ کرے مثلاً آجکل دفاتر میں کام کرنیوالے اوقات کار کے درمیان اپنے ذاتی کام کیلئے وقت نکال لیتے ہیں یہ امانت میں خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے وسائل کا غلط استعمال بھی خیانت ہے۔

سرکاری گاڑیوں کو ذاتی کاموں کیلئے استعمال کرنا اور سرکاری رقم کو خرد برد کرنا بھی خیانت ہے۔ کسی شخص کے پاس امانتاً رکھی ہوئی اشیاء کا واپس نہ کرنا یا اسکے بدلے ناقص چیز واپس کرنا اور ناپ تول میں کمی خیانت کے ذیل میں آتی ہیں۔ امانتوں کی اور عہد کی پاسداری جیسی صفات ایک مثالی معاشرہ کے بلند معیار کی ضامن ہوتی ہیں۔

مومن وعدہ بھی پورا کرتا ہے پہلے اپنے رب سے کیا گیا وعدہ یعنی اس کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے کہ اس کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں اور وہی پرورش کرنیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کے تقاضے پورے کرنے کیلئے وسیلے پیدا کرتا ہے۔ حالات کیسے بھی ناموافق ہوں مومن عہد نہیں توڑتے ۔ بے شمار مثالیں عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین اور اسکے بعد کے زمانے میں ہماری راہنمائی کیلئے موجود ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ آنیوالے صحابی کو حضور ﷺ نے واپس بھیج دیا کہ یہی معاہدہ ہوا تھا۔ اسی طرح تجارتی معاملات میں فریقوں کی رضامندی سے جو شرائط طے پا جاتی ہیں ان کا پاس رکھنا لازمی ہے۔ انفرادی سطح پر بھی عہد پورا کرنا ہے۔ کسی

Marfat.com

سے ملنے کا وعدہ' قرض کی ادائیگی کا وعدہ وغیرہ بھی نبھانا ہے۔ غیر معمولی حالات میں اگر ایک فرد اپنی کسی مجبوری کیوجہ سے وعدہ نہ نبھا سکتا ہو تو جس سے وعدہ کیا ہو اس سے معافی مانگ لے۔

حضور نے امانت اور عہد کی پاسداری کے بارے میں فرمایا ہے کہ "جو امانت کی صفت نہیں رکھتا وہ ایمان نہیں رکھتا اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا (بیہقی فی شعب الایمان' ت ج ۳ ص ۲۶۷)

بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "چار خصلتیں ہیں کہ جس میں وہ چاروں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ایک پائی جائے اسکے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے خیانت کرے' جب بولے تو جھوٹ بولے' جب عہد کرے تو توڑ دے' جب کسی سے جھگڑا کرے تو (اخلاق اور دیانت کی) ساری حدیں پھاند جائے" (ت ج ۳' ص ۲۶۷)۔ خیانت اور بدعہدی کرنیوالے مومنین کی جماعت سے نکل جاتے ہیں۔

(۷) ساتویں صفت نمازوں کی حفاظت ہے۔ اس سے پہلے نمازوں میں خشوع کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہاں نماز کی حفاظت کرنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ یہاں صلوٰۃ کا لفظ یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس سے مراد پانچ وقت کی نمازیں ہیں۔ یعنی ہر نماز مقررہ وقت پر پابندی سے ادا کی جائے، پورے آداب' ارکان واجزا کے ساتھ۔ نیت' طہارت کپڑوں کی اور جسم کی' وضو اور حضوری کا پورا پورا اہتمام کرنا ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں جو اہم مضامین ہیں وہ یہ ہیں کہ:۔

(۱) اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لا کر اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کریں تو دین و دنیا میں فلاح پانے کی بشارت ہے۔

(۲) اقدار ایمان کے ساتھ عمل صالح اور اعلیٰ اخلاق فلاح کے ضامن ہوں گے۔

(۳) یہ کامیابی کا اطلاق دنیا اور آخرت کی پائیدار کامیابی پر ہوتا ہے' یہ وقتی خوشیوں اور

Marfat.com

آسائشوں سے بالاتر ہے۔

(۴) یہ اوصاف مومنین کے مشن کی صداقت کی دلیل ہیں کہ آپ کا پیغام انسانیت کو بہترین اخلاق سے مزین کرنا ہے نہ کہ صرف معیار زندگی بلند کرنا جس سے چند روزہ زندگی عیش وعشرت میں گزرے۔

اللہ تعالیٰ نے مومن کو ہیرے کی طرح تراشنے کیلئے قرآن الحکیم میں اور بھی کئی آیات میں احکامات نازل فرمائے ہیں۔الفرقان آیہ ۶۳ تا ۷۱ میں فرمایا **وعباد الرحمن**.........متاباً ☆ (ترجمہ) " رحمان کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ تم پر سلام۔ جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں' جو دعائیں کرتے ہیں کہ "اے رب! جہنم کے عذاب سے ہمیں بچالے اسکا عذاب تو جان کا لاگو ہے' وہ تو بڑا ہی برا مستقر اور مقام ہے۔ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں' نہ بخل' بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے' اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے' اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا' اور پھر فرمایا کہ "جو گناہوں کے بعد توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو' ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے یہاں مومنوں کی کچھ صفات دہرائی ہیں اور کچھ اور بھی بیان فرمائی ہیں جو وہ اپنے پسندیدہ بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے آنیوالی آیات میں اللہ کی قدرتوں کا بیان فرمایا گیا ہے تاکہ غور وفکر کرنیوالے اپنے مشاہدات کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ ایک ہی بڑی طاقت ہے جو اس کائنات کو چلا رہی ہے اور اسی کی بندگی اختیار کرنا شکر کی ادائیگی ہے۔

یہاں اللہ نے اپنے محبوب بندوں کو عباد الرحمٰن کا لقب دیا ہے اور پھر بیان فرمایا کہ اللہ کے بندے' اسکے غلام اپنے اندر کیسی صفات لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ ایسی بندگی کرتے ہیں جو طوعاً و کرھاً نہیں بلکہ اختیاری ہے اور اس میں بندہ ہر کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی کیلئے کرتا ہے۔ یہ صفات عقائد اعمال اور معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

Marfat.com

(۱) یہ اپنے آقا کے حکم کے پابند ہوتے ہیں اور ہر وقت گوش برآواز رہتے ہیں کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجا لائیں۔

(۲) یہ اللہ کے بندے زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ اس کے برعکس ان کی چال شریفانہ اور منسکر المزاج شخص کی سی ہوتی ہے۔ اس سے مراد ایسی نرم چال جو مریضوں جیسی نہ ہو اور نہ ہی ریا کارانہ انکساری کی منعکس ہو۔ حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا جو بہت آہستہ چل رہا تھا۔ پوچھا کیا تو بیمار ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپؓ نے اس پر درہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو۔

حضرت حسن بصریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ''مومن کے تمام اعضاء و جوارح آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اللہ کے سامنے عاجز و ذلیل ہوتے ہیں'' یہ خشیت الٰہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایسے لوگ نہ بیمار ہوتے ہیں نہ معذور بلکہ تندرست اور قوی ہوتے ہیں۔ چال میں عاجزی اور ضعف میں فرق رکھنا ہے۔ مومن کی چال باوقار اور مہذب ہوتی ہے۔

(۳) رحمان کے بندے اپنی زبان سے بیہودہ الفاظ نہیں نکالتے اور گالی گلوچ اور بدتمیزی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ اگر کوئی جہالت کی بات کرے، خواہ وہ علم رکھتا ہو، تو یہ جواب میں ایسی بات منہ سے نہیں نکالتے جس سے دوسروں کو ایذا پہنچے بلکہ جواب میں سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔ جاہلانہ باتوں کا جواب جاہلانہ باتوں سے نہیں دیتے۔ جاہلوں کے منہ نہیں لگتے، اپنے آپ کو ان کے معیار پر نہیں لاتے اور بہتر اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

(۴) اللہ کے بندے شب بیدار ہوتے ہیں یہ اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں، کم سوتے ہیں، قیام اللیل، تہجد کی نماز ادا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تہجد کی پابندی کرو کیونکہ وہ تم سے پہلے نیک بندوں کی عادت رہی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے تم کو قریب کرنیوالی اور سیئات کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے (مظہری) (م۔ ج ۶، ص ۵۰۳)

Marfat.com

یہ لوگ اپنی راتیں عیاشی' ناچ گانے' لہوولعب' یاوا گوئی اور برے کاموں میں نہیں گزارتے بلکہ اپنے رب کو خشیت اور طمع سے پکارتے ہیں۔ سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ سورہ السجدہ (آیہ ۱۶) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں' اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ فرمایا **تتجا فی .... ینفقون** ☆

الذاریات (آیہ ۱۷' ۱۸) میں اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل جنت وہ لوگ ہوں گے جو راتوں کو کم سوتے تھے' اور سحر کے اوقات مغفرت کی دعائیں مانگتے تھے۔ فرمایا **کانو قلیلاً .... یستغفرون** ☆ یعنی رات کا کچھ حصہ عبادت میں گزارتے ہیں۔ اس سے مراد نفلی نماز تہجد ہے۔

تہجد کی نماز میں یکسوئی ہوتی ہے اور ریاکاری اور دکھاوا نہیں ہوتا۔ آخر شب دعاؤں کی قبولیت کا خاص وقت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ "ہمارا پروردگار' بلند و برکت والا' ہر رات کو اس وقت آسمان دنیا پر آتا ہے' وہ کہتا ہے کوئی مجھ سے دعا کرنیوالا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اسے دوں؟ کوئی مجھ سے بخشش طلب کرنیوالا ہے کہ میں اسکو بخش دوں؟ (اللولوو المرجان ج ۱' ص ۲۵۳)

(۵) یہ صفت مال خرچ کرنے کے بارے میں ہے۔ اللہ والے خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لیتے ہیں نہ اسراف کے مرتکب ہوتے ہیں نہ بخل کرتے ہیں۔ ناجائز کاموں میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں اور جائز کاموں میں بھی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ یہ لوگ اللہ کے کاموں میں خرچ کرنے میں ہاتھ کھلا رکھتے ہیں مگر ریاکاری اور دکھاوے سے بچتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اہل و عیال کی ضروریات' والدین اور اقرباء کی ضروریات پر حسب حیثیت خرچ کرنے میں کنجوسی نہیں کرتے۔

(۶) اب تین بڑے گناہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے' جن میں اہل عرب دور جاہلیت میں مبتلا تھے۔ شرک' قتل ناحق اور زنا۔ کلمہ طیبہ پڑھ کر ایمان لانیوالے توحید کا اقرار کر لیتے ہیں

Marfat.com

مگر عملی طور پر شرک سے پرہیز کیے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ شرک گناہ کبیرہ ہے۔ مومن اپنے خالق کو مخلوق کے ہمسر نہیں ٹھہراتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی ملاوٹ نہیں کی'' (الانعام ۸۲) نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بڑا شاق گزرا اور انہوں نے عرض کیا ہم میں کون ایسا ہوسکتا ہے جس نے اپنے ایمان کیساتھ ظلم کی ملاوٹ نہ کی ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسکا یہ مطلب نہیں' اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا ''اذ قال ......لظلم العظیم ☆ (ترجمہ) ''اے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا' بیشک شرک بڑا ہی ظلم ہے'' (لقمان ۱۳) (اللؤلؤ والمرجان ج ا ص ۲۷'۳۷)

اہل عرب بت پرستی میں مبتلا ضرور تھے مگر جب کوئی سخت مشکل درپیش آتی تو اللہ کو پکارتے۔ یہ نام ان کیلئے اجنبی نہ تھا۔ خانہ کعبہ پر جب ابرھہ حملہ آور ہوا تو انکو یہ کامل یقین تھا کہ اس مصیبت کو اللہ ہی ٹال سکتا ہے۔ یہ کسی بت کے بس کی بات نہیں' جو خود مخلوق ہیں' اندھے بہرے اور گونگے ہیں۔ عربوں کی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات ہیں جب یہ خود اپنے معبودوں سے بیزار ہوجاتے تھے۔ جب وہ انکی آرزوؤں کو پورا نہ کرسکتے تھے' وہ چڑھاوے چڑھانا بند کردیتے تھے۔ ایک عرب اپنے اونٹوں کا گلہ اپنے معبود نامی بت کے آستانے پر لے گیا تاکہ انکے لیے برکت حاصل کرے۔ یہ ایک لمبا تڑنگا بت تھا جو قربانیوں کے خون سے لتھڑا ہوا تھا۔ اونٹ اسے دیکھ کر بھڑک گئے اور ہر طرف بھاگ نکلے۔ عرب اپنے اونٹوں کو تتر بتر ہوتے دیکھ کر غصے میں آ گیا۔ بت پر پتھر مارتا جاتا اور کہتا جاتا کہ ''خدا تیرا ستیاناس کرے' میں آیا تھا برکت لینے اور تو نے میرے رہے سہے اونٹ بھی بھگا دیئے۔

ان باتوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ کی قدر و منزلت ان کے دلوں میں موجود تھی مگر جاہلانہ قدامت پرستی' شخصی جاہ و جلال اور مذہبی پیشواؤں کی اپنی مرکزی حیثیت انکو بتوں کی عقیدت پر مائل رکھتی۔ دعوت حق کے سامنے دلوں پر چڑھی

Marfat.com

ہوئی میل زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی اور ایمان والے توحید پرستوں کی اخلاقی برتری نے ان کی شخصیت کو مشرکین سے ممتاز کر دیا۔

(۷) دوسرا بڑا گناہ جس سے اللہ کے بندوں کو بچنے کی ہدایت فرمائی ہے وہ کسی کو ناحق قتل کرنا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے جان کی حرمت قائم کر دی۔ سورہ البقرہ ۱۷۸، ۱۷۹ میں قتل کے قصاص کی تفصیل بیان فرمادی گئی ہے اور سورہ النساء میں دیت کے بارے میں ہدایات فرمائی ہیں۔

المائدہ آیۃ ۳۲ میں فرمایا **من اجل .... لمسرفون** ☆ ترجمہ ''اس وجہ سے (قتل ہابیل) ہم نے اسرائیل پر لکھ دیا ہے کہ ''جو کوئی کسی کو ناحق مار ڈالے یعنی نہ تو جان کے بدلے نہ ملک میں فساد کرنے کی سزا میں، تو گویا اس نے سب آدمیوں کو مار ڈالا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی مگر انکا حال یہ ہے کہ ہمارے رسول پے در پے ان کے پاس کھلی ہدایت لیکر آئے پھر بھی ان میں بکثرت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنیوالے ہیں''۔ قتل گناہ کبیرہ اور ریاستی جرم (State Crime) ہے۔ یعنی چونکہ بنی اسرائیل میں ایسے رجحانات پائے جاتے تھے جو حضرت آدمؑ کے بیٹے قابیل میں ظاہر ہوئے اس لیے ان کو قتل نفس جیسے ظلم سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن الحکیم میں جان کی حرمت قائم کر کے اسکی حفاظت کا بندوبست کیا ہے۔ شرعی قانون کے مطابق اس کا (قتل) فیصلہ عدالت میں ہونا چاہیے۔ ان قوانین میں مقتول کے حقوق کی حفاظت فرمائی گئی ہے۔ قصاص میں زندگی ہے کہ قاتل کو سزا دیکر آپ دوسری جانوں کو تحفظ دیتے ہیں۔

(۸) اس حکم میں زنا سے دور رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور معاشرے کو بدصورت بنا دیتا ہے۔ یہ رشتہ ازدواج کی اقدار کو تباہ کر دیتا ہے۔ زنا کے بارے میں سورہ النور میں واضح احکامات نازل فرمادیئے ہیں اور حدود کے بارے میں مفصل بیان ہے۔ یہ حدود اللہ ہیں جن کو بدلنا یا تخفیف کرنا الا کہ شریعت اسکی اجازت دیتی ہے کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ ایک مہذب اور صالح معاشرہ کے قیام کیلئے یہ حدود

Marfat.com

باعث رحمت ہیں اور سزا عوام الناس کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔ البتہ حدود جاری کرنے کی شرائط پوری ہونی لازمی ہیں' اور شک کا فائدہ مجرم کو ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مومن کو انسانی شرف کا نمونہ بنانا چاہتا ہے۔ سزاؤں کو جرائم روکنے کیلئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ جو لوگ کسی گناہ کے مرتکب ہونے کے بعد اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں' ندامت کے ساتھ توبہ کرتے ہیں' پھر عمل صالح کرتے ہیں' رب تعالیٰ اپنی رحیمی کے صدقے انکی برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دے گا۔ کفار اور مشرکین کیلئے بھی توبہ کی بشارت دی گئی ہے کہ ایمان لانے کے بعد انکے سارے پچھلے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اور معافی کا مژدہ سنا کر ایسے لوگوں کو مایوسیوں اور خوف سے نکال لیا ہے۔ توبہ بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے۔ رب کائنات بڑا غفور الرحیم ہے۔

توبہ کا در کھولنے سے اللہ تعالیٰ نے عرب کے بگڑے ہوئے معاشرے میں اُمید کی نئی کرن دکھائی۔ احادیث میں ایک بوڑھے کا واقعہ آیا ہے جس نے آ کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ساری زندگی گناہوں میں گزاری ہے' کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا ارتکاب نہ کر چکا ہوں۔ اپنے گناہ تمام روئے زمین کے باشندوں پر تقسیم کر دوں تو سب کو لے ڈوبیں۔ کیا اب بھی میری معافی کی صورت ہو سکتی ہے؟ فرمایا کیا تو نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ اس نے عرض کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا جا اللہ معاف کرنیوالا اور تیری برائیوں کو بھلائیوں میں بدل دینے والا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میرے سارے جرم اور قصور؟ فرمایا' ہاں تیرے سارے جرم اور قصور (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم) (ت ج ۳ ص ۳۶۸)

ایمان کی رحمت اور برکت سے اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کو پچھلے سارے گناہوں سے پاک فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اصلی مرجع ہے اور وہی ذات معافی اور انعام دینے پر قادر ہے۔ ایمان لانے کے بعد بھی انسان نفس کے شیطان کے بہکاوے میں آ کر غلط کاریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے توبہ ہی امید کی کرن ہے۔ ایسی توبہ' جس میں پھر ایسا گناہ نہ

Marfat.com

کرنے کا عہد ہو‘ خالص توبہ‘ توبۃ النصوح۔ اللہ غفور الرحیم ہے‘ جب اس کا بندہ اس کی طرف واپس لوٹ آتا ہے تو وہ اسے اپنی رحمت کے گھیرے میں لے لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کندن بنانا چاہتا ہے۔ سورہ الفرقان ۷۲ تا ۷۶ میں بھی اللہ کے بندوں کی کچھ صفات بیان فرمائی ہیں فرمایا و الذین ...... و مقاماً ☆ (ترجمہ) ”(اور رحمان کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز (مجلس) پر انکا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔ جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ ”اے رب ہمارے ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام بنا۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے۔ آداب اور تسلیم سے ان کا استقبال ہو گا وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے‘ کیا ہی اچھا ہے وہ مستقر اور وہ مقام۔“

ان آیات میں مومن کو جھوٹی گواہی دینے سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو جھوٹ کسی صورت میں پسند نہیں (سوائے جان بچانے کیلئے مگر دل ایمان پر قائم ہو) اللہ کے بندے ایسی محفلوں میں شریک نہیں ہوتے جہاں جھوٹ اور گناہ کے کام ہوتے ہیں۔ جہاں شیطانی کام ہو رہے ہوں‘ یہ لوگ ان کاموں کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ ایسی مجلسوں سے دور رہتے ہیں جہاں شرک و کفر کی باتیں ہو رہی ہوں کہ شرک بھی جھوٹ کی گواہی دینا ہے۔ ہر بدی‘ ہر گناہ اور باطل پر جھوٹ کا خوبصورت خول چڑھا ہوا ہوتا ہے‘ چونکہ مومن حق کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اس لیے وہ ایسے دلفریب باطل کو ہر رنگ میں پہچان جاتا ہے۔

مفسرین نے ایسی محافل کی وضاحت فرمائی ہے۔ ناچ گانے کی محفلیں‘ شراب و کباب کی مجلسیں مجالس الزور کے مصداق ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے مطابق اس سے مراد مشرکین کی عیدیں اور میلے وغیرہ ہیں۔

اس آیت کا دوسرا مطلب بعض مفسرین نے جھوٹی گواہی دینا لیا ہے‘ یعنی عباد اللہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے‘ جو گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ جس شخص کے متعلق ثابت ہو جائے کہ اس نے جھوٹی شہادت دی ہے تو اس کو چالیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور اسکا منہ کالا

Marfat.com

کر کے بازار میں پھرایا جائے اور رسوا کیا جائے پھر طویل زمانے تک قید میں رکھا جائے (رواہ ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق ۔مظہری)(م ج ۶ ص ۵۰۷) جھوٹی گواہی دینے والے کی شہادت آئندہ کسی مقدمے میں قابل قبول نہیں رہتی۔

(۲) دوسری روش جو اللہ کے بندے اختیار کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایسی مجلسوں' جہاں جھوٹی' بیہودہ اور لغو باتیں ہو رہی ہوں' میں شریک نہیں ہوتے۔ اگر اتفاقاً انکا گزر ایسی جگہ پر ہو جائے تو وہ ایک نگاہ غلط انداز تک ڈالے بغیر گزر جاتے ہیں۔ یہ ایسی جگہ سانس لینے کو بھی نہیں رکتے۔ ایسے لوگوں کی شرافت پر مہر لگ جاتی ہے۔

(۳) اللہ کے بندے اپنے رب کی آیات بڑی توجہ سے سنتے ہیں' دل کی گہرائیوں سے انکو قبول کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ یہ اندھے اور بہروں کی طرح نہیں ہیں جو سنی ان سنی ایک کر دیتے ہیں اور دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے۔ قرآن کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا مومن کا شعار ہے۔ قرآن مستند تفاسیر کے ساتھ پڑھنا ہے مبادا کہ صحیح سمجھنے کی بجائے غلط فہمی کا شکار ہو جائے۔

(۴) یہ مومن بندے اللہ سے اپنی ازواج اور اولاد کیلئے دعا کرتے ہیں کہ انکو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔ یہ صالحین صرف اپنی اصلاح نہیں کرتے مگر اپنے بیوی بچوں کے حق میں دعائے خیر فرماتے ہیں کہ وہ ایسے کردار کے مالک ہوں جنہیں دیکھ کر یہ امید پیدا ہو کہ یہ صراط مستقیم پر چل پڑے ہیں اور جہنم کا ایندھن نہیں بنیں گے۔ یہ آیت مکہ کے اس دور میں نازل ہوئیں جب کوئی بھی پورا خاندان مسلمان نہ ہوا تھا۔ کہیں صرف باپ ایمان لایا' کہیں صرف بیوی' کہیں صرف بچے ایمان لائے۔ ایمان والے اسی لیے اپنے اہل و عیال کیلئے دعا گو ہوتے کہ سب ایمان لے آئیں اور ان کے دل کا چین بن جائیں اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا۔ اس سے مراد بڑائی مقصود نہیں بلکہ تقویٰ کا ایسا مقام حاصل کرنا ہے جو دوسرے مسلمانوں کیلئے نمونہ بن جائے اور وہ دین میں ہماری اقتدا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی صفات کے حامل مومنوں کیلئے جزائے خیر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ ایسے لوگوں کو

Marfat.com

جنت کی بشارت دی ہے۔ بے شک انسان کمزور ہے اور متقی ہونے کے باوجود بہک جانے کے امکان ہر وقت موجود ہوتے ہیں' مگر رحمت ایزدی سے رب تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور ان کی مغفرت فرماتے ہیں ورنہ صرف اپنے اعمال کی بنا پر شاید ہی کوئی پار اترے۔

سورہ السجدہ آیہ ۱۵'۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی عبادات کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا انما یؤمن......ینفقون ☆ (ترجمہ) ''ہماری آیات پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں یہ آیات سنا کر جب نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے' ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں' اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں' اور رزق جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

ایمان والوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی خشیت گھر کر جاتی ہے اور اس کی کبریائی کے سامنے اپنی عاجزی کے اظہار کیلئے اس کے حضور اپنی پیشانیاں زمین پر لگا دیتے ہیں اور اپنے رب کے قریب ہو جاتے ہیں۔ سجدہ ایک ایسا عمل ہے جو انسان کو تکبر سے پاک کر دیتا ہے کہ جھک جانیوالا اپنے وجود کے سب سے بلند حصہ یعنی پیشانی کو زمین سے لگا دینے والا متکبر نہیں ہو سکتا البتہ اگر سجدہ میں ریاکاری کا دخل عمل ہو پھر ایسا سجدہ قبول بھی نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ اپنی راتوں کا کچھ حصہ' یہاں مراد جمہور مفسرین کے نزدیک تہجد کی نماز اور نوافل ہیں جو کچھ رات سو کر اٹھنے کے بعد پڑھے جاتے ہیں' یاد الٰہی میں گزارتے ہیں۔

حضرت ابو الدرداؓ اور قتادہؓ اور ضحاکؒ نے فرمایا ہے کہ پہلوؤں کے بستروں سے الگ ہو جانے کی یہ صفت ان لوگوں پر بھی صادق آتی ہے جو عشاء کی نماز جماعت سے ادا کریں' پھر صبح کی نماز جماعت کیساتھ پڑھیں۔ اور ترمذی میں بسند صحیح حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ یہ تتجافی جنوبھم عشا کی نماز سے پہلے نہ سونے اور جماعت عشاء کا انتظار کرنیوالوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں (رواہ بن نصر) اور حضرت عباسؓ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ جب آنکھ کھلے اللہ کا ذکر کریں لیٹے بیٹھے اور کروٹ پر وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ ابن کثیر اور

Marfat.com

دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ ان سب اقوال میں کوئی تضاد نہیں' صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان سب کی شامل ہے' اور آخر شب کی نماز ان سب میں اعلیٰ و افضل ہے (م' ج ۷ ص ۶۹' ۷۰)

سورہ آل عمران آیہ ۱۹۱ میں بھی کچھ ایسی کیفیت کا بیان ہے فرمایا الذین......عذاب النار ☆ (ترجمہ) ''جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے' ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی ساخت پر غور کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا' تو پاک ہے اس کے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب' ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے'' یہ لوگ اللہ کی یاد اور اس کی تسبیح کا طمع رکھتے ہیں۔

یہ لوگ اپنی راتیں عیش عشرت میں نہیں گزارتے اور بیہودہ تقریبات سے اجتناب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف انکو غلط کاموں سے روکے رکھتا ہے۔ یہ خوف دو وجہ سے ہے کہ یہ کامل یقین رکھتے ہیں کہ جو کام جہاں بھی آپ کریں اللہ دیکھ رہا ہے اور یوم حساب ایک اٹل حقیقت ہے۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو قیامت کے روز جمع فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی کھڑا ہوگا جس کی آواز تمام مخلوقات سنیں گی وہ ندا دے گا کہ اہل محشر آج جان لیں گے کہ اللہ کے نزدیک کون لوگ عزت و اکرام کے مستحق ہیں' پھر فرشتہ ندا دے گا کہ اہل محشر میں سے وہ لوگ کھڑے ہوں جن کی صفت یہ تھی تتجافی جنوبھم عن المضاجع یعنی انکے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اس آواز پر یہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے' جنکی تعداد قلیل ہوگی۔ (مظہری) م ج ۷ ص ۷۰)

پھر مومنین کی یہ صفت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ کے فرمانبردار بندے اپنے مالک کے دیئے ہوئے رزق حلال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہوس زر میں مبتلا نہیں ہوتے' اپنی ضرورتوں پر خرچ کرتے ہیں' اسراف سے بچتے ہیں اور اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں۔ قرآن الحکیم میں کئی جگہ اس بات کا ذکر ہے۔ اس سے یہ باور کرانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی رزق عطا کرنے والی ہے' البتہ اس نے وسیلے بنا دیئے ہیں۔ سب سے بڑا وسیلہ انسان کی اپنی قوتیں ہیں

Marfat.com

جن کو وہ بروئے کار لا کر رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بغیر سعی کرنے کے چیزیں خود بخود اس کی جھولی میں نہیں آ گرتیں۔ سورہ النجم ۳۹ میں یہی فرمایا ہے **وان لیس للانسان الا ما سعی** ☆ (ترجمہ) ''یعنی بغیر کوشش کے تو اس دنیا میں کوئی شے نہیں ملتی''۔ صرف جنت ہی ایسا مقام ہے جہاں جنتیوں کو ہر شے بغیر سعی کے ملے گی۔

سورہ الذاریات آیہ ۱۷ تا ۱۹ میں بھی نیکوکاروں کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ فرمایا **کانو قلیلاً .... والمحروم** ☆ (ترجمہ) ''راتوں کو کم سوتے تھے پھر وہ رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے اور انکے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کا''۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیلئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

نبی پاک ﷺ مسلمانوں کیلئے بہترین نمونہ ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں میں ایسی صفات پیدا کرنا چاہتا ہے جو قابل تقلید ہوں' ایسے تراشیدہ ہیرے جن کی چمک سے ماحول روشن ہو جائے۔ اللہ نے راتوں کو بستر چھوڑنے والوں کے درجات بلند فرمائے ہیں۔ یہ لوگ رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گزارتے ہیں۔ بعض مفسرین کے مطابق رات کا کچھ حصہ عبادت اور ذکر اللہ میں گزارتے ہیں۔ ان مفہوم کے اعتبار سے وہ سب لوگ اس میں شامل ہیں جو رات کے کسی حصے کو اللہ کی یاد میں گزارتے ہیں۔ حضرت انسؓ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل ادا کرتے ہیں۔ اور امام ابو جعفرؒ باقر نے فرمایا کہ جو لوگ عشاء کی نماز سے پہلے نہ سوئیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ (ابن کثیر) (م ج ۸ ص ۱۵۹)

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ بنی تمیم کے ایک شخص نے میرے والد سے کہا کہ اے ابو اُسامہ ''ہم اپنے اندر وہ صفت نہیں پاتے جو اللہ تعالیٰ نے متقین کیلئے ذکر فرمائی ہے یعنی ''راتوں کو کم سوتے تھے'' کیونکہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ رات کو کم جاگتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں' میرے والد نے جواب میں فرمایا ''بشارت ہے اس شخص کیلئے جس کو نیند آوے تو سو جائے مگر جب بیدار ہو تو تقویٰ اختیار کرے یعنی خلاف شرع کوئی کام نہ کرے''۔ (ابن کثیر) (م ج ۸ ص ۱۵۹' ۱۶۰)

مطلب ہے کہ رات کو زیادہ نہ بھی جاگے مگر حالت بیداری میں برے کاموں سے بچے۔ شب بیداری کا اپنا ہی لطف ہے۔ بندہ بڑے سکون سے رب کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور

Marfat.com

رب تعالیٰ کو یہ بہت مرغوب ہے کہ میرا بندہ میری خاطر اپنی نیند قربان کر دیتا ہے۔ رب تعالیٰ خود نہ اونگھتا ہے نہ سوتا ہے۔ شب بیدار لوگ کچھ وقت کیلئے اللہ کی یہ صفت اپنا کر اسکے قریب ہو جاتے ہیں۔ یہ بندگی کا احسن اسلوب ہے۔ یہاں شب بیداری سے مراد تہجد کی نماز بھی ہے جو فرض تو نہیں مگر نفلی نمازوں میں افضل نماز ہے۔

یہ مومن لوگ اپنی راتوں کو فسق و فجور میں نہیں گزارتے۔ یہ لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور باوجود راتوں کے کچھ حصے میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں' راتوں کے پچھلے پہر اللہ سے معافی مانگتے ہیں کہ کہیں بندگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو گئی ہو۔ آخر شب استغفار کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ صحاح حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اعلان فرماتے ہیں کہ ہے کوئی توبہ کرنیوالا جس کی میں توبہ قبول کروں' ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ (م ج ۸ ص ۱۶۰)

پھر فرمایا کہ اللہ کے بندے حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھتے ہیں جو کچھ اللہ نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں اپنے بال بچوں کے حق کے علاوہ غریب حاجت مند سائل کا حق ادا کرتے ہیں۔ انمیں معذور' بے سہارا' ضعیف لوگ' آفت زدہ جیسے زلزلہ سے تباہ حال لوگ یا سیلاب زدہ' بیوہ' یتیم اور ایسے مسکین بھی شامل ہیں جو مفلس اور حاجت مند ہونے کے باوجود اپنی شرافت کا بھرم رکھے ہوئے ہیں اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اللہ کے متقی بندے ایسے لوگوں کی مدد کر کے شکر گزاری کے طلبگار نہیں ہوتے' نہ یہ کام دکھاوے کیلئے کرتے ہیں۔ یہ انکی مالی عبادت ہے۔

ان اللہ کے بندوں کو جنت کی بشارت دی ہے جس میں رب تعالیٰ ان کی ہر خواہش پوری فرمائیں گے اور یہ لوگ ان نعمتوں کی خوشی شکر گزاری سے قبول کریں گے۔

سورہ المعارج آیہ ۲۳ تا ۳۵ میں مومنوں کی ان صفات کا پھر ذکر کیا گیا ہے جو سورہ المومنون' الذاریات اور کئی دوسری آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ قرآن الحکیم میں ایک ہی بات کو کئی جگہ مختلف پیرائے میں کہا گیا ہے تا کہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ حق تعالیٰ نے انسان میں خیر و شر کی استعداد رکھی ہے۔ اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے ہر خیر و شر کا انجام بھی بتلا دیا

Marfat.com

ہے کہ مومن اور صالحین تقویٰ اختیار کر کے اپنے اعمال کو اس رخ پر ڈال دیتا ہے کہ اسکی بد خصلتیں اچھی صفات میں بدل جاتی ہیں۔

☆ سورہ المعارج کی ان آیات میں فرمایا الـذیـن هـم .... مـکـرمـون

(ترجمہ) ''مگر وہ لوگ (اس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں' جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں' جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے' جو روز جزا کو برحق مانتے ہیں' جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں' کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں جس سے کوئی بے خوف ہو' جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں یا اپنی مملوکہ عورتوں کے جن سے محفوظ نہ رہنے میں ان پر کوئی ملامت نہیں' البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں' جو اپنی امانتوں کی حفاظت اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں' جو اپنی گواہیوں میں راست بازی پر قائم رہتے ہیں اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ عزت کے ساتھ جنت کے باغوں میں رہیں گے۔''

آیت ۱۹ اور ۲۰ میں انسان کی کچھ ناپسندیدہ خصلتیں بیان فرمائی گئی ہیں کہ انسان تھڑدلا اور مشکل وقت میں جلد گھبرا جانیوالا ہے' خوشحالی میں بخل کرنیوالا ہے' مگر مومنین اور صالحین اعمال صالح کیوجہ سے ان بری خصلتوں سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں یہ اعمال صالح درج ذیل ہیں:۔

۱) نماز وقت کی پابندی کیساتھ پڑھنا' توحید کے بعد یہ پانچ بنیادی اعمال میں ستون کی حیثیت رکھتی ہے جس پر مسلمان معاشرے کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ مومن نماز پوری توجہ سے پڑھتے اور نماز کے دوران کسی اور چیز کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ نماز ٹھہرے ہوئے پانی جیسے سکون سے ادا کرتے ہیں۔ خشوع وخضوع اور مداومت کیساتھ۔

۲) مومن کے مال میں سائل کا حصہ مقرر ہے۔ زکوٰۃ جس کی مقدار اللہ کی طرف سے مقرر ہے جس میں کسی کو کمی بیشی کرنیکا اختیار نہیں۔ زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کے علاوہ نفلی صدقہ اور خیرات دینے کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ یہ سائل پیشہ ور بھکاری نہیں بلکہ حاجت مند' بیروزگار' معذور' آفت زدہ (زلزلہ زدگان یا سیلاب زدگان وغیرہ) لوگ ہیں ایسے

Marfat.com

لوگوں کے بارے میں جب معلوم ہو جائے تو انکا حق انکو پہنچا دیا جائے۔ سب سے پہلے اپنے خاندان اور پھر آس پڑوس میں ہی ایسے لوگ مل جاتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ سے بھی آفت زدہ لوگوں کے بارے میں علم ہو جاتا ہے۔

۳) مومن یوم حساب پر پکا یقین رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال اللہ کے مقرر کردہ نصاب کے مطابق ہوتے ہیں۔ جواب دہی پر یقین ہی ان کو دنیا میں بے راہ رو ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ یہ لوگ کفار کی طرح نہیں جو بے لگام' ہر ظلم و جبر اور بداخلاقی کو اپنا شعار بنائے رکھتے ہیں کہ انکے نزدیک نہ دوبارہ جی اٹھنا ہے نہ کوئی یوم حساب ہے۔

۴) یہ مومن لوگ جنسی بے راہ روی کا شکار بھی نہیں ہوتے اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ وہی صفات ہیں جو سورہ المومنون کی آیہ ۵' ۶ میں بیان فرمائی گئی ہیں۔

۵) یہ لوگ اپنی امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔ عہد جو بندے نے اللہ سے کیا ہے اور جو عہد بندے کا بندے کیساتھ ہوتا ہے' کی پاسداری مومن کی سیرت کا لازمی امتیاز ہے۔ ایمان کی رو سے حقوق اللہ میں نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ سب داخل ہیں۔ حقوق العباد کا پورا کرنا معاشرے کو حسن بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو وسائل انسان کو عطا فرمائے ہیں وہ بھی امانت کے زمرے میں آتے ہیں' انکا غلط استعمال اور انکا ضائع کرنا امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔ انسانی جسم اور روح بھی امانت ہے جس کا درست رکھنا ضروری ہے۔ جسمانی پرورش صحیح نہج پر کرنا اور روح کی آبیاری اعمال میں توازن پیدا کرتی ہے۔ کلمہ طیبہ انسان کا اللہ سے عہد ہے' اسکو کلی طور پر نبھانا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ ہمارے سامنے جو تقریر فرماتے اس میں یہ بات ضرور ارشاد فرماتے کہ ''خبردار' جس میں امانت نہیں اسکا کوئی ایمان نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں اسکا کوئی دین نہیں''۔ (ت ج ۶ ص ۹۴)

۶) ہر قسم کی شہادت پر قائم رہنا مومن کی شان ہے' اس میں اللہ کی وحدانیت کی شہادت' محمدؐ کے سچے رسول ہونے کی شہادت اور دیگر شہادتیں شامل ہیں۔ متقی لوگ گواہی کو نہ

Marfat.com

چھپاتے ہیں نہ ہی اس میں ردوبدل کرتے ہیں۔ مثلاً چاند دیکھنے کی شہادت اگر جھوٹی ہوتو اس سے ہزاروں مسلمانوں کا روزہ قضا ہو جاتا ہے اور ایک ہی ملک میں دو عیدیں منائی جانے کا اہتمام پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح کسی مقدمے میں سچی گواہی کی بہت اہمیت ہے۔

۷) آخر میں پھر نماز کے بارے میں تاکید فرمائی گئی ہے کہ مومن اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں' پانچ نمازیں جو فرض ہیں' تمام آداب کیساتھ ادا کرتے ہیں یہ صرف حاضری کی نماز نہیں ہوتی بلکہ حضوری کی نماز ادا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا صفات کے حامل مومنوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ انسان خطا کار ہے اور نبیوں اور پیغمبروں کے علاوہ کامل انسان نہیں ہوسکتا اور اپنی اعمال کی کمزوری ڈھانپنے کیلئے استغفار کے بغیر پار اترنا محال ہے۔

سورہ الفتح (آیہ ۲۹) میں بھی اللہ کے بندوں کی کچھ اور صفات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا **محمد رسول اللہ .... عظیما** ☆ (ترجمہ) ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب انکو دیکھو گے رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے آثار انکے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں انکی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اس کو تقویت دی' پھر وہ گدرائی' پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنیوالوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار انکے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اللہ کی طرف سے انکے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے''۔

یہاں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جو لوگ ہیں' یعنی صحابہ کرام' کفار پر سخت ہیں یعنی وہ اپنے ایمان پر پختہ ہیں۔ اعلیٰ اخلاق اور مومنانہ فراست کیوجہ سے کفار کے مقابلے میں چٹان کی طرح ہیں۔ کوئی ترغیب انکو اپنے دین اور اسکے عظیم مقصد سے نہیں ہٹا سکتی' البتہ اپنے اعلیٰ اخلاق کے باعث وہ کفار سے ترش روئی سے پیش نہیں آتے۔

Marfat.com

دوسری طرف جب یہ لوگ اپنے مومن بھائیوں سے ملتے ہیں تو نرم خوئی اور شفقت کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں جو مواخات ہوئی' اس وقت مسلمانوں نے اس صفت کا مظاہرہ کیا۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کی دوستی اور دشمنی اپنے نفس کیلئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کیلئے ہوتی ہے۔ جہاں اللہ کا حکم بجالانا ہوتا ہے تو انکو کوئی رشتہ ناطہ یاد نہیں رہتا۔ روزمرہ کی زندگی میں کفار سے بھی احسان کا سلوک کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نبی کریم بے شمار مواقع پر کفار کے مجبور اور حاجت مند لوگوں سے رحم و کرم سے پیش آئے اور عدل کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ عدل و انصاف تو میدان جنگ میں بھی مسلمانوں کا شیوہ رہا۔ بقول علامہ اقبال ؒ ۔

ہو حلقہ ء یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

یہ لوگ عبادت کا حق ادا کرتے ہیں۔ ایمان کیساتھ عمل صالح بھی کرتے ہیں۔ فرض نماز ادا کرنے کے علاوہ وہ نفلی عبادت بھی کرتے ہیں اور انکے چہروں سے عبادت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اس سے مراد سجدوں کی وجہ سے ماتھے پر گٹہ پڑ جانیوالے نشان نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کا تقویٰ' نیک نفسی اور منکسر المزاجی انکے چہروں کو روشن بنادیتی ہے۔ خاص طور پر شب بیداری کا اثر بہت واضح ہوتا ہے۔ بروایت جابرؓ (ابن ماجہ) حضورؐ کا ارشاد عالی ہے یعنی ''جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اسکا چہرہ حسین اور پرنور نظر آتا ہے''۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔ (م ج ۸ ص ۹۳)

فرمایا کہ تورات میں انکی یہی مثال دی گئی ہے جہاں انکے لیئے قدسیوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ پھر انجیل میں انکی مثال یوں بیان کی گئی ہے کہ جیسے کوئی کاشتکار زمین میں بیج بوئے' پھر پودا ایک سوئی کی مانند کمزور سی شکل میں نکلتا ہے' پھر وہ پھلتا پھولتا ہے اور قوی اور تناور ہوجاتا ہے اور پھل لگتا ہے اور پکتا ہے۔ کاشتکار کیلئے یہ دن خوش کن ہوتا ہے۔ ان آیات ربانی میں تشبیہ حضورؐ کے اولین زمانہ کے مسلمانوں سے دی گئی ہے۔ اول اسلام قبول کرنیوالے تین افراد تھے۔ عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ۔

Marfat.com

رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی' فتح مکہ کے وقت صحابہ کی تعداد دس ہزار تھی حتیٰ کہ حجتہ الوداع کے موقع پر یہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہوگئی۔ مثلهم فی الانجیل کا یہی مطلب ہے' یعنی کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور یہ نیک کاموں کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ موجودہ تورات اور انجیل میں بھی، باوجود تحریف شدہ ہونے کے ،اسکی پیشن گوئی موجود ہے۔ کفار کیلئے یہ صورت حال بڑی تکلیف دہ تھی' ان کے دل جلتے رہتے اور وہ ہر وقت اسلام کی راہ روکنے کے منصوبے بناتے رہتے جو ناکام ہوتے۔ یہ بھی ایک طرح سے ان کیلئے سزا ہی تھی۔

یہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح میں جامع ہیں اللہ کی طرف سے انکے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب اہل جنت ہیں۔ ان کی خطائیں مغفور ہیں اور انکی تنقیص گناہ ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو سارے جہاں میں سے پسند فرمایا گیا ہے' پھر میرے صحابہ میں میرے لیے چار کو پسند فرمایا ہے' ابوبکرؓ 'عمرؓ 'عثمانؓ اور علیؓ۔ ایک اور حدیث (ترمذی' عبداللہ بن مغفل) میں ارشاد ہے' کہ اللہ سے ڈرو' میرے صحابہ کے معاملے میں۔ میرے بعد انکو طعن و تشنیع کا نشانہ مت بناؤ' کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کیساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کیساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذا پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔ (م' ج ۸ ص ۹۶)

صحابہ کرامؓ کے درمیان جو اختلافات جنگ کی صورت اختیار کر گئے انکے بارے میں یہ بات طے ہے کہ یہ کسی بدنیتی پر مبنی نہ تھے۔ ہمیں تنقیص سے گریز کرنا چاہیے۔ تحقیق کی خاطر حقائق کو سامنے لانا منع نہیں ہے۔

مومن کی کچھ اضافی صفات:

مومن کی صفات میں سے ہے کہ جب وہ بات کرے تو سچ بولے' وعدہ کرے تو نبھائے

Marfat.com

اور امانت میں خیانت نہ کرے۔ ان تینوں باتوں سے معاشرہ بے سکونی، فتنہ وفساد سے بچ سکتا ہے۔ اس کے برعکس عمل کرنیوالا انسان بدکردار اور منافقوں میں شمار ہوتا ہے۔

سورہ الصف (۲،۳) میں کہنے اور کرنے کے فرق کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ یاایھا الذین آمنو..........مالاتفعلون ☆ (ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔"

ان آیات کے دو مطلب لیے گئے ہیں۔ پہلا مدعا عام حالات کے لیے ہے اور دوسرا خاص مدعا آیت ۴ کو ساتھ ملا کر پڑھنے سے واضح ہوتا ہے۔

جس انسان کے قول وفعل میں اگر تضاد ہو تو وہ لوگوں کی نظروں میں معتبر نہیں ٹھہرتا اور لوگ اس کی کسی بات پر یقین نہیں کرتے۔ یہ صفت اخلاقی اعتبار سے بدترین صفات میں سے ایک صفت ہے جو عوام الناس کو ناپسند اور خالق کائنات کو مبغوض کرنیوالی ہے۔ ایسی صفت اگر ایمان رکھنے کے دعویدار میں پائی جائے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی نظر میں اور زیادہ ناپسندیدہ ہو جاتی ہے۔ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جو کوئی کرنا نہ چاہے، ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ ایسے جھوٹے دعوے نام و نمود کی خاطر اپنی جھوٹی آن بان کیلئے کچھ لوگ ایسے ہی ڈینگیں مارتے ہیں حالانکہ ان کا ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک مکروہ اور دھوکہ دینے والا فعل ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگرچہ دل میں عزم وارادہ کام کرنے کا ہو بھی تو فقط اپنی ذات پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا بھی شان عبدیت کیخلاف ہے کہ کبھی کبھی حالات ایسے ہو سکتے ہیں کہ ارادے کے باوجود وہ کام نہ ہو پائے جس کا دعویٰ کر بیٹھا تھا۔ اگر انشاء اللہ کو اپنے دعوے کیساتھ مقید کر دے تو پھر صورت حال بدل جاتی ہے۔ صرف اپنی صلاحیت اور طاقت کی بنا پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ایک مکروہ فعل ہے۔

منافق دعویٰ کچھ کرتا ہے اور اس کے برعکس عمل کرتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں، اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو کہ جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے (مسلم بخاری)۔

Marfat.com

مسلم بخاری میں ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

☆ چار صفتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں کوئی ایک صفت ان میں پائی جائے اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ یہ کہ جب امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب لڑے تو اخلاق و دیانت کی حدیں توڑ دے۔

ان آیات مبارکہ میں اس عام مدعا کے علاوہ دوسرا خاص مدعا بھی ہے جو اس کے بعد والی آیات کو ساتھ ملا کر پڑھنے سے واضح ہوتا ہے۔ الصف آیت ۴ میں فرمایا **ان اللہ یحب الذین .... بنیان مرصوص** ☆ (ترجمہ) ''اللہ کو تو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی دیوار ہیں۔''

موضوع وہی ہے کہ مومن کے کہنے اور کرنے میں تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ حضور نبی کریم سے لوگ اکثر یہ سوال پوچھا کرتے تھے کہ اللہ کے نزدیک کونسا عمل ہے جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے تو ہم وہی کریں گے اور جب انکو بتایا گیا کہ وہ عمل جہاد ہے تو ان کی ساری ڈینگیں اور دعوے باطل ثابت ہوئے اور ان کی کمزوریاں سب کے سامنے نمایاں ہو گئیں۔ سورہ النساء (۷۷) میں اسی بات کو دوسرے پیرائے میں فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **الم تر الی الذین .... ولا تظلمون فتیلاً** ☆ (ترجمہ) ''کیا تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا یہ حال ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے یا اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں خدایا یہ ہم پر لڑائی کا حکم (جہاد کا حکم) کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی۔''

کفار سے لڑائی کرنے کیلئے بے چین لوگوں کو جب جہاد کی اجازت ملی تو ان کی ساری شیخیاں ہوا ہو گئیں اور بہانہ سازی کرنے لگے کہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی جاتی کہ ہم پوری تیاری سے لڑتے۔ ان لوگوں کی نیت میں کھوٹ تھا۔ سورہ محمدؐ (۲۰) میں ان کی کیفیت کچھ یوں بیان فرمائی ہے **ویقول الذین آمنو .... فاولیٰ لھم** ☆ (ترجمہ) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کہہ رہے تھے کہ کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی (جس میں جہاد کا حکم دیا جائے) مگر

Marfat.com

جب ایک محکم سورت نازل کردی گئی تو تم نے دیکھا جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری تھی وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو۔"

جنگ اُحد کے موقع پر عبداللہ بن ابی نے جنگ میں شریک ہونے کا ارادہ ظاہر کیا مگر عین وقت پر اپنے ۳۰۰ ساتھیوں کو لیکر واپس چلا گیا اور اس کی منافقت پر مہر تصدیق لگ گئی۔ منافق کافر سے بھی گیا گزرا ہے کہ کافر کھلا دشمن ہے مگر منافق بظاہر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے مگر دل سے ایمان نہیں لاتا اور مار آستین ثابت ہوتا ہے۔

سورہ الصف (۴) میں اللہ تعالیٰ نے اپنا مدعا صرف بیان فرمادیا ہے کہ خالی زبانی دعوے کافی نہیں ہیں۔ جب جہاد کیلئے حکم دیا جائے تو بلا کسی بہانہ سازی کے میدان جنگ میں صف بستہ ہو کر سیسہ پلائی دیوار کی طرح استقامت کیساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔ ایسا ہونے کیلئے فوج میں مندرجہ ذیل صفات ہونا ضروری ہیں۔

(۱) کامل عقیدہ اور منزل مراد کا تعین اور فوج کے ہر سپاہی اور افسر کا آپس میں مکمل اتحاد اور اعتماد ضروری ہے۔

(۲) خالص اللہ کی رضا کیلئے بے غرض جہاد کرنا

(۳) اخلاق کا معیار بلند رکھنا

(۴) نظم و نسق و ضبط کہ قیادت کا حکم بجالائے اور ایک سیسہ پلائی دیوار دشمن کے سامنے آئے کہ وہ اس سے اپنا سر ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔

مسلمانوں نے حضورؐ کے زمانے میں اپنا معیار اور وقار قائم رکھا سوائے ایک آدھ بار جب معمولی لغزش کی بنا پر مسلمانوں کو حزیمت اٹھانا پڑی۔

بعد کے دور میں بھی اکثر جنگوں میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں جو صلیبی جنگ لڑی گئی مسلمانوں نے فتح یروشلم کے بعد اپنا اعلیٰ اخلاقی معیار قائم رکھا اور عیسائیوں کیساتھ نرم رویہ رکھا حالانکہ اس سے پہلے عیسائیوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا سخت ناروا سلوک اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا تھا۔ آج کل عراق افغانستان مقبوضہ کشمیر اور فلسطین میں فوج کا کوئی معیار نہیں ہر قسم کی بد اخلاقی عورتوں کی بے حرمتی حبس بے جا اور قیدیوں سے حد درجہ

Marfat.com

بدسلوکی عام ہے۔

زبانی دعوے کے ساتھ عملی تائید ضروری ہے۔ سورہ الصف (۱۰'۱۱) میں فرمایا یاایھاالذین آمنو............ان کنتم تعلمون ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جوایمان لائے ہو میں تم کو بتاؤں وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچادے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے' یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔''

جہاد فی سبیل للہ کو تجارت کہا گیا ہے جس میں مسلمان اپنا سب کچھ کھپا دیتا ہے' مال' محنت' عقل وفکر اور سب سے قیمتی متاع اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ ایمان والوں کو تاکید کی گئی ہے کہ ایمان لاؤ' ایسا ایمان جو ہر آزمائش میں پورا اترے اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر مسلمان کسی چیز کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔

اگلی آیتوں (۱۲ سے ۱۳) میں اس تجارت کے نفع کا ذکر ہے کہ اس سے دین اور دنیا سنور جاتی ہے اور آخرت میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

قرآن الحکیم میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کی جن صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے' ان کا خلاصہ یہ ہے:

ایمان کامل' نماز قائم کرنا اور اسکی حفاظت کرنا' اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرنا (یعنی مالی عبادت' اس میں زکوۃ اور صدقہ وخیرات شامل ہیں)' حلال رزق کھانا' اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا' فضول باتوں سے دور رہنا' ثابت قدم رہنا' خدا کا خوف رکھنا' اللہ کا ذکر اٹھتے بیٹھتے کرنا' اللہ پر بھروسہ رکھنا' دوستی اور دشمنی اللہ کیلئے رکھنا' نفسانی خواہشات پر قابو پانا' زنا اور قوم لوط کے عمل سے پرہیز کرنا' عہد اور امانت کی پاسداری کرنا' منکسر مزاج ہونا' اکڑ کر نہ چلنا' شب بیداری کرنا' اسراف سے بچنا' شرک اور ناحق قتل سے بچنا' توبہ استغفار کرنا' جھوٹی گواہی سے بچنا' مومنوں کیلئے نرم خو اور کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار بن جانا' جہاد فی سبیل للہ میں حصہ لینا' برے کاموں سے روکنا اور نیکی کی ترغیب دینا' قول وفعل کے تضاد سے بچنا' اللہ اور اسکے رسول کی مکمل تابعداری اور توبہ استغفار کرنا۔

ان صفات کے مالک لوگ معاشرے کا حسن ہیں۔ انہیں کیلئے آخرت میں اجر عظیم کی

Marfat.com

بشارت دی گئی ہے یہ وہ آئینہ ہے جس میں ہم اپنی شکل دیکھیں تو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے توبہ کا در موت کے وقت سے پہلے تک کھلا رکھا ہے کہ بندہ اپنے رب رحیم کی مہربانی سے مغفرت کی امید رکھ سکتا ہے۔

ایمان والوں کو اللہ کی رحمت اور نور کی بشارت:

ایمان اور تقویٰ اختیار کرنیوالوں کیلئے اللہ نے بیش بہا انعامات کی بشارت دی ہے۔ قرآن الحکیم میں کئی مقامات پر اس کی وعید ہے۔ سورہ الحدید (۲۸،۲۹) میں بیان فرمایا گیا ہے۔

یاایھا الذین آمنو .... ذوالفضل العظیم ☆ (ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولؐ (محمد ﷺ) پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا فرمائے گا۔ وہ نور بخشے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے، تمہارے قصور معاف کر دیگا، اللہ بڑا معاف کرنیوالا ہے اور مہربان ہے۔ (تم کو یہ روش اختیار کرنی چاہیے) تاکہ اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے فضل پر ان کا کوئی اجارہ نہیں ہے اور یہ کہ اللہ کا فضل اس کے اپنے ہاتھ میں ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور وہ بڑے فضل والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ کی دو تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی تفسیر میں "اے لوگو جو ایمان لائے ہو" کے مخاطب اہل کتاب ہیں۔ قرآن الحکیم میں اہل کتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ کیلئے آیا ہے۔ کہنا یہ مقصود ہے کہ اہل کتاب جب تک وہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لائیں وہ اس خطاب کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ حضورؐ پر ایمان لانے سے ان کے ایمان کی تکمیل ہو جائے گی۔ خاتم الانبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس طرح وہ دوہرے ثواب کے مستحق ہو جائیں گے، ایک ثواب پہلی شریعت پر عمل کرنے اور دوسرا دین کامل کے پیغمبر پر صدق دل سے ایمان لانے اور عمل صالح کرنے کا اجر و ثواب۔ حضورؐ پر ایمان نہ لانے سے وہ وہی رہیں گے اور ان کی کوئی عبادت، حضور ﷺ کی بعثت کے بعد، قبول نہ ہو گی اور پچھلی شریعت پر جو عمل کیا وہ ضائع ہو جائے گا۔ بصورت دیگر حضورؐ پر ایمان لانے سے انکی پچھلی نیکیاں بھی باعث اجر و ثواب ہوں گی۔

حضرت موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ حضور محمد ﷺ نے فرمایا یعنی "تین آدمی ہیں جن

Marfat.com

کیلئے دوہرا اجرا ہے' ان میں ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص ہے جو اپنے سابق نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر حضرت محمدؐ پر ایمان لے آیا (مسلم بخاری) ت ج ۵ص ۳۳۳)

یہ تفسیر سورہ القصص (۵۲ تا ۵۴) کی مطابقت میں ہے۔ ان آیات میں فرمایا گیا الذین آتینھم الکتب.........و مما رزقنھم ینفقون ☆ (ترجمہ) ''جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے' یہ واقعی حق ہے' ہمارے رب کی طرف سے' ہم تو پہلے سے ہی مسلم ہیں۔''

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبارہ دیا جائیگا' اس ثابت قدمی کے بدلے جو انہوں نے دکھائی۔ وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اسے خرچ کرتے ہیں (راہ حق میں)۔''

اہل کتاب میں سے جو نبی ﷺ پاک پر ایمان لائے ہیں' ان کے بارے میں فرمایا جارہا کہ ان لوگوں کو حضور ﷺ پر ایمان لانے سے پہلے ایمان کی رو سے اور پھر حضور ﷺ پر ایمان لانے کے بعد خلوص دل سے اس پر عمل کرنے کے سبب دوہرا اجر ملے گا۔

اہل مکہ کو بتایا جارہا ہے کہ تم اپنے گھر میں بہتے دریائے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھارہے' حالانکہ دور دراز کے لوگ آ کر حضور ﷺ کی دعوت حق پر لبیک کہہ رہے ہیں۔ اس حوالے سے ایک واقع بھی روایت کیا گیا ہے۔ ہجرت حبشہ کے بعد رسول ﷺ اللہ کی دعوت حق کی خبریں پھیلنے لگیں تو وہاں سے ۲۰ عیسائیوں کا ایک وفد حالات کا جائزہ لینے کیلئے مکہ مکرمہ آیا اور حضور ﷺ نبی کریم سے مسجد حرام میں ملا۔ وفد نے حضور ﷺ سے کچھ سوالات کیے حضورؐ نے جوابات فرمائے' پھر حق کی دعوت دی اور کلام اللہ پڑھ کر سنایا۔ وفد کے لوگوں پر رقت طاری ہوگئی اور وہ حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اور اس بات کا برملا اظہار کیا کہ یہ کلام اللہ ہے۔ جب مجلس برخواست ہوئی تو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے انہیں راستے میں جالیا اور نہیں سخت ملامت کی'' کہ تم آئے کس کام کیلئے تھے اور جارہے ہو اپنا دین چھوڑ کر'' اس پر انہوں نے جواب دیا کہ سلام ہے بھائیوں تم کو۔ ہم تمہارے ساتھ جہالت بازی نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہمارے طریقے پر چلنے دو اور تم اپنے طریقے پر چلتے رہو۔ ہم اپنے آپ کو جان بوجھ کر بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے۔'' (یہ سلام تحیہ نہ تھا بلکہ سلام

Marfat.com

متارکت تھا۔ یعنی اپنے حریف کو یہ کہہ دینا کہ ہم تمہاری لغویات نہیں سننا چاہتے اور نہ ہی کوئی انتقام لینا چاہتے ہیں) (ت ج ۳ ص ۶۴۵)۔

الحدید کی آیت ۲۸ کی دوسری تفسیر میں اہل کتاب کی طرف خطاب کا کوئی ذکر نہیں بلکہ یہ خطاب حضورﷺ پر ایمان لانے والوں سے ہے۔ ایمان والوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اے ایمان والو! صدق دل سے ایمان لاؤ اور نیک اعمال سے اس پر خلوص کی مہر لگاؤ' اس پر دوہرا ثواب عطا کیا جائیگا۔ ایک کفر سے ایمان میں داخل ہونے کا اور دوسرا اس پر ثابت قدم رہنے کا۔ اس تفسیر کی مطابقت سورہ سبا کی آیت ۲۸ کی تفسیر سے ہے۔

دونوں تفسیروں میں بظاہر فرق نظر آتا ہے مگر غور کیا جائے تو تضاد نہیں ہے۔ اہل کتاب بھی حضورؐ پر ایمان لانے سے پہلے کافر ہی سمجھے جاتے تھے۔ اصل زور اس بات پر ہے کہ خالی ایمان اعمال صالح کے بغیر کافی نہیں ہے۔

ایسے اہل ایمان والوں کو نور کی بشارت دی گئی ہے جس کی روشنی میں وہ پل صراط پر سے گزریں گے' صور پھونکنے کے بعد سورج اور چاند اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے اور ہر طرف گھپ اندھیرا ہوگا۔ پھر اللہ نے اپنے بندوں کو حوصلہ دیا ہے کہ بشری کمزوریوں کے سبب اگر کوئی خطا ہو جائے تو رب کریم معاف فرما دیں گے اور حالت کفر میں سرزد ہونیوالے گناہ تو حضورﷺ پر ایمان لانے پر معاف فرما دیئے جائیں گے۔

پھر آیت ۲۹ میں فرمایا کہ لئلا.......... العظیم یہاں یہ واضح کر دیا ہے کہ اہل کتاب اللہ کے فضل کے مستحق نہیں جب تک وہ حضورؐ پر ایمان نہ لائیں۔ اہل کتاب اپنے آپ کو اللہ کی خاص جماعت سمجھتے ہیں کہ اللہ کا فضل ان پر ہی ہوگا۔ یہاں اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ کا فضل ان کی اجارہ داری ہے۔ اب جبکہ خاتم النبیﷺ کی بعثت ہو چکی ہے اللہ کا فضل حضورﷺ پر ایمان لانے سے مشروط ہو گیا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں ضرور رکھنی چاہیے کہ اللہ کی ذات اپنی تمام مخلوق کی پرورش کرنے والی ہے۔ دنیاوی نعمتوں سے ملحد' کافر مشرک اور مسلمان سبھی فیض یاب ہوتے ہیں مگر حضورؐ پر ایمان نہ لانے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

Marfat.com

اصل کتاب

رُکن اول

عبادات

باب اول

صبر اور نماز

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والوں کی صفات بیان فرما کر منزل کا تعین فرما دیا ہے۔ **یاایھا الذین آمنو** سے شروع ہونیوالی آیات میں رب کریم نے جو ہدایت فرمائی ہیں' یہ صراط مستقیم کی طرف لے جاتی ہیں۔ ان ۸۸ آیات کے علاوہ دیگر تمام احکامات جو قرآن الحکیم میں ہیں' ان پر عمل کرنا بھی مومنوں پر لازم ہے مگر یہ خصوصی ہدایات' جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں' مزید نکھار پیدا کرنے کیلئے ہیں کہ مومن اسوۂ حسنہ سے ہٹنے نہ پائے۔

ایمان والوں کو صبر اور نماز کی تلقین:

ان آیات میں پہلی آیت جو قرآن کریم میں ہے وہ حضورؐ کی حرمت اور ادب سے متعلق ہے (البقرہ ۱۰۴) اس آیت کی تفسیر حرمت رسول سے متعلق دیگر آیات کیساتھ لکھی جائیگی۔ اس کے بعد **یا ایھا الذین آمنو** سے شروع ہونیوالی آیت سورہ البقرہ کی آیت ۱۵۳ ہے۔ فرمایا **یا ایھا الذین آمنوا ....الصابرین** ☆ (ترجمہ) "اے ایمان والو یا اے لوگوں جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز (کی معنی قوتوں) سے مدد لو (سہارا پکڑو) یقین کرو اللہ صبر کرنیوالوں کیساتھ ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کیلئے ایک نہایت مئوثر اور کارگر نسخہ تجویز فرما دیا گیا ہے کہ سخت حالات میں' دشمنان دین کی دل آزار باتوں سے اور آزمائش سے نبرد آزما ہونے کیلئے صبر سے کام لو اور اپنے خالق حقیقی کی طرف رجوع کرو۔ مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ ایمان لانے سے تم ایک ایسی امت کے فرد بن گئے ہو جو منصب امامت پر مامور کر دی گئی ہے۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے سلب فرما کر امت محمدیہ کو عطا فرمایا دیا ہے حضورؐ کی بعثت فرما کر نوع انسانی پر احسان فرمایا اور اپنے انعام واکرام کی تکمیل فرما دی۔ امت محمدیہ کو امت وسطیٰ کے خطاب

Marfat.com

سے نوازا۔ دعائے ابراہیمی بنائے بعثت رسول مقبول ہوئی اور کعبہ کی تعمیر نو طوفان نوح کے بعد، حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے اسماعیل کیساتھ ملکر فرمائی پھر اسے مسلمانوں کا قبلہ اول بنا دیا۔

اس آیت کے نزول کے زمانہ میں حضورؐ پر ایمان لانے والوں کو سخت مخالفت کا سامنا تھا، یہود و نصاریٰ اسلام کے راستے روکنے کیلئے ہر حربہ استعمال کر رہے تھے۔ ان اذیتوں کو برداشت کرنے کیلئے صبر اور نماز کا سہارا ہی خصوصی دوا تجویز کی گئی اور اب بھی یہی دوا مؤثر ہے۔ یہ دوا مسلمانوں کی جملہ مشکلات کیلئے کارگر ہے۔ فرمایا کہ اللہ کی نصرت صبر کرنیوالوں کیساتھ ہے۔ آیئے ہم ان دو سہاروں یعنی صبر و صلوٰۃ کے مطلب سمجھنے کی کوشش کریں۔

صبر:

صبر کے لغوی معنی روکنے کے ہیں، اس سے مراد پختہ عزم ارادہ اور ضبط نفس ہے، جس سے انسان اپنی نفسیاتی خواہشات پر قابو پالیتا ہے۔ یہ اخلاقی قدر اپنے اندر پیدا کرنے سے انسان اندر سے طاقت ور ہو جاتا ہے اور اس میں مشکلات کا سامنا کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن اور سنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں جن کا تعلق ان احوال سے ہے جو طبیعت کے موافق نہیں ہوتے۔ (۱) اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا یعنی گناہ سے روکنا (۲) طاعت اور عبادات کا پابند کرنا ہے (۳) مصائب و آلام پر صبر کرنا، یعنی جو مصیبت آ گئی ہو اسے صبر و استقامت کیساتھ برداشت کرنا اور اللہ سے رحمت کا طلب گار رہنا۔ اگر تکلیف و پریشانی کے اظہار کا کوئی کلمہ بھی منہ سے نکل جائے تو صبر کے منافی نہیں ہے۔ (ابن کثیر عن سعید بن جبیرؓ۔ م ج ۱ ص ۳۹۴) عام طور پر صبر صرف تیسرے شعبے کو کہا جاتا ہے حالانکہ پہلے دو شعبے صبر کی اصل بنیاد ہیں۔ صابرین انہیں لوگوں کو کہا جاتا ہے جو تینوں شعبوں میں ثابت قدم ہوں، یہی لوگ جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔ (النحل آیہ ۱۱۰) ثم ان .... رحیم ☆ (ترجمہ) ''(غافل لوگوں کے) بخلاف جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب (ایمان لانے کیوجہ سے) وہ ستائے گئے تو انہوں نے گھر بار چھوڑ دیئے ہجرت کی، راہ خدا میں سختیاں جھیلیں اور صبر سے کام لیا، ان کیلئے یقیناً تیرا رب غفور و رحیم ہے۔''

Marfat.com

پہلے شعبے کا تعلق ترک گناہ سے ہے اور دوسرے کا طاعت اور عبادت سے ہے۔ ان پر آدمی کو اختیار ہے مگر یہ دونوں چیزیں صبر کی طالب ہیں' ترک گناہ صبر کے بغیر ممکن نہیں مثلاً زبان کے گناہوں سے بچنا بڑا صبر آزما ہے۔ غیبت اور بدخواہی کرنا' اپنی بڑائی کرنا کچھ لوگوں کی عادت بن جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری نفسانی خواہشات' حرام کاری' شراب نوشی' جوا اور دیگر علتیں چھوڑنا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے اور جب تک پختہ عزم اور صبر سے نفس کے شر کو منضبط نہ کیا جائے کام نہیں بنتا۔

عبادات میں صبر کی حاجت ناگزیر ہے' بعض عبادات کاہلی کی وجہ سے دشوار لگتی ہیں۔ مثلاً نماز۔ نماز پوری توجہ سے' وقت پر عاجزی اور خشوع خضوع سے ادا کرنا کہ انسان کا دھیان کسی اور طرف نہ جائے' صبر کا امتحان ہے۔ خاص طور پر فجر کی نماز کئی مرتبہ کاہلی کی وجہ سے چھوٹ جاتی ہے اور قضا کر دی جاتی ہے۔ اللہ سے یہ بلاواسطہ رابطہ دن میں پانچ مرتبہ فرض قرار دیا گیا ہے۔ روزہ میں اپنی جائز خواہشات' بھوک' پیاس اور دیگر نفسانی حاجات کو ایک مقررہ وقت کیلئے ترک کرنا پڑتا ہے جو دشوار لگتا ہے۔ روزہ صرف صبر سے رکھا جاتا ہے۔ بھوک' پیاس کتنی ہی کیوں نہ تنگ کرے کوئی صاحب ایمان اسے توڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ البتہ جب جان کا خطرہ ہو تو (بیماری یا کسی اور تکلیف میں) توڑا جا سکتا ہے جس کی قضا لازم ہے۔ زکوٰۃ' صدقہ اور خیرات مالی بخل کیوجہ سے دشوار ہو جاتی ہیں۔ مالدار آدمی کی حوس زر اس کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ نعمت کی موجودگی میں صبر کرنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ انسان نعمتوں سے دل نہ لگائے۔ انکو مستعار سمجھے ضرورت سے زیادہ مال جمع ہو جائے تو نیک کاموں میں خرچ کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ کا یہی چلن تھا۔ حج میں مالی قربانی دینا پڑتی ہے اور جسمانی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے جو صبر آزما ہے۔

تیسرے شعبے میں ان مصائب و آلام پر صبر کرنا ہے جو آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ ناگہانی آفات و بلیات' عزیز و اقارب کا انتقال' حادثے کے سبب اعضاء سے محرومی' وغیرہ میں مسلمان صبر کرتا ہے اور اذا اصابتھم .... راجعون (البقرہ ١٥٦) کا ورد کرتا ہے۔ یہ وہ صبر ہے جسکے نو سو درجے ہیں۔ اللہ کی طرف آنیوالے مصائب پر صبر صدیقوں کا صبر کہلاتا ہے۔ عبادت میں صبر کے تین سو درجے اور گناہ سے پرہیز کرنے کے چھ سو درجے ہیں۔ (کیمیائے سعادت ص ٨٨٢' ٨٨٣) حضورؐ نے دعا فرمائی تھی کہ خدایا ہمیں ایسا صبر عطا فرما دینا کہ دنیا کی تمام بلائیں اور

Marfat.com

مصیبتیں ہم پر آسان ہو جائیں۔ یعنی ہم ان پر صبر کر سکیں' فرمایا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "میں جس بندے کو بیماری میں مبتلا کرتا ہوں وہ اگر اس پر صابر رہتا ہے اور دوسروں سے اسکا شکوہ نہیں کرتا تو اس کو اس کے بدلے میں صحت کی نسبت بہتر گوشت پوست عطا کرتا ہوں اور اگر صحت نہ دوں تو اس دنیا سے اس کو اپنی رحمت کے دامن میں لے جاتا ہوں۔"

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی شخص پر بلا نازل کرتا ہوں خواہ وہ اس کے جسم پر ہو یا مال پر ہو یا اولاد پر ہو اور وہ پورے صبر سے اسے برداشت کرتا ہے تو مجھے شرم آتی ہے کہ اسکا حساب کتاب لوں' یا اسکے اعمال کی پرسش کروں یا انہیں ترازو میں ڈال دوں اور فرمایا صبر کے ساتھ خوشحالی کا انتظار کرنا ایک عبادت ہے۔

غم اور مصیبت میں رونا صبر کے منافی نہیں۔ حضورؐ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ روئے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے تو ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ وہ رونا نہیں ہے' یہ تو رحمت ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت اسی پر ہوتی ہے جو خود رحیم ہے۔ البتہ مصیبت کے وقت کپڑے پھاڑنا' سر پیٹنا اور واویلا کرنا صبر کے منافی ہے اور حرام ہے۔

صبر کے تیسرے شعبے میں انسان کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اسے بدلہ لینے کا اختیار ہے۔ یہاں بھی صبر کی حاجت رہتی ہے کہ بدلہ لے تو حد سے تجاوز نہ کرلے اور بہتر صورت یہ ہے کہ بدلہ نہ لے' درگزر کرے اور اللہ پر بھروسہ کرے۔ حضور نبی پاک ﷺ پر لوگ طرح طرح کے الزام لگاتے تھے' آزار پہنچاتے مگر آپؐ صبر سے کام لیتے۔ سورہ المزمل میں آیہ ۱۰ میں یہی حکم دیا گیا واصبر علیٰ .... جمیلاً ☆ (ترجمہ) "یہ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو اور بڑے عمدہ طریقے سے الگ ہو جاؤ" سورہ آل عمران (۱۴۶) میں فرمایا گیا ہے وکاین ...... الصبرین ☆ (ترجمہ) "اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی' وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔"

تقریباً یہی مضمون الانعام آیت ۳۴ میں بھی ہے۔ فرمایا ولقد ...... المرسلین ☆ (ترجمہ) "تم سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں' مگر اس تکذیب پر اور ان اذیتوں پر

Marfat.com

جو انہیں پہنچائی گئیں' انہوں نے صبر کیا' یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اللہ کی باتوں کو بدلنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے اور پچھلے رسولوں کیساتھ جو کچھ پیش آیا' اس کی خبر تمہیں پہنچ ہی چکی ہے۔''

سورہ النحل (۱۲۶' ۱۲۷' ۱۲۸) میں بھی حضورؐ کو مخالفین کی ایذا رسانی پر صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ فرمایا **وان عاقبتم ...... هم محسنون** ☆ (ترجمہ) ''اور اگر تم بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنیوالوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ (اے محمد ﷺ) صبر سے کام لیے جاؤ۔ اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چال بازیوں پر تنگی میں مبتلا ہو۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔''

ہر پیغمبر کو اور انکے حواریوں کو ایسی صورت حال کا سامنا تھا مگر وہ صبر سے کام لیتے تھے۔ گو کہ یہ دشوار تھا۔ صبر کے تینوں شعبے کردار کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ صبر ایمان کی شاخ ہے۔ ایک حدیث کی رو سے صبر کو نصف ایمان کہا گیا ہے۔ (کیمیائے سعادت ص ۸۷۳) حق تعالیٰ نے قرآن الحکیم میں ستر سے زائد مرتبہ صبر کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ یہ خود حق تعالیٰ کی ایک صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام صبور ہے۔

حضور ﷺ نے انصار کے ایک گروہ کو دیکھا اور پوچھا کیا تم مومن ہو؟ وہ بولے ہاں ہم مومن ہیں۔ فرمایا اس کی نشانی کیا ہے؟ ان لوگوں نے عرض کیا ہم نعمت پر صابر اور محنت پر (یعنی مصیبت و تکلیف) پر شاکر رہتے ہیں اور حق تعالیٰ کی قضا اور قدر پر خوش رہتے ہیں۔ فرمایا رب کعبہ کی قسم تم واقعی مومن ہو۔ (کیمیائے سعادت ص ۸۷۴)

صبر کا مادہ صرف انسان ہی کو عطا ہوا ہے۔ جانور اور حیوانات کو یہ میسر نہیں کہ وہ ناقص ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات سے مغلوب ہوتے ہیں۔ فرشتوں کو اس کی احتیاج نہیں کہ وہ نفسانی خواہشات سے بے نیاز ہیں۔ انسان ہی خیر و شر کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اور یہ جنگ انسان کے اندر جاری رہتی ہے اور اس جہاد میں صبر کی قوت درکار ہے۔ جب انسان شعور کی حدوں کو چھو لیتا ہے یعنی بالغ ہو جاتا ہے تو یہ جنگ ہدایت ہی سے جیتی جاسکتی ہے' اور اس جنگ میں ثابت قدمی اور صبر کی ضرورت بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

Marfat.com

جس شخص نے شریعت کی اطاعت کی وہی فاتح ہے۔ نبی پاکؐ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مقابلے میں میری مدد فرمائی اور (میرا شیطان) مسلمان ہو گیا۔"

ہر کام میں صابر اور ثابت قدم رہنے کیلئے اسباب بے صبری کو دور کر دیا جائے یا کمزور کر دیا جائے تو بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اگر ایک خوشحال شخص اپنی مرغن غذا کیوجہ سے اپنی نفسیاتی خواہشات پر قابو نہیں پا سکتا تو اسے اتنا ہی کھانا چاہیے جو بھوک مٹانے کیلئے کافی ہو یا روزے رکھے جس میں صبر کی تربیت دی جاتی ہے۔ زیادہ مال جمع ہو جائے تو بجائے غلط کاریوں پر خرچ کرنے کے صدقہ وخیرات میں خرچ کرے تاکہ ہوس زر اس کے دل سے نکل جائے۔

سورہ النحل (آیت ۹۶) میں رب کریم کا ارشاد ہے کہ "جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی ہے (کبھی ختم نہ ہوگا) اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم انکو انکے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے۔"

نماز:

دوسری چیز جس کا سہارا لینے کیلئے فرمایا گیا ہے وہ نماز ہے۔ نماز کے بارے میں کچھ اہم باتیں جان لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے مشکل وقت میں نماز کا سہارا لینے کو فرمایا ہے۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

۱)۔ اس امر کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں اور محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

۲)۔ نماز قائم کرنا

۳)۔ زکوٰۃ دینا

۴)۔ حج کرنا

۵)۔ رمضان کے روزے رکھنا

اقرار توحید ورسالت کے بعد نماز دین کا بڑا استون ہے جس پر دین کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

Marfat.com

نماز اسلامی عبادات کا پہلا رکن ہے اس کا ذکر سب سے زیادہ کیا گیا ہے۔کل ۷۰۰ مرتبہ بلاواسطہ اور بلواسطہ اس کا ذکر قرآن الحکیم میں کیا گیا ہے۔ یہ ایک بدنی اور روحانی عبادت ہے۔تمام عبادات کی پیش رو اور سردار ہے۔نماز کی اہمیت' اوقات' تحویل قبلہ' اقامت صلوٰۃ' نماز قصر' نماز خوف' نماز پنجگانہ کے حکم سے پہلے نماز' منافقوں اور مومنوں کی نماز' پہلی شریعتوں میں نماز اور نماز کے اجر کے بارے میں قرآن الحکیم میں ذکر فرمایا گیا ہے' جس کا علم وحی کے ذریعے حضورؐ تک پہنچایا گیا۔اس کے علاوہ جو باتیں ہیں مثلاً نماز ادا کرنے کا طریقہ' رکعتیں اور دیگر مسائل وحی غیر متلو کے ذریعے نبی پاک ﷺ کو بتائی گئیں اور پھر سیرت النبیؐ کی شکل میں امت تک پہنچیں۔

نماز مخلوق کا دل' زبان اور ہاتھ پاؤں سے اپنے خالق کے سامنے بندگی کا اظہار ہے۔ خالق کے احسانات کی شکر گزاری ہے' اس کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار ہے۔انسان کی فطرت میں بھی کسی مرئی طاقت کے سامنے سرنگوں ہونا ہے۔الست بربکم کا عملی جواب ہے۔نیازمند کی پیشانی اپنے مسجود اور بندہ نواز کے سامنے جھک کر اس کی پناہ میں آ جاتی ہے۔

غیر مہذب وحشی سے وحشی قبیلے میں بھی عبادت کی کچھ رسوم ادا کی جاتی ہیں کہ فطری تسلی حاصل ہو۔پھر آسمانی مذاہب اس سے کیونکر خالی رہ سکتے تھے۔یہودیوں میں مزمور' عیسائیوں میں دعا' پارسیوں میں زمزمہ اور ہندوؤں میں بھجن ہیں اور ان کے ادا کرنے کے بعض اوقات بھی مقرر ہیں۔ہر نبی اور اس کی امت نے نماز ادا کی مگر اس کی تکمیلی اور منظم صورت اسلام نے بخشی۔

نماز' صلوٰۃ کا فارسی ترجمہ ہے جو اردو میں رائج ہو گیا ہوا ہے۔اس کا مطلب اللہ کے مقرر کردہ خاص اوقات میں' حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقے سے اللہ کی عبادت کرنا ہے۔نماز مومنوں کی پہچان ہے۔صرف نماز ادا کرنا ہی نہیں بلکہ نماز کا نظام باجماعت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔نماز خشوع اور خضوع کیساتھ اللہ کے سامنے عاجزی سے جھکنا ہے۔یہ دن میں پانچ اوقات میں اللہ کے حضور حاضری دینا ہے' قلب سلیم اور حضوری کیساتھ۔

جو شخص پانچوں فرض نمازیں وقت پر پورے آداب کیساتھ ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنی امان میں رکھے گا۔اگر کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو تو نماز باقی چھوٹے گناہوں اور لغزشوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔امام غزالی نے نسخہ کیمیا ص ۱۹۴ میں فرمایا ہے کہ پانچ نمازوں کی مثال ایک

Marfat.com

صاف وشفاف ندی کی ہے جو کسی کے گھر کے دروازے پر سے گزرتی ہو اور وہ ہر روز پانچ مرتبہ اپنے آپ کو اس پانی سے دھوتا ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ کسی بھی طرح کی میل کچیل کا اثر اس پر باقی رہ جائے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں۔ فرمایا یہ پانچ نمازیں بھی گناہوں کو ایسے بہا لے جاتی ہیں (پاک کردیتی ہیں) جیسے پانی میل کو۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دین کا ستون ہے' جس نے اس سے ہاتھ اٹھایا اس نے اپنے دین کو برباد کیا۔ اور لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ تمام کاموں میں کونسا کام افضل ہے؟ تو فرمایا ''نماز کو وقت پر ادا کرنا'' نیز فرمایا بہشت کی کنجی نماز ہے۔

نماز کا جسم اور روح:

نماز کا جسم بھی ہے اور روح بھی ہے۔ جسم سے مراد طہارت' قبلہ رو کھڑے ہونا' تکبیر' قیام' رکوع' سجود' قعدہ' التحیات' تشہد' درود اور زبان سے ان سارے اعمال میں وہ آیات پڑھنا یا وہ الفاظ ادا کرنا ہیں جو مسنون ہیں۔ نماز کی روح خشوع اور خضوع ہے۔ نماز میں کامل حضوری کا احساس ہو۔ احسان کے مطلب بھی یہی ہیں کہ نماز اس طرح پڑھو کہ بندہ خدا کو دیکھ رہا ہے یا خدا بندے کو دیکھ رہا ہے۔ دل حاضر ہو' نگاہ اِدھر اُدھر نہ بھٹکے' الفاظ کے معنی کا ادراک ہو۔ نماز کا وہی حصہ مومن کا ہے جو سمجھ کر پڑھا جائے۔ چوبیس گھنٹے میں فرض نمازوں میں تقریباً دو یا ڈھائی گھنٹے صرف ہوتے ہیں' اس تھوڑی سی دیر کیلئے انسان اپنے آپ کو دنیاوی کاموں سے علیحدہ کرلے اور اپنے خالق سے رابطہ قائم کرلے تو کچھ زادِ راہ میسر آجائے۔ نماز کے آخر میں سلام پھیرے اور السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' کہے گویا کہ پھر دنیا کی طرف رجوع کرے۔

شروع نماز میں شیطان سے پناہ مانگی جاتی ہے مگر شیطان پھر بھی نماز میں بھٹکانے اور وسوسہ ڈالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ''جب اذان ہوتی ہے تو شیطان پیٹھ موڑ کر پادتا ہوا بھاگتا ہے تاکہ اذان کو نہ سنے' پھر جب اذان ہو چکتی ہے تو چلا آتا ہے۔ پھر جب تکبیر ہوتی ہے تو بھاگ جاتا ہے پیٹھ موڑ کر' پھر تکبیر ہو چکتی ہے تو چلا آتا ہے یہاں

Marfat.com

تک کہ وسوسہ ڈالتا ہے نمازی کے دل میں اور کہتا ہے اس سے کہ فلاں چیز کا خیال کر جس کا خیال نمازی کو اول بھی نہ تھا یہاں تک کہ رہ جاتا ہے نمازی اور خبر تک نہیں ہوتی اسکو کہ کتنی رکعتیں پڑھیں۔" (مئوطا امام مالکؒ کتاب الصلوٰۃ ص ۵۸)

بے روح نماز کے بارے میں نبی پاکؐ نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں دل حاضر نہ ہو' اللہ تعالیٰ اسے دیکھتے بھی نہیں۔" بعض مفسرین کے مطابق بے حضوری کی نماز نماز ہی نہیں اگرچہ امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ اور بہت سے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی نماز بھی صحیح ہے بشرطیکہ تکبیر اول میں دل حاضر اور فارغ رہا ہو۔ بہر حال نماز پوری یکسوئی اور خشوع و خضوع سے ادا کرنی چاہیے۔

نماز کا پیکر انسان کے فطری اعمال و حرکات کے قالب میں تیار کیا گیا ہے۔ جسمانی طریقے سے کسی بڑے محسن کی تعظیم اور اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار تین طریقوں سے کرتے ہیں۔ کھڑے ہو جاتے ہیں' جھک جاتے ہیں' زمین پر سر رکھ دیتے ہیں' نماز کے یہی تین رکن ہیں' چنانچہ آغاز عالم سے انبیائے کرام نے جس نماز کی انسانوں کو تعلیم دی وہ انہی تین اجزاء سے مرکب تھی' کھڑا ہونا (قیام) جھک جانا (رکوع)' اور زمین پر سر رکھ دینا (سجدہ)۔

بے حضوری سے بچنے کیلئے نماز کی جگہ پرسکون ہو (مسجد یا گھر میں ایسی جگہ) اور اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں سے نماز کے وقت سے پہلے فارغ ہو لے۔ کپڑے سادہ پہنے تا کہ بیل بوٹوں پر نگاہ نہ اٹک جائے۔ نماز کے وقت اپنے آپ کو اندیشوں سے ممکن حد تک خالی کر لے۔ مشہور واقعہ حضرت طلحہؓ کا ہے۔ آپ اپنے کھجوروں کے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ درختوں کے درمیان ایک خوبصورت پرندہ دکھائی دیا جو اِدھر اُدھر اُڑتا پھرتا تھا اور نکلنے کا راستہ اسے نہیں مل رہا تھا۔ طلحہؓ کا دل اس میں اسقدر مشغول ہوا کہ یاد نہ رہا کہ کتنی رکعت نماز ادا ہو چکی ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے دل کی شکایت پیش کی اور پھر بطور کفارہ اس باغ کو صدقہ میں دے دیا۔

نماز قائم کرنے کا مطلب نماز پنجگانہ ہے یہ نہیں کہ کبھی ایک پڑھ لی یا دو یا چار۔ مردوں کیلئے نماز با جماعت پڑھنا نماز قائم کرنا ہے۔ سورہ التوبہ آیہ ۱۸ میں فرمایا انما............ المھتدین

☆ (ترجمہ) "اللہ کی مسجدوں کے آباد کار تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور اور آخرت پر ایمان

Marfat.com

رکھیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ انہیں سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے۔"

نماز دعا ہے، ذکر ہے، عاجزی سے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے حاضر کرنا ہے۔ یہ اللہ کے ساتھ رابطہ کا ذریعہ ہے۔ یہ نظم وضبط، انسانی مساوات واخوات، نیکی کی ترویج اور برائی کا خاتمہ سے عبارت ہے۔

نماز قائم کرنیوالوں کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ہے رجـــــال ......ولابصار ☆ (ترجمہ) "ان میں ایسے لوگ، صبح شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور اوقات نماز وادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دیدے اُلٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آ جائے گی۔" (النور ۳۷)

پورے آداب سے نماز نہ پڑھنا نماز کی چوری ہے جو سب چوریوں سے بری ہے حدیث ہے کہ "صحابہ نے پوچھا نماز کا چور کیونکر ہے؟ فرمایا آپ ﷺ نے نماز کا چور وہ ہے جو رکوع اور سجدہ کو پورا نہ کرے۔" اس حدیث کو آئمہ حدیث نے سنداً ابو ہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے اور ابو سعیدؓ کی روایت میں ہے کہ "نماز کا چور وہ ہے جو رکوع اور سجدہ اور خشوع پورا نہ کرے۔ رکوع میں اچھی طرح جھکنا اور پیٹھ کو سر کے برابر کرنا اور اقل مرتبہ تین بار سبحان ربی العظیم کہنا پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جانا اور سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہنا، پھر اچھی طرح اطمینان سے سجدہ کرنا اور ہر سجدہ میں کم سے کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنا اور دو سجدوں کے بیچ میں اچھی طرح بیٹھنا اور اطمینان اور وقار اور سہولت سے سب ارکان ادا کرنا، اس کا نام تعدیل ارکان ہے" (موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۴۰)۔

سورہ العنکبوت (آیہ ۴۵) میں اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا اتل ......ماتصنعون ☆ (ترجمہ) "اے نبیؐ تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑی چیز ہے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

مشکلات کا سامنا کرنے کیلئے قرآن الحکیم کی تلاوت اور نماز قائم کرنے کا نسخہ تجویز کرنے کے ساتھ یہاں نماز کی ایک خاص اخلاقی قوت بیان فرمائی گئی ہے کہ نماز قائم کر کے برائیوں سے دور

Marfat.com

ہٹتے جاؤ گے۔ پانچ وقت اللہ کے سامنے حاضر ہونیوالے اور دلجمعی سے نماز ادا کرنیوالے متقی لوگوں کو اخلاقی برتری حاصل ہو جاتی ہے اور لامحالہ ان کا اثر معاشرے پر پڑتا ہے اور اچھے اعمال کی ترویج ہوتی ہے۔ اصل بات خلوص نیت کی ہے۔ اللہ کے سامنے حاضر ہونیوالے کا ضمیر اس کو برائی کی طرف جانے سے روکتا ہے کہ اگلی نماز میں اللہ کے سامنے پھر حاضر ہونا ہے۔ جس نے نماز کی اطاعت نہ کی اس شخص کی کوئی نماز نہیں اور نماز کی اطاعت کا تقاضا ہے کہ آدمی فحشاء اور منکر سے پرہیز کرے۔ شیطانی قوتیں اور اپنے نفس کا شیطان ہر دم انسان کو بھٹکانے کے درپے رہتے ہیں۔ سورہ المائدہ (آیت ۹۱) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **انما یرید ...... منتھون** ☆ (ترجمہ) ''شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز ادا کرنے سے روک دے' پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے۔''

جب پانچ وقت آدمی رب رحمان کے سامنے حاضر ہو جائے تو شیطان کے راستے دور ہو جاتے ہیں۔ قرب الٰہی میسر ہوتا ہے اور شیطان اور نفس کے شیطان کے وار کارگر نہیں ہوتے۔ اگر کبھی لغزش ہو بھی جائے تو پھر رجوع الی اللہ یعنی توبہ کر لیتا ہے۔ سورہ ھود آیت ۱۱۴ میں نماز کے اوقات قبل معراج بیان فرما کر کہا گیا ہے کہ ''درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ یاد دہانی ان لوگوں کیلئے ہے جو یاد رکھنے والے ہیں۔''

ہر نبی کی اُمت کیلئے نماز کا حکم:

نماز ایسی عبادت ہے جس کا حکم پہلی امتوں کو بھی دیا گیا' گو کہ طریقے مختلف تھے۔

سورہ ھود (آیہ ۸۷) میں فرمایا **قالو .... الرشید** ☆ (ترجمہ) ''انہوں نے کہا'' اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں سے اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے'' یہاں نماز کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا گیا ہے کہ فاسق فاجر و مشرکین پر ایک اللہ کی عبادت گراں گزرتی تھی۔ بقول علامہ اقبالؒ ایک اللہ کی عبادت ہر

Marfat.com

دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اور سجدہ ریز ہونے سے بچاتی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
دیتا ہے ہزار سجدوں سے آدمی کو نجات

سورہ یونس (۸۷) میں حضرت موسیٰ اور انکے بھائی کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ سورہ مریم (۳۰،۳۱)۔ حضرت عیسیٰ گھوارے میں بول اٹھے کہ ''اللہ نے مجھے کتاب دی اور بابرکت کیا' جہاں بھی میں رہوں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں''۔

سورہ طٰہٰ (۱۴) سورہ الانبیاء (۷۳)۔ حضرت ابراہیمؑ کو وحی کے ذریعے نیک کاموں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔

الحج (۷۷) میں فرمایا ''اے ایمان والو رکوع اور سجود کرو' اپنے رب کی بندگی کرو' اور نیک کام کرو کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ نیکو کاروں کیلئے اللہ کا وعدہ فلاح کا ہے۔''

(الف) امت محمدیہ کیلئے نماز پنجگانہ کا حکم سدرۃ المنتہیٰ کے مقام سے دیا گیا۔ باقی سب عبادات کے احکامات زمین پر وحی کے ذریعے حضورؐ کو دیئے گئے۔ یہی نماز ایمان کی کسوٹی اور ہمارے نفس کو پاک کرنے اور باطن کو نور سے روشن کر دینے میں ہماری معاون ہے۔ قلب مومن اللہ کا عرش ہے' اللہ کہیں نہیں سماتا مگر مومن کے دل میں۔ سبحٰن اللہ رحمت کا کیا انداز ہے۔

نماز معراج المومنین ہے اور اس معراج کا نقطۂ عروج سجدہ ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عاجزی' انکساری اور بے مائگی کا اظہار کرتا ہے۔ سجدہ میں انسان اللہ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سورہ العلق میں فرمایا کہ ''اور سجدہ کر اور رب کا قرب حاصل کرو۔'' واقعہ معراج سے پہلے بھی نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے۔ جس کا ذکر قرآن الحکیم میں سورۃ مزمل (۲۰) اور سورہ العلق ۹'۱۰ میں ہے۔ قبل معراج فجر' مغرب اور عشاء کے اوقات بتائے (سورہ ھود ۱۱۴) وحی غیر متلو کے ذریعے حضور نبی کریم ﷺ کو نماز کا طریقہ سکھایا گیا البتہ رکعتوں اور پنجگانہ نماز کی فرضیت کا حکم معراج کے موقع پر دیا گیا۔

Marfat.com

حضورؐ کی بعثت سے پہلے آنیوالے تمام نبیوں کو نماز کا حکم دیا گیا۔ یہودیوں میں تین وقت کی نمازیں ہیں۔ حضرت دانیالؑ ہر روز تین بار حمد، شکر گزاری اور دعا مانگتے تھے۔ طلوع آفتاب سے پہلے، پھر شام کو اور پھر رات کو سوتے وقت۔ حضرت داؤدؑ کی زبور میں ان تین وقتوں کی عبادت ان لفظوں میں ملتی ہے ''دوپہر میں خدا کو پکاروں گا' تب خدا مجھے بچالے گا' شام کو صبح کو اور دوپہر کو میں فریاد کرونگا اور نالہ کروں گا سو وہ میری سن لے گا'' اسلامی اصطلاح میں ہم ان کو فجر ظہر اور مغرب کی نمازیں کہہ سکتے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ نے دعاؤں اور نمازوں کی اہمیت اور زیادہ بڑھائی گو کہ انکی شریعت میں بھی نماز کے کچھ اوقات وہی تھے جو یہودیوں میں تھے۔ کہیں کہیں پطرس اور یوحنا کے حوالے سے دوپہر یعنی ظہر اور تیسرے پہر یعنی عصر کا اشارہ ملتا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ نے اپنے ایک شاگرد کو بتایا کہ دعا کا بہترین وقت آدھی رات ہے۔ (سیرت النبیؐ شبلی نعمانی ص ۶۳ جلد پنجم)

تمام انبیاء اپنی نمازوں میں حمد و تقدیس کے بعد دعائیں مانگتے تھے۔ حضورؐ کو جو دعا نماز میں سکھائی گئی وہ سورہ فاتحہ ہے۔ یہ سورہ الحمد، حدیث قدسی کے مطابق، اللہ اور بندے کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ اسکی جامعیت بے مثال ہے۔ اس کی سات آیات میں پہلی تین میں اللہ کی ربوبیت' رحمت اور مالکیت کا اقرار ہے بعد کی آیات اللہ سے سیدھے راستے پر چلنے کی مدد مانگی ہے۔ ایسا راستہ جو رضائے الٰہی کی طرف لے جاتا ہو نہ کہ اسکے غضب کو دعوت دینے والا ہے۔ سورہ الحمد کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ اسی طرح رکوع و سجود کی بھی مخصوص دعائیں ہیں۔ سجدہ میں ایک طرف اللہ کی کبریائی ہے اور دوسری طرف بندے کی عاجزی' ایک طرف بندہ نواز ہے اور دوسری طرف نیاز مند۔

(ب) حضورؐ کو نماز پڑھنے کا طریقہ جبرائیل امین نے اللہ کے حکم سے سکھایا۔ اس میں تکبیر تحریمہ سے سلام پھیرنے تک قیام' رکوع' سجود اور رکعتوں کے بارے میں بتانا شامل ہے۔ اللہ نے جبریل امین کو علم پہنچانے کا ذریعہ بنایا تھا۔ محض تعلیم کی غرض سے جبرائیلؑ کا امام بنایا جانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ آپ سے افضل تھے۔ ابوداؤد اور ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ

Marfat.com

پاک نے فرمایا جبریلؑ نے دو مرتبہ مجھ کو بیت اللہ کے قریب نماز پڑھائی۔ پہلے دن ظہر کی نماز ایسے وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ ایک جوتی کے تسمے سے زیادہ دراز تھا' پھر عصر کی نماز ایسے وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر تھا' پھر مغرب کی نماز ٹھیک اس وقت پڑھائی جبکہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔ پھر عشاء کی نماز شفق غائب ہوتے ہی پڑھادی اور فجر کی نماز مجھے اس وقت پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ دوسرے دن انہوں نے ظہر کی نماز مجھے اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر تھا اور عصر کی نماز اس وقت جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے قد سے دوگنا ہو گیا' اور مغرب کی نماز اس وقت جبکہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور عشاء کی نماز ایک تہائی رات گزر جانے پر اور فجر کی نماز اچھی طرح روشنی پھیل جانے پر۔ پھر جبرائیل امین نے پلٹ کر مجھ سے کہا' اے محمدؐ! یہی اوقات انبیاء کے نماز پڑھنے کے ہیں اور نمازوں کے صحیح اوقات ان دونوں وقتوں کے درمیان ہیں نماز کے وقت کی ابتدا اور انتہا بتادی۔ ہر وقت کی نماز ان دونوں کے درمیان ادا ہونی چاہیے۔ (ت ج ۲ ص ۳۵ ۷)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ میں نے نبی کریمؐ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا" اپنے وقت پر نماز پڑھنا" (سائبان رحمت ص ۱۲۲)۔

نماز کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ انسان اپنے دن کے کام شروع کرنے سے پہلے اپنے خالق کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے اور اللہ سے مدد مانگتا ہے۔ پھر دن ڈھلے' ظہر کی نماز شکرانے کے طور پر ادا کرتا ہے پھر کچھ وقت کھانے اور آرام کیلئے ملتا ہے اور دوبارہ کام شروع کرنے سے پہلے عصر کی نماز ادا کرتا ہے کہ باقی کام بھی سنور جائیں۔ مغرب کی نماز میں وہ دن بھر کے کام میں اللہ کی اعانت کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر کہیں کوئی کام نفع بخش نہ بھی رہا ہو تو اس پر صبر کی توفیق مانگتا ہے۔ سونے سے پہلے عشاء کے وقت بھی سجدہ ریز ہوتا ہے کہ دن بھر کی کوتاہیوں کی معافی مانگے اور رات کے شر سے محفوظ ہونے کی دعا کرے۔

شریعت کے دوسرے احکامات کی طرح نماز کا حکم بھی بتدریج نازل ہوا۔ جب دشمنان دین مسلمانوں کو ہر قسم کی تنگی دینے کے درپے رہتے تھے' صرف رات کو چھپ کر نماز ادا کر لی جاتی' پھر بہتر حالات میں دو نمازیں پڑھی جاتی رہیں پھر تین اور ہجرت سے ایک سال پہلے معراج میں

Marfat.com

پانچ وقتوں کی نماز کا حکم ہوا۔اس وقت مسلمانوں کی جماعت تیار ہو چکی تھی کہ نماز باجماعت پڑھی جا سکے۔مکی زندگی کے ۱۳ سال سب سے زیادہ توجہ عقیدہ توحید،رسالت اور آخرت پر دیا گیا۔ عبادت میں صرف نماز پنجگانہ کا حکم ہجرت سے پہلے دیا گیا۔زکوٰۃ' روزہ اور حج کا حکم نہ ہوا۔جب مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہوئی تو مدینہ میں زکوٰۃ کا نظام رائج ہوا' رمضان کے روزے رکھنے کا حکم ہوا اور حج صاحب استطاعت کیلئے عمر میں صرف ایک بار فرض کیا گیا۔

ان سب آیات مبارکہ کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کا بالتصریح ذکر سورہ طٰہٰ' ہود' طور' دہر' ق' روم اور نور میں ہے۔ظہر کا بالا جمال' دہر' ق' طٰہٰ اور اسراء اور روم میں' عصر کا بقرہ' دہر' ہود' طٰہٰ' ق اور روم میں' مغرب کا بالا جمال ہود' طٰہٰ اور روم میں بالتصریح' ق میں عشاء کا بصورت صلوٰۃ الیل' مزمل' طور اور دہر میں اور بصورت عشاء بالا جمال طٰہٰ ہود اور روم میں اور بالتصریح ق اور ہود میں ہے۔تمام نمازوں کا بالا جمال تذکرہ بقرہ' اسراء' اور طٰہٰ میں ہے۔طور سے فجر اور عشاء دو وقتوں کی نماز' اسراء' ہود اور طٰہٰ سے کم از کم بظاہر تین وقتوں کی' روم سے چار وقتوں اور طٰہٰ اور روم میں اور بنی اسرائیل میں پانچوں وقتوں کی نماز ثابت ہے۔

اوقات نماز:

سورہ بنی اسرائیل میں (۷۸ تا ۷۹) فرمایا گیا ہے کہ **اقیم الصلوٰۃ .... مقاما محمودا** ☆ (ترجمہ) ''نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لیکر رات کے اندھیرے تک اور فجر میں قرآن کا بھی التزام کرو کیونکہ قرآن فجر مشہود ہوتا ہے اور رات کو تہجد پڑھو یہ تمہارے لیے نفل ہے' بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے۔'' یہاں پانچوں نمازوں کے اوقات بتا دیئے گئے ہیں' نماز فجر طلوع آفتاب سے پہلے اور باقی زوال آفتاب کے بعد سے ظلمت شب تک یعنی' ظہر' عصر' مغرب اور عشاء پھر حضور ؐ کیلئے زائد نماز تہجد جو نیند توڑ کر اٹھنے کے بعد' یعنی رات کا ایک حصہ سونے کے بعد اُٹھ کر پڑھی جائے۔یہ نماز حضور ؐ کیلئے فرض کر دی گئی اور اس نماز کو حضور ﷺ کیلئے مقام محمود پر پہنچا دینے کا ذریعہ بنا دیا۔آپ ؐ دنیا میں بھی ممدوح اور قیامت کے روز مقام شفاعت یا مقام

Marfat.com

محمود پر فائز۔ نماز کے اوقات سورہ ھود ۱۱۴' سورہ طٰہٰ ۱۳۰' سورہ روم ۱۷' ۱۸' سورہ ق ۳۹' ۴۰' الدھر ۲۵' النور ۵۸ میں بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

یوں تو پانچوں نمازیں وقت پر ادا کرنی چاہئیں بالخصوص صلوٰۃ عصر' البقرہ آیت ۲۳۸ میں فرمایا گیا ہے حافظوا علی ....قنتین ☆ (ترجمہ) "اپنی نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن میں صلوٰۃ کی جامع ہو۔ اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرمانبردار غلام کھڑے ہوتے ہیں۔" صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے اور کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن جس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا وہ صرف یہ ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر نبی کریم کو مشرکین نے اس درجہ مشغول رکھا کہ سورج ڈوبنے کو آ گیا اور آپ ﷺ نماز عصر نہ پڑھ سکے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ "خدا ان لوگوں کی قبریں اور گھر آگ سے بھر دے' انہوں نے ہماری صلوٰۃ وسطیٰ فوت کرادی" (ت ج ا ص ۱۸۶) وسطیٰ کے معنی بیچ والی چیز کے بھی ہیں۔ اور ایسی چیز جو اعلیٰ اور اشرف ہو' صحیح وقت پر پڑھی جائے' خشوع کے ساتھ۔ عصر کی نماز پانچوں نمازوں کے بیچ والی ہے' فجر اور ظہر کے بعد' مغرب اور عشاء سے پہلے والی نماز۔

فجر اور عصر کی نماز کی فضیلت کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "رات اور دن میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (ڈیوٹی پر) آنیوالے اور رخصت پانے والوں کا اجتماع ہوتا ہے' پھر تمہارے پاس رہنے والے فرشتے جب اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے' حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ اپنے بندوں کے متعلق جانتا ہے' کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تب بھی وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے" (الولو والمرجان ج ا ص ۲۲۵' ۲۲۶)۔

ایک دوسری حدیث میں عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کی عصر کی نماز چھوٹ گئی گویا اس کے گھر کا مال لٹ گیا۔" (الولو والمرجان ج ا ص ۲۲۴)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ جمعہ کی بھی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ (الجمعہ ۹' ۱۰' ۱۱) جمعہ کے روز ایک ساعت ایسی ہے جب بندے کی دعا قبول ہوتی ہے۔ جمعہ کی نماز باجماعت پڑھنا لازمی ہے۔ صفوان

Marfat.com

بن سلیم سے روایت ہے یعنی جو شخص چھوڑ دے گا جمعہ تین بار بغیر کسی عذر اور بیماری کے مہر لگا دیگا اللہ اس کے دل پر یعنی اپنا فیض اس سے روک دے گا۔ (موطاء امام مالک ص ۹۳) صلوٰۃ جمعہ اور ذکر اللہ کی تفسیر آگے بیان کی گئی ہے۔

اللہ کریم نے قرآن الحکیم میں نماز کی تاکید فرمائی ہے۔ نماز ہر حالت میں ادا کرنا ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم اور بیماری کی حالت میں بیٹھ کر لیٹ کر یا اشارے سے نماز ادا کرنا ہے۔ المائدہ ۶ میں وضو کرنے کا طریقہ اور تیمم کرنے کی اجازت کے بارے میں بیان فرمایا گیا ہے۔

نماز خالق اور بندے کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہے۔ یہ رابطہ بندے کو ہر مشکل وقت میں سہارا دیتا ہے۔ بندہ اپنے آپ کو خالق دو جہاں حاکم اعلیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اللہ اس کا والی بن جاتا ہے۔ تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ مشکل وقت میں نوافل ادا کرنے سے سکون اور تقویت ملتی ہے۔ نماز باجماعت کا ترک کر دینا امتوں کے بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔ جمعیت بندی سے ہی تقویت ملتی ہے۔ اللہ صبر و صلوٰۃ سے سہارا لینے والوں کے ساتھ ہے۔ بندہ جب اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اپنی رحمت لٹانے میں دیر نہیں کرتا۔

نماز ستر پوشی' طہارت' وضو' پابندی وقت' مساوات' محبت' جماعت بندی' اللہ کے سامنے روزانہ پانچ وقت کی حاضری' حضوری اور اطاعت سے عبارت ہے۔

صلوٰۃ الجمعہ:

کچھ مہینے' کچھ ایام اللہ تبارک تعالیٰ نے باقی مہینوں اور دنوں سے ممتاز فرمائے ہیں۔ مہینوں میں رمضان المبارک' ایام میں یوم عرفہ' یوم عاشورہ اور یوم جمعہ اور عیدین کے دن مبارک و ممتاز ہیں۔

قرآن الحکیم میں عبادات میں سب سے زیادہ تاکید نماز قائم کرنے کی کی گئی ہے۔ صلوٰۃ الجمعہ باجماعت مسجد میں ادا کرنا واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے (سورہ الجمعہ ۹'۱۰) **یا ایھا الذین آمنوا.........لعلکم تفلحون** ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب

Marfat.com

پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب تمہاری نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو۔ شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔''

ان آیات میں کئی فرمان ہیں:

۱) نماز کی منادی' خاص طور پر جمعہ کے دن پڑھی جانیوالی نماز کیلئے

۲) نماز کی منادی اور مخصوص صلوٰۃ الجمعہ کی منادی پہلے سے رائج تھیں مگر کچھ لوگ اس مخصوص نماز کی منادی سن کر' نماز کا اہتمام کرنے میں سستی برتتے تھے' اس لیے صلوٰۃ الجمعہ کی اہمیت واضح کرنے کیلئے یہ آیات نازل ہوئیں۔

۳) صلوٰۃ الجمعہ کی تیاری کیلئے خرید و فروخت ترک کر دینے کا فرمایا گیا ہے۔

۴) اور پھر جب نماز پوری ہو چکے' یعنی خطبہ اور نماز پوری ہو چکے تو پھر دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کی اجازت ہے۔

یہاں ایک اصولی حقیقت غور طلب ہے' اللہ تعالیٰ حضور ﷺ نبی کریم کو وحی غیر متلو کے ذریعے کچھ ایسے احکامات بھی دیتا تھا جو قرآن الحکیم میں نازل نہیں ہوئے۔ اور وہ یہ احکامات اسی طرح واجب العمل اور اطاعت ہیں جس طرح قرآن الحکیم میں نازل ہونیوالے احکامات' یعنی کہ فرمان الٰہی اور فرمان رسول ﷺ کی اطاعت' دونوں لازم ہیں۔

نماز کیلئے بلانے کے پہلے طریقے اور تھے۔ خود مسلمان صلوٰۃ کے وقت کی منادی کرتے' پھر ڈم ڈم بجا کر اطلاع دی جاتی اور پھر اذان کا طریقہ رائج ہوا۔ اذان ہر مسجد میں پانچ وقت دی جاتی ہے۔ اس کے الفاظ حضور ﷺ نبی کریم کے مقرر کردہ ہیں البتہ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمرؓ کی عرض داشت پر حضور ﷺ نے اذان فجر میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا اضافہ کرنے کی اجازت فرما دی تھی۔ اذان کا یہ طریقہ نبی کریم کا رائج کردہ ہے۔

یہود نے ہفتہ کو یوم سبت' یعنی عبادت کیلئے مخصوص قرار دیا کہ اس دن بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات ملی۔ عیسائیوں نے اپنے آپ کو یہودیوں سے ممیز کرنے کیلئے اتوار کو اپنی عبادت کا دن مقرر کیا حالانکہ اس کا کوئی حکم نہ انجیل میں دیا گیا نہ حضرت عیسیٰؑ نے اس بارے

Marfat.com

میں کچھ فرمایا' البتہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس دن حضرت عیسیٰؑ اپنی قبر سے نکل کر آسمان کی جانب گئے تھے۔ بعد میں انہوں نے اسے عام تعطیل کا دن مقرر کر دیا۔

یوں تو ایمان والوں کیلئے پنجگانہ نماز فرائض میں شامل ہے مگر دونوں ملتوں' یہود و نصاریٰ سے اپنے آپ کو ممتاز کرنے کیلئے یوم جمعہ کا انتخاب کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ جمعہ کی فرضیت کا حکم حضورؐ پر ہجرت سے کچھ مدت پہلے' مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکا تھا مگر حالات کی دشواری کی وجہ سے مکہ میں کوئی اجتماعی عبادت کرنا مشکل تھا۔ اس لیے حضورؐ نے ہجرت کرنیوالے کچھ لوگوں کو جو آپؐ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے تھے جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا اور پہلا جمعہ سردار حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ۱۲ آدمیوں کی معیت میں مدینے میں ادا کیا۔

بعض روایات کے مطابق ہجرت سے قبل' صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد سے جمعہ کے روز جمع ہونے اور عبادت کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ یہ صحابہ کرامؓ کی اسلامی ذہنیت کا کرشمہ ہے کہ بسا اوقات' حکم آنے سے پہلے ہی ان کا ذوق کہہ دیتا تھا کہ اسلام کی روح فلاں چیز کا تقاضا کر رہی ہے۔

زمانہء جاہلیت میں اس دن کو یوم عروبہ کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوئی نے اس کا نام جمعہ رکھا۔ قریش اس دن جمع ہوتے اور کعب بن لوئی' جو مشرکین میں سے نہ تھے' بلکہ حق پرست تھے' خطبہ دیتے تھے۔ یہ واقعہ حضورؐ کی بعثت سے ۵۶۰ سال پہلے کا ہے۔ یعنی جمعہ کا اہتمام عرب میں کعب بن لوئی کے زمانہ میں ہو چکا تھا اور اس دن کا نام جمعہ بھی اس زمانے میں رکھا گیا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ نے جو اولین کام کیے ان میں ایک اقامت جمعہ بھی تھی۔ ہجرت کے پانچویں روز مسجد قبا سے مدینہ کیلئے روانہ ہوئے' راستہ میں سالم بن عوف کے مقام پر تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آ گیا' اسی جگہ حضورﷺ نبی کریم نے پہلا جمعہ ادا فرمایا (م ج ۸ ص ۴۴۰)

جمعہ کی نماز کی خصوصیت:

بے شمار روایات اور احادیث میں منقول ہے کہ حضورؐ جمعہ کی نماز زوال کے بعد ادا

Marfat.com

کرتے تھے۔

آپ کے عمل سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ظہر کی نماز کی بجائے جمعہ کی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اس نماز میں چار فرض کی بجائے صرف دو رکعتیں ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ جمعہ کی نماز سے پہلے خطبہ ارشاد فرماتے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ :

''تمہارے نبیؐ کی زبان سے نکلے ہوئے حکم کی رو سے مسافر کی نماز دو رکعت' فجر کی نماز دو رکعت اور جمعہ کی نماز دو رکعت ہے۔ یہ قصر نہیں بلکہ جمعہ کو خطبہ کی خاطر ہی مختصر کیا گیا ہے۔'' (ت ج ۵ ص ۴۹۴)

آیت ۹ میں جس اذان کا ذکر ہے وہ وہ اذان ہے جو خطبہ سے پہلے امام کے ممبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی نہ کہ وہ اذان جو خطبہ سے کافی دیر پہلے دی جاتی ہے' تاکہ لوگوں کو اطلاع دیدی جائے کہ جمعہ کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ رسولؐ اللہ کے زمانے میں پھر صدیق اکبرؓ اور عمرؓ فاروق کے زمانے میں ایک ہی اذان کا دستور رہا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور مسلمان اطراف مدینہ میں بھی آباد ہو گئے تو دور کے لوگوں کیلئے خطبہ سے پہلے دی گئی اذان سن کر پہنچنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے اذان اول دلوانی شروع کر دی جو مدینے کے بازار میں انکے مکان زوراء پر دی جاتی۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا' اس لیے یہ اذان اول باجماع صحابہ شرع ہو گئی۔

جمعہ کے وقت تمام دیگر مشاغل ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔ خرید و فروخت اور ہر دوسرا کام' کھیتی باڑی' باغبانی' میل اور ملاقات ترک کر کے جمعہ کی تیاری کرنے کی ہدایت فرمائی اور اللہ کا ذکر یعنی خطبہ اور نماز کی سعی کرنے کا حکم دیا سعی یا دوڑنے سے مراد یہ ہے کہ اذان کی آواز سن کر فوراً مسجد پہنچنے کی فکر میں لگ جاؤ۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق بھاگ کر نماز کیلئے آنے کی صاف ممانعت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ :

''جب نماز کھڑی ہو اس کی طرف سکون اور وقار کے ساتھ چل کر آؤ بھاگتے ہوئے نہ آؤ'' پھر جتنی نماز بھی مل جائے' اس میں شامل ہو جاؤ اور جتنی چھوٹ جائے اسے بعد میں پورا کر لو'' (صحاح ستہ)۔ دوڑنے سے انسان کا سکون نہیں رہتا۔ جمعہ کی پہلی اذان تیاری اور دور سے آنیوالوں کی

Marfat.com

اطلاع کیلئے دی جاتی ہے۔اور دوسری امام کے ممبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی ہے۔ جمعہ کے روز ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے اور چار رکعت فرض کی بجائے دو رکعت فرض نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے۔ البتہ جو کسی شرعی عذر کے باعث مسجد میں نہ جا سکے وہ نماز ظہر ہی ادا کرے۔

جمعہ کی نماز کی تاکید:

حضورؐ نے جمعہ کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت ہے کہ حضور نبی پاکؐ نے فرمایا کہ "میرا جی چاہتا ہے کہ کسی شخص کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کیلئے کھڑا کر دوں اور جا کر ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے" اور یہ بھی فرمایا کہ "جو کسی حقیقی ضرورت اور جائز شرعی عذر کے بغیر تین مسلسل جمعے چھوڑ دے' اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن جابرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "آج سے لیکر قیامت تک جمعہ تم لوگوں پر فرض ہے۔ جو شخص اسے معمولی چیز سمجھ کر یا اس کا حق نہ مان کر اسے چھوڑ دے' خدا اس کا مال درست نہ کرے' نہ اسے برکت دے۔ خوب سن لو اس کی نماز نماز نہیں' اس کی زکوٰۃ زکوٰۃ نہیں۔ اس کا حج حج نہیں' اس کا روزہ روزہ نہیں جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔"

جمعہ ہر شخص پر فرض ہے البتہ عورتیں' بچے' غلام' مریض' قیدی' معذور اور مسافر کو اس کی فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جان و آبرو کے خطرے اور شدید خراب موسم مثلاً آندھی' برف کا طوفان کے تحت بھی استثنیٰ ہے۔ جمعہ کی نماز ہر بستی میں نہیں پڑھی جا سکتی۔ شہر سے دور چھوٹی بستیوں کے رہنے والے جمع ہو کر کھلے میدان میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔ صحت جمعہ کیلئے ضروری ہے کہ جماعت میں امام سمیت کم از کم چالیس ایسے لوگ شریک ہوں جن پر جمعہ فرض ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ کے عہد مبارک میں جمعہ کی ایک ہی اذان اس وقت دی جاتی جب حضور ممبر پر تشریف لے آتے۔

ایک جمعہ حضور ﷺ خطبہ فرما رہے تھے کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی' فرمایا (سورہ جمعہ آیت ۱۱) واذا راو .... رازقین ☆ (ترجمہ) "اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیا۔ ان سے کہو جو کچھ

Marfat.com

اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔''

کتب حدیث میں شان نزول کا واقعہ' معتبر حوالے سے' حضرت جابرؓ بن عبداللہ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابو مالکؓ اور حسن بصریؒ سے یوں منقول ہوا ہے کہ مدینہ طیبہ میں ملک شام سے ایک تجارتی قافلہ عین نماز جمعہ کے وقت پہنچا اور انہوں نے ڈھول اور تاشے بجانے شروع کیے تاکہ بستی والوں کو قافلے کی آمد کی اطلاع ہو جائے۔ حضورؐ اس وقت خطبہ فرما رہے تھے۔ ڈھول تاشوں کی آواز سن کر زیادہ تر لوگ خطبہ چھوڑ کر قافلہ کی طرف دوڑے' اور صرف ۱۲ لوگ رہ گئے جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ' حضرت عمر فاروقؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور کچھ اور لوگ شامل تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت کے مطابق جب بہت سے لوگ خطبہ چھوڑ کر قافلے کی طرف چلے گئے تو حضورؐ نے باقی ماندہ لوگوں کو خطاب فرما کے کہا کہ:

''اگر تم سب چلے جاتے اور ایک بھی باقی نہ رہتا تو یہ وادی آگ سے بہہ نکلتی'' یہ واقعہ ہجرت کے قریبی زمانہ میں پیش آیا جب کفار مکہ نے مدینہ طیبہ کے لوگوں کو معاشی تنگی میں مبتلا کر رکھا تھا اور مدینہ میں اشیائے ضرورت کی شدید کمی تھی۔ لوگ بھوکوں مر رہے تھے اور قیمتیں بہت چڑھی ہوئی تھیں' اس لیے لوگ قافلے کی طرف لپکے کہ اشیائے ضرورت ختم نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی تربیت ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ یہ غلطی وقتی کمزوری کے تحت ہوئی ورنہ بعد کے اعمال نے ثابت کر دیا کہ قافلے کی طرف لپکنے والے متقی لوگ تھے۔ غلطی ہونا بشری فعل ہے اور صحابہ کرام کوئی آسمانی مخلوق نہ تھے۔ یہ فعل ایمان کی کمی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی وجہ سے سرزد نہ ہوا تھا۔ اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد آیت ۱۱ تنبیہ کے طور پر نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے معلمانہ اور مربیانہ انداز میں آداب جمعہ سکھائے گئے ہیں۔ یہ ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ جمعہ کا خطبہ سننے اور نماز ادا کرنے سے جو کچھ خدا کے ہاں سے تمہیں ملے گا وہ اس دنیا کی تجارت اور کھیل تماشوں سے بہتر ہے۔ اللہ سب سے بہتر رازق ہے' وہ اچھے وسیلے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کی خاطر کسب کمال چھوڑنے والوں کیلئے اللہ کی طرف سے دنیا میں بھی خاص برکات نازل ہوں گی اور آخرت کا ثواب تو مراد ہے ہی۔

Marfat.com

آداب جمعہ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور احادیث کے ذریعے بڑی واضح صورت میں سامنے آئے ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو مسلمان جمعہ کے روز غسل کرے، حتی المقدور اچھے کپڑے پہنے اپنے آپ کو پاک صاف کرے (یعنی غسل کرے) سر میں تیل لگائے، خوشبو لگائے اگر میسر ہو پھر مسجد جائے اور دو آدمیوں کو ہٹا کر ان کے بیچ میں نہ گھسے پھر جتنی کچھ اللہ توفیق دے اتنی نماز پڑھے (نفل) پھر جب امام بولے تو خاموش رہے اس کے قصور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک معاف ہو جاتے ہیں۔"

اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ نبی کریم نے خطبہ کے معاملے میں اپنا طرز عمل بدل دیا اور خطبہ نماز جمعہ سے پہلے دینے کا معمول بنالیا اور یہی سنت آج تک رائج ہے۔ ابتداء میں خطبہ متاثر ہوتا تھا۔ (م ج ۸ ص ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ت ج ۵ ص ۴۹۶ تا ۵۰۵، بیان القرآن ۲ ج ۱۲ ص ۷)

نماز جمعہ کے بعد معمول کے کاموں میں مشغول ہونے کی اجازت دے دی گئی بالکل اسی طرح جیسے احرام کھول دینے کے بعد شکار کھیلنے کی اجازت۔ اس کیساتھ ہی یہ بھی ہدایت فرمائی جمعہ ادا کرنے کے بعد اللہ کو کثرت سے یاد کرو شاید فلاح پا سکو۔ صلوٰۃ جمعہ بھی اللہ تبارک تعالیٰ کا ذکر ہی ہے مگر پھر دنیا کے کاموں میں لگ جانے کے بعد بھی اللہ کو یاد کرتے رہنا ہے کہ مومن کا دل اللہ کی یاد سے خالی نہیں رہتا۔ اس کا فائدہ یوں ہے کہ یاد اللہ والے لوگ غلط کام کرنے سے، حتی الامکان، اجتناب کریں گے اور یہی فلاح و خیر کا راستہ ہے۔

مسلمانوں کیلئے جمعہ کا دن ہفتہ وار عید کی مانند ہے۔ مسلمانوں کے دو تہواروں عید الفطر اور عید الاضحیٰ پر بھی دو نفل نماز بطور شکرانہ ادا کی جاتی ہے۔ عید الفطر پر تو مومن شکر گزار ہوتا ہے کہ اسے رمضان المبارک کا کچھ نہ کچھ حق ادا کرنے کی توفیق ملی اور اپنی کوتاہیوں کی معافی بھی مانگتا ہے۔ اس نماز پر جانے سے پہلے فطرہ، گھر کے ہر فرد کی طرف سے اڑھائی سیر گندم کی قیمت، ادا کرنا ہے کہ اس خوشی کے موقع پر کوئی مسلمان بھائی بھوکا نہ رہے۔

عید الاضحیٰ پر سنت ابراہیمی، جس کا اعادہ حضورؐ نے کیا، کے مطابق حسب توفیق قربانی دینی ہے۔ بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، اونٹ، جو بے عیب ہوں کی قربانی دینی ہے۔ دو نماز نفل جماعت کے ساتھ جامع مسجد یا کھلے میدان میں ادا کرنی ہے۔ یعنی کہ مسلمان خوشی کے موقع پر بھی اپنے رب

Marfat.com

سے رابطہ رکھتا ہے۔

نماز جنازہ میں بھی مسلمان اپنے لیے اور متوفی یا متوفیہ کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اس نماز میں کوئی رکوع یا سجدہ نہیں ہے۔

نفلی نماز کی کوئی حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نفلی نمازوں میں سب سے پسندیدہ نماز نماز تہجد ہے کہ بندہ اپنی نیند اللہ کی حضوری کیلئے قربان کرتا ہے۔ یہ پچھلی رات کو پڑھی جانیوالی انفرادی عبادت ہے۔

کن حالتوں میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے:

اللہ تعالیٰ نے سورہ النساء (۴۳) میں نماز کا ذکر خاص حالتوں کے ضمن میں فرمایا ہے اور شراب سے اجتناب کرنے کو کہا گیا ہے۔ فرمایا یا ایھا الذین آمنوا .... غفوراً ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ' نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ غسل نہ کر لو الا یہ کہ راستہ سے گزرتے ہو۔ اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کر لو' بے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا ہے اور بخشش فرمانے والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں پہلی بات جو فرمائی گئی ہے اس کا تعلق شراب کی حرمت سے ہے۔ یہ شراب کے بارے میں دوسرا حکم ہے۔ پہلا حکم البقرہ (آیت ۲۱۹) میں آیا ہے اور اس موقع پر شراب کو اللہ کے نزدیک بری اور ناپسند چیز کہا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مسلمانوں نے اس سے پرہیز شروع کر دیا۔ اس کی قطعی حرمت سورہ المائدہ (۹۰'۹۱) میں بیان فرمائی گئی ہے۔

اس آیت میں نماز کے اوقات میں شراب پینا منع فرما دیا گیا ہے مبادا نشے کی حالت میں تم نماز میں وہ کہہ جاؤ جس کا تم کو فہم نہیں۔ یعنی حالت سکر میں ایسی غلطی ہو سکتی ہے۔ اس لیے شراب اور

Marfat.com

نماز اکٹھے نہ کرو یا نہ پیو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر میں اس کی شان نزول بیان یہ فرمائی گئی ہے کہ ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور حاکم نے حضرت علیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن عوفؓ نے ہمارا کھانا پکایا اور ہمیں کھانے کی دعوت دی اور شراب پلائی جس کی وجہ سے ہمیں نشہ آ گیا اور پھر نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سب نے مجھے آگے کر دیا' میں نے سورہ الکافرون پڑھی اور **لا اعبد ما تعبدون** کی بجائے **نحن نعبد ما تعبدون** پڑھ دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر عبداللہ بن عباسؓ ج ا ص ۲۶۳)۔

نماز میں انسان کو اتنا ہوش رہنا چاہیے کہ وہ جانے کہ وہ کیا کلمات اپنی زبان سے ادا کر رہا ہے۔ اسی لیے حضور نبی پاک ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی شخص پر نیند کا غلبہ ہو رہا ہو اور نماز پڑھنے میں بار بار اونگھ جاتا ہو تو اسے نماز چھوڑ کر سو جانا چاہیے۔

اس آیت میں دوسری بات جو فرمائی گئی ہے کہ حالت جنابت میں غسل کیئے بغیر نماز ادا نہ کرو۔ بعض فقہا اور مفسرین نے یہ مطلب بھی لیا ہے کہ ایسی حالت میں مسجد میں نہ جانا چاہیے ماسوا کسی کام کیلئے مسجد سے گزرنا ناگزیر ہو۔

ابن جریر نے یزید بن ابی حبیبؓ سے روایت کی ہے کہ کچھ انصاری لوگوں کے مکانوں کے دروازے مسجد میں تھے چنانچہ حالت جنابت میں ان کو پانی کیلئے مسجد سے گزرنا پڑتا کہ اور کوئی راستہ انکو نہ ملتا۔ اس پر یہ فرمایا گیا **الا عابری سبیل** بجز راہ گزر کے (تفسیر عبداللہ بن عباسؓ ج ا ص ۲۶۴)

تیمم کی اجازت:

آیت کے اگلے حصہ میں تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ اجازت مندرجہ ذیل صورتوں میں دی گئی ہے۔ جو پانی نہ ملنے کی صورت سے مشروط ہے۔

۱) بیماری کی حالت میں

Marfat.com

۲) سفر کی حالت میں

۳) رفع حاجت کے بعد

۴) عورتوں سے لمس کی صورت میں

تیمم کے معنی قصد کرنے کے ہیں۔ اگر پانی نہ ملے یا اس کے استعمال سے بیماری میں اضافہ کا خطرہ ہوتو پاک مٹی استعمال کرے۔

بیماری کی ایسی حالت میں کہ وضو کرنے کی سکت نہ ہو اور کوئی مددگار بھی میسر نہ ہو' تو تیمم کر کے نماز ادا کرے۔ ابن حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ایک انصاری شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ سخت بیمار تھے' کھڑے ہو کر وضو کرنے کی ان میں ہمت نہیں تھی اور نہ ان کے پاس کوئی خادم تھا کہ انکو وضو کرا دیتا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس چیز کا ذکر کیا' اس پر اللہ کریم نے یہ آیت نازل فرمائی وان کنتم مرضیٰ......(تفسیر ابن عباس ج ا ص ۲۶۴)

ابن جریر نے ابراہیم نخعیؒ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک غزوہ میں صحابہ کرام زخمی ہو گئے اور پھر ایسے میں حالت جنابت پیش آ گئی' انہوں نے رسول اللہ کو اس چیز کی اطلاع کی' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت ولا جنباً مسافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اسے جنابت کی حالت لاحق ہو جائے تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ ابن مردیہ نے اسلم بن شریک سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر کجاوہ کسا کرتا تھا ایک بہت ٹھنڈی رات میں مجھے جنابت کی حالت پیش آ گئی تو مجھے خوف ہوا کہ اگر اس قدر ٹھنڈے پانی سے غسل کروں گا تو مر جاؤں گا یا سخت بیمار پڑ جاؤں گا۔ غرض اس چیز کا میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

رفع حاجت کے بعد بھی پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے۔ رفع حاجت کے بعد مٹی کے تین ڈھیلوں سے بدن کی نجاست دور کرے اور پھر تیمم کرے۔ اس آیت کی شان نزول میں اور بھی روایات ہیں۔ ایک حدیث حضرت عائشہؓ سے اس بارے میں مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں بیدا یا ذات الجیش پہنچے تو میرا گلوبند گر پڑا اور

Marfat.com

ڈھونڈنے کیلئے وہیں ٹھہر گئے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔اس جگہ پانی نہ تھااور فجر کی نماز ادا کرنی تھی تو اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی (موطاء ص ۴۹)

موطاء میں امام مالک نے تیمم کا یہ طریقہ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے پر ملو اور دوسری مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر ہاتھوں پر کہنیوں سمیت ملو۔(موطاء ص ۵۰)

صحیحین میں عمارؓ سے روایت ہے کہ یعنی کہ مٹی پر ایک دفعہ ہاتھ مار کر منہ اور ہاتھوں کا ہتھیلیوں تک مسح کرنا کافی ہے۔اور دو دفع ہاتھ مارنے کے بارے میں جتنی حدیثیں آئی ہیں اکثر ان میں سے میں ضعیف ہیں۔(موطاء ص ۵۰)

تیمم کیلئے ضروری نہیں کہ زمین پر ہی ہاتھ مارا جائے' اس غرض کیلئے ہر گرد آلود چیز یا ہر وہ چیز جو خشک اجزاء ارضی پر مشتمل ہو کافی ہے۔(ت ج ۱ص ۳۵۶)۔پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کی اجازت غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر دی گئی جو ۵ھ میں ہوا۔(ت ج ۱ص ۳۱۶)

اس آیت مبارکہ میں یہ بات واضح طور پر ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ نماز کسی حالت میں قضا نہیں کی جانی چاہیے۔صرف حالت جنگ یا ایسا مرض جس میں انسان ہوش وحواس سے بیگانہ ہو' نماز قضا کی جا سکتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے دین میں مسلمانوں کیلئے آسانیاں پیدا کی ہیں۔اللہ سبحٰن وتعالیٰ کا کتنا احسان ہے کہ وضو اور طہارت کیلئے ایسی چیز کو پانی کا قائم مقام بنادیا ہے جو پانی سے زیادہ آسانی سے دستیاب ہے اور یہ سہولت صرف امت محمدیہ کو عطا کی گئی۔

آجکل کے حالات میں بسوں' ٹرینوں وغیرہ کے ذریعے سفر کے دوران پانی کی کمیابی کا امکان ہے' نجاست دور کرنے کیلئے ٹشو پیپر استعمال کیا جاسکتا ہے اور تیمّم کسی گرد آلود چیز پر ہاتھ مار کر کیا جاسکتا ہے۔

نماز کے اخلاقی' تمدنی اور معاشرتی فائدے:

نماز تو درحقیقت ایمان کا ذائقہ' روح کی غذا اور دل کی تسکین کا سامان ہے۔نماز کے فوائد مختصر طور پر یوں گنوائے جاسکتے ہیں یہ بیک وقت ستر پوشی' طہارت' وضو' پابندی وقت' خداخوفی'

Marfat.com

مساوات‘ محبت‘ جماعت بندی‘ یومیہ پانچ وقت کی حاضری اور اطاعت کا درس دیتی ہے۔
نماز ایک منفرد عبادت ہے جس میں انسان ہر روز اپنے خالق کے سامنے دن میں پانچ مرتبہ حاضر ہو جاتا ہے۔ دوسری عبادات میں زکوٰۃ‘ روزہ اور حج شامل ہیں۔ زکوٰۃ سال میں ایک دفعہ دی جاتی ہے‘ رمضان کا مہینہ سال میں ایک دفعہ آتا ہے اور حج صاحب استطاعت کیلئے زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے نماز کی ادائیگی میں بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ کسی اشد ضرورت‘ سفر اور بے اطمینانی کے وقت ظہر و عصر کو ایک ساتھ اور مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ ملا کر بھی ادا کر سکتے ہیں اور صبح کی نماز کا ہر آیت میں ہمیشہ علیحدہ ذکر فرمایا گیا ہے اس لیے اس کا کسی دوسری نماز سے ملانا جائز نہیں۔ نماز کی آیات میں ظہر و عصر اور مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ ملا کر پڑھنے کا لطیف اشارہ ملتا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

باب دوم

روزہ

روزے کی فرضیت:

البقرہ کی آیات ۱۸۳، ۱۸۴ میں رمضان المبارک کے روزوں کے بارے میں ابتدائی احکامات نازل فرمائے گئے ہیں۔ فرمایا یا ایھا الذین آموا .... تعلمون ☆ (ترجمہ) ”اے ایمان والو یا اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیئے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیرووں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔ چند مقرر دنوں کے روزے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے۔ اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (اور روزہ نہ رکھیں) تو فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ انہی کیلئے بہتر ہے۔ لیکن اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں یہی اچھا ہے کہ روزہ رکھو۔“

سورہ البقرہ کی آیت ۱۷۷ کی تفسیر میں اجمالی طور پر نیکی اور خوبی کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ آیت ۱۷۸ میں ان کی جزئی تفصیلات بیان کی جا رہی ہیں۔ جن کو ’ابواب اجر‘ کہا جاتا ہے، اس سلسلے کا پہلا حکم قصاص، دوسرا وصیت اور تیسرا حکم روزوں کا ہے۔ روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے تیسرا بڑا رکن اور عبادات میں دوسرا بڑا رکن ہے۔ اسلام میں احکامات کا بتدریج نازل ہونا حکمت الٰہی ہے کہ بندہ پر سارے احکامات ایک دم نازل ہو جانے کی صورت میں ان پر عملدرآمد بہت مشکل ہو جاتا۔ شراب کی حرمت بھی بتدریج ہوئی، اسی طرح روزے کے احکامات میں بھی تین تبدیلیاں ہوئیں۔

حضور اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو روزے کی فرضیت سے پہلے ہر ماہ تین روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ قمری ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ یعنی یوم البیض کے روزے اور ایک روزہ یوم عاشورہ کا۔ ۲ ہجری میں رمضان کی فرضیت کا حکم ہوا۔ اس حکم میں یہ رعایت دی گئی کہ جو روزہ رکھنے کے قابل ہوں یعنی صحت مند ہوں اور روزہ کی بندشیں برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں پھر

Marfat.com

بھی اگر وہ روزہ نہ رکھیں یعنی ان کا اس مشقت اٹھانے کو جی نہ چاہے تو ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ (یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا) مگر ساتھ ہی فرمایا کہ بہتر عمل یہی ہے کہ روزہ رکھو۔ کچھ مفسرین کے مطابق فدیہ دینے کا حکم مریضوں مسافروں اور دیگر مصائب و آلام کا شکار لوگوں پر ہے۔

اس آیت (۱۸۳) کے حکم میں بیان فرمایا کہ فریضۃ الصوم تمہارے لیے خاص نہیں ہے بلکہ پچھلی امتوں پر بھی روزے فرض کیے گئے تھے۔ حضرت آدمؑ سے لیکر خاتم الانبیاء تک تمام شریعتوں میں روزے فرض کیے گئے۔ پچھلی امتوں کے روزوں کی تعداد' اوقات اور ایام میں فرق ہوتا رہا۔ داؤدی روزہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن رکھا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ پر جو شریعت نازل ہوئی اس میں ۴۰ روزے تھے۔ غیر مسلموں میں بھی روزے کا تصور کسی طور پر موجود ہے جیسے ہندو برت رکھتے ہیں۔

لفظ صوم کے معنی رکنے اور بچنے کے ہیں۔ کھانے پینے اور جنسی خواہشات سے مخصوص مہینہ میں خاص اوقات میں رکنے اور باز رہنے کا نام روزہ ہے۔ ان خاص اوقات میں' جو اللہ نے اگلی آیت میں واضح فرما دی ہیں' ایمان والوں کیلئے حلال چیزیں بھی حرام کر دی گئی ہیں۔ روزانہ کے معمول میں عام طور سے نفسانی خواہشوں اور حرص و ہوا کا مظہر تین چیزیں یعنی کھانا' پینا اور عورت مرد کے جنسی تعلقات ہیں۔ انہی سے ایک معین مدت تک رکے رہنے کا نام روزہ ہے۔ روزہ کے حکم سے ضبط نفس کی تربیت' روح اور جسم کی اصلاح اور جمعیت بندی مقصود ہے تاکہ پرہیز گاری کی قوت پیدا ہو۔ چند مقررہ دنوں کے روزے یعنی ماہ رمضان کے روزے تقویٰ اور قرب الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ روزہ خدا اور بندے کے درمیان خفیہ معاہدہ ہے اور مومن اس کو نبھاتا ہے۔ ہر موسم میں قمری مہینوں کے حساب سے روزے آتے ہیں۔ ایمان والے روزہ کے اوقات میں بھوک پیاس سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور بھوک' پیاس اور کسی اور نفسانی خواہش کی خاطر روزہ نہیں توڑتے البتہ اگر کوئی بیمار پڑ جائے اور جان کا خطرہ ہو تو روزہ وقت سے پہلے افطار کیا جا سکتا ہے۔ بھوک پیاس سے بے نیازی اللہ کی صفت ہے جو اگر بندہ اپنا لے تو قرب کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ کھانے پینے کے علاوہ بھی ہر اعضاء کا روزہ ہوتا ہے۔ زبان کا' آنکھوں کا' ہاتھ کا' یعنی

Marfat.com

لغویات کرنا، چغلی کھانا، بہتان ترازی کرنا، میلی نظر سے دیکھنا اور کسی پر ہاتھ اٹھانا، غصہ اور گالی گلوچ کرنا، چوری چکاری، دھوکہ دہی اور رزق حرام روزے کی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

بشریت کی ضروریات سے استغنا تھوڑے زمانہ تک ممکن ہے۔ اس تھوڑے عرصے کے اجتناب سے انسان کو ملاءِ اعلیٰ کی مقدس مخلوق میں داخل ہو جانا چاہیے کہ ان مخلوقات کا فرض زندگی محض خدائے پاک کی اطاعت و عبادت ہے۔ ان تمام حقائق اور رموز کو تقویٰ کا نام دیا گیا ہے۔

پیغمبرانہ تاریخ کے انہی اصول اور قوانین میں سے ایک یہ ہے کہ نبی جب اپنے کمال انسانیت کو پہنچ کر فیضان نبوت کے قبول اور استعداد کا انتظار کرتا ہے تو وہ ایک مدت کیلئے عالم انسانی سے الگ ہو کر ملکوتی خصائص میں جلوہ گر ہوتا ہے، اسی وقت سے اس کے دل و دماغ میں وحی الٰہی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگتا ہے۔ جلوہ طور کا پیغمبر حضرت موسیٰؑ جب کوہ طور پر تورات لینے جاتا ہے تو چالیس روز کی بھوک و پیاس برداشت کر چکا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے شاگردوں نے پوچھا کہ ہم پلید روحوں کو کس طرح نکال سکتے ہیں فرمایا "یہ جنس سوائے دعا اور روزے کے کسی اور طرح سے نہیں نکل سکتی۔"

حضرت عیسیٰؑ بھی انجیل کی عطا سے پہلے چالیس روز روزے کی مشقت برداشت کر چکے ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ نبی پاک آخری صحیفہ کے قرآن کے نزول سے پہلے پورے ایک مہینہ غار حرا میں ہر قسم کی عبادتوں میں مصروف رہے (صحیح مسلم کتاب الایمان) گویا تصریحاً واضح نہیں ہے کہ آپؐ غار حرا میں روزے رکھتے تھے تاہم قرائن و اشارات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ اور عبادات کیساتھ غار حرا میں روزے بھی رکھتے تھے۔ بخاری سیرت ابن حشام سے واضح ہے کہ آپؐ ان دنوں اعتکاف فرماتے تھے جس کا ایک جز روزہ ہے۔

روحانی ارتقا کیلئے دوسرے مذاہب میں بھی چلہ کشی کی روایات ملتی ہیں۔ ہندوستان میں صرف برہمن اکاشی یعنی ہر ماہ ۱۱، ۱۴ تاریخ کو روزے رکھتے۔ جوگی چلہ کشی کرتے۔ جینی مذہب کئی کئی ہفتہ روزہ رکھتے ہیں۔ یونان و مصر میں روزہ کی تاریخ ملتی ہے۔ پارسی کی الہامی کتاب میں روزہ کا ذکر ہے جو صرف مذہبی پیشوا رکھتے تھے۔

Marfat.com

روزے کی قضا:

دین میں اللہ تبارک تعالیٰ نے کوئی سختی نہیں کی بلکہ آسانیاں بہم پہنچائی ہیں۔ یرید اللہ بکم الیسریٰ ☆ البقرہ ۱۸۵ (ترجمہ) ''اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے۔ جو شخص بیمار ہو وہ روزہ قضا کر سکتا ہے اور صحت مند ہو کر جتنے روزے قضا کیے ہوں وہ پورے کر سکتا ہے۔ دوسری یہ آسانی سفر کی حالت میں مسافر کیلئے ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے سفر کی مسافت جس پر روزہ قضا کیا جا سکتا ہے وہ پیادہ سفر کی تین روز کی مسافت ہے جس کا حساب میلوں میں لگایا گیا جو ۴۸ میل جو تقریباً ۷۸ کلومیٹر بنتی ہے۔ اگر دوران سفر کسی مقام پر سلسلہ ٔ سفر جاری نہ رہے اور کسی مقام پر ٹھہر کر پھر سلسلہ ٔ سفر جاری رہے سفر کی رخصت کا مستحق ہوگا۔ البتہ اگر کسی مقام پر ۱۵ دن سے زیادہ قیام کرے تو وہ علی سفر نہیں رہتا۔ سفر کے دوران قضا کیے گئے روزے بعد میں پورے کرنے ہوں گے۔

حضور اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ سفر میں جایا کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی روزہ رکھتا اور کوئی نہ رکھتا۔ حضور ﷺ کا اپنا عمل بھی یہی تھا۔ رمضان میں جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر روزے قضا کیے گئے۔ جنگ کیلئے حضور ﷺ نے فرمایا ''دشمن سے مقابلہ درپیش ہو تو روزے چھوڑ دو (یعنی قضا کر لو) تا کہ تمہیں لڑنے میں قوت حاصل ہو''۔

جنگ کی حالت میں محاذ پر لڑنے والوں کیلئے تو روزہ کی قضا ہے۔ اگر کسی شہر پر حملہ ہوا ہو تو اس صورت میں مقامی لوگ بھی کئی مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں ان میں سے بعض لوگ محاذ پر لڑنے والوں کے کاموں میں مصروف کار ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے، بعض قضا کرنے کی اجازت نہیں دیتے، مگر علامہ ابن تیمیہ نے نہایت قوی دلائل کیساتھ فتویٰ دیا کہ ایسا کرنا بالکل جائز ہے۔ (ت ج ا ص ۱۴۳)۔

اللہ نے اپنی رحمت سے شرعی عذر کی بنا پر قضا روزوں کی گنتی بعد میں پوری کرنے کی اجازت دی ہے۔ مریض کے صحت مند ہونے پر اور مسافر کے مقیم ہونے پر قضا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص مرض کی حالت میں یا سفر کی حالت میں مر جائے تو قضا یا فدیہ لازم نہیں۔ قضا روزے

Marfat.com

مسلسل رکھے یا ایک ایک یا دو دو کر کے رکھے اس کی کوئی قید نہیں۔

تیسری آسانی روزہ کا فدیہ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں فرمایا گیا جو روزہ کی طاقت رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے اس مشقت کی طرف مائل نہ ہوں روزے کا فدیہ بصورت صدقہ ادا کریں لیکن ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ بہتر ہے کہ وہ روزہ رکھیں۔ یہ رعایت بعد میں عام لوگوں کیلئے جو صحت مند ہوں' منسوخ کردی گئی' البتہ بیمار جن کی صحت یابی کی کوئی امید نہ ہو اور بوڑھے لوگوں کیلئے یہ رعایت باقی ہے۔ روزے کے سلسلے میں یہ دوسری تبدیلی کی گئی۔

روزہ کے احکامات میں تبدیلیاں:

فرضیت سے پہلے حضور ﷺ ایام ابیض کے تین روزے اور یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے' یہ پہلی تبدیلی تھی۔

البقرہ آیت ۱۸۵ میں اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے کی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور اس ماہ میں نازل ہونے والی کتاب قرآن الحکیم' جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے' کا احسان ماننے کو کہا گیا ہے۔ فرمایا شھر رمضان .... تشکرون ☆ (ترجمہ) ''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کیلئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے' جو راہ راست دکھانیوالی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہذا جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے' اور جو کوئی مریض ہو' یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے لیے نرمی کرنا چاہتا ہے' سختی نہیں کرنا چاہتا اس لیے یہ طریقہ بتایا جارہا ہے تاکہ روزوں کی تعداد پوری کرسکو۔ جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار کر' اعتراف کرو اور شکرگزار بنو''۔

اس آیت مبارکہ میں رمضان کی فضیلت بیان فرمائی ہے جس کا تفصیلاً ذکر آگے چل کر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کردیئے' ہر بالغ' عاقل اور صحت مند کیلئے جو اس مہینے کو پالے۔ اس آیت کی رو سے جو رعائتیں مریض' مسافر اور عورتوں کے مخصوص ایام یعنی شرعی عذر کے

Marfat.com

حوالے سے پہلے دی گئی تھیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی' صرف ایک رعایت منسوخ کردی گئی جو روزہ رکھنے کے قابل شخص کو روزہ رکھنے کے عوض فدیہ دینے کی اجازت سے متعلق تھی۔ کیونکہ اکثر لوگ اس رعایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روزہ نہ رکھتے اور فدیہ ادا کردیتے۔ اس لیے یہ رعایت منسوخ کردی گئی۔ یہ دوسری تبدیلی ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اور نرمی فرماتا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ بندے اپنے جسم کی زکوٰۃ روزہ کے ذریعے دیں اور تقویٰ اختیار کریں۔ رمضان کے مہینے میں روزہ داری صرف عبادت اور اخلاقی تربیت پر ہی موقوف نہیں بلکہ نعمت قرآن کی شکر گزاری بھی ہے۔ یہ اللہ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہماری راہیں متعین اور روشن کردی ہیں۔

آیہ ۱۸٦ میں فرمایا و اذا سالک عبادی .... یر شدون ☆ (ترجمہ) ''اور اے نبیؐ میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان کے قریب ہی ہوں' پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے' میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنادو شاید کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔''

یہ آیت رمضان کے احکامات والی آیتوں کے درمیان آئی ہے۔ اللہ نے اپنے بندے پر کوئی قید نہیں لگائی' وہ ہر جگہ اور ہر وقت اپنے بندے کی پکار سنتا ہے۔ کفار کو سمجھایا جارہا ہے کہ تم جن کو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو تم ان کو دیکھ تو سکتے ہو مگر وہ تو اندھے بہرے اور گونگے ہیں وہ کسی کی دعا سننے اور جواب دینے اور مشکلات کا مداوا کرنے سے قاصر ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میرا دامن پکڑو' میری اطاعت کرو۔ اللہ اپنے بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ دعا اللہ سے ہی کرنی ہے۔ دعا آہستہ اور خفیہ کرنی چاہیے۔ اجتماعی دعا ضرورت کے تحت بالجہر مانگی جاتی ہے کہ سب لوگ اس میں شریک ہوں۔

روزہ کی عبادت کا ذکر کرکے اپنی مخصوص عنایت کا ذکر فرمایا کہ میں اپنے بندوں کے قریب ہوں' ان کی دعائیں سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں۔ روزہ کی مشقت اللہ کی رضا کیلئے دعا کی ترغیب ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے دعا کی ترغیب کی یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ ''روزہ افطار کرتے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔''

Marfat.com

اس لیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ افطار کے وقت سب گھر والوں کو جمع کر کے دعا کیا کرتے تھے۔(م۔ج ۱ص ۴۵۳)

روزوں کے بارے میں کچھ مزید احکامات فرمائے گئے ہیں کہ کوئی غلط فہمی پر مبنی روایات باقی نہ رہیں۔ البقرہ ۱۸۷ میں فرمایا احل لکم .... یتقون ☆ (ترجمہ) ''تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کیلئے۔ اللہ کو معلوم ہو گیا ہے کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے۔ مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کیساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کر دیا ہے اسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدۂ سحر کی دھاری نمایاں نظر آ جائے۔ تب یہ سب کام چھوڑ کر اپنا روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں' ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کیلئے بصراحت بیان کرتا ہے' توقع ہے کہ وہ غلط رویے سے بچیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں کچھ وضاحتیں فرما دی گئی ہیں تا کہ مسلمان کسی غلط روش پر نہ چل پڑیں۔ یہاں پہلی بات جو فرمائی گئی ہے وہ افطار کے بعد صبح صادق تک کھانے پینے اور اپنی بیویوں کے پاس جانے کی اجازت ہے۔ اس بات سے یہ بات مترشح ہے کہ اس وضاحت سے پہلے جو چیز حرام خیال کی جاتی تھی یعنی افطار کے بعد بیویوں کے پاس جانا' وہ حلال کر دیا گیا ہے۔ تفہیم القرآن جلد اول میں اس کی تفسیر یہ ہے کہ بیویوں کے پاس نہ جانے کا کوئی واضح حکم البقرہ آیت ۱۸۳ کی رو سے نہیں دیا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کا مطلب یوں بیان فرمایا ہے ''تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ یعنی عشاء کی نماز کے بعد کھانے پینے اور جماع سے رکے رہو یا عشاء کی نماز سے پہلے سونے سے' جیسا کہ اہل کتاب پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم عشاء کی نماز کے بعد کھانے پینے اور جماع سے بچے رہو یا یہ کہ عشاء کے بعد سونے سے بچو اور یہ آیت احل لکم ...... الرفث اور آیت کلوا واشربو سے منسوخ ہے۔ تیس دن تک رمضان المبارک میں روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے۔

Marfat.com

(تفسیر ابن عباسؓ ج ا ص ۱۰۶)

ترجمان القرآن جلد اول ص ۲۷۰ پر اس آیت کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے کہ یہودیوں، جن کو اہل کتاب کہا جاتا ہے کے یہاں روزہ کی شرائط سخت تھیں۔ شام کو روزہ افطار کر کے سو جائیں تو پھر رات کے کسی پہر بیچ میں اٹھ کر کچھ کھا پی نہیں سکتے، یعنی کہ دوسرا روزہ شروع ہو جاتا۔ روزے کے مہینے میں اپنی بیویوں سے جنسی اختلاط قطعاً منع تھا۔ مسلمانوں کو جب روزے کا حکم ہوا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ پابندیاں ان کیلئے بھی ضرور ہوں گی۔ چونکہ یہ پابندیاں سخت تھیں کچھ صحابہ کرام اس میں خیانت کے مرتکب ہونے لگے۔ چونکہ مومن کی زندگی میں خیانت کی گنجائش نہیں، اس لیے اللہ نے اپنے کرم سے مسلمانوں کو ضمیر کی خلش سے آزاد کر دیا اور اس بارے میں واضح حکم فرما دیا۔

معارف القرآن (ج ا ص ۴۵۳) میں اس آیت کی یہی تفسیر ہے۔ ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیویوں کے پاس جانے کی اس وقت تک اجازت تھی جب تک سو نہ جائے۔ سو جانے کے بعد دوسرا روزہ شرع ہو جاتا اور یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں پھر دوسرے دن افطار کے بعد ان چیزوں کی اجازت تھی۔ یعنی سحری کھانے کا کوئی تصور نہ تھا۔ چونکہ صحابہ کرام یہ پابندیاں پوری نہ کر سکتے تھے اور خیانت کے مرتکب ہو جاتے تھے۔ اللہ کریم نے اس آیت مبارکہ میں ان چیزوں کو صرف خاص اوقات میں حرام فرما کر مسلمانوں کیلئے آسانیاں پیدا کر دیں اور اللہ نے درگزر فرماتے ہوئے معاف فرما دیا۔ خاص اوقات سے مراد سحری اور افطار کا درمیانی وقفہ ہے۔

رسولؐ اللہ کی تعلیم سے صحابہ کرام اس پر عمل کرتے تھے کہ افطار کے بعد سو جانے کے بعد دوسرا روزہ شروع ہو جاتا تھا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ کھانے پینے اور بیویوں کے پاس جانے کی پابندی صرف سحر اور افطار کے درمیان ہے۔ افطار اور سحر تک کی پابندی کو منسوخ فرما دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سنت سے ثابت شدہ بعض احکام کو قرآن کے ذریعے منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ (م ج ا ص ۴۵۴)۔

روزے کے احکامات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ روزے کے معاملہ میں بھی نماز کی طرح تین

Marfat.com

تبدیلیاں ہوئیں جو یہ ہیں کہ:

۱) حضور نبی کریمؐ جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو ہر مہینہ میں تین روزے ایام ابیض کے اور ایک یوم عاشور (یعنی دسویں محرم) کا روزہ رکھتے تھے۔

۲) پھر روزے کی فرضیت نازل ہوگئی تو حکم یہ تھا کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ روزہ رکھے یا فدیہ دیدے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بالغ' عاقل اور تندرست کیلئے یہ اختیار ختم کر کے روزہ رکھنا لازم کر دیا۔

۳) تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں افطار کے بعد کھانے پینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں' جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا' کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت احل لکم ......الرفث نازل فرما کر یہ آسانی عطا فرما دی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہے۔ سو کر اٹھنے کے بعد سحری کھانے کو سنت قرار دیدیا گیا۔

سحری کھانے کا وقت صبح صادق تک مقرر کر دیا گیا' جب صبح کی روشنی ایک سفید خط کی صورت میں نمودار ہو۔ اور افطار کا وقت غروب آفتاب کے فوراً بعد ہے اور یوں روزہ مکمل ہو جاتا ہے۔ ایک آدھ منٹ کا فرق سحری کھانے میں مانع نہیں۔

ایک حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت بلالؓ کی اذان تمہیں سحری کھانے میں مانع نہیں ہونی چاہیے کیونکہ وہ رات سے اذان دے دیتے ہیں' اس لیے تم بلالؓ کی اذان سن کر بھی اس وقت تک کھاتے پیتے رہو جب تک اُم مکتومؓ کی اذان نہ سنو' کیونکہ وہ ٹھیک طلوع صبح صادق پر اذان دیتے ہیں (بخاری مسلم) (م ج اص ۴۵۴)۔

روزوں کے بارے میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ قطبین کے علاقوں میں کئی ماہ تک رات اور کئی ماہ تک دن کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس بارے فقہا میں روزے اور نماز کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایسے مقامات پر بظاہر رمضان کا پانا ممکن نہیں البتہ صبح وشام کے آثار افق پر نمایاں ہوتے ہیں اور وہاں کے لوگ انہیں کے لحاظ سے اوقات کا تعین کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز اور روزے کے معاملے میں بھی تعین اوقات کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

فقہائے حنفیہ میں سے حلوانی اور قبا کی وغیرہ نے نماز کے بارے میں جو فتویٰ دیا ہے کہ ان لوگوں پر اپنے ہی دن رات کے اعتبار سے نماز کا حکم عائد ہوگا۔ مثلاً جس ملک میں مغرب کے فوراً بعد صبح صادق ہو جاتی ہے وہاں عشاء کی نماز فرض ہی نہیں (شامی) اس کا مقتضی یہ ہے کہ جہاں چھ ماہ کا دن ہو وہاں صرف چھ ماہ میں پانچ نمازیں ہوں گی اور رمضان آئے گا ہی نہیں' اس لیے روزے بھی فرض نہ ہوں گے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں روزے کے متعلق اسی قول کو اختیار کیا ہے (م ج اص ۴۵۰)۔ دین حنیف کل انسانوں اور جنوں کیلئے ہر خطے اور ہر زمانے کیلئے ہے اس لیے بہتر صورت یہی ہو سکتی ہے کہ جس طرح دنیاوی کاموں کیلئے ان خطوں میں اوقات کار متعین کر لیے گئے ہیں نماز اور روزے کے بارے میں بھی کر لیے جائیں۔

رمضان المبارک کی مخصوص عبادات:

تربیت نفس کیلئے رمضان المبارک میں ایک مخصوص عبادت' اعتکاف کے بارے میں فرمایا گیا ہے (البقرہ ۱۸۷) کہ معتکف حضرات کو اعتکاف کے دنوں میں اپنی بیویوں سے مباشرت کو منع فرما دیا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حد قرار دی ہے۔ اعتکاف ایک طرف ہو کر یکسوئی سے اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت گزار ایسی مسجد میں جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہو' معتکف ہوتے ہیں۔ عام روزہ دار کیلئے روزہ افطار کرنے کے بعد کھانا پینا اور اپنی بیویوں سے ملنا حلال ہے مگر اعتکاف کی حالت میں کھانے پینے کے معاملے میں تو وہی حکم ہے مگر مباشرت جائز نہیں۔ معتکف اللہ کا مہمان ہوتا ہے اور اس کی رحمت کے سائے میں ہوتا ہے۔

رمضان المبارک کی دوسری خاص عبادت نماز تراویح ہے۔ یہ نماز باجماعت ادا ہوتی ہے۔ فرض نہیں سنت مئوکدہ ہے۔ اس نماز میں رمضان کے دوران پورا قرآن الحکیم پڑھا جاتا ہے۔ یہ احسن کام حفاظ انجام دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے صرف تین دن یہ نماز مسجد میں باجماعت پڑھی لیکن بعد میں یہ طریقہ ترک کر دیا کہ مبادا یہ امت کیلئے فرض نہ ہو جائے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسکا باجماعت اہتمام کیا گیا تاکہ قرآن الحکیم کا دورانیہ ہو سکے۔ حضرت علیؓ نے مسجدوں

Marfat.com

کوتر او تیح کیلئے آباد دیکھ کر دعا فرمائی ''اللہ تعالیٰ عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جس طرح انہوں نے مسجدوں کو قرآن پاک کے نور سے روشن کیا۔''

رمضان المبارک کی تیسری خاص عبادت لیلۃ القدر کی رات کی جستجو کیلئے مختص ہے۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں طاق راتوں میں شب بیداری' اللہ کا ذکر اور نوافل ادا کرنا ہے کہ شاید رب کریم اپنے بندوں کو نور کی جھلک سے آشنا کر دے کہ یہ رات قرآن الحکیم کے عظیم صحیفہ کے نزول کی ابتداء کی رات ہے۔ یہ رات بتائی نہیں گئی تا کہ اللہ کے بندے اس کی جستجو میں زیادہ عبادت کریں۔ رمضان کی ۲۱' ۲۳' ۲۵' ۲۷' ۲۹ طاق راتوں کو شب بیداری کی جاتی ہے۔ سورہ القدر میں اس ایک رات کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت کے برابر ہے (یعنی ۸۳ سال ۴ ماہ)۔

رمضان المبارک بڑی فضیلتوں والا مہینہ ہے۔ یہ نزول قرآن کا مہینہ ہے جس کا نزول آخری عشرہ کی کسی طاق رات میں شروع ہوا اور اقراء کی پہلی پانچ آیتیں نازل فرمائی گئیں۔ اس رات پورا کا پورا قرآن آسمان دنیا (بیت المعمور) پر نازل کر دیا گیا اور پھر حضور ﷺ پر حسب موقع اس کا نزول ہوتا رہا جو ۲۳ سال میں مکمل ہوا۔ کبھی ایک آیت' کبھی ایک آیت کا حصہ یا پوری سورت نازل فرما دی جاتی۔ یہ اللہ کا آخری' طویل اور مکمل صحیفہ ہے جس نے قوموں کی تقدیر بدل دی۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہر ایک طاق رات کی عبادت ۸۳ سال ۴ ماہ کی عبادت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ پہلے زمانے میں لوگوں کی عمریں لمبی ہوتی تھیں اور عبادت کیلئے زیادہ وقت میسر آتا تھا۔ حضور ﷺ کی امت پر یہ خاص عنایت ہے کہ ایک ہی رات کی عبادت کا بہت بڑا اجر عطا فرما دیا ہے۔ رمضان المبارک کی خصوصی عبادات اعتکاف اور لیلۃ القدر کے لیے شب بیداری' نوافل اور ذکر الٰہی رہبانیت کا توڑ ہیں۔

مسلمانوں کی ساری تاریخ رمضان کے حوالے سے مرتب ہے۔ جنگ بدر ۱۷ رمضان' فتح مکہ ۲۱ رمضان' محمد بن قاسم کی ہندوستان آمد ۱۷ رمضان' پاکستان کا قیام ۲۷ رمضان المبارک میں وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے رمضان المبارک کی پہلی تاریخ میں نازل ہوئے اور تورات چھ رمضان' انجیل ۱۳ رمضان' زبور ۱۸ رمضان اور قرآن الحکیم کا نزول

Marfat.com

آخری عشرے میں شروع ہوا (م ج ا ص ۴۴۸)۔ مفسرین میں تاریخوں کے بارے میں کچھ اختلاف ہے مگر یہ بات مشترک ہے کہ سارے صحیفے رمضان المبارک میں ہی نازل ہوئے۔

رمضان المبارک قرآن کی سالگرہ کا مہینہ ہے۔ تلاوت قرآن' ذکرالٰہی' کلمہ طیبہ کا ورد' اور تیسرا کلمہ بکثرت پڑھنا چاہیے۔ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت' دوسرا مغفرت اور تیسرا دوزخ سے نجات کا ہے۔

روزوں کی اقسام:

نفلی روزے: رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں کا بھی بڑا ثواب ہے۔ یوم ابیض یعنی چاند کی ۱۳' ۱۴' ۱۵ کے روزے' محرم کی ۹ اور ۱۰ کے روزے' یوم عرفہ اور ذوالحج کے اولین ۹ دن اور شش کے روزے جو عیدالفطر کے بعد رکھے جاتے ہیں۔ (یہ ذی القعدہ میں رکھے جاتے ہیں) عیدین کے موقع پر روزہ حرام ہے۔

روزہ بطور کفارہ: فرض اور نفلی روزوں کے علاوہ روزہ کی ایک تیسری قسم بھی ہے جو بطور کفارہ ہے۔ از روئے قرآن روزے کا ذکر بطور فدیہ' بطور کفارہ' بطور کفارہ قسم' احرام کی حالت میں عمداً شکار کا کفارہ اور بطور کفارہ ظہار آیا ہے۔ کفارہ کے روزے مندرجہ ذیل صورتوں میں رکھے جاتے ہیں۔

۱) عمداً کسی شرعی عذر کے بغیر روزہ توڑے تو بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کا کفارہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

۲) البقرہ ۱۹۶ میں سر منڈانے کو احرام کھولنے کی نشانی قرار دیا ہے یعنی احرام کی حالت میں مردوں کیلئے سر منڈانا ممنوع ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی جلدی بیماری ہو (پھوڑا' پھنسی' جوئیں' خارش' زخم وغیرہ) تو بحالت مجبوری سر کا یا بدن کے کسی حصے کے بال منڈوانا بقدر ضرورت جائز ہے۔ اس کا فدیہ اور شرعی بدلہ یہ ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا ایک بکرے کی قربانی کرے۔ قربانی کیلئے حدود حرم کی جگہ متعین ہے۔

Marfat.com

روزے اور صدقے کی کوئی جگہ متعین نہیں۔ یہ فدیہ ہر جگہ ادا ہوسکتا ہے۔ صدقے اور روزے کی کوئی مقدار اور تعداد اس آیت میں مذکور نہیں ہے۔ نبی ﷺ کی حدیث کے مطابق حضورؐ نے ایسی صورت میں اپنے ایک صحابی حضرت کعب بن عجرہؓ کو تین روزے یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع گندم بطور صدقہ کی ہدایت فرمائی (صاع ساڑھے تین سیر) یعنی پونے دو سیر گندم یا اسکی قیمت فی کس چھ مسکینوں کو ادا کرے۔

۳) <u>روزہ بطور کفارۂ قتل:</u> النساء آیت ۹۲ میں فرمایا کہ وان کان ...... علیماً حکیماً ☆ (ترجمہ) ''اگر مقتول کسی غیر مسلم کا فرد تھا، جس سے تمہارا معاہدہ ہوا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائیگا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ اس گناہ یعنی قتل پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ بڑا علیم اور دانا ہے۔''

خون بہا کی قیمت عدالت قرآن وسنت کی روشنی میں مقرر کرنے کی مجاز ہے۔ اسلام میں جان کی حرمت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ خالی خون بہا سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا کہ یہ تو وارثوں کو ملے گا مگر جس سے جرم سرزد ہوا ہے وہ ایک مومن غلام آزاد کرے جو کہ آج کل کے زمانے میں ممکن نہیں، اس لیے وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ اگر کسی وجہ سے روزوں کا تسلسل ٹوٹ جائے تو دوبارہ شروع کرے۔ اگر روزے کی قدرت نہ ہو تو حتی المقدور توبہ کرے۔

۴) <u>روزہ بطور کفارۂ قسم:</u> المائدہ آیت ۸۹ میں فرمایا کہ لا یواخذکم .... لعلکم تشکرون ☆ (ترجمہ) ''تم لوگ جو مہمل قسمیں کھا لیتے ہو ان پر اللہ گرفت نہیں فرماتا مگر جو قسمیں جان بوجھ کر کھاتے ہو ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کریگا (ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچے کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم کھا کر توڑ دو۔ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لیے واضح کرتا ہے، شاید تم

Marfat.com

شکر ادا کرو۔"

یہاں دو طرح کی قسموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ایک وہ قسم جو بلا مقصد وارادہ زبان سے نکل جائے یا کسی بات کو سچ سمجھ کر جبکہ وہ درست نہ ہو، مگر سنی سنائی بات پر اعتماد کر کے قسم کھائی جائے۔ایسی قسم پر کوئی گرفت نہیں۔بعض لوگوں کو بات بات پر قسم کھانے کی عادت ہوتی ہے اور یہ انکا تکیہ کلام ہوتا ہے۔یہ بے معنی قسم کی قسم ہوتی ہے جس کا کفارہ ہے نہ گناہ ہے۔دوسری قسم کی وہ قسم ہے جو ارادتاً کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی بابت ہو یا حلال چیز اپنے اوپر حرام کرنے کی قسم کھائی ہو۔ایسی قسم نہ نبھا سکنے کی صورت میں کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

اس آیت سے پہلے آیت ۸۷ میں مومنوں کو حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرنے کی ہدایت آئی ہے۔امام ترمذیؒ وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یارسول اللہ میں جس وقت گوشت کھاتا ہوں تو عورتوں کے لیے ہیجان ہو جاتا ہے اور شہوت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کر لیا ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان میں سے لذیذ چیزیں اپنے اوپر حرام مت کرو" (تفسیر ابن عباس ج ا ص ۳۶۳، ۳۶۴)۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں دوسری روایات بھی ہیں۔ابن جریر نے عوفی کے واسطہ سے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام میں کچھ حضرات نے جن میں عثمان بن مطعونؓ بھی تھے، گوشت اور عورتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔تاکہ عبادت خداوندی کے لیے کامل طور پر فارغ ہو جائیں، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابنؒ حاطم نے زیدؒ بن مسلم سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن رواحہؓ کے رشتہ داروں میں سے ایک مہمان آیا اور عبداللہ بن رواحہؓ رسول اکرمؐ کے پاس تھے، جب گھر آئے تو دیکھا کہ مہمان نے ابھی تک انتظار میں کھانا نہیں کھایا تو اپنی بیوی سے کہا کہ میری وجہ سے ابھی تک میرے مہمان کو بٹھائے رکھا، یہ کھانا مجھ پر حرام ہے۔ان کی بیوی

Marfat.com

بولیں کہ میرے اوپر بھی حرام ہے۔ مہمان نے کہا تو پھر مجھ پر بھی حرام ہے۔ حضرت عبداللہ نے جب یہ دیکھا تو کھانے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا چلو بسم اللہ پڑھ کر کھالو۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور آپؐ سے سارا واقعہ بیان کیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (۸۷) نازل فرمائی۔

آیت ۸۹ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر پختہ ارادہ سے قسم کھائی ہو اور پھر توڑ دی جائے تو کفارہ ادا کرنا ہے۔ اول کفارہ' دس مسکینوں کو دعوت دے کر اوسط درجے کا دونوں وقت کا کھانا کھلایا جائے یا فی کس بحساب دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کی جائے۔ اگر کھانا نہ کھلایا جائے تو دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دے دیا جائے یا کوئی مملوک غلام آزاد کر دیا جائے۔ اگر مالی کفارہ کی قدرت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھتے ہیں۔

۵) <u>حالتِ احرام میں شکار کرنے کا کفارہ:</u> المائدہ ۹۴' ۹۵ میں اسی موضوع کے بارے میں مومنوں سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ یعنی "تمہیں آزمایا جائیگا شکار کے ذریعے کہ وہ تمہارے سامنے ہاتھوں یا نیزوں یا شکار کرنے والے ہتھیار کی زد میں ہوگا۔ احرام کی حالت میں شکار کرنا حرام ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم ایسا جان بوجھ کر کرد تو اسکے کفارہ میں جو جانور شکار کرو اسی کا ہم پلہ نذر میں دینا ہوگا جس کا فیصلہ دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائیگا یا چند مسکینوں کو کھانا کھلایا جائیگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے۔

حالت احترام میں جنگلی جانوروں کا شکار (یعنی جو پالتو نہ ہوں) منع فرمادیا گیا ہے خواہ وہ ماکول جانور ہو یا ناماکول یعنی حرام۔ بھیڑ' بکری' گائے' اونٹ' دنبہ کا ذبح کرنا اور کھانا درست ہے۔ دریائی جانوروں کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

اس جرم کے کفارہ کا فیصلہ دو عادل شخص سے کروانا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی عادل شخص فیصلہ کر دے اور اس جانور کی قیمت لگا دے۔ اگر جانور غیر ماکول ہو تو یہ قیمت ایک بھیڑ یا بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی۔ ماکول جانور کی جس قدر قیمت لگائی جائے وہ واجب ہوگی۔ قیمت کی ادائیگی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

Marfat.com

اول اس قیمت کا جانور خرید ے اور حدود حرم میں ذبح کر کے فقراء کو بانٹ دے۔ یہ جانور قربانی کے جانور کی طرح بے عیب ہونا چاہیے۔ دوسری صورت اس قیمت کے برابر غلہ خرید کر بحساب صدقہ فطر فی کس نصف صاع (پونے دو سیر گندم) کے بانٹ دے۔ اگر قیمت ایک فطرے سے کم ہو تو ایک ہی مسکین کو دے دے۔ تیسری صورت میں جانور کی قیمت میں جتنے مسکینوں کو غلہ مل سکتا ہو اتنے شمار سے روزے رکھے۔ روزوں میں حرم کی قید نہیں ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ جتنے مسکینوں کا حصہ قرار پاجائے ان کو دو وقت کا شکم سیر کھانا کھلائے۔ غیر احرام کی حالت میں حرم کی حدود سے باہر شکار کیا ہوا حلال جانور محرم کو کھانا جائز ہے۔ نقصان پہنچانے والے جانور سانپ' بچھو' کاٹنے والا کتا اور درندے کا قتل احرام کی حالت میں حدود حرم میں جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو لوگوں کیلئے جائے امن اور اجتماع کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار مصلحتیں اور برکتیں ہیں۔ اس کی حرمت باعث امن اور زمین پر بسنے والوں کیلئے اصلاح کا موجب ہے۔

۶) <u>روزہ' ظہار کا کفارہ:</u> عربوں میں شوہر اور بیوی کا جھگڑا کبھی شدت اختیار کر لیتا تو شوہر غصے میں اپنی بیوی کو یہ کہہ دیتا کہ تم مرے اوپر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دے دیتا۔ زمانہء جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کیلئے بولا جاتا اور اس میں ماں' بہن اور بیٹی شامل ہیں۔ اہل عرب کے ہاں یہ طلاق سے بھی شدید قطع تعلق کا اعلان سمجھا جاتا اور ظہار کے بعد رجوع کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی' حالانکہ طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش ہوسکتی تھی۔

سورہ مجادلہ ۱ تا ۴ میں اسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سنا دیا گیا ہے۔ فرمایا **قد سمع الله ....عذاب اليم** ☆ (ترجمہ) ''اللہ نے اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کر رہی ہے (نبی کریم ﷺ سے) اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے' اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے' وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ تم میں جو لوگ اپنی

Marfat.com

بیویوں سے ظہار کرتے ہیں' ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت اور ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنیوالا اور درگزر کرنیوالا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی تو قبل اس کے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ پس تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو اس پر قادر نہ ہو وہ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں' اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

حضرت عباسؓ کے بیان کے مطابق اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ اوس بن صامت انصاری کا ہے جنہوں نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ سے ظہار کیا۔ اوس بن صامت بوڑھے اور چڑچڑے ہو گئے تھے اور غصہ سے پاگل ہو جاتے تھے۔ جب انہوں نے بیوی سے ظہار کیا تو ان کی بیوی خولہ نبی پاک ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ بیان کیا اور فریاد کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میری اور میرے بچوں کی زندگی کو برباد ہونے سے بچانے کیلئے کیا کوئی پہلو نکل سکتا ہے؟ بعض راویوں کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ ابھی اس مسئلہ میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا اور بعض کے مطابق حضورؐ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم اس پر حرام ہو گئی ہو۔ خولہ یہ جواب سن کر نالہ و فریاد کرتی رہیں اور بار بار عرض کرتی رہیں کہ میرے گھر کو برباد ہونے سے بچا لیجئے۔ میرا بوڑھا شوہر اور بچے بڑی مشکل میں ہوں گے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو تکرار یہ عورت حضورؐ کے ساتھ کر رہی ہے' ہم نے اس کو سن لیا ہے۔ ان آیات میں اللہ نے جو بڑا رحیم و کریم ہے' اپنا فیصلہ سنا دیا اور فرمایا کہ :۔

ا) ظہا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہو جاتی یعنی ماں نہیں ہو جاتی' مائیں صرف

Marfat.com

وہی ہیں جنہوں نے انکو جنم دیا۔

۲) ظہار اللہ کے نزدیک بڑی ناپسندیدہ اور جھوٹی بات ہے

۳) اللہ نے رجوع کرنیوالے کیلئے راستہ نکال دیا ہے اور اپنی بیویوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے شوہر پر جرمانے کے طور پر ایک غلام آزاد کرنا' یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا یا ۶۰ مسکینوں کو دو وقت کھانا یا اسکے بدلے پونے دو سیر غلہ فی کس دینے کا حکم فرمایا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایک مسکین کو ۶۰ روز تک دونوں وقت کا کھانا کھلائے۔ اللہ نے یہ حدیں مقرر فرمادیں ہیں۔

اوس بن صامت کو بلا کر یہ حکم سنایا تو انہوں نے معذوری ظاہر کی کہ انکی مالی حالت ایسی نہیں کہ غلام آزاد کرنے کی حیثیت میں ہوں۔ روزوں کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہ بوڑھے ہیں' اگر وہ تین وقت کا کھانا نہ کھائیں تو ان کی بینائی جواب دینے لگتی ہے اور پھر انکی مالی حالت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی کہ وہ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ پھر انہوں نے حضورؐ سے مدد کی درخواست کی۔ حضورؐ نے اتنی مقدار میں سامان خوراک عطا فرمایا جو ۶۰ مسکینوں کیلئے دو وقت کی غذا کیلئے کافی ہو۔

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو کئی طرح کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے کہ اکثر گناہ نفس کے بے قابو ہوجانے سے سرزد ہوتے ہیں اور روزہ ضبط نفس کیلئے شافی ہے۔ فدیہ اور کفارہ کے متعلق تمام احکامات پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ان سب مواقع میں روزہ کا بدل غریبوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روزہ اور غریبوں کو کھانا کھلانا یہ دونوں باہم ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔

روزہ کی تمام کیفیات کو اور مقاصد کو چند نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

۱) تقویٰ کی تربیت: روزہ انسان کے نفسیانی خواہشات پر قابو پانے کیلئے بہترین تربیت ہے

۲) سال کے بارہ ماہ میں ایک ماہ خاص اوقات میں کھانا پینا منع فرمایا دیا گیا۔ تین وقت کے کھانے کی بجائے دو وقت کا کھانا ہے تاکہ ایک وقت کا کھانا اپنے فاقہ زدہ محتاج غریب بھائیوں کو کھلادے۔ یہ بسیار خوری کا بھی علاج ہے۔

Marfat.com

۳) روزہ دار کو فاقہ، بھوک اور پیاس کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے تاکہ محتاجوں، فقیروں اور غریبوں کی امداد اور اعانت اور انکو شکم سیر کیا جانے کی تحریک ہو۔ یہ خاص سخاوت کا مہینہ ہے۔

۴) انسان کو حالات کے سرد گرم برداشت کرنے کی اور سختیوں کا خوگر بنانے کیلئے روزہ کا نسخہ بڑا مجرب ہے۔ اسی لیئے روزہ کو صبر کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔

۵) طبی اعتبار سے بھی روزہ کھانے پینے میں اعتدال کا موجب ہوتا ہے اور کئی فاسد مادے جو بسیار خوری سے جسم میں پیدا ہو جاتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں۔

۶) روزہ میں دن کو کھانے پینے کے اہتمام سے وقت کی جو بچت ہوتی ہے، اسے عبادت اور خدمت خلق میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ اس سے روحانی اور دماغی یکسوئی حاصل ہو سکتی ہے۔

۷) روزہ دار کئی گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور روزہ بذات خود گناہوں کا کفارہ بھی ہے

۸) رمضان کا مہینہ خاص عبادات کا مہینہ ہے۔ نماز تراویح اور اعتکاف اور شب قدر کی تلاش میں آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب بیداری اس ماہ کی مخصوص عبادات ہیں۔ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اس ماہ میں مستحب ہے۔

۹) روزہ روح کی غذا ہے۔ خدا کو انسان کی بھوک اور پیاس سے اجتناب، جو جسم کا روزہ ہے، کی ضرورت نہیں۔ روزہ میں ہر قسم کے مکر و فریب، جھوٹ، غصہ، حسد وغیرہ سے اجتناب سے روزہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ روزہ اللہ کیلئے ہے اور وہی اسکی جزا دیتا ہے۔

۱۰) روزہ ہمارے مادی اور روحانی جرائم کا کفارہ ہے۔

۱۱) قمری حساب سے رمضان کا مہینہ ہر موسم میں آتا ہے تاکہ مومن گرمی، سردی، لمبے چھوٹے دنوں میں اللہ کیلئے اپنے آپ کو نفسیاتی اور دیگر جائز خواہشات سے بھی روکے رکھے۔ رمضان کا مہینہ مومنوں کیلئے موسم بہار کی حیثیت رکھتا ہے، ایسی بہار جو کسی رت کی پابند نہیں۔

اسلام نے ہر ایمان و عقیدہ اور عمل کو تکمیلی شکل عطا فرمائی ہے اور دین کی تکمیل کی آیات کا مطلب بھی سمجھ آ جاتا ہے۔ پہلی امتوں کے مقابلے میں اسلام میں روزہ کے احکامات کو صاف شفاف

Marfat.com

بنادیا۔ سال میں ایک ماہ کے روزے ماہ رمضان میں فرض کر کے مدت کا تعین کردیا۔ پھر سحری و افطاری کے اوقات بھی متعین کردیئے۔ راتوں کو بیویوں سے ملنے کی اجازت ملی۔ اسلام دین فطرت ہے۔ روزہ ہر بالغ و عاقل مرد و عورت جو صحت مند ہو' پر فرض کردیا۔ صرف پیشواؤں کا روزہ کافی نہیں۔ مسافر و مریض' معذور و عمر رسیدہ کیلئے قضا اور فدیہ کی اجازت ہے۔ بھول چوک سے کچھ کھا لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

باب سوم

جہاد

مسلمانوں کو تیار رہنے کا حکم:

مسلمانوں کو اپنے دین کی حفاظت کیلئے اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کیلئے دشمن سے مقابلہ کیلئے ہر دم تیار اور چوکس رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورۃ النساء (۷۱تا۷۴) میں حق تعالیٰ نے فرمایا **یا ایھا الذین آمنوا.........اجراً عظیماً** ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو مقابلہ کیلئے ہر وقت تیار رہو پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا (جماعت جماعت ہو کر) اکٹھے ہو کر۔ ہاں اگر تم میں سے کوئی آدمی ایسا بھی ہے جو لڑائی سے جی چراتا ہے اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو کہتا ہے اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا ہے کہ میں ان لوگوں میں موجود نہ تھا اور اگر اللہ تم پر فضل کرے تو کہتا ہے اور اس طرح کہتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان محبت کا تو کوئی تعلق تھا ہی نہیں' کہے گا کہ کاش میں بھی انکے ساتھ ہوتا تو بڑا کام بن جاتا۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہو جو اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیں ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں' پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا' اسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کرینگے۔''

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے بارے میں قرآن الحکیم میں کم و بیش ۱۱۶ مرتبہ ذکر فرمایا گیا ہے اور یا ایھا الذین آمنوا سے شروع ہونے والی آیات میں ۸ مقامات میں اس موضوع پر بیانات اور احکامات صادر فرمائے گئے ہیں[1]۔

سورۃ النساء کی آیات ۷۱تا۷۴۔ اس موضوع پر قرآن الحکیم میں ترتیب کے لحاظ سے پہلی آیات ہیں جو یا ایھا الذین آمنوا سے شروع ہوتی ہیں۔

Marfat.com

جہاد کے معانی:

جہاد کے وسیع تر معانی میں صرف اللہ کی راہ میں جنگ کرنا ہی نہیں بلکہ اللہ کی رضا جوئی کیلئے ہر اس قوت کا مقابلہ کرنا ہے جو حق کی راہ پر چلنے میں مانع ہو۔ سب سے پہلے اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ نفس امارہ ہر وقت اللہ سے بغاوت پر اکساتا رہتا ہے، اس لیے ایک جنگ سے واپس آنے والے غازیوں سے نبی پاک ﷺ نے فرمایا "تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہو"۔ (ت ج اص ۲۵۴)

نفس امارہ کیخلاف جہاد کے علاوہ ہر برائی' سرکشی اور شر انگیز طاقت کے خلاف سعی کرنا شامل ہے۔ دین اسلام کی حفاظت کیلئے' اللہ کے احکامات کی پیروی میں رکاوٹ دور کرنے کیلئے جہاد کی ضرورت ہے۔ یہ جہاد باللسان' بالقلم اور بالسیف ہے۔ آجکل کے دور میں جہاں اسلام کیخلاف ساری طاغوتی قوتیں جمع ہوکر ہرزہ سرائی کررہی ہیں' طرح طرح کی کتابیں اور کتابچے لکھے جارہے ہیں' توہین آمیز خاکے بنائے جارہے ہیں جن میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی توہین کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے' مسلمانوں کیلئے جہاد بالقلم اور باللسان کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مسلمان مبلغ' علماء کرام اور قلمکاروں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسی باتوں کا جواب دلیل سے دیں۔ رشدی کی کتاب اور توہین آمیز خاکوں کیخلاف جلسے جلوس نکالنا غم وغصے کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ مگر ان باتوں کا جواب کتابی صورت میں دینا زیادہ سودمند ہے۔ پچھلی صدی میں انتہا پسند ہندوؤں نے کتاب 'رنگیلا رسول' شائع کی۔ اسکا جواب دو طرح سے دیا گیا۔ غازی علم الدین نے جوش میں آکر ناشر کو قتل کردیا اور تختۂ دار پر چڑھ کر شہادت پائی۔ مولانا ثناء اللہ نے اس کتاب کے جواب میں 'مقدس رسول' لکھ کر جہاد بالقلم کا فریضہ ادا کیا۔

اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاد بالسیف کی ضرورت نہیں یا اسکی اہمیت کم ہوگئی ہے۔ فلسطین کی جنگ آزادی' کشمیریوں کی جنگ آزادی جہاد ہی کی صورتیں ہیں۔ جہاد بالسیف کیلئے اپنے گھوڑے تیار رکھنے ہیں۔ یہ جنگ منظم طریقے سے لڑی جانی چاہیے۔ پاکستان کے پڑوسی ملک نے ۱۹۶۵ء میں اچانک حملہ کردیا تو جہاد کے بارے میں ساری آیات کی حکمت سمجھ میں آئی

Marfat.com

کہ تیار رہنے کا کیا مطلب ہے۔

اذن جہاد:

مکی دور میں کفار اور مشرکین نے مسلمانوں پر بڑے مظالم توڑے' ذہنی اور جسمانی ایذائیں دیں' معاشی مقاطع کیا' اور ہر طرح سے اسلام کا راستہ روکا گیا مگر مسلمانوں کو اسکے جواب میں صبر اور تبلیغ کی تلقین فرمائی گئی۔ اس وقت مسلمان تعداد میں تھوڑے اور بے سروسامان بھی تھے۔ مدنی دور میں جب مدینہ میں مسلمانوں کی پہلی ریاست قائم ہوئی تو جوابی کارروائی کے طور پر مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دیدی گئی۔ اس ضمن میں سب سے پہلی آیت سورہ الحج میں نازل ہوئی۔ اس آیت کی رو سے ظلم کیخلاف جوابی کارروائی کی اجازت دی گئی۔ آیت ۳۹ میں فرمایا اذن للذین ....لقدیر ☆ (ترجمہ) ''اجازت دیدی گئی ان لوگوں کو جن کیخلاف جنگ جاری رہے' کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً انکی مدد پر قادر ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں صرف اذن دیا گیا۔ سورۃ البقرہ (۱۹۰'۱۹۱) میں اپنے دین کی حفاظت کیلئے جنگ کا حکم دیدیا گیا۔ ان آیات میں فرمایا وقاتلوا فی ....جزاء الکافرین ☆ (ترجمہ) ''تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان لوگوں سے لڑو جہاں بھی ان سے تمہارا مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے اس لیے قتل اگرچہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی برا ہے۔ اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو' مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔''

تلوار کا جواب تلوار سے دینے کی اجازت دین کی حفاظت کیلئے ہے۔ جو لوگ دین کی راہ میں روڑے اٹکائیں اور ہر طرح کا ظلم و جبر روا رکھیں کہ یہ سچا دین انکے رائج الوقت عقائد کیخلاف ہے' انکے خلاف جنگ کرنا ہے مگر پہل نہیں کرنی اور زیادتی بھی نہیں کرنی کہ زیادتی اسلام کے مزاج کیخلاف ہے۔ یعنی قوت کا استعمال صرف ناگزیر حالات میں کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں

Marfat.com

کے جہاد کا یہ پہلو یعنی جہاد بالسیف دفاعی اغراض کیلئے اور فتنہ فرو کرنے کیلئے جائز قرار دیا گیا ہے۔ فتنہ دین اسلام کے معاملے میں بھی ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی گروہ اپنا نظریہ' جو اسلام کے کسی بنیادی نظریہ سے تصادم ہو، لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش کرے تو اسکے خلاف پوری قوت سے مقابلہ کرنا ہے۔

یہ فتنہ فتنہ ارتداد بھی ہوسکتا ہے' جیسے زکوٰۃ یا ختم نبوت۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں اور نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کیخلاف جہاد کیا۔ آیت ۱۹۳ میں یہ تاکید فرمادی گئی ہے کہ فتنہ پوری طرح ختم کرنا ہے اور جب فتنہ گر باز آ جائیں تو پھر ان پر کوئی دست درازی اور زیادتی نہیں کرنی۔

مسلمانوں کیلئے اللہ کی راہ میں جنگ خالصتاً اللہ کے دین کیلئے ہے۔ کسی مادی غرض کیلئے نہیں اور رب تعالیٰ کی رضا کی خاطر لڑنا ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا **الـذیـن آمـنـوا یقاتلون فـی سبیـل الله .... فتیلا** ☆ (ترجمہ) ''جن لوگوں نے ایمان کا رستہ اختیار کیا ہے' وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں' پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو اور یقین جانو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں نہایت کمزور ہیں۔ تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو' اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا یہ حال ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں خدایا یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا۔ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی۔ ان سے کہو دنیا کا سرمایہء زندگی تھوڑا ہے اور آخرت ایک خداترس انسان کیلئے زیادہ بہتر ہے اور تم پر ظلم ایک شمہ برابر بھی نہ کیا جائیگا۔'' (النساء ۷۶،۷۷)

جہاد اللہ کی راہ میں' اس غرض سے لڑنا ہے کہ زمین پر اللہ کا دین قائم ہو' یہ اہل ایمان کا کام ہے اور شیطانی قوتوں کا راج قائم کرنے کیلئے لڑنا منکرین کا کام ہے۔ جنگ بدر میں کفار بڑی تیاری اور کروفر سے آئے تھے مگر اللہ نے اپنا دین قائم کرنا تھا اور اس نے حضورؐ کی کمان میں مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ مسلمان اپنی قوت ایمانی کیساتھ لڑے اور دشمن کی عددی اور سازوسامان کی برتری کے باوجود مرعوب نہ ہوئے اور اللہ کی مدد سے فتح پائی۔ کفار کا سارا غرور خاک میں مل گیا

Marfat.com

جو بعد میں غیض وغضب میں بدل گیا اور انتقام کی صورت اختیار کر گیا۔

جہاد کے حکم سے پہلے مسلمان پوچھتے رہتے کہ کب ہمیں مقابلہ کی اجازت ملے گی مگر اسوقت انکو نماز قائم کرنے' زکوٰۃ ادا کرنے کو کہا گیا تا کہ انکا ایمان پختہ ہو جائے اور جب مقابلہ کرنے کا وقت آیا تو کچھ لوگوں پر خوف طاری ہو گیا اور کہنے لگے کہ کیا اس کا وقت مؤخر نہیں ہو سکتا؟ اس طرح یہ موقع ایمان والوں کیلئے ایک کسوٹی بن گیا' کھرے اور کھوٹے کے درمیان۔

جہاد ایک کسوٹی:

جہاد کرنیوالے موت سے نہیں ڈرتے کہ ایمان والے یقین رکھتے ہیں کہ اپنی جان دیکر آخرت خریدنا بڑے نفع کا سودا ہے اور اللہ اسکا اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ مومنوں کیلئے آزمائش ہے اور اس طرح ایمان کی پختگی ثابت ہوتی ہے سورہ ال عمران (۱۴۱'۱۴۲) میں یہی فرمایا گیا ہے **ولیمحص اللہ .... ویعلم الصابرین** ☆ (ترجمہ) ''اور وہ اس آزمائش کے ذریعے سے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اسکی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔''

جہاد کے بارے میں النساء (۷۱) میں اور بات یہ فرمائی ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ آیت ایسے وقت نازل فرمائی گئی جب جنگ احد میں مسلمانوں کو اپنی ہی کوتاہی کیوجہ سے عارضی حزیمت اٹھانا پڑی۔ مشرکین کے قبائل سب ملکر منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی نوزائدہ ریاست خطرات سے گھری ہوئی تھی۔ مسلمان مدینہ کی ریاست کے باہر غیر محفوظ تھے' اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ مسلمان اچانک حملہ کی صورت میں مقابلہ کیلئے تیار رہیں۔ جنگ سے جی چرانے والے منافقین ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ ہم جنگ میں شامل نہ تھے ورنہ مارے جاتے اور جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہو تو انکو اس بات کا غم کھائے جاتا ہے کہ اگر ہم شامل ہو جاتے تو مال غنیمت میں ہمارا بھی حصہ ہوتا۔

Marfat.com

مسلمانوں کو اپنی دینی اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کیلئے تیار رہنا ہے۔ مستقل فوج اور جنگی سامان کی فراہمی کا بندوبست کرنا ہے۔ اس ضمن میں سورہ الانفال (۶۰) میں تاکید فرمائی گئی ہے۔ فرمایا واعدو لھم.......... واللہ یعلم ☆ (ترجمہ) ''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کیلئے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور دوسرے اعدا کو خوف زدہ کردو، جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

ماضی قریب میں فلسطین کو تقسیم کر کے اسرائیل کی ریاست قائم کردی گئی ہے جو مسلمانوں کیخلاف بڑی سازش ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ کیلئے ایک مضبوط اڈہ بن گیا ہے جہاں سے آس پاس کی مسلم ریاستوں پر حملے کیے جاسکتے ہیں اور کیئے جارہے ہیں اسکے برعکس مسلمان ریاستوں کے اکثر حکمران اپنی عیش پرستی میں مگن ہیں اور دشمن کے مقابلہ کیلئے کوئی قابل قدر تیاری نہیں کی۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ انکا آپس میں کوئی مضبوط اتحاد نہیں ہے۔ سائنس اور تکنیکی سطح پر مسلمان بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کمزوریوں کیوجہ سے ہم اکیلے اکیلے مار کھا رہے ہیں۔ ہم یعنی مسلمان جدید اسلحہ کیلئے غیروں کے محتاج ہیں اور انتشار کا شکار ہیں۔ ہمارے وسائل سے غیر مسلم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ عالم اسلام کی اپنی ایک کرنسی اور ایک زبردست فوج ہونا ضروری ہے تا کہ کسی مسلمان ملک کے مشکل وقت میں مدد کی جاسکے۔ اگر ایسا ہو جائے تو آج کی سپر پاور ہونے کی دعویدار منہ چھپاتی پھرے گی۔

فرامین جہاد:

سورۃ المائدہ (۳۵) میں فرمایا یایھا الذین آمنوا.......... لعلکم تفلحون ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اسکی جناب میں باریابی کا وسیلہ تلاش کرو اور اسکی راہ میں جدوجہد کرو کہ شاید تمہیں کامیابی نصیب ہو۔'' اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو ہر وہ ذریعہ بروئے کار لانا ہے جو رب تعالیٰ کے قرب کا باعث ہو۔ اس آیت میں اللہ

Marfat.com

کا قرب حاصل کرنے کیلئے تین فرمان ہیں:

پہلا فرمان: اللہ سے ڈرو یعنی اسکی نافرمانی سے بچو اور اسکی خدائی میں کسی کو شریک نہ کرو کہ ہر چیز پر وہی قادر ہے۔ احکام خداوندی کی پیروی کرو جن باتوں سے منع فرمایا گیا ہے اس سے جہاں تک ممکن ہو اجتناب کرو اور لغزش کی صورت میں استغفار کرو۔

دوسرا فرمان: اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے وسیلہ تلاش کرو۔ ہر وہ چیز جو رغبت اور محبت کیساتھ اپنے معبود کے قریب کردے وسیلہ ہے۔ وسیلہ ایمان' عمل صالح' اطاعت اور فرمانبرداری سے عبارت ہے۔ اسکی رضامندی کے کام کر کے ایمان کی پختگی پر مہر لگواؤ۔ عمل صالحہ اتباع سنت پر موقوف ہے۔ اللہ کی محبت حاصل کرنے کیلئے حضورؐ کی اطاعت لازمی ہے۔ پیغام حق پہنچانے کا سب سے بڑا وسیلہ حضورؐ کی ذات مبارک ہے۔ صحابہ کرامؓ حضورؐ کی صحبت میں رہ کر کندن بن گئے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد صالحین کی صحبت و محبت بھی وسیلہ میں داخل ہے کہ وہ بھی رضائے الٰہی کے اسباب میں سے ہیں۔ اسی لیے ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا درست ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ (م ج ۳ ص ۱۲۸) ایک اور روایت میں رسول کریمؐ نے خود نابینا صحابی کو اس طرح دعا مانگنے کی تلقین فرمائی **اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ** (منار)۔

تیسرا فرمان: جہاد فی سبیل للہ کا ہے۔ تقویٰ اور ایمان صالح کی ہدایت فرما کر جہاد فی سبیل للہ کا فرمان جاری فرمایا ہے۔ جہاد اپنے وسیع تر معانی کے ساتھ اعمال صالح کا حصہ ہے مگر جہاد کی اہمیت کے پیش نظر اسکو علیحدہ کر کے بیان فرمایا ہے۔ بندۂ مومن کو چومکھی لڑائی لڑنا ہے' اپنے نفس امارہ کیخلاف' معاشرتی' تمدنی برائیوں کیخلاف' باطل کی بندگی کیخلاف اور اپنی دینی سرحدوں کی حفاظت کیلئے۔

جہاد ہر حال میں برائی کو ہر مناسب طریقہ سے روکتا ہے۔ تبلیغ سے یعنی زبان سے' قلم سے اور آخری چارہ کار کے طور پر جنگ سے۔

Marfat.com

جہاد سے گریز:

سورہ التوبہ میں جہاد سے گریز کرنیوالے مسلمانوں کوخبردار کیا گیا ہے کہ اگر تم راہ راست سے ہٹ کر اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کو بار سمجھتے ہو تو تمہاری جگہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے گروہ کو لے آئیگا۔ فرمایا (آیت ۳۸، ۳۹) **یاایھا الذین آمنو......... شئی قدیر**

☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کیلئے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کو پسند کرلیا ہے؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیا کی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔ تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دیگا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو لے آئیگا اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

یہ آیات غزوہ تبوک کے پس منظر میں نازل ہوئیں۔ یہ حضور ﷺ کا آخری غزوہ ہے۔ حضور نبی کریمؐ جب فتح مکہ اور غزوہ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو ملک شام سے آنیوالے تاجروں نے یہ خبر دی کہ شاہ روم ہرقل نے شام کے سرحدی مقام تبوک میں اپنی فوجیں جمع کر دی ہیں۔ شام اسوقت رومی مسیحوں کی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ شاہ ہرقل نے اپنے فوجیوں کی حوصلہ افزائی کیلئے ایک سال کی تنخواہ پیشگی ادا کر دی۔ ہرقل کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا تھا۔ حضور ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی تو یہ ارادہ فرمالیا کہ ان حملہ آوروں کا مقابلہ سرحد پر ہی کیا جائے۔ یہ گرمی کا موسم تھا، فصلیں اور پھل پک رہے تھے۔ اسوقت ان زراعت پیشہ لوگوں کی مالی حالت کمزور تھی۔ حضورؐ نے اعلان عام فرمادیا کہ مقابلہ ہرقل کی تربیت یافتہ فوج سے ہونا ہے۔ جب امام المسلمین جہاد عام کا اعلان کر دے تو کسی شرعی عذر کے بغیر ہر شخص پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اسوقت جہاد کا بلاوا مسلمانوں کا سخت امتحان تھا اور یہی وقت تھا کہ ایمان والوں اور منافقوں کا امتیاز سامنے آ گیا۔

ایک گروہ ایسا تھا جو بلا تردد جہاد کیلئے نکل کھڑا ہوا، دوسرا گروہ کچھ تردد کے بعد ساتھ ہولیا۔ کچھ لوگ شرعی عذر بیماری، ضعیفی یا مالی تنگی اور زادراہ میسر نہ ہونے کے باعث اور کوئی سواری نہ ہونے کی بنا پر شرکت سے قاصر رہے۔ ایک گروہ محض کاہلی کیوجہ سے جہاد میں شریک نہ ہوا۔ اس

Marfat.com

موقع پر منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا اور جہاد سے الگ رہے البتہ کچھ منافقین مسلمانوں کیخلاف جاسوسی کی خاطر لشکر کے ساتھ ہو لیئے۔ باوجود سخت حالات کے جہاد میں شرکت نہ کرنیوالوں کی تعداد برائے نام تھی۔ مسلمانوں کی اکثریت اپنی دنیاوی فائدے اور راحت کو چھوڑ کر جہاد کیلیئے نکل کھڑی ہوئی۔ اسوقت اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔

جب شاہ ہرقل نے مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد مقابلہ پر آنے کی خبر سنی تو وہ مرعوب ہو گیا اور مقابلہ پر نہ آیا۔ حضور ﷺ اپنے لشکر کیساتھ محاذ پر چند دن قیام کر کے واپس تشریف لے آئے۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیات نازل فرما کر واضح کر دیا کہ دنیا کا مال و زر، عیش و عشرت کا سامان جو تمہیں میسر ہے آخرت میں کام آنے والی چیز نہیں ہے۔ موت کی دہلیز پار کر کے صرف وہی چیز ساتھ جائیگی جسے تم نے خدا کی راہ میں قربان کیا ہو اور جسکی محبت پر تم نے خدا اور اسکے دین کی محبت کو ترجیح دی ہو۔ یہ فکر آخرت بہت سی برائیوں کا سدباب ثابت ہوتی ہے۔

التوبہ (۱۱۹) میں مومنوں سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ یاایھا الذین آمنوا ...... مع الصدقین ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کیساتھ رہو۔''

یہ آیت بھی غزوہ تبوک کے ذیل میں ہی نازل ہوئی۔ آیت ۳۸، ۳۹ کی تفسیر کے بیان میں اس گروہ کا ذکر کیا گیا ہے جو بغیر کسی عذر کے اس جہاد میں شریک نہ ہوا۔ انمیں زیادہ تر تو منافقین تھے مگر تین ایسے اصحاب تھے جو پکے مومن تھے۔ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ یہ اسلامی لشکر کے ساتھ نہ جا سکے۔ یہ سوچتے رہے کہ ابھی وقت ہے ہم بعد میں انکو راستہ میں جالیں گے۔ حتیٰ کہ وقت نکل گیا۔ جب حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے، منافقین اپنے جھوٹے عذر پیش کرنے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے انکی معذرت قبول فرمالی۔ جب یہ تینوں مذکورہ بالا اصحاب حاضر ہوئے تو ان لوگوں نے سچ بات کہہ دی کہ انکے پاس کوئی عذر نہیں ہے اور اپنا قصور تسلیم کر لیا۔ حضور ﷺ نے انکے بارے میں کوئی فیصلہ نہ فرمایا اور مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ جب تک خدا کا حکم نہ آئے ان سے کسی قسم کا معاشرتی تعلق نہ رکھا جائے۔ یہ لوگ اپنے ہی شہر میں اجنبی ہو گئے، کوئی ان سے کلام نہ کرتا تھا حتیٰ کہ سلام کا

Marfat.com

جواب تک نہ دیتا تھا۔ پچاس دن بعد ان اصحاب کی معافی کا حکم آیا (التوبہ ۱۱۸) ہر شخص نے انکو مبارکباد دی۔

اللہ نے مومنوں کو راست بازوں کی صحبت اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔
سابقہ آیات میں جو واقع تخلف عن الجہاد کا پیش آیا اور انکی توبہ قبول ہوئی یہ سب انکے تقویٰ اور خوف خدا کا نتیجہ تھا۔ اس لیئے مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ تقویٰ حاصل کرنے کیلئے صالحین اور صادقین کی صحبت اختیار کرو اور انکے اعمال کو نمونہ بناؤ تاکہ لغزشوں سے جہاں تک ہو سکے بچے رہو۔ منافقین اور سرکشوں کی محبت کے برے اثرات سے بچے رہو۔
حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ ''یعنی حضرت عبداللہؓ بن سلام اور ان کے ساتھیوں اور دیگر مومنوں کو جن باتوں کا اللہ نے حکم دیا ہے' ان باتوں میں اسکی اطاعت کرو۔ اٹھتے' بیٹھتے اور اللہ کے راستہ میں جانے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ' حضرت عمرؓ فاروق اور انکے ساتھیوں کا ساتھ دو''۔ (تفسیر عبداللہ بن عباس جلد ۲ ص ۱۹)

ارتداد کرنیوالوں کیخلاف جہاد:

التوبہ نے شروع میں آیات (۱۲ تا ۱۵) میں بھی ارتداد کرنیوالوں' عہد توڑنے والوں اور دین میں عیب لگانیوالوں کیخلاف جہاد کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے زکوٰۃ نہ دینے والوں اور نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کیخلاف جہاد کیا اور اس فتنہ کو فرو کیا جو حضورﷺ نبی کریم کے وصال کے فوراً بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
''اللہ نے مومنوں سے انکی جانیں اور انکے مال خرید لیے ہیں' عوض میں انکے لیے بہشت ہے'' (التوبہ ۱۱۱) ان اللہ .... لھم الجنۃ یعنی جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کرنیوالوں کیلئے جنت کی وعید ہے۔ سورہ العنکبوت (٦) میں اللہ کی بے نیازی بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا و من جاھد............ عن العالمین ☆ یعنی کہ جہاد کرنیوالوں کو ہی اسکا فائدہ پہنچے گا کہ اللہ اس سے بے نیاز ہے۔ اللہ کی خدائی جہاد کرنیوالوں کی لڑائی کے بغیر بھی قائم رہے گی۔ البتہ -

Marfat.com

تمہارے لیے حق کا یہی راستہ ہے اس میں تمہارا اپنا ہی بھلا ہے۔ دنیا میں شر سے بچو گے اور آخرت میں صلہ پاؤ گے۔

التوبہ (۱۲۳) میں اللہ نے مومنوں سے خطاب فرمایا ہے۔ فرمایا یاایھا الذین آمنوا............مع المتقین ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جنگ کرو ان منکرین حق سے جو تم سے قریب ہیں۔ اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں جہاد کے بارے میں وہی بات دہرائی گئی ہے جو التوبہ ۷۳ میں فرمائی گئی ہے کہ کفار اور منافقین سے پوری قوت سے مقابلہ کرو اور سختی سے پیش آؤ۔ یہاں مراد وہ لوگ ہیں جن کی منافقت کھل کر سامنے آچکی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو دل سے مسلمان نہ ہوئے تھے اور معاشرے میں خلط ملط ہو کر رہ رہے تھے۔ یہ لوگ مار آستین تھے اور جب موقع ملتا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔ یہ لوگ بیرونی طاقتوں سے ساز باز کر کے اسلامی ریاست کیلئے اندرونی خطرے کا باعث بن سکتے تھے۔ غلط نظریات پھیلانے کے مرتکب ہو سکتے تھے۔ ایسے منکرین اور منافقین سے درگزر نہیں کرنا۔ ایسے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں کرنا اور مسلمان معاشرے میں ان سے خبردار رہنا ہے۔ انکو کوئی حساس عہدہ نہیں دینا۔

اگر ہم ذرا غور کریں تو ایسے ہی لوگ مسلمان معاشرے میں نظر آئیں گے ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو غیر مسلموں کو اپنا ہمدرد خیال کرتے ہیں اور انکو اپنے رازوں میں شریک کر لیتے ہیں۔ ہسپانیہ سے مسلمانوں کی پسپائی آپس کی نااتفاقی اور عیسائیوں سے اپنی اپنی حکومتیں قائم رکھنے کیلئے مدد کے خواہاں ہونے کیوجہ سے ہوئی۔

مومن اللہ کی راہ میں جان دینے سے نہیں گھبراتا۔ اسے نہ مال غنیمت اور نہ کشور کشائی کی طلب ہے وہ تو شہادت کے جذبے سے سرشار اپنی جان، جو سب سے عزیز متاع ہے، اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا ہے۔ الحجرات ۱۵ میں جہاد کو ایمان کا لازمی تقاضا اور علامت قرار دیا ہے۔ فرمایا انما المومنون............الصدقون ☆ (ترجمہ) ''حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ

Marfat.com

کی راہ میں جہاد کیا' وہی سچے لوگ ہیں۔"

موقع کی مناسبت سے جہاد باللسان' بالقلم اور بالسیف کرنا ہے۔ کڑے وقت میں جب مسلمانوں کا مقابلہ طاغوتی قوتوں سے ہو تو کثرت سے اللہ کو یاد کرنے سے حوصلہ بڑھتا ہے اور مومن ثابت قدم رہتا ہے اور پھر اللہ کی نصرت بھی شامل حال ہوتی ہے۔ اس ضمن میں اللہ کریم نے دعا بھی سکھائی ہے (آل عمران ۱۴۷) **وما کان قولھم الا .... علی القوم الکافرین** ☆ (ترجمہ) "ان کی دعا بس یہ تھی کہ اے ہمارے رب ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما' ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اسے معاف کر دے' ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔"

جہاد میں پیٹھ نہ پھیرنے کا حکم:

سورہ الانفال (۱۶'۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے بارے میں ایک اور زاویہ سے ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا **یایھا الذین آمنوا .... وبئس المصیر** ☆ (ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری' سوائے اسکے کہ یہ جنگی چال ہو' یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کیلئے ہو' تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائیگا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور بہت بری جائے بازگشت ہے۔" اس آیت مبارکہ میں میدان سے پیٹھ پھیرنے والوں کیلئے سخت وعید ہے۔ ایسا کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب یہ کسی جنگی چال کا حصہ ہو یا اپنے کسی اور لشکر سے جاملنا مقصود ہو۔ بزدلی مجاہد کا شیوہ نہیں' مجاہد کا مقصد اپنے دین کی خاطر لڑنا ہے' جان بچا کر بھاگنا نہیں' میدان جنگ سے فرار حرام ہے۔

ثابت قدم رہنے کی ہدایت الانفال ۴۶'۴۵ میں بھی فرمائی گئی ہے اور ثابت قدم رہنے کیلئے نسخہ بھی تجویز فرما دیا ہے۔ فرمایا **یایھا الذین آمنوا .... مع الصابرین** ☆ (ترجمہ) "اے ایمان والو جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے

Marfat.com

یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائیگی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔ صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔''

ثابت قدم رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی ثابت قدم رہنے کیلئے اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کو کہا گیا ہے کہ ایسے نازک مواقع پر وہی ذات باری یہ احساس دلاتی ہے کہ تم اکیلے نہیں ہو۔ اسکے بعد خطرات میں گھر جانے کے وقت جذباتی فیصلہ اور جلد بازی میں کوئی قدم نہ اٹھاؤ۔ آپس میں اختلاف رائے ہو تو اپنے کمانڈر کا حکم مانو۔ یہاں صبر اور استقامت کے یہی معنی ہیں۔ دلجمعی اور اتفاق سے مقابلہ کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہو۔

سورہ محمد (۷) میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنیوالوں کو اللہ کی مدد کی بشارت دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یاایھا الذین آمنوا..........اقدامکم☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم مضبوط جمادے گا۔''

اس آیت مبارکہ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جو حق کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر اپنے مال اور جان سے جہاد کریں گے اللہ تعالیٰ انکی مدد فرماتا ہے اور وہ اپنے ہدف کو پالیتے ہیں۔ دشمن چاہے کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو اللہ پر بھروسہ رکھنے والے ثابت قدم رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہر آن انکے ساتھ ہوتی ہے۔ وقتی طور پر کسی معرکہ میں مغلوب ہو جانا اسکے منافی نہیں ہے کہ یہ بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ دین کی اقامت کیلئے کام کرنا بھی اللہ کی مدد کرنا ہے۔ نصیحت اور تنبیہ سے بندوں کو راہ راست پر لانے کی تدبیر کرنا دراصل اللہ کا کام ہے اور جو بندے اللہ کے اس کام میں اللہ کا ساتھ دیں انکو اللہ تعالیٰ اپنا رفیق و مددگار قرار دیتا ہے۔ بندے کیلئے یہ شرف اس دنیا میں روحانی ارتقاء کا سب سے بلند مرتبہ ہے۔ (ت ج ۱ ص ۲۵۶)

جہاد میں صلوٰۃ خوف:

محاذ جنگ میں بھی مجاہد اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ اللہ سے رابطہ قائم رکھتا ہے۔ نماز

Marfat.com

اور صبر کے ذریعے اللہ سے مدد کی دعا مانگنی ہے۔ سورہ النساء ۱۰۲ میں فرمایا و اذا کنت فیھم .... عذاباً مھیناً ☆ (ترجمہ) ''اور اے نبی جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہو تو چاہیے کہ ان میں ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اسلحہ لیے رہے' پھر جب وہ سجدہ کرے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نہیں پڑھی ہے آ کر تمہارے ساتھ پڑھے اور وہ بھی چوکنا رہے اور اپنا اسلحہ لیے رہے۔ کیوں کہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر پھر بھی چوکنے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کیلئے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حالت جنگ میں صلوٰۃ خوف ادا کرنے کا طریقہ بتادیا ہے تاکہ اللہ سے رابطہ رہے اور اس سے اپنی استقامت اور نصرت کیلئے دعا کرسکیں۔ نماز ذکر ہے جو قلوب کو اطمینان بخشتا ہے۔

مرد تو جہاد میں بلاواسطہ حصہ لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بھی بالواسطہ جہاد میں حصہ لینے پر اجر عظیم کی بشارت دی ہے۔ سورۃ الفتح (۵) میں فرمایا لیدخل المومنین والمومنات .... فوزاً عظیماً ☆ (ترجمہ) ''تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو ہمیشہ رہنے کیلئے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور ان کی برائیاں ان سے دور کردے۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے۔''

جو عورتیں جہاد میں جانیوالے خاوندوں' باپوں اور بیٹوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں اور ان کی غیر حاضری میں انکو گھروں کی فکر سے آزاد کردیتی ہیں' انہیں بھی جہاد کا بالواسطہ اجر ملے گا۔ محاذ جنگ پر بھی مرہم پٹی کرنا' پانی پلانا وغیرہ کا کام بھی عورتیں کرسکتی ہیں۔ ۱۹۶۵ کی پاکستان بھارت جنگ میں عورتوں کی مختلف تنظیموں نے محاذ جنگ پر مجاہدوں کیلئے ضروری سامان کی ترسیل میں مدد کی' اس میں کپڑے' صابن' تیل' کنگھی' سویٹر وغیرہ شامل تھے۔ ہسپتالوں میں کام میں مدد کی۔ ایسی خواتین پیچھے رہ کر بھی جہاد کے اجر کی مستحق ٹھہرتی ہیں۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے صنف نازک کو اس ثواب سے محروم نہیں رکھا۔

Marfat.com

جہاد بالسیف مسلمانوں پر آج بھی فرض ہے جب کوئی اور چارہ کار نہ رہے۔ جن مسلمان ممالک کے پاس اپنی سرحدوں کی حفاظت کیلئے باقاعدہ فوج ہے انکے عوام پر جہاد اشد ضرورت کے تحت ہی فرض ہوتا ہے۔ عام طور پر فوج یہ فرض کفایہ ادا کرتی ہے۔ اور جہاد میں بقول علامہ اقبال۔

شہادت ہے مطلوب مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

☆☆☆☆☆

Marfat.com

باب چہارم

ذکراللہ

ذکراللہ کے معانی:

ذکراللہ معنی کے اعتبار سے اپنے اندر بہت وسعت کا حامل ہے۔قرآن الحکیم میں ذکر بمعنی نصیحت ،بمعنی قرآن ،بمعنی نماز ،اور اللہ کے اسمائے حسنہ کے ذکر کے ذیل میں آیا ہے۔
قرآن الحکیم میں قریب قریب ۸ سے زائد مرتبہ بمعنی قرآن الحکیم' کوئی ۱۸ مرتبہ کے قریب بمعنی نصیحت اوراحکام شریعہ کا اتباع متعدد بار بمعنی نماز کے بیان فرمایا گیا ہے کہ قرآن الحکیم کی تلاوت، اس سے نصیحت حاصل کرنااور نمازادا کرنا ذکراللہ کی ہی اشکال ہیں۔

اس باب میں ذکر بمعنی یادالٰہی کا بیان مقصود ہےاوردوسرے معانی کی طرف بھی حسب موقع رجوع کیا گیا ہے۔اس طرح ذکر کا بیان قرآن الحکیم میں تقریباً ۵۵ مرتبہ آیا ہے۔

ذکرالٰہی کی خصوصیات:

ذکرالٰہی ایسی عبادت ہے جوزمان ومکان کی قید سے آزاد ہے۔باقی تمام عبادات کے لیے مخصوص اوقات،مخصوص مقام،اور کچھ قوائدوضوابط ،مثلاً صلوٰۃ کے لیے اوقات،رکعت کی تعداد اور دیگر ضوابط جن میں نیت،طہارت،قبلہ رو ہونا اور طریقہ شامل ہیں،مقرر کر دیئے گئے ہیں۔
فرض روزے ماہ رمضان میں رکھنے کا حکم ہےاور روزے کے اوقات،سحری اور افطاری متعین کر دیئے گئے ہیں۔ذکوٰۃ بھی سال میں ایک مرتبہ اور مقررہ مقدار میں ادا کی جاتی ہے۔اسی طرح حج کے مناسک مخصوص ماہ میں،مخصوص دنوں میں،اور مخصوص مقامات پرادا کرنے فرض ہیں۔

ذکراللہ ایسی عبادت ہے جس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں بلکہ کثرت سے ذکر کرنے کا حکم ہے۔اللہ کا ذکر اٹھتے بیٹھتے ،صبح وشام،ہر جگہ،دل میں یا بالجہر ،باوضو یا بغیر وضو،حالت صحت یا مرض،مجمع میں یا اکیلے کیا جاسکتا ہے۔جتنا رب کریم کو یاد کرو گے اتنا ہی اس کی پناہ میں اور سکون سے رہو گے۔اللہ کی پیدا کردہ کسی خوبصورت شے،رنگ برنگے پھولوں کو یا خوش ذائقہ پھلوں کو دیکھ کر منہ سے سبحان اللہ نکل جانا خالق کو بہت پسند ہےاور یہ بڑی عبادت ہے۔

یاایھا الذین آمنوا سے شروع ہونے والی احزاب کی آیات ۴۱،۴۲ میں رب کریم نے

Marfat.com

فرمایا یاایھاالذین آمنو .... ذکراً کثیراًO و سبحوا بکرۃ و اصیلاً ☆(ترجمہ)
''اے لوگو جوایمان لائے ہواللہ کوکثرت سے یادکرواورصبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو''۔
سورہ الاحزاب کی سابقہ آیات میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کا قصہ اور حضورﷺ کے خاتم النبیین ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔حضور نبی کریمﷺ کی ذات و صفات مسلمانوں کے لیے نعمت عظمیٰ ہے،جس کا شکرادا کرنے کے لیے مسلمانوں کواللہ کا ذکر کثیر کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔نیز یہ وہ زمانہ تھا جب کفار و مشرکین حضورﷺ پر طعن و تشنیع کے تیر برسا رہے تھے۔ان حالات میں مسلمانوں کوان لوگوں کی باتیں سن کرطیش میں آ کر تلخ کلامی کرنے کی بجائے اللہ کو کثرت سے یادکرنے کا نسخہ تجویز فرمادیا۔یعنی کہ مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ کی یادکا سہارالینا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ''اللہ کے بندوں پر ذکراللہ کے سوا کوئی ایسافرض عائد نہیں کیا جس کی کوئی حد مقرر نہ ہو۔نماز پانچ وقت اور ہرنماز کی رکعات متعین ہیں،روزے ماہ رمضان کے متعین اور مقرر ہیں،حج بھی خاص مقام پرخاص اعمال مقررہ کرنے کا نام ہے،زکوٰۃ بھی سال میں ایک ہی مرتبہ فرض ہوتی ہے مگر ذکراللہ ایسی عبادت ہے کہ نہ اس کی کوئی حداورتعداد متعین ہے،نہ کوئی خاص وقت وزمانہ مقرر ہے،نہ اس کے لیے کوئی خاص ہیئت مقام یانشست مقرر ہے،نہ اس کے لیے طاہراور باوضوہونا شرط ہے،ہرحال میں ذکراللہ کثرت سے کرنے کا حکم ہے۔سفریا حضر،تندرستی ہویابیماری،خشکی میں ہویادریامیں،رات ہویادن،ہرحال میں ذکراللہ کا حکم ہے۔''

اللہ کے ذکر کے ترک کا کوئی عذرنہیں،بجز اس کے کہ کوئی فاتر العقل ہو،ہوش وحواس سے بیگانہ ہو۔دیگرعبادات میں بیماری یاسفر یاکسی اور مجبوری کی وجہ سے اختصاراور کمی یا معافی بھی ہے۔مگر ذکراللہ کے لیے چونکہ اللہ کریم نے کوئی شرط نہیں لگائی،اس لیے اس کے ترک میں کسی حال میں کسی عذرکا بھی جوازنہیں اور پھراس کے فضائل وبرکات کا شمارنہیں۔

امام احمدؒ نے حضرت ابو دردأؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہﷺ نے صحابہ کرام کو خطاب کرکے فرمایا کہ:

''کیا میں تمہیں وہ چیز بتلاؤں جوتمہارے سب اعمال سے بہتر ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول ہے اور جوتمہارے

Marfat.com

درجات بلند کرنے والی ہے اور تمہارے لیے سونے چاندی کے صدقہ و خیرات سے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو اور تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو، تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری۔"
صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سی چیز اور کونسا عمل ہے؟
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذکر اللہ عزوجل، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد"۔

(ابن کثیر) (م ج ۷ ص ۱۷۴)

امام احمدؒ اور ترمزی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا سنی جس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا وہ یہ ہے:

اللھم اجعلنی اعظم شکرک و اتبع نصحتک و اکثر ذکرک و احفظ وصیتک ☆ (ترجمہ) یا اللہ مجھے ایسا بنا دے کہ تیرا شکر بہت کروں اور تیری نصیحت کا تابع رہوں اور تیرا ذکر کثرت سے کیا کروں اور تیری وصیت کو محفوظ رکھوں"

(ابن کثیر) (م، ج ۷ ص ۱۷۴)

اس میں حضور ﷺ نے رب العزت سے دعا کی ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کی توفیق عطا ہو۔
اور روایت کے مطابق ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اسلام کے اعمال و فرائض و واجبات تو بہت ہیں، آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی مختصر جامع بات بتلا دیں کہ میں اس کو مضبوطی سے اختیار کرلوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
لایزال لسانک رطباً بذکر اللہ تعلی. یعنی تیری زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہنی چاہیے۔

ذکر کثیر کی ہدایت:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ **اذکرو اللہ تعلی حتی یقولوا مجنون** (ابن کثیر از مسند احمد)
یعنی "تم اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ دیکھنے والے تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔"
حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق کوئی مجلس، جس میں اللہ کا ذکر نہ آئے، قیامت کے روز وہ مجلس میں بیٹھنے والوں کے حسرت ثابت ہوگی۔
سورہ الاحزاب کی آیت ۴۱، ۴۲ میں ذکر کثیر کے ساتھ یہ بھی فرمایا دیا کہ اللہ کی پاکیزگی صبح و شام بیان کرو۔ اس سے مراد یا تو تمام اوقات ہیں یا پھر ان اوقات میں ذکر کی تاکید فرمائی ہے کہ ان اوقات میں ذکر اللہ زیادہ باعث برکت ہے۔ فرمایا **یا یھا الذین**

Marfat.com

آمنوا...بکرۃ و اصیلاO ترجمہ ''اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور اس کی پاکیزدگی صبح و شام بیان کرو''۔

ترجمہ ''درحقیقت تم لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔'' (الاحزاب ۲۱)

یہ آیت جنگ احزاب میں موقع پرست اور عافیت کوش لوگوں کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نبی کریم ہر کام میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ خندق کے کھودنے میں اور دیگر تعمیری کاموں (مساجد کی تعمیر) میں برابر حصہ لیتے تھے۔ نہ آپؐ نے اپنے لیے کوئی خصوصی حفاظتی انتظام کیا نہ اپنے اہل خانہ کے لیے، یعنی آپ بھی انہیں خطرات سے دوچار تھے جن سے مسلمان دوچار تھے۔ ایسے نبی کا اتباع لازم تھا، اور آپؐ کے پیروکاروں کو بھی کسی کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ اس آیت کا مفہوم صرف اس معنی تک محدود نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ کی حیات مبارک بحیثیت ایک رہبر کے ہر لحاظ سے ایک مثالی نمونہ ہے۔ جنگ میں، سفر میں حضر میں ہر حال میں ایمان والوں کے لیے ایک احسن نمونہ ہے۔ جو آخرت میں اللہ کے فضل اور عنایات کا امیدوار ہے اس کی بھلائی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ حضور ﷺ کے طرز حیات سے قریب تر رویہ اختیار کرے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والا ہو۔

ذکر کرنے والوں کے لیے اجر عظیم:

پھر سورہ الاحزاب (۳۵) میں مومنوں کی صفات کے ساتھ اللہ کو کثرت سے یاد کرنا بھی شامل ہے۔ فرمایا ان المسلمین و المسلمت .... اجراً عظیما O ترجمہ بالیقین جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں اور مومن ہیں، مطیع فرمانبردار ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ و خیرات دینے والے ہیں، روزہ دار اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اسلام کی بنیادی قدریں سمیٹ دی ہیں جن کا ہونا ایک مومن اور مومنہ میں ضروری ہے۔ اس لحاظ سے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا

Marfat.com

گیا۔ دونوں صنفیں اپنے دائرہ کار میں رہ کر ان صفات کے مطابق عمل پیرا ہونگی اور اجر و ثواب کی مستحق ٹھہریں گی۔ مثلاً مرد اگر جہاد پر جاتے ہیں تو عورت کے لیے گھر میں رہ کر بچوں کی نگاہ داشت کرنا، صحیح خطوط پر تربیت کرنا اور خاوند کی غیر موجودگی میں ہر قسم کی ذمہ داری سے عہدہ براہونا عین جہاد ہے۔

قرآن الحکیم کے عام احکامات مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہیں، مگر عموماً خطاب مردوں سے فرمایا گیا ہے، عورتیں ان میں ضمناً شامل ہیں۔ یا یھا اللذین آمنوا کے خطاب میں بھی دونوں شامل ہیں یہ ایک فطری بات تھی کہ عورتوں کو اس بارے میں تشویش ہوئی اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا۔ متعدد روایات کے حوالے سے یہ بات سامنے آئی کہ عورتیں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ قرآن میں مردوں ہی کا ذکر فرماتے ہیں، انہیں کو مخاطب فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہم عورتوں میں کوئی خیر نہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عبادت بھی قبول نہ ہو۔ ترمزی میں بسند حضرت ام عمارہ الضاریہؓ سے اور بعض روایات میں حضرت اسما بنت عمیسؓ سے اسی طرح کی عرضداشت پیش کرنا منقول ہے۔ اور ان سب روایات میں اس آیت کی شان نزول یہی عرضداشت قرار دی گئی ہے۔ (م ج ۷ ص ۱۴۴)

اس آیت میں عورتوں کی دلجوئی اور ان کے اعمال صالح کی مقبولیت کا خصوصی ذکر فرما کر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ عبادات کی مقبولیت اور فضیلت میں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں۔

کسی عبادت کو کثرت سے کرنے کی ہدایت نہیں دی گئی سوائے ذکر اللہ کے۔ فرض نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی حدود، وقت اور طریقہ متعین فرما دیا گیا ہے، مگر ذکر اللہ کے بارے میں متعدد آیات میں بکثرت کرنے کا ذکر ہے۔ ذکر اللہ ہر وقت جاری رہنے والی عبادت ہے اور باقی عبادات میں بھی جان ذکر اللہ سے ہی پڑتی ہے کہ آدمی کا دل محض مخصوص وقت میں ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت ذات باری کی طرف راغب رہے اور زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ بسم اللہ، الحمد للہ، ان شاء اللہ، ماشاء اللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ اور استغفر للہ کہنا مسلمان کی پہچان ہے اور یہ کلمات ذکر اللہ ہی کی ایک صورت ہے۔ اور یہ اللہ سے تعلق جوڑے رکھنے کا باعث بنتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ذکر کی فضیلت یوں واضح فرمائی گئی ہے۔ معاذ بن انس جہنی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ جہاد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر اجر کون پائے گا؟ فرمایا جوان میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ یاد کرنے والا

Marfat.com

ہے۔اس نے عرض کیا روزہ رکھنے والوں میں سب سے زیادہ اجر کون پائے گا؟ فرمایا جو ان میں سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا ہو۔ پھر اس شخص نے نماز، زکوٰۃ حج اور صدقہ ادا کرنے والوں کے متعلق پوچھا اور حضورﷺ نے ہر ایک کا یہی جواب دیا کہ جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہو۔''

ذکر اللہ کثرت سے کرنا دین و دنیا سنوارتا ہے۔ قرب الٰہی اور زبان کی حفاظت کا باعث بنتا ہے۔

ذکر کے بارے میں پوری طرح آگاہی کے لیے الاحزاب کی ان آیات کے علاوہ جہاں جہاں کوئی آیت قرآن الحکیم میں اس موضوع کے بارے میں ہے، اس کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے تاکہ ذکر اللہ کا جامع تصور سامنے آئے۔

سورہ البقرہ (۱۵۲) میں فرمایا فاذ کرونی....... و لا تکفرون O ترجمہ ''لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔اور میرا شکر ادا کرو اور کفران نعمت نہ کرو۔''

اس سے پہلی آیات میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کے لیے ایک نعمت قبلہ کے تعین کی، دوسری حضورﷺ کی بعثت کی بیان فرمائی ہے اور پھر کہا کہ اللہ کے ذکر کی نعمت اور فضیلت سے نوازا گیا ہے۔ ذکر ایسی نعمت ہے جس سے بندے اور اللہ کے درمیان مسلسل رابطہ رہتا ہے۔ ذکر کا تعلق قلب اور زبان دونوں سے ہے۔ صرف زبانی یاد کرنا جبکہ دل غیر حاضر ہو معتبر نہیں مگر فائدے سے خالی نہیں ہے۔ یہ بھی شکر کا مقام ہے کہ ایک عضو یعنی زبان تو اللہ کی اطاعت میں لگ گئی۔

برزبان تسبیح در دل گاو خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

ذکر اللہ کے فضائل بے بہا ہیں۔ یہ مالک کی کتنی بندہ نوازی ہے کہ جب بندہ اس کو یاد کرے تو وہ بھی اسے یاد فرماتا ہے۔اور یہی خیال کتنا خوش آئند اور دل افروز ہے کہ جب کوئی بندہ مومن اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو رب کریم بھی اسے یاد فرماتے ہیں۔

حضرت سعیدؒ بن جبیر نے ذکر الٰہی کی تفسیر ہی اطاعت و فرمانبرداری سے مشروط کی ہے۔ یعنی کہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ تم مجھے اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرو تو میں ثواب اور مغفرت کے ساتھ تمہیں یاد کروں گا۔ یعنی ''جس نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی نہ کی، اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا، اگرچہ ظاہر میں اس کی نماز اور تسبیح بھی ہو۔'' (م ج ا ص ۳۹۲)

حضرت ذوالنونؒ مصری نے فرمایا کہ جو شخص حقیقی طور پر اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اس کے

Marfat.com

مقابلے میں ساری چیزوں کو بھول جاتا ہے اور اس کے بدلے میں اللہ خود اس کی ساری چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں اور رب کریم تمام چیزوں کا عوض اس کو عطا فرماتے ہیں۔

حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ انسان کا کوئی عمل اس کو خدا تعالیٰ سے نجات دلانے میں ذکر کے برابر نہیں۔ ایک حدیث قدسی، بروایت ابو ہریرہؓ میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ''میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر میں اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۔'' بندہ جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہے۔ اللہ اپنے بندے کا ذکر اس محفل سے بہتر محفل میں فرماتے ہیں یعنی فرشتوں کی محفل میں جس میں بندہ اس کا ذکر کرتا ہے۔ یہ لاسلکی رابطہ ہے، خالق اور مخلوق کے درمیان۔

ایک اور حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''جو کوئی مجھے دل میں یاد کرے، میں اس کو اپنے دل میں یاد کروں گا، جو مجھے محفل میں یاد کرتا ہے میں اسے ایسی مجلس میں یاد کروں گا (یعنی فرشتوں کی مجلس میں) جو اس کی مجلس سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

دوران حج ذکر کی ہدایت:

البقرہ ۲۰۰، ۲۰۱ میں فرمایا **اذا قضیتم .... وقنا عذاب النار O**

ترجمہ ''پھر جب اپنے حج کے مناسک ادا کر چکو، تو جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے، اسی طرح اب اللہ کا ذکر کرو، بلکہ اس سے بڑھ کر (مگر اللہ کو یاد کرنے والے لوگوں میں بھی بہت فرق ہے) ان میں سے کوئی تو ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں ہی سب کچھ دے دے۔ اس شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی، اور آگ کے عذاب سے بچا''

زمانہ جاہلیت میں حج کا موقع اہل عرب کے لیے ایک میلے کی طرح ہوتا تھا۔ جب یہ حج سے فارغ ہو جاتے، تو قربانی دے کر منا میں قیام کرتے۔ وہاں مجالس منعقد کرتے جن میں وہ اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے تفاخر سے بیان کرتے۔ کبھی کسی کی ہجو کرتے یعنی وہ ایسی مجالس میں لغو اور فضول باتوں میں اپنا وقت صرف کرتے۔ یہ مجالس اللہ کے ذکر سے خالی ہوتی تھیں۔ اس لیے ایمان والوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب تم اپنا وقت اور مال خرچ کر کے، سفر کی تکالیف اٹھا کر اللہ کے گھر کی حاضری کے لیے آؤ تو فارغ وقت میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ۔ دوران حج تو ہر لمحہ عبادت میں گزرتا ہے مگر فرائض ادا کر چکنے کے بعد، منا کے قیام کے دوران بجائے اپنے آباؤ اجداد کے قصے بیان کرنے اور میلے ٹھیلے میں وقت برباد کرنے کے، ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں

Marfat.com

صرف کرو۔ مسلمانوں کو ان فضول رسموں سے ہٹانا تھا اور یہ کہ حدود حرم میں یہ لمحے بڑی قیمتی ہیں، انہیں ضائع ہونے سے بچانا ہے۔ یہ ہدایت ہر زمانے کے مسلمانوں کے لیے تا ابد ہے۔

مسلمانوں کو حج کے فرائض کے بعد ہر لمحہ اللہ کی یاد میں صرف کرنے کی ہدایت ہے جو دنیا اور دین کے لیے نفع بخش ہے۔ زمانہ جاہلیت میں کبھی کچھ ایام حج میں ذکر اللہ میں مشغول رہتے مگر اپنی تمام تر دعائیں دنیاوی حاجات کے لیے وقف کر دیتے، اور آخرت کی کوئی فکر نہ کرتے۔ وہ صرف دنیا کے طلبگار ہوتے اور اپنی خواہش پورے کرنے کے لیے دعا مانگتے چاہے وہ اچھے طریقہ سے ہو یا برے طریقہ سے۔

مسلمانوں کی دعاؤں میں، دین و دنیا، دونوں کی بھلائی شامل ہے تا کہ اللہ ان سے راضی ہو، ان کی زندگی میں بھلائی ہو اور آخرت میں دوزخ سے نجات ہو۔ ایسی طلب میں اعتدال ہے، دنیا و دین دونوں کی بھلائی مقصود ہے۔

مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ حج کے دنوں میں اور دیگر مقامات مقدسہ میں اپنی دعاؤں میں دین و دنیا کی بھلائی کو شامل کرنا ہے۔ آج کل کے مسلمانوں میں سے کچھ اس عارضہ میں مبتلا ہیں اور زیادہ تر دعائیں دنیاوی اغراض کے لیے مانگتے ہیں۔

دوسری قسم کے طلبگار جو دین و دنیا، دونوں کی بھلائی کی دعا مانگتے ہیں، اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہوتے ہیں۔

دوران حج اللہ کے ذکر کی تاکید البقرہ ۲۰۳ میں فرمائی ہے تا کہ مقصد حج کی تکمیل اور آئندہ زندگی درست خطوط پر گزارنے کی راہ ہموار ہو جائے۔ فرمایا **واذکروا الله........ الیه تحشرونO**

ترجمہ ''یہ گنتی کے چند روز ہیں جو تمہیں اللہ کی یاد میں بسر کرنے چاہیں، پھر جو جلدی کر کے دو ہی دن میں واپس ہو گیا تو حرج نہیں اور جو کچھ دیر سے زیادہ ٹھہر کر پلٹا تو بھی کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ یہ دن اس نے تقویٰ کے ساتھ گزارے ہوں۔ اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک تمہیں اسی کے حضور اکٹھا کیا جائیگا''۔

اس آیت مبارکہ میں منیٰ میں دو یا تین دن قیام کے دوران ذکر اللہ کی تاکید کی ہے۔ چند دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں۔ حجاج کے لیے کوئی سختی نہیں، چاہے وہ اپنے حالات کے تقاضے کے مطابق عید کے بعد دو دن منیٰ میں قیام کر کے لوٹ آئیں یا تیسرے دن تک ٹھہریں۔ دونوں صورتوں کا اختیار دیا ہے البتہ ایسی متبرک جگہ پر تیسرے دن ٹھہرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ پھر ان ایام

Marfat.com

میں یکسوئی کے ساتھ ذکراللہ میں مشغول رہنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

حج کی مشقت صرف رب العزت کے لیے براشت کی جاتی ہے۔ ہر لحہ جو میسر آئے یاد الٰہی میں بسر ہوتا ہے۔ عبادت حج کے متعلق حدیث میں ہے کہ جب انسان حج سے فارغ ہو کر آتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے۔ حج کے دوران بھی بڑی احتیاط کرنا ہے کہ کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ حج کے بعد بھی تقوئی اختیار کرے، کہیں غرور میں مبتلا نہ ہو جائے۔ حج مقبول کی علامت ہے کہ اس طرح واپس لوٹے کہ اس کا دل دنیا کی محبت میں آخرت سے بیگانہ ہونے نہ پائے۔

کئی لوگ حج سے واپس آکر حاجی یا الحاج کہلوانے لگ جاتے ہیں جو غرور کی علامت ہے۔ یہ شیطانی عمل ہے کہ انسان کے دل میں اپنی بڑائی اور بزرگی کا خیال آجاتا ہے۔ حج کے بعد اللہ کا شکر گزار ہونا ہے کہ اس نے بندے کو اپنے گھر بلا کر نوازا ہے۔ حج کے بعد اپنے اندر اچھی تبدیلی لانے کا عزم کرنا ہے۔ اور اپنا محاسبہ کرنا ہے، اپنی کسی بری عادت کو بدل ڈالنا ہے۔ حج بعض لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑتا، واپس لوٹ کر پھر انہی کمزوریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ایام تشریق کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کی اہمیت نہیں ہے کہ دو دن یا تین دن منا میں قیام کیا بلکہ اس کی ہے کہ جتنے دن ٹھہرے اپنا تعلق اپنے خالق و مالک کے ساتھ کس درجہ رہا۔ اللہ کریم سے دل غافل نہیں رہنے دیتا۔

خالی مناسک حج ادا کرنے سے حج صرف جسمانی مشقت ہی بن سکتا ہے۔ جب تک دل حاضر نہ ہو، اور ہر لحہ اپنے رب کی یاد میں دھڑکتا نہ ہو، حج کامل نہیں ہوتا۔

فرض عبادات کے ساتھ اللہ کا ذکر کریمانہ باعث سکینت دل ہوتا ہے۔ اس ضمن میں سورہ النساء (۱۰۳) میں فرمایا **و اذا قضیتم والصلوٰۃ .... کتباً موقوتاO**

ترجمہ: ''اور پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ، تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نماز دراصل ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے''۔

یہ آیت مبارکہ صلوٰۃ خوف کے ضمن میں نازل ہوئی جو حالت جنگ یا کسی اور وجہ سے حالت خوف یا حالت سفر میں پڑھی جاتی ہے۔ اس صلوۃ قصر کا طریقہ النساء ۱۰۲ کی تفسیر میں نماز کے ذکر کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب یہ نماز ادا کر چکو تو اللہ کی یاد میں کھڑے، بیٹھے یا لیٹے، محو ہو جاؤ یعنی ہر حالت میں، عین لڑائی کے وقت اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو۔ صلوٰۃ خوف ختم ہوئی مگر ذکراللہ جاری رکھو اور جب دشمن کی طرف سے پوری طرح اطمینان ہو جائے یا حالت سفر ختم ہو

Marfat.com

جائے تو نماز کو اصلی قائدہ کے مطابق پڑھو اور نماز وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرو۔

یاد الٰہی کا طریقہ وآداب:

سورہ الاعراف ۲۰۵،۲۰۶ میں یاد اللہ کی تاکید میں طریقہ بھی سکھلا دیا۔ فرمان رب تعالیٰ ہے کہ واذ کو ربک .... و له یسجدون O

ترجمہ ''اے نبی اپنے رب کو صبح شام یاد کیا کرو۔ دل ہی دل میں، زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے ہلکی آواز کے ساتھ۔ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو (فرشتے یا انبیاء اور صالحین) تمہارے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں وہ کبھی بڑائی کے گھمنڈ میں آکر عبادت سے منہ نہیں موڑتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے سامنے جھکتے ہیں''۔

ان آیات میں اللہ کی یاد، اوقات اور آداب بتائے گئے ہیں۔ یہاں ذکر سے مراد نماز بھی ہے اور ذکر مطلق بھی ہے۔ صبح شام سے مراد مخصوص اوقات یعنی نماز اور ذکر مطلق کے ضمن میں، دائماً کے معنی میں لیا جاسکتا ہے۔

ذکر کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر قلبی بغیر زبان ہلائے ہو، اور معنی پر تصور اور تفکر پر اکتفا کرے۔۔۔۔۔۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مفہوم سمجھ کر دل کی حضوری کے ساتھ زبان کو حرکت بھی دے، کہ اس صورت میں دل و زبان دونوں شریک ہوتے ہیں۔ دونوں طریقے ثواب سے خالی نہیں ہیں البتہ کم درجہ اس کا ہے کہ صرف زبان پر ذکر ہو مگر دل غافل ہو۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ قلبی حضوری ہو، زبان حرکت میں ہو۔ اور اس کے ساتھ آواز بھی شامل ہو۔ آواز نہ زیادہ بلند نہ زیادہ دھیمی ہو بلکہ متوسط ہو۔ ذکر میں مخاطب ہستی کا احترام ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ ذکر سری و جہری کی فضیلت حالات کے مطابق گردانی گئی ہے۔

ادب واحترام کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ذکر عاجزی سے کیا جائے اور خیشیت الٰہی کی کیفیت ہو۔ ذکر دائمی کیا جائے کہ کہیں غفلت میں نہ پڑ جائے۔ ذکر دائمی سے دل ذکر کرتا رہتا ہے۔ ہر حالت ہر آن۔

ذکر باعث قربت الٰہی واطمینان قلب:

ذکر سے غافل ہونا خالق سے رابطہ توڑنے کے مترادف ہے اور انسان اپنے رب کی

Marfat.com

قربت سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ہر وقت ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔ دل بہ یار دست بکار۔ اللہ کی یاد سے غافل ہونا بڑا گھاٹے کا سودا ہے۔ غافل انسان شیطان کا آسان شکار ہے۔

پھر اللہ کے دربار میں مقربین کا حال بیان کیا گیا ہے جو اللہ کی عبادت' ہر حال، عاجزی سے کرتے ہیں۔ ان مقربین سے مراد فرشتے، انبیاء علیہ السلام اور صالحین سے ہے۔ جو کبھی عبادت کے گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوتے، عاجزی اختیار کرتے ہیں، اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور کثرت سے سجدہ کرتے ہیں۔

عبادت میں سجدہ کو خاص مقام حاصل ہے۔ قرآن الحکیم میں ۱۴ مقامات پر آیات سجدہ آئی ہیں جہاں سجدہ تلاوت واجب ہے۔ حضور ﷺ نبی کریم مجمع میں قرآن کی تلاوت کرتے وقت جب آیت سجدہ آتی تو خود بھی سجدہ میں گر جاتے اور جو شخص جہاں کہیں ہوتا سجدہ ریز ہو جاتا یہاں تک کہ سجدہ کی جگہ نہ ملنے پر اپنے آگے والے شخص کی پیٹھ پر سجدہ ریز ہو جاتا۔ خطبہ کے دوران بھی حضور ﷺ نے ایسی حالت میں باوضو ہونا، قبلہ رو ہونا، زمین پر سر رکھنا لازمی قرار نہیں دیا۔ صرف سر کو جھکا دینے سے بھی سجدہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے یعنی کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس سے میں جنت میں جا سکوں۔ حضور ﷺ نے وصیت فرمائی کہ کثرت سے سجدے کیا کرو، کیوں کہ جب تم ایک سجدہ کرتے ہو تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارا ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اور ایک گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ (م ج ۴ ص ۱۶۹)

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قرب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہو۔ سورہ اقراء کی آخری آیت میں بھی یہی مفہوم ہے۔

کثرت سے سجدہ کرنے سے مراد زیادہ سے زیادہ نفل ادا کرنا ہے تاکہ زیادہ سجدے ادا ہوں۔ سجدہ میں دعا کی ہدایت بھی نفلی نمازوں کے لیے مخصوص ہے، فرائض میں نہیں۔ (م ج ۴ ص ۱۷۰)

سجدہ سے انکار کی وجہ سے ابلیس راندہ درگاہ ہوا کہ اس نے نافرمانی اور تکبر کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ کوئی آدم کا بیٹا آیت سجدہ پڑھتا ہے اور سجدہ تلاوت کرتا ہے تو شیطان

Marfat.com

روتا ہوا بھاگتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے افسوس انسان کو سجدہ کا حکم ہوا، اس نے تعمیل کر لی تو اس کا ٹھکانہ جنت ہوا، اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا، میں نے نافرمانی کی تو میرا ٹھکانہ جہنم ہوا۔

ذکر الٰہی باعث روحانی تقویت ہے کہ اس سے انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ سب سے بڑی طاقت کی پناہ میں ہوں۔ سورہ الانفال (۴۶،۴۵) میں اسی بات کا ذکر ہے۔ **یایھا الذین آمنوا............ مع الصابرین O**

ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو گی۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ان آیات میں جہاد و جنگ میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لیے مادی ہتھیاروں کے علاوہ روحانی ہتھیار کا نسخہ تجویز فرمایا گیا ہے، تاکہ کامیاب رہو اور دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ۔ ماضی میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز یہی رہا اور اب بھی ہے۔

پہلا ہتھیار ثابت قدمی ہے۔ دل جمعی سے اپنے نیک مقصد پر ثابت قدم رہنا یعنی قلب اور قدم دونوں میں ثبات رہے۔

دوسرا ہتھیار ذکر اللہ ہے۔ یہ ہتھیار مومن کو عطا ہوا ہے۔ سب سے طاقت ور روحانی ہتھیار اور کامیابی کی کنجی ہے۔۔ ذکر اللہ وہ تیغ ہے جو کافر کو نظر نہیں آتی۔ ذکر اللہ کی برکات سے بہتر ثابت قدمی اور قوت کے لیے کوئی سہارا نہیں۔ دشمن کے مقابلہ کے دوران عموماً کوئی کسی کو یاد نہیں کرتا، سب کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں اللہ کو یاد کرنا، اس سے مدد طلب کرنا اور اس پر بھروسہ کرنا اللہ سے محبت کی دلیل ہے۔ ذکر میں کثرت کا حکم ہے جبکہ اور عبادات میں بعض حالتوں میں، تخفیف کی اجازت مرحمت فرمائی گئی ہے۔ ذکر محنت طلب نہیں بلکہ قوت بخش ہے ہاتھ میں مادی ہتھیار ہو، دل میں یاد الٰہی اور پھر بلند و بانگ نعرہ تکبیر، شہ آتشہ بن جاتا ہے۔

امام جزوریؒ کی تحقیق کے مطابق جو جائز کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں رہ کر کیا جائے وہ بھی ذکر میں ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے ان صلوی......... رب العالمین، کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لیے ہے۔ (الانعام)

Marfat.com

آیت ۴۶ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ نصرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ ذکر اللہ دلجمعی کا باعث بنتا ہے مگر حالت جنگ میں کسی مقام پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں کرنا ہے۔ کمانڈر کی مکمل اطاعت، اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنا اور نفس کی کمزوری سے اختلاف رائے پیدا نہیں ہونے دینا ہے۔

حضور ﷺ نبی کریم نے تمام غزوات میں کمانڈر کی حیثیت سے حصہ لیا۔ جنگ احد میں حضور ﷺ کے پیچھے تعین حفاظتی دستہ کو کسی حالت میں بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنے کا حکم تھا۔ مگر شروع میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور کفار کو شکست ہوئی اور اس حفاظتی دستے کے زیادہ تر لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف دوڑ پڑے۔ کفار نے موقع پا کر پیچھے سے حملہ کر دیا اور وقتی طور پر فتح شکست میں بدل گئی۔ حضور ﷺ اور چند صحابہ کرامؓ کی ثابت قدمی کی وجہ سے مسلمان دوبارہ منظم ہو گئے اور غالب رہے۔

فوج اور افسران کے درمیان اتفاق رائے، کا ہونا لازمی ہے۔ ایسے ثابت قدم اور اللہ کی یاد والے مومنوں کے لیے اللہ کی مدد شامل ہو جاتی ہے۔

دل میں سکون نہ ہو تو کوئی کام دنیاوی یا دینوی صحیح طریقے سے نہیں ہو پاتا اور دل کے سکون اور جلا کے لیے ذکر اللہ ہی کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ سورہ الرعد (۲۸) میں اس کا ذکر ہے۔

الذین آمنوا .... تطمعن القلوب O

ترجمہ ''جن لوگوں نے دعوت حق کو مان لیا ہے ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔''

ذکر الٰہی سے بندہ اپنے خالق سے رابطہ میں رہتا ہے۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے نفس مطمعنہ کے درجے میں داخل ہو جاتے ہیں اور تیسری آنکھ کھل جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو مصائب و آلام، راحت و خوشحالی، صحت یا بیماری، اللہ کی یاد سے بیگانہ نہیں کرتی۔

قرآن میں دیگر مقامات پر اللہ کے ذکر کو اللہ کی صناعی پر غور و فکر کرنے کے لیے معمول فرمایا ہے۔ سورہ آل عمران (۱۹۰،۱۹۱) میں ذکر کی اشکال کا لطیف بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا ان فی خلق السمٰوٰت .... عذاب النار O۔ ترجمہ ''زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن باری باری آنے میں ان ہوش مندوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں، آسمان اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد

Marfat.com

نہیں بنایا تو پاک ہے۔ پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

قرآن حکیم میں متعدد بار غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ کائنات کی صناعی توحید پر دلالت ہے۔ آسمان اور زمین یعنی تمام بلندیوں اور پستیوں کی تخلیق اور گردش ایام کا نظم خالق کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہیں اور اہل فکر کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور ایمان والوں کے معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے کہ تصویر کائنات سے مصور کو پہچانا جاتا ہے۔ جب ستاروں جڑے آسمان پر نظر پڑی تو خدا یاد آیا۔ صحرا کا حسن دیکھا تو اللہ جل شانہ کی ہستی کا اقرار کرلیا اور سبزہ زار، رنگ برنگے پھول، اور میٹھے کڑوے پھل دیکھے تو سبحان اللہ کہہ اٹھے، یہ ذکر الٰہی کی ہی اشکال ہیں۔ عقل وایمان والے کہلانے کے مستحق یہی ذکر وفکر والے لوگ ہیں۔ عقلمندی اور ہوشمندی یہی نہیں ہے کہ ساری جدوجہد دنیا کی طلب کے لیے ہو بلکہ سارے وسائل کے پیدا کرنے والے خالق کو ہردم و ہر آن یاد رکھنا ہے۔ اور یہ یاد شکرانہ ہے۔

اس آیت کی شان نزول کے سلسلے میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے کہ حضرت عطا بن ابی رباحؓ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں جو سب سے عجیب چیز آپ نے دیکھی ہو وہ مجھے بتلایئے۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا: ''آپ کی کس شان کو پوچھتے ہو؟ ان کی تو ہر شان عجیب ہی تھی، ہاں ایک واقع سناتی ہوں، وہ یہ کہ حضور ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف لائے اور لحاف میں میرے ساتھ داخل ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ اجازت دو کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں۔ بستر سے اٹھے، وضو کیا، پھر نماز میں کھڑے ہو گئے اور قیام میں اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے۔ پھر رکوع فرمایا اور اس میں بھی روئے، پھر سجدہ کیا اور اس میں بھی اسی قدر روئے، پھر سر اٹھایا اور مسلسل روتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ حضرت بلالؓ آئے اور حضور ﷺ کو نماز کی اطلاع دی۔''

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ اس قدر گریہ کیوں فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ اور شکر میں گریہ زاری کیوں نہ کروں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آج کی شب یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''بڑی تباہی ہے اس شخص کیلئے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان میں غور نہیں کیا۔'' لہٰذا غور وفکر کرنے والے اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور ذکر کثیر کا شکرانہ پیش کرتے ہیں۔ (م ج ۲ ص ۲۶۱۔۲۶۲)

Marfat.com

حضرت سفیان بن عنیہؒ کا ارشاد ہے کہ غور وفکر ایک نور ہے جو تیرے دل میں داخل ہو رہا ہے۔ غور وفکر کرنے والے خالق کائنات سے غافل نہیں ہو سکتے۔ شیطان غافل انسان کی تلاش میں رہتا ہے۔ سورہ المائدہ (۹۱) میں یہی ذکر فرمایا گیا ہے۔ انما یرید الشیطن .... فهل انتم منتهون O

ترجمہ ''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟''

شراب اور جوئے کو اللہ نے گندے اور شیطانی کاموں میں شمار کیا ہے اور بت پرستی اور پانسے کے برابر قرار دیا ہے۔ یہ نہ صرف جسمانی بلکہ روحانی مفاسد کا سبب بنتے ہیں۔

ابن ماجہؒ کی ایک حدیث میں مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

''شراب پینے والا ایسا ہے جیسے لات وعزیٰ کی پرستش کرنے والا'' یعنی بت پرست۔

شراب اور جوئے کے عادی باہمی عداوت اور ناشائستہ حرکات کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ نشہ حواس پر اثر انداز ہوتا ہے اور انسان نشے کی حالت میں غیر اخلاقی حرکتیں کرتا ہے اور جوئے کی لت میں گرفتار مال و دولت کی ہوس میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ایسے انسان خالص دنیادار اور اطمینان قلب سے محروم اور مفسد ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ ان شیطانی مشاغل میں اپنا وقت برباد کرتے ہیں اور یاد اللہ سے غافل ہو جاتے ہیں۔

ان کاموں کی روحانی اور معنوی خرابیوں کے جان لینے کے بعد بھی اگر کوئی ان سے باز نہ آئے تو وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے اللہ کا ذکر مطلق اور نماز کی پابندی ہی شیطان سے پناہ کا موجب ہو سکتا ہے۔

اللہ کے اسمائے حسنہ میں سے اسے ہر نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے بھی اچھے نام ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل (۱۱۰) میں یہی مضمون ہے۔ قل ادعو اللہ.. .... ذالک سبیلاً O

ترجمہ ''اے نبی اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو اس کے سبھی اچھے نام ہیں اور اپنی نماز نہ بہت بلند آواز میں پڑھو اور نہ بہت پست آواز سے، ان دونوں کے درمیان اوسط درجہ کا لہجہ اختیار کرو۔''

ان آیات کا نزول چند واقعات کی بنا پر ہوا۔ مشرکین مکہ اللہ کے نام سے تو واقف تھے مگر رحمان کا نام اللہ تعالیٰ کے لیے رائج نہ تھا۔ حضور ﷺ نبی کریم نے ایک روز دعا میں یا اللہ یا

Marfat.com

رحمان کہ کر پکارا تو مشرکین نے سمجھا کہ یہ دو خداؤں کا نام لے رہے ہیں اور اعتراض کیا کہ ہم کو تو ایک اللہ کے سوا کسی کو پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود اس کے برعکس کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کے دو نام نہیں بلکہ بہت سے اچھے نام ہیں۔ (سورہ الحشر ۲۳،۲۴) لہ الاسماء الحسنیٰ۔ اللہ کو کسی نام سے بھی پکاریں، مطلوب وہ ذات واحد ہی ہے۔

قرآن کی تلاوت ذکر جمیل ہے:

نماز ادا کرتے وقت درمیانی آواز میں قرآن الحکیم کی تلاوت کی ہدایت فرمائی ہے۔

قرآن الکریم کا پڑھنا بھی ذکر جمیل میں شامل ہے۔ مکہ مکرمہ میں جب حضور ﷺ قرآن کی تلاوت بلند آواز سے فرماتے تو کفار اور مشرکین شور مچاتے، برا بھلا کہتے، اور اللہ کی کتاب، جبرئیل امینؑ اور رب العزت کے بارے میں بیہودہ باتیں کرتے۔ ایسی صورت حال سے نمٹنے کے لیے آپ ﷺ سے کہا گیا کہ درمیانی آواز سے پڑھو، نہ اتنی پست ہو کہ دوسرے لوگ نہ سن سکیں اور نہ اتنی بلند ہو کہ دشمنان دین کو ایزا رسانی کا موقع ملے۔ مدینۃ المنورہ میں حالات کے بدل جانے سے یہ حکم باقی نہیں رہا البتہ ناموافق حالات میں اس آیت کے مطابق عمل کیا جا سکتا ہے۔

قرآن الحکیم کی تلاوت اللہ کے ذکر کی طرف راغب کرنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

قرآن پڑھنے اور سننے والوں کے دلوں پر گہرا اثر ڈالتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دل پتھر سے بھی سخت ہوں۔ سورہ الزمر (۲۳) میں فرمایا **اللہ نزل احسن الحدیث .... من ھاد**

ترجمہ "اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہم رنگ ہیں، اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے جسم ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ جسے چاہے وہ راہ راست پر لے آتا ہے اور جسے اللہ ہدایت نہ دے، اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں۔"

اس سے پہلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کا سینہ، ہدایت کے لیے کھل گیا ہو اور ہدایت قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے۔ اس کے بالمقابل ایسے لوگ

Marfat.com

ہیں جن کا سینہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے اور وہ ہدایت قبول کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

قرآن پڑھنے والے، صاحب ایمان، لوگ جب آیات کے معانی پر غور کرتے ہیں تو خشیت الٰہی سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو رب العزت کے سامنے کھڑا پاتے ہیں۔

اس آیت میں قرآن الحکیم کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔ قرآن کا یہ حسن کلام ہے کہ اس میں مضامین ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ ایک ہی مضمون کو ذہن نشین کرانے کے لیے بار بار مگر مختلف پیرائی میں دہرایا گیا ہے۔ لیکن مدعا ایک ہی ہے۔ ایک جز دوسرے کی تائید کرتا ہے۔ اس احسن الکلام کا پڑھنے والا مومن متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب رحمت کی اور مغفرت کی وعید سنائی جاتی ہے تو قاری کا دل اللہ کی یاد کی طرف اور بھی راغب ہو جاتا ہے اور جب عذاب کی خبر دی جاتی ہے تو یوم حساب کے خوف سے کانپ اٹھتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جس بندے کے بدن پر اللہ کے خوف سے بال کھڑے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ (م ج ۷ ص ۵۵۲)

ذکر الٰہی سے غافل انسان پر شیطان کا تسلط:

ذکر الٰہی سے راہ ہدایت روشن ہو جاتی ہے۔ اللہ کی یاد سے غافل انسان پر شیطان مسلط کر دیئے جاتے ہیں اور وہ اس کا رفیق بن جاتا ہے اور ان کے برے کام کو اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ الزخرف (۳۶ تا ۳۸) میں یہ بات کھول کر بتا دی ہے۔ فرمایا و من یعش .... لبئس القرین O

ترجمہ ''جو شخص رحمان کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں، اور وہ اس کا رفیق بن جاتا ہے۔ یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہ راست پر آنے سے روکتے ہیں اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔ آخر کار جب یہ شخص ہمارے ہاں پہنچے گا تو اپنے شیطان سے کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا بعد ہوتا۔ تو تو بدترین ساتھی نکلا۔''

Marfat.com

رحمان سے ذکر سے یہاں مراد اس کی یاد اور نصیحت ہے جو اس کی طرف سے آئی ہوئی ہے، یعنی قرآن الحکیم۔ دل کا خانہ یادِ الٰہی سے خالی ہو تو شیطان خواہ وہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے، اس پر قابض ہو جاتے ہیں۔ بری صحبت اور برے کاموں کی طرف رغبت دلاتے ہیں اور غافل انسان شیطان کی رفاقت میں اپنے برے اعمال کو اچھا خیال کرنے لگتا ہے اور اپنے خالقِ حقیقی سے دور ہو جاتا ہے۔ شیطان روزِ حشر اپنے آپ کو بری کرانے کی فکر میں لگا ہوگا۔ اس وقت بھٹکے ہوئے بندہ کو احساس ہوگا کہ میں نے زندگی میں کتنا خسارے کا سودا کیا تھا اور حسرت سے سوچے گا کہ کاش میں شیطان کی صحبت سے دور رہتا اور میرے اور شیطان کے درمیان مغرب اور مشرق کی دوری ہوتی۔ پچھتاوے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ شیطان کی طوطا چشمی اور اپنی عاقبت دیکھ کر انسان کی یہ خواہش بے سود ہوگی۔

ذکر اللہ کرنے والوں کی صفات:

اللہ کی یاد والے متقی لوگوں کے دل ذکر اللہ کرتے اور سنتے وقت خشیت الٰہی سے کانپ جاتے ہیں۔ اللہ و برتر کی کبریائی اور اپنی کم مائگی کا احساس اللہ کی فرمانبرداری کی طرف لے جاتا ہے۔ سورہ الحج (۳۵) میں ان کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **الذین اذا ذکر الله .... رزقنٰھم ینفقون O**

ترجمہ "جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ جو مصیبت ان پر آن پڑتی ہے، اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

ذکر کرنے والوں کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ یہ متقی، فرمانبردار بندے اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، ان کے دل خشیت الٰہی سے کانپتے رہتے ہیں۔ اللہ کی بڑائی اور عظمت کی ہیبت ان پر طاری ہو جاتی ہے۔ اللہ کے ذکر سے ان میں روحانی قوت آ جاتی ہے۔ یہ لوگ مصیبت کے وقت گھبراتے نہیں بلکہ ثابت قدم رہتے ہیں، اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہاتھ کھلا رکھتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق حلال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہ بخیل ہوتے ہیں نہ فضول خرچ۔

ذکر سے منہ موڑنے والوں کا انجام:

Marfat.com

اللہ تعالیٰ صراط خیر پر چلنے والوں کو اپنے سایہ رحمت میں رکھتے ہیں اور اس کے برعکس اللہ سے منہ موڑنے والے اپنے آپ کو مشکلوں میں اکیلا پاتے ہیں۔ سورہ الجن (۱۶ام۱۷) میں یہی مضمون ہے۔ فرمایا و ان لوا .... عذاباً صعداO

ترجمہ ''اور (اے نبی کہو مجھ پر یہ وحی کر دی گئی ہے کہ) لوگ اگر راہ راست پر ثابت قدمی سے چلتے تو ہم انہیں خوب سیراب کرتے تا کہ اس نعمت سے ان کی آزمائش کریں اور جو اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑیگا، اس کا رب اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔''

مکہ کے کفار اور مشرکین کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اگر وہ ایمان لے آتے اور راہ راست پر ثابت قدمی سے چلتے رہتے تو ہم ان کو خوب سیراب کرتے تا کہ اس نعمت غیر مترقبہ یعنی بارش سے آزماتے۔ یعنی اگر اہل مکہ شرک نہ کرتے تو ان پر خشک سالی کی بنا پر قحط مسلط نہ ہوتا مگر انہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا اور قحط میں مبتلا ہوئے۔ اس کے برعکس اگر وہ ایمان لے آتے تو ہم ان کو نعمتوں کی کثرت سے نوازتے۔ بغاوت کی روش دنیا اور آخرت، دونوں مین تنگی کا باعث بنتی ہے۔ نعمتوں کی بارش سے مراد وحی کے ذریعے اللہ کے نازل کردہ صحیفے ہیں جن میں آخری صحیفہ قرآن الحکیم ہے۔ اللہ کا پیغام مردہ دلوں کو اسی طرح جلا بخشتا ہے جس طرح سوکھے کھیت میں بارش نئی زندگی کی نوید بنتی ہے۔ بارش پانی کا ذریعہ ہے اور اسی پر زندگی کا انحصار ہے۔ پانی کے بغیر کوئی بستی آباد نہیں ہو سکتی، کوئی زراعت اور صنعت نہیں چل سکتی، پانی حیات ہے۔

ہر قوم نے اپنے نبی کی بات کو جھٹلایا سوائے قلیل لوگوں کے اور پھر تباہی ان پر مسلط کر دی گئی اور آخرت کی سزا بھی ان کا مقدر بن گئی۔ اب مشرکین اور کفار مکہ بھی اس روش پر چل رہے ہیں۔ رب کریم نعمتیں عطا فرما کر بندوں کو آزماتا ہے کہ کہاں تک میری شکر گزاری کرتے ہیں۔ توبہ کرنے والوں پر نعمتوں کے در کھول دیتا ہے۔

استغفار کی فضیلت:

حدیث میں مروی ہے کہ حضورﷺ نبی کریم نے قریش کے لوگوں سے فرمایا کہ ''ایک کلمہ ہے جس پر تم قائم ہو جاؤ تو عرب وعجم کے فرمانروا ہو جاؤ گے'' اور وہ کلمہ استغفار ہے۔ (ت ج ۲ ص ۱۰۱)

Marfat.com

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ قحط کے موقع پر بارش کی دعا کے لیے نکلے تو صرف استغفار پر اکتفا فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا یا امیر المومنین آپ نے بارش کے لیے تو دعا ہی نہیں کی۔ فرمایا ''میں نے آسمانوں کے ان دروازوں کو کھٹکھٹایا ہے جہاں سے بارش نازل ہوتی ہے اور پھر سورہ نوح کی یہ آیات (۱۰ تا ۱۲) پڑھ کر سنائیں **فقلت استمغفروا .... لکم انھٰراO**

''میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد سے نوازیگا اور تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کردے گا۔''

ان آیات میں استغفار جو کہ اللہ کا ذکر ہے، کی برکات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حسن بصریؒ کی مجلس میں ایک شخص نے خشک سالی کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا اللہ سے استغفار کرو۔ دوسرے شخص نے تنگ دستی کی شکایت کی، تیسرے نے کہا میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی، چوتھے نے کہا میری زمین میں پیداوار کم ہو رہی ہے، ہر ایک کو ایک ہی جواب دیتے چلے گئے کہ استغفار کرو۔ لوگوں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ سب کو مختلف شکایتوں کا ایک ہی علاج بتا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب میں سورہ نوح کی یہ آیات سنائیں۔

ذکر میں مداومت:

سورہ المزمل (۸) میں بھی ذکر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **واذکر اسم ربک .... تبتیلاO**

ترجمہ ''اپنے رب کے نام کا ذکر اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔'' اس سورہ مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کو قیام باللیل یعنی رات کی نماز (تہجد) کا حکم دیا گیا ہے مگر اس آیت میں ذکر اللہ کے بارے میں فرمایا ہے جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ حضور ﷺ تو ذکر اللہ کرتے رہتے تھے مگر اس خاص حکم میں اس میں مداومت کی ہدایت ہے، وہ ذکر اللہ جو ہر وقت جاری رہے اور اس میں نہ کبھی بھول نہ سستی۔ کبھی قلب سے یا زبان سے ذکر جاری رہتا ہے۔ دنیا اور دین کے کام کرتے وقت بھی دل بہ یار ہونا ہے۔

Marfat.com

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔ ذکر قلبی ہر وقت جاری رہتا جبکہ آپ کا ذکر لسانی نہ کرنا روایت حدیث سے ثابت ہے۔ ذکر قلبی میں اسمائے حسنہ بغیر زبان ہلائے اور اللہ کی صفات و کمالات میں غور و فکر کرنا ہر جگہ، ہر وقت، ہر حالت میں جائزہ ہے۔

اس آیت میں دوسری ہدایت یہ فرمائی ہے کہ آپ ﷺ تمام مخلوق سے قطع نظر کر کے اللہ کی عبادت اور رضا جوئی میں لگ جائیں۔ خالص اللہ کی عبادت اور تمام اعمال و افعال، حرکات و سکنات میں اللہ پر بھروسہ رہے۔

تبتل کے معنی مخلوق سے کٹ کر رہبانیت اختیار کرنا نہیں ہے، جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اس حکم میں ترک تعلقات اس طرح کرے کہ دوسری مخلوق کا تعلق اللہ کے تعلق پر غالب نہ آنے پائے۔ تمام انبیاء کرام علیہ السلام اور حضور ﷺ نے خود یہ سنت قائم فرمائی۔ حضور نبی کریم ﷺ دنیاوی کاموں میں حصہ لیتے تھے مگر ان کاموں کو دین کے تابع رکھتے تھے۔ دعوت حق دینا اور خدمت خلق بھی ذکر اللہ میں شامل ہے۔

اس آیت میں ذکر سے مراد ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا تکرار ہے۔ ذکر کی مداومت رکاوٹ نہ آنے دینا ہے تاکہ وصول الی اللہ کے مقام تک پہنچ سکے اور یہی مطلوب ہے۔

ذکر بھلائی کا ذریعہ:

سورہ الاعلیٰ (۱۴، ۱۵) میں ذکر اللہ کو بھلائی کا ذریعہ قرار دینے کا اعادہ فرمایا ہے۔ ارشاد رب کریم ہے قدافلح من .... فصلیٰO

ترجمہ "وہ بیشک فلاح پا گیا جس نے پاک کیا اپنے آپ کو اور اپنے رب کا ذکر کیا اور نماز پڑھی"۔

فلاح پانے کے لیے تزکیہ نفس، طہارت اخلاقی و مالی (یعنی رزق حلال اور مال کی طہارت بذریعہ زکوٰۃ) ضروری ہیں۔ حرام کا مال کھانے والے، حرام کی کمائی کا لباس پہننے والے، زکوٰۃ سے مال کو پاک نہ کرنے والے اور ہر قسم کی اخلاقی نجاست والوں کی عبادت کو قبولیت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس مومن متقی، نجاست ظاہری و باطنی سے پاک شخص جب اپنے رب کا ذکر کرتا ہے، نماز ادا کرتا ہے، تو یہ اس کے لیے دین و دنیا کی بھلائی کا موجب بن جاتا ہے۔

Marfat.com

یہاں ذکر سے مراد خالص ذکر اللہ، فرض نماز و نوافل ہیں۔

صرف اللہ اللہ کرنا یا اللہ کو کسی اور صفاتی نام سے یاد کرنا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ نماز پنگانہ جو سراسر اطاعت اور ذکر ہے، ادا کرنا، حسد و بد اخلاقی سے اجتناب اور مال کی پاکیزگی سے اللہ کے قرب کا راستہ صاف کرتا ہے۔ خالی ذکر کرنا بدوں فرض نماز کے تانگے کو گھوڑے کے آگے باندھنا ہے۔

ذکر اللہ شیطان کو دبلا کر دیتا ہے۔ اللہ کا ذکر سنتے ہی شیطان جل بھن کر بھاگ جاتا ہے، مگر غافل پاکر پھر حملہ آور ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضرت بی بی فاطمہ حضور ﷺ کے پاس ایک جنگی قیدی غلام کے طور پر مانگنے کی غرض سے گئیں۔ حضور ﷺ تشریف فرما نہیں تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنی غرض حضرت عائشہؓ کو بتا دی۔ حضور ﷺ کو جب اسکا علم ہوا تو آپ ﷺ حضرت بی بی فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا "میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں جو ایک غلام سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ جب تم بستر پر لیٹو تو سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھو، یہ تمہارے لیے غلام سے بہتر ہے۔

امام تیمیہؒ نے فرمایا کہ جو کوئی سوتے وقت ان کلمات طہارت کو پڑھے گا وہ کبھی تھکان یا سستی محسوس نہ کریگا۔ یعنی اللہ کا ذکر پریشانیوں میں حوصلہ اور قوت برداشت عطا کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے بھی انہیں کلمات کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ "ایک مسلمان مفلس شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا، ہم عبادت کرتے ہیں، ہم روزہ رکھتے ہیں، اور بالکل اسی طرح امیر لوگ بھی روزہ رکھتے ہیں، وہ امیر ہونے کی وجہ سے حج اور عمرہ کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے، وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، ہم غریب لوگ نہیں کر پاتے۔ اس طرح وہ بھلائی اور نیکی میں ہمیشہ ہم سے آگے نکل جاتے ہیں۔ یہ غرباء کے لیے پریشان کن ہے کہ وہ اجر و ثواب میں امیروں سے آگے نہیں نکل سکتے۔ اس کو حضور ﷺ نے کہا کہ میں تم کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے اجر و ثواب کے لیے اپنے بھائیوں کے برابر ہو جاؤ، بلکہ ان سے سبقت لے جاؤ گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس مقصد کے لیے تم کو ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھنا ہوگا۔ (بخاری) (اہل فکر کے لیے یاد دہانی، امتیاز احمد ص ۲۰)

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے حضور ﷺ نے نماز کے بعد یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک. ترجمہ "اے اللہ کہ تو مجھے اس کام میں میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر کروں، تیرا شکر کروں اور ہر ممکن طریقہ

Marfat.com

سے تیری بہتر سے بہتر عبادت کرسکوں۔"

ان احادیث سے ذکر کی برکات منکشف ہوتی ہیں، اور سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ ذکر کرنے والوں کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ اچھی محفل میں فرماتے ہیں۔

قرآن الحکیم میں اللہ کے صفاتی نام بیان کیے گئے ہیں البتہ احادیث صحیحہ میں اس پاک ذات کے ۹۹ نام گنائے گئے ہیں جنہوں ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ اللہ کو اس کے ذاتی نام اللہ کے علاوہ جس نام سے بھی یاد کرو وہ ذکر میں شامل ہے۔

سورہ الحشر (۲۲،۲۳) میں اللہ کی کچھ صفات اور اس کے اسمائے حسنہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **هو الله الذی .... و هو العزيز الحكيم**O

ترجمہ "وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا، وہی رحمان اور رحیم ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، نہایت مقدس ہے، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا۔ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے لیے بہترین نام ہیں۔ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کرتی رہتی ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔"

ان آیات کریمہ میں پہلے مالک دو جہان کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ فرمایا ہے کہ وہ معبود حقیقی یکتا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں وہ باخبر ہے ظاہر اور باطن کا جاننے والا۔ وہ اپنی مخلوق کے لیے نہایت مہربان اور مسلسل رحم کرنے والا ہے۔ اس کی حکمرانی میں کسی کو کوئی دخل نہیں۔ وہ ہر عیب سے پاک، مقدس ہستی ہے جس کے اختیار میں سلامتی اور امن دینا ہے۔ اس ذات پاک سے بڑھ کر محافظ کوئی نہیں وہ متکبر ہے اور بندہ اور ساری مخلوق عاجز ہے۔

پھر فرمایا کہ وہ ذات لاشریک ہے جس نے کائنات اپنی منصوبہ بندی کے تحت تخلیق فرمائی اور اس کو صورت بخشی یعنی تخلیق کائنات کوئی حادثاتی فعل نہیں ہے بلکہ اس کو مرحلہ وار بنایا اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں، وہ صرف حکم فرماتا ہے اور باقی مخلوق حکم بجالاتی ہے۔

انسان جو بناتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ مادوں کو جمع کر کے بناتا ہے، بخلاف اس کے کہ خالق کائنات تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لایا ہے، جس سے اس نے ہر شے بنائی۔ انسان خود موجد نہیں بلکہ ایک ادنیٰ نقال ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں تکرار نہیں۔ ایک پھول ہی کا

Marfat.com

مشاہدہ کریں، ایک پتی دوسری پتی سے نہیں ملتی، ایک درخت کے لاکھوں پتے ہوں مگر ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ لاکھوں اربوں انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ بڑے سے بڑے مصور بھی ایسا تنوع پیدا نہیں کر سکتے۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے بنانے والے کی پاکی بیان کرتا ہے اور کرتا رہے گا، کہ اس کا خالق بے عیب، ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے اور یہ بات قرآن الکریم میں متعدد بار کہی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیائے عالم کو ان کی حیثیت کے مطابق عقل و شعور بخشا ہے اور وہ اپنے بنانے والے کو پہنچانتی ہیں اور وہ اپنے خالق کی پاکی بیان کرتی ہیں گو کہ ہم ان کی تسبیح نہیں سن سکتے۔ شجر، حجر، پہاڑ، دریا، سورج، چاند، ستارے اور ہر قسم کی مخلوق اس کی تابعداری کرتی ہے اور یہ تابعداری اور شکر گزاری ہی ان کی تسبیح ہے۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، زبان دی، علم دیا، عقل و شعور دیا، اسے بھی اپنے خالق کو اسمائے حسنہ سے یاد کرنا چاہیے تاکہ فرمانبرداری اور شکر گزاری کا کچھ نہ کچھ حق ادا ہو سکے۔

ترمذی میں حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو صبح کے وقت تین مرتبہ **اعوذ باالله السميع العليم من الشيطن الرجيم** اور اس کے بعد تین مرتبہ سورہ الحشر کی آخری تین آیات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اگر وہ اس دن مر گیا تو شہادت کی موت حاصل ہو گی اور جس نے شام کو یہ کلمات تین مرتبہ پڑھ لیے تو یہی درجہ حاصل ہو گا۔ اللہ کا ذکر باعث رحمت، مغفرت، فلاح دارین ہے۔ (م ج ۸ ص ۳۹۴)

یاد اللہ سے روکنے والی چیزیں:

دنیا کے مشاغل انسان کو اس طرح اپنی طرف راغب کر لیتے ہیں کہ وہ ذکر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور مداومت قائم نہیں رہتی۔ سورہ المائدہ (۹۱) میں شراب اور جوئے کو اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کر دینے والی چیزیں قرار دی ہیں۔ پھر سورہ المنافقون (۹) میں اللہ کے ذکر سے غافل کر دینے والی چیزوں سے خبردار کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **یایھا الذین آمنوا............ ھم الخسرون** O ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو

Marfat.com

کوئی ایسا کریں گے تو وہی لوگ خسارے میں ہیں''

یہ نصیحت مومنین اور مخلصین کو کی گئی ہے اور اس خطرے سے آگاہ کیا ہے کہ جوان کو اللہ کی یاد سے غافل کر سکتا ہے۔ مال و دولت اور اولاد ایسی غفلت کی دو بڑی وجہ ہیں۔ روزی کمانے اور متاع دنیا کے حصول کی خاطر، تجارت، زراعت اور دیگر مشاغل میں حد فاصل سامنے رہنا چاہیے۔ مال و دولت کی محبت ایک حد تک مذموم نہیں البتہ ان کی محبت اللہ کی محبت کی جگہ نہ لے لے۔ اکثر کاروباری لوگ اوقات نماز میں اپنا کاروبار جاری رکھتے ہیں اور نماز ضائع کر دیتے ہیں بعض لوگ دیگر کاموں میں مشغول رہ کر بھی یہی کرتے ہیں۔ اکثر لوگ اولاد کے کاموں میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ وہ اللہ کی اطاعت اور عبادات سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں تمام طاعات اور عبادات شامل ہیں۔

سورہ التغابن (۱۴، ۱۵) میں اسی بات کا اعادہ فرمایا گیا ہے البتہ نزول کا پس منظر ہجرت اور جہاد ہے۔ مومنوں سے خطاب ہے یایھا الذین آمنو.................

.................اجر عظیم O ترجمہ ''اے ایمان والو تمہاری بیویوں اور اولاد میں بعض تمہارے دشمن ہیں، سو ان سے بچتے رہو اور معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس ہی اس کا بڑا اجر ہے۔''

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت مسلمانوں کے بارے میں ہے، جو ہجرت مدینہ کے بعد مکہ المکرمہ میں اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ ہجرت کا ارادہ رکھتے تھے کہ مدینہ المنورہ جا کر حضور نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں مگر ان کے اہل و عیال نے انہیں روک دیا۔ اس وقت ہجرت کرنا ہر مسلمان پر فرض تھا۔ اس وقت مکہ کے حالات کچھ ایسے تھے کہ شاید ہی کوئی پورا خاندان اسلام میں داخل ہوا ہو۔ کہیں صرف بیٹا ایمان لے ایا تو کہیں صرف باپ ایمان لے آیا اور کہیں داماد یا بہن یا بیٹی ایمان سے سرفراز ہوئے اور باقی ماندہ ان ایمان والوں کو ہجرت سے روک دیتے۔ یہاں ایسے رشتہ داروں، بیویوں اور اولاد کو دینی دشمن قرار دیا اور مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ ان کے شر سے بچیں کہ یہ حق کا راستہ روکتے ہیں۔

حضرت عطا بن ابی رباحؒ سے روایت ہے کہ یہ آیت (۱۴) عوف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ مدینہ میں تھے اور جب کسی جہاد کا موقع آتا تو ان کے بیوی بچے فریاد کرتے کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو یہ ان کی فریاد سے متاثر ہو کر رک جاتے۔

Marfat.com

دونوں روایتیں اس آیت کا سبب نزول ہو سکتی ہیں، کیونکہ بیویاں اور اولاد فرض کی ادائیگی میں مانع ہوسکتی ہیں۔ یہ ایسی دشمنی ہے جوانسان کوشیطان کی راہ پرڈال دیتی ہیں۔

جب عوف بن مالکؓ کواپنی غلطی کا احساس ہوا تو آئندہ وہ اپنے اہل وعیال سے ایسے معاملے میں سختی کرنے لگے توانہیں ایسا کرنے سے منع فرمادیا گیا۔اللہ کے نے ہدایت فرمائی کہ باوجوداس کے کہ اہل وعیال (یا کوئی اور) تمہارے ساتھ ایسی دشمنی کریں، تم ان کے ساتھ سختی نہ کرو بلکہ درگزر سے کام لواور معاف کردوتو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ اللہ کی عادت بھی مغفرت اور رحمت کی ہے۔اس کا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ اگراہل وعیال کوئی کام خلاف شرع کریں توان سے نرمی سے پیش آنا، ان پرتشدد کرنا یاان کے لیے بدعا کرنا مناسب نہیں۔

اگلی آیت ۱۵ میں مال اوراولاد کو بڑی ابتلا اور امتحان قرار دیا ہے کہ انسان ان کی محبت سے مغلوب ہوکر جائز یاناجائز کام کرتا ہےاور فرائض سے غافل ہوجاتا ہے۔اولاد کی آسائشوں کے لیےحرام کی کمائی سے بھی گریزنہیں کرتا۔

حضور نبی کریمﷺ نے اولاد کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ مخلة مجبنه یعنی بخل اور جبن یعنی نامردی اور کمزوروی کے اسباب ہیں'' کہ ان کی محبت کی وجہ سے آدمی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے رکتا ہے، انہی کی محبت کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے رہ جاتا ہے (جونامردی ہے)۔بعض سلف صالحین کا قول ہے العیال سوس الطاعات یعنی انسان کی نیکیوں کیلئے گھن ہے، جیسا گھن غلہ کوکھا جاتا ہے۔(م ج ۸ص ۴۷۰)

اللہ کے ذکر کرنے والی جگہیں، مساجداوراہل ایمان کے گھر:

ایسے ایمان والے متقی لوگ بھی ہیں جنہیں دنیا کا کوئی شغل اللہ کی فریاد سے غافل نہیں کرتا، یہی لوگ مسجدوں کوآباد کرنے والے ہیں جواللہ کے ذکر کی جگہیں ہیں۔اہل ایمان کے گھر بھی اللہ کی یاد سے معمور رہتے ہیں۔سورہ النور(۳۶ تا ۳۸) میں اللہ کے نور کی طرف ہدایت پانے والوں کا ذکر ہے۔ فی بیوت اذن .... بغیر حسابO

ترجمہ ''(اس کے نور کی طرف ہدایت پانے والے) ان گھروں میں پائے جاتے ہیں جنہیں بلند کرنے کا، اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ نے اذن دیا ہے۔ان میں ایسے لوگ صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں، جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اوراقامت نماز و

Marfat.com

ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آ جائے گی (اور وہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں) تاکہ اللہ ان کے بہترین اعمال کی جزا ان کو دے اور مزید اپنے فضل سے نوازے، اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے''

اللہ کے ذکر والی جگہیں، اللہ کے گھر یعنی مساجد اور اہل ایمان کے گھر ہیں۔ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یعنی ''میرے لیے اللہ نے ساری زمین مسجد بنا دی ہے''۔ یعنی اللہ کی عبادت (بمعنی نماز و ذکر) مساجد کے علاوہ، اور جگہوں میں بھی کی جاتی ہے۔ مسجدیں، مسلمان کے لیے ذکر اللہ کرنے کی جگہ ہے جہاں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ گھر بھی بڑے بابرکت ہیں جہاں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، نماز کی صورت میں، زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت میں یا ذکر مطلق کی شکل میں۔ مساجد اللہ کے گھر ہیں، ان کی تعظیم واجب ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

> ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ مجھ سے محبت کرے، اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ میرے صحابہ سے محبت کرے، اور جو صحابہ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ مسجدوں سے محبت کرے کیونکہ وہ اللہ کے گھر ہیں، اللہ نے ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی، وہ بھی بابرکت ہیں اور ان کے رہنے والے بھی بابرکت ہیں۔ وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں اور ان کے رہنے والے بھی حفاظت میں ہیں۔ وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کام بناتے ہیں اور حاجتیں پوری کرتے ہیں، وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ان کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر بلند کرنے کے حکم میں، اللہ نے مسجدوں میں لغو کلام سے منع فرمایا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ رفع مساجد میں مساجد کی تعظیم و احترام اور ان کو نجاستوں اور گندی چیزوں سے پاک رکھنا ہے۔

Marfat.com

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ مسجد میں جب کوئی نجاست لائی جائے تو مسجد اس طرح سمٹتی ہے جیسے انسان کی کھال آگ سے۔(م ج ٦ ص ۴۳٦)

حضرت ابو خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مسجد میں سے ناپاکی، گندگی اور ایذا کی چیز کو نکال دیا، اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیں گے۔

مساجد پاک جگہیں ہیں اور ان کی تعمیر کے لیے زکوٰۃ جو کہ مال کی میل ہے، خرچ نہیں کی جا سکتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اپنے گھروں میں بھی مسجدیں یعنی نماز پڑھنے کی مخصوص جگہ بنائیں اور ان کو پاک صاف رکھنے کا اہتمام کریں۔

حضور ﷺ نے لہسن یا پیاز کھا کر بغیر منہ صاف کئے مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔

سگریٹ، حقہ، پان، تمباکو کھا کر مسجد میں جانا بھی اسی حکم میں ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مردوں کا مسجد میں نماز پڑھنا گھر میں یا دکان میں نماز پڑھنے کی نسبت بیس سے زائد درجہ افضل ہے اور عورتوں کی بہترین مساجد ان کے گھروں کے تنگ و تاریک گوشے ہیں۔

جو دل اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے وہ بھی مسجد کی طرح اللہ کا گھر بن جاتے ہیں کہ اللہ مومن کے دل میں سما جاتا ہے۔

پھر آیت ۳۷ میں متقی لوگوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ ان کو تجارت اور ربیع کا مشغلہ (یعنی لین دین یا دنیاوی کام) اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔ حضرت سالمؒ نے فرمایا کہ ایک روز عبداللہ بن عمرؓ بازار سے گزرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ دکان بند کر کے مسجد کی طرح جا رہے ہیں تو فرمایا کہ انہی کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے۔ رجال ......

.... والابصار.

ترجمہ "وہ لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جن میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔"

ایسے لوگ یوم حساب سے ڈرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ نور ہدایت سے نوازتا ہے۔ اور بے حساب دیتا ہے۔ دنیاوی اور روحانی رزق۔ آخرت میں ان کے لیے بہترین جزا ہے۔

آج کل کے دور میں کئی مواقع پر ہم مسجدوں کی حرمت برقرار نہیں رکھ سکتے۔ اس کی ایک وجہ فرقہ بندی ہے۔ مسجد کا دروازہ ہر ایک کے لیے کھلا رہنا چاہیے۔ پاکستان میں کئی مسجدوں

Marfat.com

میں دوسرے فرقہ والوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ایسی ہی مسجدوں میں دوسرے فرقہ والوں پر کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں پھر اس کے علاوہ تخریب کار بھی مسجدوں کی حرمت پامال کرنے سے باز نہیں آتے دراصل یہ لوگ کرائے کے معمول ہیں، جن کو دین کے بارے میں صحیح تصور نہیں ہے۔

اگر مسجد فتنہ پروری کے لیے استعمال ہوتی ہیں تو پھر ان کی حیثیت مسجد ضرار جیسی ہی ہو جاتی ہے۔ کسی مسجد پر فرقہ کا نام نہیں لکھا جانا چاہیے، اور نہ کسی مسلمان کا کسی مسجد میں داخلہ ممنوع ہونا چاہیے۔

ایک چھوٹا سا مگر تکلیف دہ واقعہ جو مجھے اور میرے اہل خانہ کو پیش آیا لکھنے میں حرج نہیں سمجھتی۔ میں اور میرے کچھ عزیز جنہیں بھانجے اور بھانجیاں شامل تھے، بہاولپور سے لاہور آ رہے تھے راستے میں کرمانوالا کے قریب مغرب کا وقت ہو گیا۔ سب نے وضو کیا اور مرد حضرات مسجد میں نماز کے لیے چلے گئے وہاں یہ واقع پیش آیا کہ جنکی داڑھی چھوٹی تھی ان کو اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے بھی نہ کھڑے ہونے دیا اور انہوں نے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ اس وقت مولانا مودودیؒ کا جملہ یاد آیا کہ اسلام میں داڑھی ہے داڑھی میں اسلام نہیں۔

ہمیں حضورﷺ کے زمانہ اور صحابہ کرام کا زمانہ یاد رکھنا چاہیے جب مسجد صرف اللہ کا گھر سمجھا جاتا تھا اور اس کا کوئی دوسرا نام نہیں ہوتا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

رکن دوئم

اکل حلال

باب اول

رزق حلال

حلال چیزیں کھانے کا حکم:

صبر وصلوٰۃ کی برکات اور انوار رزق حلال کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ یہ اصلاح معاشرہ کے لیے اہم ترین چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرہ آیہ ۱۷۲، ۱۷۳ میں اہل ایمان سے مخاطب فرمایا ہے۔ فرمایا "یا ایھا الذین آمنوا........................ غفور الرحیم O

ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں جو ہم نے تم کو بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ ہے کہ مردار نہ کھاؤ، خون اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

سورہ المومنون میں تمام رسولوں کو پاک وطیب چیزیں کھانے اور عمل صالح کا حکم فرمایا ہے (آیہ ۵۱)۔ سورہ البقرہ کی آیت (۱۶۸) میں تمام لوگوں کو مومن ہو کہ نہ ہو، حلال وطیب چیزیں کھانے کی دعوت دی گئی ہے فرمایا یاایھا الناس .... مبین O

ترجمہ "لوگو زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستے پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

ان آیات کی رو سے حکم دیا گیا ہے کہ وہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تم پر حلال کر دی ہیں وہ بے تکلف کھاؤ اور شیطان دل میں وسوسے ڈال کر برے کاموں کی طرف راغب کرتا ہے۔

Marfat.com

فرمایا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی ساری قیود توڑ ڈالو، حلال چیزوں کو خود ساختہ قانون کے تحت حرام نہ کرو۔

اللہ کی نعمتوں کا شکر اس طرح ادا کرو کہ صرف اسی کو اپنا معبود اور رزاق مانو۔ رزق حلال خون بن کر مومن کی رگوں میں دوڑتا ہے اور جسم و روح کو پاکیزہ کرتا ہے، اس کے فکر و عمل کو صراط مستقیم سے ہٹنے نہیں دیتا۔ پاک غذا سے پروردہ پاک دل انوار الٰہی سے آشنا ہو جاتا ہے۔ دعا قبول ہوتی ہے۔ حرام مانع قبول دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود پاک ہے، پاک دل عرش معلا بن جاتا ہے اور ایسے ہی مومن کے پاک دل میں اللہ تعالیٰ سما جاتا ہے۔ حرام رزق سے قرب الٰہی حاصل ہونا محال ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسے یوں بیان کیا ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

کھانے والی اشیاء کی حرمت:

اللہ تعالیٰ نے ان آیات (البقرہ ۱۷۲ ۱۷۳) میں چند چیزیں گنا دی ہیں جن کے کھانے پر پابندی لگا دی ہے۔ قرآن الحکیم میں دوسری آیات سے اور احادیث نبویہ سے ان چیزوں کے علاوہ بھی بہت سی چیزوں کی حرمت اور کچھ کا مکروہ ہونا ثابت ہے۔ اور ان کے بارے میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سہیلؒ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ نجات تین چیزوں پر منحصر ہے، حلال کھانا، فرائض ادا کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع کرنا۔ (م ج ا ص ۲۱۱)

ان آیات میں چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے، مردار، خون، لحم خنزیر اور جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔

ا)۔ میتہ یعنی مردار

جو جانور ذبح کیے جانے کے بغیر خود بخود کسی وجہ سے مر جائے، بیماری چوٹ یا گلا گھٹنے سے مر جائے وہ مردار ہے۔ اس شرط سے دو مستثنیٰ ہیں۔ شکار کی ہوئی مچھلی اور ٹڈی۔ (المائدہ ۹۶)

Marfat.com

جو مچھلی کسی وجہ سے سڑ کر خود بخود پانی کے اوپر آ جائے وہ حرام ہے، ایسی مچھلی شکار کی ہوئی مچھلی میں شمار نہیں ہوتی۔ آج کل کئی ایسے حادثات ہو جاتے ہیں جس سے مچھلیاں بڑی تعداد میں مر کر پانی کے اوپر آ جاتی ہیں جیسے تیل بردار جہاز سے کسی وجہ سے تیل سمندر کی سطح پر پھیل جاتا ہے جس سے مچھلیاں بڑی تعداد میں مر جاتی ہیں اور سڑ کر پانی کی سطح پر آ جاتی ہیں، یہ حرام ہو جاتی ہیں۔

کسی تیز دھار آلہ سے زخمی جانور جس کے جسم سے خون جاری ہو جائے حرام ہو جاتا ہے۔ اگر خالی زخمی ہو تو خون جاری نہ ہو اور اس کے مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو حلال ہو جاتا ہے۔ مردار جانور کے صرف وہ اجزا جو غذا کے قابل ہیں، حرام ہیں۔ مردار جانور کی ہڈیاں، بال جو کھانے کی چیز نہیں، استعمال کی جا سکتی ہیں، ذبیحہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے۔ بعض مصنوعات میں اس کا استعمال خرید و فروخت جائز ہے۔ خنزیر قطعاً حرام ہے کہ ذبح کے بعد بھی حلال نہیں ہوتا اس کی چربی پٹھے وغیرہ شامل ہیں۔

۲)۔ خون

دوسری چیز جو حرام کی گئی ہے وہ خون ہے۔ سورہ انعام (۱۴۵) میں اسکی وضاحت کے ضمن میں خون کے ساتھ بہنے والا یا بہا ہوا خون کی قید لگا دی گئی ہے۔ یعنی ایسا خون جو کسی جانور کو زخمی کر کے یا ذبح کر کے نکالا گیا ہے دراصل یہ سورہ البقرہ کی آیت کے حکم کی تشریح ہے۔ حلال جانور کی تلی اور جگر جو جما ہوا خون ہے، حلال ہے۔ خون کا کھانا، پینا، اس کا استعمال کسی بھی غرض سے، اور اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ انتقال خون بھی بہتا ہوا خون ہے جو ایک جسم میں دوسرے انسان کے جسم سے منتقل کیا جاتا ہے۔ یہ عام حالات میں شرعاً جائز نہیں، صرف اضطراری حالت میں جان بچانے کی خاطر جائز ہے، جب دوسری ادویات سے کام نہ چل سکتا ہو۔

۳)۔ لحم خنزیر

یہ تیسری حرام قرار دی جانے والی چیز ہے، یہ ایسا نجس جانور ہے جو ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ یہ حرمت صرف سور کے گوشت تک محدود نہیں۔ باجماع امت خنزیر کے تمام اجزا ہڈی، کھال، بال وغیرہ حرام ہیں۔ سور کا گوشت کھانے کی اجازت صرف اضطراری حالت

Marfat.com

میں جان بچانے کی خاطر ہے اور وہ بھی اتنی مقدار میں جتنا جان بچانے کے لیے ضروری ہو۔

۴)۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانور کی حرمت

اس میں حلال جانور کے ذبح کی مختلف صورتیں ہیں۔ کسی کی نیاز کے لیے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے، یہ حلال جانور کو بھی حرام کر دیتا ہے اور مردار ہے۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کیا جائے چاہے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ہی لیا گیا ہو۔ اگر محض تعظیم اور خوشنودی مقصود ہو تو حرام ہے لیکن اگر مقصد مہمان کی خاطر داری ہے تو ضیافت کے لیے سنت ہے اور جائز ہے۔ کسی آستانے پر چڑھاوے کے طور پر ذبح کیا جانے والا جانور حرام ہو جاتا ہے۔

سورہ المائدہ آیت ۳،۴ میں فرمایا حرمت .... غفور الرحیم O ترجمہ "تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت۔ وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا۔ اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسو کے ذریعے سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعال فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے۔ اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے (لہٰذا حرام و حلال کی جو قیود تم پر عائد کر دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو) البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھا لے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بیشک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے حلال کیا گیا ہے، کہو تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو، جن کو خدا کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو، وہ جس جانور کو تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس کو بھی تم کھا سکتے ہو، البتہ اس پر اللہ کا نام لے لو، اور اللہ کا قانون توڑنے سے ڈرو اللہ کو حساب لیتے

Marfat.com

کچھ دیر نہیں لگتی۔"

ان آیہ مبارکہ میں، جن چار حرام چیزوں کا ذکر پہلے سورہ البقرہ میں کیا گیا ہے ان کے بارے میں زیادہ تفصیل بیان فرمادی گئی ہے۔ مردار سے مراد وہ جانور ہے جو طبعی موت مرا ہو، بیمار رہ کر یا عمر پوری کر کے مرا ہو۔ اس مردار سے دو چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔ مچھلی کا شکار جائز ہے۔ مچھلی مر کر اوپر سطح آب پر آجائے تو حرام ہے۔ جیسے تیل بردار جہاز کسی حادثہ کا شکار ہو جائے اور تیل بہہ کر سطح آب پر پھیل جائے تو مچھلیاں بڑی تعداد میں مر جاتی ہیں اور حرام ہو جاتی ہیں، اسی طرح سمندری زلزلہ سونامی کی وجہ سے بڑی تعداد میں مچھلیاں مر سکتی ہیں۔

دوسری حرام چیز بہایا گیا یا بہتا ہوا خون ہے۔ تلی اور جگر جما ہوا خون ہے، حرام نہیں ہے۔ چونکہ خون حرام ہے اس لیے ذبح کا طریقہ جو مسلمانوں میں رائج ہے، اس سے شہ رگ کاٹی جاتی ہے، اور دماغ کا تعلق کچھ دیر قائم رہتا ہے اور جانور کے جسم سے زیادہ سے زیادہ خون نکل جاتا ہے اور گوشت پاک ہو جاتا ہے۔

لحم خنزیر تیسری حرام چیز ہے۔ اس کا پورا بدن حرام ہے، نہ صرف گوشت بلکہ اس کی ہڈی، کھال، بال، چربی سب حرام ہیں۔ ان سے بنی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں۔

چوتھی چیز جو حرام ٹھہرائی گئی ہے وہ جانور ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ یہ مثل مردار ہے۔ اس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

یہاں پر جانور کے مرنے کے کچھ اور اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں جس سے وہ مردار کے زمرے میں آجاتا ہے۔ کسی بھی وجہ سے گلا گھٹ کر مرنے والا جانور حرام اور مردار ہے۔ پھر وہ جانور جو شدید چوٹ لگنے سے ہلاک ہوا ہو حرام ہے۔ پتھر یا لاٹھی وغیرہ لگنے سے، یا پہاڑ سے یا اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہو جانے والے، یا ڈوب کر مر جانے والے جانور حرام ہو جاتے ہیں۔ کندآلے کی چوٹ سے، بندوق کی گولی لگ جانے سے مرنے والا، آپس میں لڑ کر مرنے والا، یا ٹکر لگنے سے یا ریل، موٹر وغیرہ کی زد میں آکر مرنے والا جانور بھی حرام ہے۔

ابتدائی چار چیزوں کے بارے میں (مردار، خون لحم خنزیر اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جانے والا) کوئی استثنیٰ نہیں۔ منخنقہ، موقوذہ، متردیہ اور نطیحہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر ان

Marfat.com

جانوروں کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے اور کھانا جائز ہے۔

پھر وہ جانور جو کسی استھان پر، جو کسی بزرگ یا دیوی دیوتا سے وابستہ ہوں، کے چڑھاوے کے طور پر قربان کیے جاتے ہیں، حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پانسو کے ذریعے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا حرام قرار دیا ہے۔ یہاں اس میں مشرکانہ طریقہ سے فال گیری، رمل، نجوم، لاٹری وغیرہ شامل ہیں۔ قرعہ اندازی جن میں برابر کے حق داروں یا دو یکساں کاموں کا فیصلہ درکار ہو جائز ہے۔ مثلاً اگر وراثت میں ملنے والے چار مکان ہوں جن کی قیمت میں فرق نہ ہو اور اگر چار وارث ہوں تو کونسا مکان کس کو ملے، کا فیصلہ کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی اجازت ہے۔ اسی طرح استخارہ کرنا جائز ہے کہ اس میں فیصلہ کرنے میں اللہ کی مدد مانگی جاتی ہے۔

یہاں حرام جانوروں کے سلسلے میں عربوں کے ایک رواج کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس رواج کے مطابق اگر کوئی اونٹ وغیرہ ذبح کرتے تو گوشت کی تقسیم حصہ شرکت کے مطابق کرنے کے بجائے جوئے کے تیروں سے حصہ نکالتے، اس طریقہ سے کسی کو زیادہ کسی کو کم اور کسی کو بالکل کچھ نہ ملتا۔ ایسا کرنا حرام ٹھہرا دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کا برا اثر یا تو اخلاق پر پڑتا ہے یا یہ طہارت نفس کے خلاف ہیں یا ان کا تعلق کسی فاسد عقیدہ سے ہے۔ انسان کے لیے ان حکمتوں کو سمجھنا محال ہے۔ ایمان والے اللہ کے حکم کی پیروی بغیر چوں چرا کے کرتے ہیں۔ ہر حکم کو خالق کائنات کا حکم سمجھتے ہیں جو اللہ کی کتاب جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی اس کی مقررہ حدود ہیں اور یہی عقیدہ ایمان ہے، اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت۔

ان حرام چیزوں کا کھانا بحالت مجبوری گناہ سے خارج ہے۔ یعنی اگر جان کا خطرہ ہو تو اتنا کھائے جس سے جسم و جان کا رشتہ برقرار رہ سکے۔ پیٹ بھر کر اور لذت حاصل کرنے کی خاطر کھانا مقصود نہیں۔ (ت ج ا ص ۴۴۱)

آیت ۴ میں سدھائے ہوئے جانوروں سے شکار کرنے کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ حضور ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے اس بارے میں سوال پوچھا تھا۔ اس آیت میں اس کا جواب ہے۔

Marfat.com

عام طور پر شکار کے لیے کتوں اور باز کو سکھایا اور سدھایا جاتا ہے۔ ان جانوروں کو شکار پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا شرط ہے یہ جانور شکار کو پکڑ کر لے آئے تو ذبح کر لینا اور اگر تمہارے پاس آنے سے پہلے دم توڑ جائے تو بھی حلال ہے۔ احرام کی حالت میں حلال جانور کا شکار بھی حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام طیب چیزیں حلال کر دی ہیں اور اس کے برعکس تمام خبیث جانور حرام کرنے کا حکم صادر فرمادیا۔ **یحل لکھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث.**

طیب صاف ستھری اور مرغوب چیزوں کو کہا جاتا ہے اور خبائث گندی اور قابل نفرت چیزوں کو کہا جاتا ہے۔ (م ج ۳ ص ۴۳، ۴۴، ۴۵)۔ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمایا ہے کہ شریعت اسلام میں حرام قرار دی جانے والی چیزیں دو اصولوں کے تحت آ جاتی ہیں۔ یہ کہ کوئی جانور فطرت وطبیعت کے اعتبار سے خبیث ہو دوسرے یہ کہ اس کے ذبح کا طریقہ غلط ہو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ذبیحہ کے بجائے میتہ یعنی مردار قرار دیا جائے گا۔

سورہ المائدہ (۳) نو چیزوں کو حرام بتلایا ہے۔ چار تو وہی ہیں جن کا ذکر سورہ البقرہ میں آ چکا ہے۔ باقی خبیث جانوروں کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمادیا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے کسی جانور کے خبیث ہونے کی علامت بیان فرمائی ہے جس میں کسی قوم پر عذاب کی صورت میں کسی جانور کی شکل میں مسخ و تبدیل کیا ہو مثلاً یوم سبت کی خلاف ورزی کرنے والوں کی شکلیں بندروں اور خنزیر کی طرح کر دیں۔

خیبر کی فتح سے ادھر یہودیوں کی فتنہ انگیزیوں سے نجات ملی، ادھر حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا۔ اس بنا پر اب مسلمان جدید فقہی احکام کے قابل ہو چکے تھے۔ اس موقع پر متعدد فقہی احکام نازل ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تبلیغ فرمائی۔ ان فقہی احکام کے نزول سے مراد وحی متلو یعنی قرآن مراد نہیں ہے۔ حرام چیزوں کے بارے میں ان احکامات کی تفصیل یوں ہے۔ (سیرت النبی ﷺ علامہ شبلی نعمانیؒ و علامہ سلیمان ندوی ج ۱ ص ۲۸۴)

Marfat.com

۱) پنجہ سے شکار کرنے والے پرندے حرام ہوئے

۲) گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا

۳) درندہ جانور حرام کر دیئے گئے

حضور ﷺ نے ایک ضابطہ کے تحت خبیث جانوروں کی نشاندہی فرمائی ہے کہ ہر درندہ جانور جو دانتوں سے پھاڑ کھاتا ہے جیسے شیر، بھیڑیا وغیرہ اور پرندہ جو پنجے سے شکار کرتا ہے جیسے باز، شکرہ وغیرہ، یہ سب حرام ہیں یا ایسے جانور جن کی طبیعت میں خست اور ذلت یا نجاست کے ساتھ ملوث ہونا ہے جیسے چوہا، مردار خور جانور، یا گدھا وغیرہ۔ ایسے جانور جن کی خصلت ایذا رسانی اور چیزوں کو اچک لینا ہو، جیسے سانپ، بچھو، چھپکلی، مکھی، چیل اور باز وغیرہ بھی حرام ہیں۔ (م ج ۳ ص ۴۵)

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا کھانا یعنی ذبیحہ جانور جائز فرمایا ہے۔ (المائدہ ۵) کتاب سے مراد تورات، انجیل، زبور، صحف موسیٰ و ابراھیم ہیں جن کی قرآن میں تصدیق کی گئی ہے۔

قرآن کا اسلوب ہے کہ کسی حکم کی اہمیت کو ذہن نشین کرانے کے لیے اس کا تذکرہ بار بار مختلف پیرائے میں مختلف مواقع پر کیا گیا ہے۔ سورہ الانعام (۱۴۵) میں بھی چار قطعی حرام چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ذکر پہلے البقرہ، اور المائدہ میں کیا جا چکا ہے۔ النحل (۱۱۵) میں بھی یہی بیان دوہرایا گیا ہے۔

کسب حلال:

رزق حلال کے لیے صرف اور صرف طیب چیزیں کھانے اور خبیث چیزوں سے پرہیز کافی نہیں ہے۔ ناجائز طریقے سے روزی کمانا رزق حرام ہے۔ المائدہ (۹۰، ۹۱، ۹۲) میں فرمایا یاایھا الذین .... المبین O ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جواء اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو امید ہے تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور

Marfat.com

بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟ اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور باز آ جاؤ لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔"

یہاں مزید چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے، شراب، جوا، آستانے اور پانسے شیطانی کام گردانے گئے ہیں۔ پہلے شراب کو ناپسند فرمایا اور اس کو باعث خرابی قرار دیا، سورہ النساء میں نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ تیسری بار اس کو گندے کاموں میں شمار کیا گیا ہے اور قطعی حرمت کا حکم صادر فرمایا۔ ان تینوں مواقع میں شراب کے بارے میں احکامات دینے کا مقصد مسلمانوں کو اس کی حرمت کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنا تھا۔ اس دور میں بہت سے لوگ شراب نوشی کے عادی تھے اور بہت سے لوگ اس کی خرید و فروخت سے وابستہ تھے۔ اس حکم کے بعد مسلمان نہ شراب کشید کر سکتے نہ فروخت کر سکتے نہ خرید سکتے، نہ پی سکتے، نہ پلا سکتے، اس سے وابستہ ہر کام حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ اس حکم کے بعد شراب کے ذخائر ضائع کر دیئے گئے۔ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اس کے پینے والے پر اور پلانے والے پر اور بیچنے والے پر اور خریدنے والی پر، کشید کرنے والے پر اور ڈھونے والے پر اور اس پر جس کے لیے ڈھونڈ کر لائی گئی ہو۔"

نبی پاکﷺ نے حرمت کے اس حکم کو تمام نشہ آور چیزوں پر عام کر دیا۔ ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز خمر ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں حضورﷺ نے فرمایا یعنی "شراب پینے والا ایسا مجرم ہے جیسے بت پوجنے والا" (م ج ۳ ص ۲۲۷)

حضورﷺ کے زمانہ میں شراب پینے والے کو جوتوں اور سونٹوں سے مارا جاتا اور زیادہ سے زیادہ ۴۰ ضربیں لگائی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ۴۰ کوڑے مارے جاتے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کی نافرمانی کی وجہ سے صحابہ کرام کے مشورہ سے ۸۰ کوڑے سزا مقرر کر دی۔

جواء بھی حرام قرار دیا گیا اور اسی طرح تیروں کے ذریعے اونٹ کے گوشت کی تقسیم جو ایک قسم کا جواء ہے، حرام ٹھہرایا گیا۔ قرعہ اندازی جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو جائز ہے۔

بت پرستی شرک ہے، حرام ہے۔ اس میں ہر غیر اللہ کی پوجا شامل ہے، چاہے درخت

Marfat.com

ہو، پتھر ہو یا پتھر یا لکڑی سے گھڑا ہوا بت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جو پابندیاں لگائی ہیں ان میں روحانی، اخلاقی اور معاشرتی بھلائی ہے۔ اور پھر بعض حکمتوں تک انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی اس لیے اللہ کے احکامات کی اطاعت عین عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

اگلی آیت میں ان پابندیوں کی حکمت یوں بیان فرمائی ہے کہ یہ شیطانی عمل معاشرے میں بہت سی برائیوں کو جنم دیتے ہیں۔ اور یہ چیزیں اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کرتی ہیں۔ اور جب انسان اللہ سے دور ہو جاتا ہے تو وہ شیطان کے قبضے میں چلا جاتا ہے۔ ان پابندیوں میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ آیت ۹۲ میں فرمایا کہ ان احکامات پر عمل کرنا اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنا ہے۔ اللہ کریم نے حضور ﷺ کے ذریعے اپنے احکامات بندوں تک پہنچائے۔ اب یہ بندوں پر منحصر ہے کہ وہ نفع والے اعمال اختیار کریں یا نقصان والے۔ نافرمانی سے نہ اللہ کا کچھ بگڑتا ہے نہ اللہ کے رسول ﷺ کا، اگر بگڑتا ہے تو اپنا ہی بگڑتا ہے، عاقبت خراب ہوتی ہے۔

رزق حلال کے لیے جائز طریقے سے روزی کمانا ہے۔ سود بھی (البقرہ ۲۷۵، ۲۷۶) حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس میں ناجائز طریقہ سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ ناجائز کمائی سے خریدی ہوئی حلال چیز بھی حرام ہو جاتی ہے۔ حلال کمائی کے لیے عہد کا نبھانا لازم ہے۔ یہ عہد آجر اور اجیر کے درمیان ہوتا ہے۔ ہر شعبے میں کام کرنے والے ایک عہد کے تحت کام کرتے ہیں جو ایمانداری سے کام کرنے کی ضمانت ہے۔ کام کے اوقات میں اگر کوئی افسر یا ملازم اپنا نجی کام کرتا ہے تو یہ حلال کی کمائی میں حرام کی آمیزش کے مترادف ہے۔ ناپ تول میں کمی، ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، دھوکہ سے دوسرے کا مال کھانا، یتیم کا مال کھانا، حرام کمائی کے ذرائع ہیں۔

جائز طریقے سے حلال روزی کمانا جہاد ہے اور یہی اطاعت اور بندگی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ "طلب حلال تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص چالیس روز تک حلال روزی کماتا ہے جس میں حرام کی ذرہ بھر آمیزش نہ ہو، حق تعالیٰ اس کے دل کو نور سے بھر دیتا ہے اور حکمت کے سوتے اس کے دل میں پھوٹ بہتے ہیں۔" (نہائے سعادت ص ۳۷۰)

Marfat.com

دوسرے کے مال کی حرمت:

سورہ النساء (۲۹،۳۰) میں رزق حلال کے بارے میں ایک اور پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک دوسرے معاملات میں بھی دیانت داری اور امانت داری سے کام لینا ہے۔ فرمایا یایھا الذین آمنوا .... یسیراً O ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ، لین دین ہونا چاہیے، آپس کی رضامندی سے۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقین مانو اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔ جو شخص ظلم اور زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا، اس کو ضرور ہم آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔''

ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے مومنوں کے حصول رزق کے لیے بھی ان اصولوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن پر کاربند ہو کر رزق حلال حاصل کیا جاسکتا ہے اور ایسی باتوں سے اجتناب کرنے کو کہا گیا ہے جن سے رزق حلال نہیں رہتا کہ رزق حلال سے پروردہ جسم کی عبادت قرب الٰہی کا باعث بنتی ہے۔

یہاں آپس میں لین دین سے مراد ہر قسم کا کاروبار ہے، کسب معاش ہے، تجارت اور محنت ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی شے ہو جو استعمال سے پہلے ایک سے دوسرے ہاتھ میں نہ جاتی ہو، چاہے وہ زرعی پیدا ہو، مصنوعات ہوں، مال مویشی ہو، سونا چاندی ہو، زمین مکان ہو وغیرہ وغیرہ۔

ناجائز طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے سے مراد کسی قسم کی دھوکہ دہی سے دوسرے کے مال سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔ ناجائز طریقے سے مراد شرعاً ممنوع طریقے ہیں۔ آپس کی رضامندی سے جو مال تم حاصل کرو وہ حلال اور طیب ہے۔

تجارت میں ہر طرح کے مال کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اس میں ایمان داری سے سودا چکانا ہے۔ مال صحیح ناپ تول کے ساتھ فروخت کرنا ہے۔ اور مال کی بے جا تعریف یا قسم کھا کر گاہک کو یقین دلانا، نقص دار مال بغیر خریدار کو نقص بتائے فروخت کرنا ناجائز ہے۔ ملاوٹ شدہ

Marfat.com

مال فروخت کرنا دھوکہ دہی ہے، ملازم کو پوری مزدوری نہ دینا حرام ہے کہ اسے آپ محنت کا پورا صلہ نہیں دیتے اور اجیر کے لیے اوقات کار میں ایمانداری سے کام کرنا ہی حلال کمائی ہے۔

حضور ﷺ نبی کریم کے فرمان کے مطابق یعنی ''انسان کے ہاتھ کی کمائی مزدوری اور سچی بیع اور شراہ جس میں جھوٹ نہ ہو، فریب نہ ہو حلال کمائی ہے'' حضور ﷺ نے خود بھی تجارت فرمائی۔ آپ ﷺ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کا مال تجارت لے کر جاتے تھے۔ آپ صادق اور امین تاجر کہلاتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یعنی کہ ''سچا تاجر جو امانت دار ہو وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''وہ سچا تاجر قیامت کے روز عرش کے سایہ میں ہوگا۔''

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول کریم نے فرمایا ''سب سے پاک کمائی تاجروں کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ جب بات کریں جھوٹ نہ بولیں اور جب وعدہ کریں تو وعدہ خلافی نہ کریں اور جب ان کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کریں۔ اور جب کوئی سامان (کسی سے) خریدیں (تاجروں کی عادت کے مطابق) اس سامان کو برا نہ بتائیں اور جب اپنا مال فروخت کریں (تو واقعہ کے خلاف) اس کی تعریف نہ کریں اور جب ان کے ذمے کوئی قرض ہو تو ٹلائیں نہیں اور جب ان کا قرض کسی کے ذمہ ہو تو اس کو تنگ نہ کریں۔''

کسب حلال کے بارے میں اوپر بیان کی گئی احادیث میں تاجر کے لیے مفصل ہدایات فرمائی گئی ہیں۔ لین دین میں آپس کی رضامندی ضروری ہے اور اسمیں کوئی دھوکہ بازی نہ ہونی چاہیے۔ اس بارے میں یہ ہدایت بھی فرمائی گئی ہے کہ پانچ قسم کے لوگوں سے معاملہ نہ کیا جائے، نابالغ لڑکے سے، دیوانے سے، لونڈی اور غلام سے، نابینا سے اور حرام خور سے۔ پہلی چار قسموں کے لوگوں کے لیے انکا کوئی وکیل یا ولی جو معتبر ہو ان کی طرف سے لین دین ہو سکتا ہے۔

حرام خور سے معاملہ جائز نہیں کہ چور، ڈاکو، سود خور، شراب فروش، رشوت خور وغیرہ کی کمائی حرام کی کمائی ہے۔

Marfat.com

آپس کی رضامندی کے باوجود بعض لین دین فاسد اور ناجائز ہے۔ جواء، سٹہ یا سود کا معاملہ گو رضامندی سے ہوتا ہے مگر یہ سرے سے تجارت ہی نہیں۔ اس میں مال کا تبادلہ نہیں ہوتا۔ سود کی رقم ادھار کی مدت کا معاوضہ ہے۔ سٹہ، جواء میں ایک طرف مال متعین موجود ہے۔ دوسری طرف نہیں، اسی طرح ایسا سودا جس میں مال ابھی موجود نہیں، بیع باطل ہے۔ دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنا اور ضرورت مند کا استحصال کرنا ناجائز ہے۔

ذخیرہ اندوز بھی اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کر کے، قیمتوں میں اضافہ ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور پھر ضرورت مندوں کو بظاہر رضامندی سے مہنگے داموں اشیاء خریدنا پڑتی ہیں۔

کسب حلال سے اپنے اہل وعیال کی کفالت کرنا بھی راہ دین میں جہاد کرنا ہے اور بہت سی عبادات سے افضل ہے۔ تجارت میں ایمانداری کی تاکید اس لیے بھی فرمائی گئی ہے کہ دس میں نو حصے رزق اسی پیشے سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ عابد کا درجہ افضل تر ہے یا امانت دار سوداگر کا؟ کہا کہ امانت دار سوداگر کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ مصروف جہاد رہتا ہے اور یوں کہ شیطان تولتے وقت، ناپتے وقت اور دیگر لین دین میں اسے گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور یہ اس کی مخالفت کرتا ہے۔

عبادت کو کسب حلال پر مخصوص حالات میں فضیلت حاصل ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گزر بسر کے لیے ذرائع ہوں تو اس کے لیے عبادت کو کسب حلال پر فضیلت حاصل ہے۔ وہ شخص جو ہمہ وقت دینی کاموں میں اور تبلیغ کرنے میں مصروف رہے اور کسب حلال کے لیے وقت نہ ہو، ان کی کفالت کا انتظام کرنا حکومت وقت اور معاشرے کے اہل ثروت لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ اصحاب صفہ کی کفالت اسی طرح کی جاتی تھی۔

امام مسجد، مبلغ، محقق اسی صف میں شمار ہوتے ہیں۔

دوسروں کا مال دھوکہ دہی سے حاصل کرنے کے بارے میں قرآن الحکیم نے سورہ البقرہ میں اس کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ البقرہ (۱۸۸) میں فرمایا **ولا تاکلوا............ و انتم تعلمون O** ترجمہ ''اور تم لوگ نہ تو آپس میں

Marfat.com

ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے''

یہاں دوسروں کا مال، ناجائز طریقے سے غصب کرنا تاکیداً منع فرما دیا گیا ہے۔ اس آیت میں اس سے مراد رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرانا ہے۔ طاقت ور گروہ یا فرد کسی کمزور کی جائیداد، زمین، مکان اور مال پر قبضہ کر لیتا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ حرام ہے۔ عدالت میں رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کروا لیتا ہے۔

البقرہ (۱۶۸) میں حلال چیزوں کے بارے میں ایک اور جہت سے بات کی گئی ہے۔ فرمایا یاایھا الناس .... عدو مبین O ترجمہ ''اے لوگو زمین کی چیزوں میں سے جو چیز حلال اور ستھری ہیں کھاؤ، اور شیطان کے بتائے ہوئے راستے پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یہاں یہ کہنا مقصود ہے کہ جو حرام و حلال کے بارے میں اپنی طرف سے کسی وہم یا جاہلانہ طرز عمل کے تحت کوئی ردو بدل نہ کرو۔ شیطان ہمیشہ انسان کو برائی کی طرف راغب کرتا ہے، سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ نجات تین چیزوں پر منحصر ہے' حلال کھانا' فرائض ادا کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع کرنا۔ طیب سے مراد پاکیزہ جس میں شرعی حلال ہونا اور طبعی مرغوب ہونا بھی داخل ہے۔ (م ج ا ص ۱۴۱) حرام کھانے سے بچنے کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے کہ حرام مال کھانے والے کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

شاملات (جنگلات و چراگاہیں) جن پر تمام انسانوں کے حقوق برابر ہیں، پر ناجائز قبضہ کرنا، چوری، ڈاکہ اور دھوکہ دہی سے دوسروں کے مال پر قبضہ کرنا فسق و فجور ہے اور مال حرام کمانے کا ذریعہ ہے۔ جواء و سود وغیرہ اسی لیے حرام ہے کہ یہ حقوق عامہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ کام اگر فریقین کی رضامندی سے بھی کیے جائیں تو بھی حلال نہیں کہ یہ پورے معاشرے پر برے اثرات مرتب کرتے ہیں۔

دھوکہ دہی کے معاملات اگر عدالت میں پیش ہوں تو قاضی، جج یا امام فیصلہ شہادتوں کی بنا پر دیگا۔ بعض اوقات جھوٹے گواہ پیش کر دیئے جاتے ہیں، حالانکہ غاصب جانتا ہوتا ہے کہ وہ حق پر نہیں ہے مگر وہ اپنا مقدمہ اپنے وکیل کے ذریعے اور جھوٹے گواہوں کے بل بوتے پر اس طرح

Marfat.com

پیش کرتا ہے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے۔ اس طرح جج کا فیصلہ اگر اس نے رشوت نہ لی ہو صحیح سمجھا جائے گا۔ اس کا وبال غاصب اور جھوٹی شہادت دینے والوں پر ہو گا۔ جو غاصب دنیا کی عدالت سے بچ نکلا آخرت کی عدالت سے نہ بچ سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اپنا معاملہ اسی دنیا میں درست رکھے۔ اس سلسلہ میں ایک واقع کے بارے میں حضورﷺ نے فرمایا

''یعنی میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو، اس میں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملہ کو زیادہ رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرے اور میں مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو (یاد رکھو کہ حقیقت حال تو صاحب معاملہ کو خود معلوم ہوتی ہے) اگر فی الواقع وہ اس کا حق نہیں ہے تو اس کو لینا نہیں چاہیے، کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں دوں گا وہ جہنم کا ایک قطعہ ہوگا'' (م ج ا صفحہ ۴۶۱)

اکل حلال اور اعمال صالح:

اکل حلال اور اعمال صالح کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ سورہ المومنون (۵۱) میں فرمایا **یاایھا الرسل .... تعلمون علیم O** ترجمہ ''اے گروہ انبیاء حلال اور پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال کی حقیقت سے واقف ہوں۔''

اکل حلال اور نیک اعمال کا حکم ساتھ ساتھ فرمایا کہ اکل حلال کے بغیر صالح کا صدور نہیں ہوسکتا۔ اس آیت میں نبیوں سے خطاب فرما کر سب مسلمانوں کے لیے یہی حکم صادر فرمادیا گیا ہے۔ ہر دور میں نبی کو اللہ تعالیٰ نے پیروکاروں کے لیے ایک نمونہ بنایا۔

سب نبیوں کا دین اسلام رہا ہے اور انبیاء کو ایک جماعت، ایک گروہ قرار دیا ہے اور سب کے لیے ایک ہی ہدایت جاری فرمادی۔ حلال چیزیں بھی حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہوں ورنہ حرام طریقے سے حاصل کی گئی حلال چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں۔

حضور نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ ''لوگو اللہ خود پاک ہے، اس لیے پاک چیز کو پسند کرتا ہے۔'' پھر آپﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا ''ایک شخص لمبا سفر کر کے غبار آلودہ

Marfat.com

پراگندہ مو آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا ہے، یا رب یا رب، مگر حال یہ ہوتا ہے کہ روٹی اس کی حرام، کپڑے اس کے حرام، جسم اس کا حرام روٹیوں سے پلا ہوا، اب کس طرح ایسے شخص کی دعا قبول ہو" (مسلم ترمذی احمد من حدیث ابی ہریرہؓ) (ت ج ۳ ص ۲۸۲)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دعا کی مقبولیت کے لیے حلال رزق کو بڑا دخل ہے۔ حرام غذا کھانے کے بعد دعا کی مقبولیت کا استحقاق نہیں رہتا۔

سورہ النحل (۱۱۴) میں رزق حلال کھانے کو ایک دوسرے زاویے سے بیان فرمایا ہے۔ فرمایا فکلوا....... تعبدون O ترجمہ "پس اے لوگو اللہ نے جو کچھ حلال اور پاک رزق تم کو عطا کیا ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کے احسان کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔" رزق حلال کی عطا کی شکر گزاری کا تقاضا ہے کہ تم رازق کی ہی بندگی کرو۔ اللہ نے اپنے احکامات میں حلال اور حرام کے بارے میں صاف صاف بتا دیا ہے۔ کسی چیز کو حرام یا حلال ٹھہرانا خدائی اختیار ہے۔ خود سے کسی چیز کو حرام یا حرام ٹھہرانا اللہ پر اختراع کرنا ہے۔ کفار اور مشرکین اپنی طرف سے حرام و حلال میں ردو بدل کر لیتے تھے۔ اگر وہ ایسا جہالت کی وجہ سے کرتے تو وہ بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کہ اگر سچی توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں، اللہ کے احکامات کی تابعداری کریں تو اللہ سب گناہ بخش دیں گے۔

حضرت سعدؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے حق میں دعا فرمایئے کہ میری دعا قبول ہو جایا کرے۔ فرمایا "حلال روزی کھاتے رہو، کہ تمہاری ہر دعا قبول ہو جایا کرے" اور فرمایا "کتنے لوگ ہیں جو کھاتے بھی حرام ہیں اور پہنتے بھی حرام ہیں اور اس کے باوجود ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگا کرتے ہیں! ان کی دعائیں آخر کس طرح قبول ہو سکتی ہیں؟ اور فرمایا اگر کوئی دس درہم میں ایک کپڑا خریدتا ہے (اور اس کا لباس سلواتا ہے) لیکن اس رقم میں اگر ایک درہم حرام کا ہے تو جب تک وہ لباس اس کے جسم پر رہے گا اس کی نماز قبول نہ ہوگی" (کیمیائے سعادت ص ۳۷۰)

اور فرمایا کہ "عبادت کے دس حصوں میں نو حصے طلب حلال کے ہوتے ہیں" اور فرمایا کہ "حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حرام سے پرہیز کرنے والوں سے مجھے حساب لیتے ہوئے بھی شرم آتی

Marfat.com

ہے'' (کیمیائے سعادت ص ۳۷۲)

خوف خدا اگر دامنگیر ہو تو مسلمان حرام کھانے اور حرام کی کمائی سے پرہیز کرتا ہے۔ کسی دوسرے کے گھر سے کھانا یا دوسرے شہر میں کھانا بظاہر حلال ہونے پر جائز ہے کہ ہر شخص کے لیے اس بارے میں تحقیق کرنا محال ہے۔ اگر معلوم عامہ کے ذریعے حرام کا شبہ ہو جائے تو ایسے کھانے سے اجتناب کرے۔

سورہ التوبہ میں ایمان والوں سے خطاب فرما کر ایک اور طرح کی حرام کی کمائی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ آیہ ۳۴ میں فرمایا **یاایھا الذین آمنوا .... بعذاب الیم O**

ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ دردناک عذاب کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے''

اس آیت مبارکہ سے پہلے جو آیات ہیں انہیں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے علماء اور زہاد گمراہی میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے۔ اپنی غرض کے لیے حرام مہینوں میں جنگ کرنے سے باز نہیں آتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا رب ماننے لگے ہیں، شرک کرتے ہیں، انہوں نے اپنے دین کو بگاڑ لیا ہے۔ یہ خود گمراہی میں پڑ گئے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ دین حق کا راستہ روکتے ہیں۔ ان کے اکثر علماء اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں۔ یہ لوگوں سے پیسے لے کر تورات کے خلاف فتویٰ دیتے اور لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ حب مال اور دنیا کی حرص کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ یہ لوگ نذرانے لیتے ہیں۔ ایسی مذہبی رسوم ایجاد کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جڑ پکڑ جائے کہ ان کا مرنا، جینا، شادی بیاہ ان کو کھلائے بغیر نہ ہو سکے گا۔ مسلمانوں کو مخاطب کر کے خبردار کیا گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے اندر بھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں۔

فی زمانہ اگر مشاہدہ کیا جائے تو کچھ مسلمان بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ جعلی پیر، تعویز گنڈے کرنیوالے، جادو ٹونے کرنے والے، غلط رسوم کی طرح ڈالنے والے، اشتہاری عامل بابے، لوگوں کو ان کی جہالت کی وجہ سے اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں۔ یہ سب جیب کترے ہیں۔ اس طرح سے حرام کی کمائی روز حشر ان کے لیے باعث عذاب بن جائیگی۔

Marfat.com

باب دوم

شعائر اللہ کی حرمت

احرام کی حالت میں بندش:

حرام حلال کے بارے میں پچھلے ایک باب میں اللہ کے احکامات کے بارے میں لکھا جا چکا ہے۔ یہاں اسی موضوع کو دوسرے حوالے سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سورہ المائدہ (۱) میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ یایھا الذین آمنوا.......................ما یرید O

ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بندشوں کی پوری پابندی کرو۔ تمہارے لیے مویشی قسم کے سارے جانور حلال کئے گئے ہیں سوائے ان کے جو آگے چل کر تمکو بتائے جائیں گے، لیکن احرام کی حالت میں شکار کو اپنے لئے حلال نہ کرلو، بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔"

یہ سورہ المائدہ کی پہلی آیہ مبارکہ ہے۔ سورہ المائدہ کے بارے میں عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ یہ سورہ حضور ﷺ پر حجۃ الوداع کے سفر کے دوران نازل ہوئی جو ۱۰ ہجری کا واقع ہے۔ ابن حیانؒ نے بحر محیط میں فرمایا کہ اس سورہ کے بعض اجزاء سفر حدیبیہ میں اور بعض فتح مکہ اور بعض حجۃ الوداع کے سفر کے دوران نازل ہوئی۔ یہ سورہ نزول قرآن کے آخری دور میں نازل کی گئی سورتوں میں سے ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق یہ قرآن کی آخری سورہ ہے اور اس میں جو احکام حلال و حرام کے بارے میں آئے ہیں وہ محکم ہیں۔ ان میں نسخ کا احتمال نہیں۔ سورہ البقرہ اور آل عمران میں عقائد، توحید، رسالت اور آخرت وغیرہ کے بارے میں احکامات بیان فرمائے گئے ہیں جبکہ النساء اور المائدہ میں بیشتر فروعی اور ضمنی احکام بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں باہمی معاملات، معاہدات اور حقوق العباد کے بارے میں بھی تفصیلات بیان فرمائے گئے ہیں۔ (م۔ ج ۳ ص ۹، ۱۰)

المائدہ کی یہ پہلی آیت معاہدات اور معاملات کے بارے میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ حضور ﷺ نبی پاک نے جب عمرو بن حزمؓ کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا تو ایک فرمان لکھ

Marfat.com

کر ان کے حوالہ کیا۔ سر نامہ پر آپ ﷺ نے یہ ہدایت تحریر فرمائی۔ ''اے ایمان والو بندشوں (اپنے معاہدوں) کی پابندی کرو''۔ ایمان والوں سے یہ تقاضا کیا گیا ہے۔ عہد سے مراد وہ عقد ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان، دو جماعتوں کے درمیان یا دو افراد کے درمیان طے پا جائے۔ ایسے معاہدے پر رضا اور رغبت فریقین آپس میں کرتے ہیں۔ ایمان والے از روئے ایمان اللہ تعالیٰ سے عہد باندھتے ہیں جس میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور خدا کی شریعت کے حدود اور قیود کی بندشیں ہیں۔ جماعتیں یا بندے آپس میں جو معاہدے کرتے ہیں انہیں سب قسم کے معاہدے، سیاسی، تجارتی، معاشرتی • نکاح وغیرہ شامل ہیں۔ یعنی معاہدوں کی تین قسمیں ہیں اول وہ معاہدہ بندے کا اپنے رب کے ساتھ ہے جس میں ایمان، طاعت وحلال وحرام کی پابندی شامل ہیں۔ دوسرا ن عہد انسان خود اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے جیسے کوئی نذر مان لے یا اپنے آپ کو کسی چیز کا پابند کرنے کا عہد کرے۔ تیسرے وہ معاہدے ہیں جو دو افراد یا جماعتوں یا حکومتوں کے درمیان طے پا جاتے ہیں۔ ان معاہدوں کی پابندی جائز شرطوں کے ساتھ مربوط ہے۔ خلاف شرح جو شرائط طے ہوں وہ نا جائز اور نا قابل قبول ہیں۔

عہد کی پابندیوں کے سلسلے میں اسی آیت میں مویشیوں کے حلال ہونے کی بشارت دی ہے۔ البتہ کچھ پابندیاں بھی لگائی ہیں۔ لفظ 'انعام' عربی لغت میں پالتو جانور اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری وغیرہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ بہیمہ کا اطلاق ہر چرنے والے چوپائے پر ہوتا ہے۔ حلالی کا یہ حکم سب چرندہ جانوروں کے لیے ہے جو مویشی، کیچلیاں نہ رکھتے، نباتاتی غذا کھاتے ہوں اور جنکو شرعی قاعدہ کے مطابق ذبح کیا گیا ہو۔ درندے جو دوسرے جانوروں کا شکار کر کے کھاتے ہیں یا مردار خور ہیں، حرام قرار دیئے گئے ہیں یعنی گندے اور ناپاک جانوروں کا کھانا منع ہے۔ یہ پہلا استثناء ہے جس کی وضاحت قرآن الحکیم کی دوسری آیات میں حرام حلال کے سلسلے میں فرمادی گئی ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کے نظام میں ادنیٰ کو غذا بنایا ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، اس لئے انسان کسی کی باقاعدہ غذا نہیں بن سکتا۔

دوسرا استثناء احرام کی حالت میں شکار کرنا ہے۔ جب حج اور عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو تو

Marfat.com

حلال جانوروں کا بھی شکار کرنا گناہ ہے جس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ احرام وہ فقیرانہ لباس ہے جو حج وعمرہ کے موقع پر زیارت کعبہ کے لیے پہنا جاتا ہے۔ حرم شریف سے کچھ فاصلے پر حدود حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھا جاتا ہے۔ مردوں کے لیے یہ لباس ایک تہبند اور ایک چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے، پر مشتمل ہے۔ دایاں کندھا ننگا رکھا جاتا ہے۔ عوتوں کے لیے سوائے چہرہ کے مکمل ستر پوشی کا حکم ہے۔ اس لباس کو احرام کہا جاتا ہے احرام کی حالت میں بہت سی وہ چیزیں جو عام حالات میں حلال ہیں وہ بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً بال ترشوانا، خوشبو لگانا اور دیگر سنگار و آرائش اور جائز جنسی خواہشات وغیرہ۔ ان پابندیوں کے علاوہ ایک اور پابندی جو اس آیت کی رو سے عائد کی گئی ہے وہ شکار کرنا ہے اور کسی کو شکار کا پتہ دینا ہے۔ حرم کو جائے امن قرار دیا ہے۔ جوں تک کو مارنا اور ہر قسم کا قتال حدود حرم میں منع فرما دیا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ باری تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اللہ حاکم ہے اس کے حکم کے آگے بندوں کو سر تسلیم خم کرنا ہے۔ رب العزت بڑی حکمتوں والا ہے اور اس کا ہر حکم بندوں کے لیے مصلحت سے خالی نہیں ہے مگر بندے اپنی محدود بصیرت سے اس کی حکمتوں کا پوری طرح ادراک نہیں کر پاتے، اس لیے اطاعت مالک کا حکم سمجھ کر کرنی ہے۔ غلام اور آقا کا رشتہ اسی بنا پر استوار کرنا ہے۔

شعائر اللہ کے سلسلے میں سورہ المائدہ کی آیت ۲، میں مزید احکامات جاری فرمائے ہیں۔ فرمایا **یایھاالذین آمنوا .... شدید العقاب** O ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی نشانیوں کو بے حرمت نہ کرو، حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال نہ کرو، نہ قربانی کے جانوروں پر دست درازی کرو (جو تیار کعبہ کے لیے ہوں) اور نہ ان جانوروں پر جن کے گلے میں نذر خداوندی کی علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوں، نہ ان لوگوں کو چھیڑو جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکان محترم (کعبہ) کی طرف جا رہے ہوں۔ ہاں جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو تم شکار کر سکتے ہو۔ اور دیکھو ایک گروہ جس نے تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلے میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان

Marfat.com

میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بڑی سخت ہے"

اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ نے اللہ سے عہد کی دو اہم دفعات بیان فرمائی ہیں۔ ایک شعائر اللہ کی تقسیم یعنی اللہ کی نشانیوں کی تحریم اور ان کی بے حرمتی سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے اور دوسری دوست دشمن کے ساتھ عدل اور انصاف سے معاملات طے کرنا ہے اور ظلم کا بدلہ ظلم سے لینے کی ممانعت فرمائی ہے۔

شعائر اللہ سے مراد تمام علامات یا نشانیاں ہیں جو کفار کے اعمال اور افعال کے بالمقابل مسلمانوں کے اعمال اور افعال سے عبارت ہوں، یعنی توحید، نماز، حج، زکوٰۃ، ختنہ وغیرہ یعنی دین کے مقرر کردہ واجبات وفرائض اور ان کی حدود ہیں۔ ہر ملک اور مسلک کے شعائر ہیں۔ قومی جھنڈا یا پرچم، سکے، نوٹ حکومت کے شعائر میں سے ہیں۔ ہندوؤں کی چوٹی زنار، عیسائیوں کی صلیب، سکھوں کے کیس، کڑا کنگھی، کچھا اور کرپان، اشتراکیوں کا ہتھوڑا اور درانتی ان کے شعائر ہیں اور پہچان ہیں۔

شعائر اللہ کی بے حرمتی کی اشکال:

مسلمانوں کو شعائر اللہ کی حرمت اور تعظیم کا پورا پورا اہتمام کرنا ہے۔ بے حرمتی سے بچنا ہے پہلی کہ سرے سے ان ہدایات کو نظر انداز کرنا ہے۔ دوسری کہ ان پر پورا عمل نہ کیا جائے اور تیسری کہ حدود سے تجاوز کر جائیں۔ یہ حکم اس زمانہ میں آیا جب مسلمان اور مشرکین عرب ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ مکۃ المکرمہ مشرکین کے قبضے میں تھا۔ بہت سے راستے جو کعبہ کی طرف جاتے تھے، مسلمانوں کی زد میں آتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ حالات کیسے بھی ناگوار ہوں، خدا کے دربار میں جانے والوں سے ایسا کسی قسم کا سلوک نہ کرو جس میں بے حرمتی کا کوئی شائبہ ہو۔

اس آیت کی شان نزول میں تین واقعات کو مدنظر رکھنا ہے۔

Marfat.com

۱) ہجرت کے چھٹے سال جب حضورﷺ ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کی نیت سے مکۃ المکرمہ روانہ ہوئے۔ مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر آپﷺ نے مکہ والوں کو پیغام دیا کہ ہم عمرہ کی نیت سے آئے ہیں، ہمیں اجازت دو۔ مگر مشرکین مکہ نے اجازت نہ دی اور صلح نامہ حدیبیہ بڑی توہین آمیز شرائط سے طے پایا، جس سے مسلمانوں کو رنج پہنچا۔

۲) حطیم بن ہند مدینہ میں تجارتی مال فروخت کر کے واپس جاتے ہوئے، مسلمانوں کے جانور، جو مدینہ سے باہر چر رہے تھے، ہنکا کر لے گیا۔ جب مسلمان ۷ ہجری کو قضائے عمرہ کے لیے آئے تو حطیم بن ہند مسلمانوں کے چرائے ہوئے جانور قربانی کیلئے عمرہ کی نیت سے مکہ جا رہا تھا۔ صحابہ کرام کو یہ خیال آیا کہ اپنے جانور ان سے چھین لیں۔ مگر ایسا نہ کیا گیا۔

۳) فتح مکہ ۸ ہجری کے موقع پر صحابہ کرام کے دلوں میں انتقام لینے کا خیال آیا کہ ان لوگوں نے ہمیں جائز طور پر عمرہ کرنے سے روک دیا تھا ہم بھی ان کو غلط طریقے سے عمرہ اور حج کرنے سے روک دیں اور ان کی قربانی کے جانور چھین لیں مگر ایسا نہ ہوا۔

ان واقعات کے پس منظر میں مسلمانوں کو بہتر سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی کہ مسلمانوں کے لیے عدل و انصاف کا دامن چھوڑنا معیوب ہے۔

اس آیت میں جملہ شعائر اللہ کے ساتھ خاص قسم، یعنی شعائر حج، کی تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں۔ اشہر الحرام میں قتل و جنگ کر کے شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہ اشہر الحرام چار مہینے ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب تھے جن میں ہر قسم کی جنگ و جدل کی ممانعت کی گئی۔ ان چار مہینوں میں قبائل یکسوئی سے، بے فکر ہو کر تجارت وغیرہ اور دوسری معاشی سرگرمیاں جاری رکھ سکتے تھے۔ یہ حکم جمہور علماء کے نزدیک اب منسوخ ہو گیا ہے البتہ حدود حرم میں کسی قسم کا لڑائی جھگڑا، قتل و فساد، گالی گلوچ وغیرہ بھی حرم شریف کی حرمت مجروح کرنے سے سختی سے منع فرما دیا گیا ہے۔

پھر اسی آیت میں رب کریم نے فرمایا کہ جو جانور قربانی کے لیے لے جائے جا رہے

Marfat.com

ہوں اور ان کے گلے میں علامت کے طور پر پٹہ ڈالا گیا ہو ان کی بے حرمتی نہیں کرنی نہ ان کو حرم پہنچنے سے روکا جائے اور اور نہ ان کو چھین لیا جائے۔ ایسے جانوروں کی حرمت لازم ہے۔

اس آیت میں مزید یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ جو لوگ حج کے لیے مسجد حرام کا قصد کرکے، اللہ کا فضل اور رضا حاصل کرنے کی خاطر گھر سے نکلے ہوں، ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ ان سے کسی قسم کی انتقامی کارروائی یا مزاحمت نہ کی جائے۔ جو لوگ تجارت کے ذریعے روزی اور حج کی غرض سے اپنے رب کی رضا کے طالب ہوں، ان کو کسی طرح بھی تنگ نہیں کرنا۔

مزید حکم یہ دیا گیا ہے کہ جب حج کرنے کے بعد احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ المائدہ کی پہلی آیت میں احرام کی حالت میں شکار کی پابندی کا ذکر ہے۔ اب حج کے بعد اس پابندی کو ختم فرما دیا گیا ہے۔ احرام حج کا مخصوص لباس ہے اور اس کی حرمت میں شکار بحالت احرام منع کر دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو یہ تلقین بھی فرمائی ہے کہ غصہ اور انتقامی جذبات تم پر ایسے غالب نہ آئیں کہ عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ تم سے یعنی مسلمانوں سے بہتر اخلاق کی توقع ہے۔ کفار نے واقعہ حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کو مکۃ المکرمہ میں داخل ہونے اور عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا، جس سے مسلمانوں کے دلوں میں اس ظلم کے خلاف غم و غصہ تھا۔ فتح مکہ کے بعد تقریباً پورے عرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کو قوت اور قدرت حاصل تھی کہ وہ انتقامی کارروائی کے طور پر حج پر جانے والے جن کا فر قبیلوں کا راستہ اسلامی مقبوضات کے قریب سے گزرتے ہیں، ان کو حج سے روک دیں، ان کے قافلوں پر چھاپہ ماریں اور ان کو ختم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی انتقامی کاروائی سے روک دیا کہ عدل و انصاف میں دوست دشمن سب برابر ہیں۔ ان کو ناجائز اور غلط طریقہ کے عمرہ اور حج کے لیے آزاد چھوڑ دیں۔ کفار کے ظلم کے بدلہ مسلمانوں کی طرف سے ظلم کا ہونا اسلام میں روا نہیں۔ اسلام دشمنوں کے حقوق کی حفاظت کی تلقین کرتا ہے۔

Marfat.com

حرمت کعبہ:

اللہ کے حکم کے تحت ۹ ہجری میں حدود حرم میں غیر مسلموں کا داخلہ منع فرمادیا گیا۔ مکہ ۸ ہجری میں فتح ہوا لیکن چونکہ ابھی تک ملک میں امن و امان قائم نہیں ہوا تھا، اس لیے اس سال مشرکین ہی کے زیر اہتمام ارکان حج ادا کیے گئے۔ اب ۹ ہجری پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر و شرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عبادات ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے۔ غزوہ تبوک کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینۃ المنورہ سے حج کے لیے روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ قافلہ سالار، حضرت علیؓ نقیب اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ معلم تھے۔ حضور ﷺ نبی پاک کی طرف سے بیس اونٹ قربانی کے لیے ساتھ بھیجے۔ قرآن الحکیم میں اس حج کو حج اکبر کہا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ حج کے مناسک سنت ابراہیمی کے مطابق ادا ہوئے۔ عہد جاہلیت کی رسوم ختم فرمادی گئیں۔

حضرت ابوبکر ﷺ صدیق نے لوگوں کو حج کی تعلیم دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سورت التوبہ کی ۴۰ آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں نہ داخل ہو سکے گا۔ نہ کوئی برہنہ حج کرے گا۔ یہ اعلان اس آیت کی رو سے کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **یایھا الذین آمنو انما المشرکون نجس فلایقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔** (التوبہ آیت ۲۸ کا پہلا حصہ) ترجمہ "اے ایمان والو مشرکین تو ناپاک ہیں، اب وہ اس سال کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئیں" (سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی ج ۱ ص ۳۲۱، ۳۲۲) اس حکم پر عمل درآمد ۱۰ ہجری میں ہوا۔

چار مہینوں کی حرمت والا حکم تو اب منسوخ ہو گیا ہے مگر حرمت کعبہ کا یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جوش اور غصہ میں آ کر جوابی کارروائی میں عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے مگر کئی مواقع پر مسلمان اس کے برعکس عمل کر جاتے ہیں۔ بھارت میں مسلمانوں کی ایک بڑی تاریخی مسجد، مسجد بابری کو انتہا پسند ہندوؤں نے مسمار کر دیا۔ مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ بھارت میں احتجاج کرنے والے کئی مسلمان شہید کر دیے گئے۔ پاکستان

Marfat.com

میں انتقامی کارروائی کے طور پر مسلمانوں نے کئی مندر توڑ دیے جو سراسر ایک غلط قدم تھا۔ اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری اسلامی حکومت کا فرض ہے اور ظلم کا جواب بھی انصاف سے دینا ہے۔

بھلائی کے کاموں میں شرکت:

اس آیت مبارکہ میں ایک اور سنہری اصول بیان فرما دیا گیا ہے جو معاشرے کو احسن بنانے میں مددگار ہوتا ہے۔ اس حکیمانہ اصول پر معاشرے کی اجتماعی اور انفرادی فلاح و بقا کا بڑی حد تک دارومدار ہے۔ فرمایا کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاؤ۔ کوئی انسان چاہے وہ مالدار ہو، طاقتور ہو اور کسی بھی پیشہ سے تعلق رکھتا ہو، اپنی ضروریات کے لیے دوسروں کا محتاج ہے۔ کاشتکار غذائی اشیاء، اناج سبزیاں اور پھل اگاتا ہے اور اپنی اور دوسروں کی غذائی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اسی طرح کارخانوں میں بننے والی مصنوعات میں لاکھوں انسانوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یعنی کہ انسان ہر شعبہ میں چاہے وہ دنیاوی ہو یا دینوی اپنی ضرریات میں خود کفیل نہیں ہے۔ اور پیدا ہونے سے قبر تک انسان کو دوسروں کی مدد درکار رہے۔ اسی طرح ایک خطہ دوسرے خطہ کا اور ایک ملک دوسرے ملک کا محتاج ہوتا ہے۔ کام کی تقسیم ایک خطہ دوسرے خطہ کا اور ایک ملک دوسرے ملک کا محتاج ہوتا ہے۔ کام کی تقسیم کار اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں اور رغبت سے وجود میں آتی ہے۔ اس باہمی تعاون کے نظام سے بھلائی کے کاموں میں باہمی تعاون سے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ایک ہسپتال، ایک تعلیمی درسگاہ اور دیگر فلاحی کاموں میں حکومت کے ذرائع اور عوام کا تعاون لازمی ہے۔ شوکت خانم میموریل کینسر ہسپتال کا قیام عوامی تعاون کی ایک درخشاں مثال ہے۔ اسی طرح زلزلہ زدگان کی بحالی اور آبادکاری، سیلاب زدگان کی مدد اور دیگر کئی شعبوں میں نیکی اور خداترسی کے کام باہمی تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔

باہمی تعاون کا دوسرا رخ بھی ہے کہ برے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دینے کا حکم دیا گیا ہے چوری، قتل، ڈاکہ، ذخیرہ اندوزی، جعلی تنظیموں کا انعقاد جو دھوکہ دہی کی مرتکب ہوتی

Marfat.com

ہیں اور دیگر ایسے کاموں میں جو دوسروں کو نقصان پہنچانے کا باعث ہو، میں جو لوگ بھی تعاون کرتے ہیں وہ سب مجرم ہیں۔ ایٹم کی طاقت بھلائی اور بربادی دونوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ آج کل کے حالات میں اپنے حفاظتی اقدامات کے لیے اسلحہ سازی ضروری ہے بشرطیکہ یہ کمزوروں کو زیر کرنے کے لیے استعمال نہ ہو۔

مسلمان جب اللہ کی اطاعت کا عہد کرتا ہے تو حق و انصاف پر قائم ہو جاتا ہے۔ رشتے، ناطے، قومیتوں اور دوست دشمن کے فرق کو بالائے طاق رکھ کر فیصلے کرتا ہے۔ فیصلہ اگر انصاف کی رو سے غیر مسلم کے حق میں ہوتا ہو یا اپنے کسی رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اس سے چوک نہیں ہونی چاہیے۔ ابن کثیرؒ نے بروایت طبرانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کو چلا وہ اسلام سے نکل گیا۔ اسی بنا پر جو ظالم حاکم کی ملازمت، اور عہدہ قبول کرنے کو چلا وہ اسلام سے نکل گیا۔ اسی بناء پر ظالم حاکم کی ملازمت، اور عہدہ قبول کرنے والے ظلم کی مدد و اعانت کرنے والے ہیں۔

اسی قرآنی نظام نے صحابہ کرامؓ اور تابعین کے زمانے میں ہر فرد کو انصاف، ہمدردی اور خوش اخلاقی کا داعی بنایا۔ آج کے دور میں مسلمان ممالک کے حکمران اور حکومتیں قرآنی تعلیمات سے روگردانی کی مرتکب ہو رہی ہیں، انصاف و عدل کا نظام قائم کرنے سے صرف نظر کیا جا رہا ہے۔ نیکی کے کاموں میں تعاون اور برائی کا ساتھ نہ دینے کا اصول بھلا بیٹھے ہیں جس کی بنیاد تقویٰ ہے۔ اپنوں کے یا بڑے لوگوں کے جرائم پر پردہ ڈالنا شعار بن گیا ہے۔ جس قوم کو یہ پیغام دیا ہے وہ اس سے دور ہٹ رہی ہے اور غیر مسلموں نے کسی حد تک اسلام کے ان نادر اصولوں کو اپنا لیا ہے۔ آیت کے آخر میں تقویٰ اختیار کرنے کو فرمایا گیا ہے۔ مالک ارض و سماء کی فرمانبرداری اور نافرمانی سے بچنا ہی تقویٰ ہے۔ اور یہ یوم حساب پر یقین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اللہ کے حضور اپنے اعمال نامے کے ساتھ حاضر ہونے کا ڈر ہی بے راہ روی سے بچنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر کوئی مجرم اس دنیا میں ظلم اور ناانصافی کر کے بچ بھی جائے گا تو روز محشر حساب چکا دیا جائے گا۔ اس روز کسی سے رتی بھر بھی زیادتی نہ ہوگی۔

Marfat.com

احرام کی حالت میں آزمائش:

سورہ المائدہ (۹۴۔۹۵) میں شائر اللہ کی حرمت کے بارے میں مزید فرمان جاری ہوئے ہیں۔فرمایا یاایھاالذین آمنوا............. عزیز ذوانتقام O

ترجمہ ''اے ایمان والواللہ تمہیں اس شکار کے ذریعہ سخت آزمائش میں ڈالے گا۔جو بالکل تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہوگا یہ دیکھتے ہوئے کہ تم میں سے کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، پھر جس نے اس تنبیہ کے بعد اللہ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کیا، اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اے لوگو جوایمان لائے ہواحرام کی حالت میں شکار نہ مارواور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اس کے ہم پلہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے گا یا تو اس گناہ کے کفارہ میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہونگے تا کہ وہ اپنے کیئے کا مزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اسے اللہ نے معاف کر دیا، لیکن اب اگر کسی نے اس حرکت کا اعادہ کیا تو اس سے اللہ بدلہ لے گا اور اللہ سب پر غالب ہے اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔''

یہاں احرام کی حالت میں مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ احرام، جو کہ حج یا عمرہ کی خاطر باندھا جاتا ہے۔کی حرمت کا تقاضا ہے کہ شکار تمہارے سامنے تمہارے نیزوں کی زد میں ہو تو یہ تمہارے لیے بڑی آزمائش ہے۔احرام شعار حج وعمرہ ہے اور کعبتہ اللہ بیت الامین ہے۔اللہ نے اس سلسلے میں حد مقرر کر دی کہ احرام کی حالت میں شکار نہ کیا جائے، خود بھی شکار نہ کرے اور کسی دوسرے کو شکار کرنے میں مدد نہ دے۔ دونوں صورتوں میں ایسے شکار کا کھانا حرام ہے۔موذی جانور جو انسان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ انکا مارنا منع نہیں۔ مثلاً سانپ، بچھو، کاٹنے والا کتا، شیر، بھیڑیا وغیرہ، حالت احرام میں اپنے بچاؤ کے لیے مارے جا سکتے ہیں۔

بکری، بھیڑ، گائے اونٹ اور دوسرے مویشی شکار کے زمرے میں نہیں آتے۔ان پالتو جانوروں کا ذبح کرنا اور کھانا احرام کی حالت میں جائز ہے۔حلال شکار جو حدود حرم سے باہر اور غیر احرام کی حالت میں کیا گیا ہو، اس کا کھانا محرم کیلئے جائز ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے پابندیاں لگا کر اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈالا ہے۔ وہ علیم ہے، بندوں کی کمزریوں سے خوب واقف ہے، اس لیے خطا کا علاج بھی خود ہی بتا دیا ہے۔ احرام کی حالت میں اگر کسی خواہش سے مغلوب ہو کر، جانتے ہوئے بھی شکار کر گزرے اور پابندی توڑ دے تو اتنی ہی قیمت کا مویشیوں میں کسی جانور کا نذرانہ دے۔ اس نذرانہ کا فیصلہ دو عادل شخص کریں گے کہ کس جانور کے مارنے پر کس جانور کا نذرانہ دیا جائے یا کتنے مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا کتنے روزے رکھے۔

یہ دو معتبر آدمی مقتول اور ماکول جانور کی قیمت کا اندازہ لگائیں گے اسی قیمت کا جانور حسب شرائط قربانی کے جانور کے، یعنی بے نقص جانور خرید کر حدود حرم میں ذبح کر کے فقراء کو گوشت بانٹ دے۔ یہ کام مذبح خانوں میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ کفارہ کی پہلی صورت ہے۔

کفارہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ مقتول جانور کی قیمت کا غلہ حسب شرائط فطر کے فی مسکین نصف صاع فی کس فقراء میں بانٹ دے۔ (عید الفطر میں نصف صاع، یعنی پونے دو سیر اناج فی کس دینا ہوتا ہے)

تیسری صورت میں مقتول جانور کی قیمت میں جتنے مساکین کو غلہ پہنچ سکتا ہو، اتنے روزے رکھے، تقسیم غلہ، اور روزوں میں حدود حرم کی قید نہیں۔ اگر جانور غیر ماکول ہے تب یہ قیمت ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی اور باقی دو صورتوں میں غلہ کی تقسیم اور روزے بھی اسی حساب سے ہونگے۔

احرام کی حالت میں جانور زخمی کرنے کی صورت میں بھی یہی واجب ہے اور کفارہ کی یہی تین صورتیں ہیں۔ اگر عمداً شکار نہ کرے اور غلطی سے ایسا ہو جائے تو بھی نذرانے کی یہی صورتیں ہیں۔

حضرت عبداللہؓ ابن عباس کی تفسیر ج ۱ ص ۳۶۸ میں اس آیت کی شان نزول یہ بیان فرمائی ہے کہ ابوالیسر کو احرام یاد نہیں رہا اور انہوں نے جان کر شکار کو قتل کر دیا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ (مذکورہ بالا) ہدایات فرمائیں۔

اگر کوئی شخص ایسے فعل کی سزا کے بعد پھر ایسا کرے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک

Marfat.com

کہ اللہ تعالیٰ اس جزا مذکور کے علاوہ خود اس سے انتقام لے۔

صفا اور مروہ۔ اللہ کی نشانیاں:

صفا اور مروہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں قرار دیا ہے۔ سورہ البقرہ (۱۵۸) میں رب کریم نے فرمایا ہے ان الصفاء و المروۃ .... شاکر علیم O ترجمہ ''یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرے۔ اور جو برضا و رغبت کوئی بھلائی کا کام کرے گا اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔''

صفا و مروہ مسجد حرام کے قریب دو پہاڑیوں کے نام ہیں۔ ان پہاڑیوں کے درمیان سات مرتبہ چلنا اور کچھ فاصلے کے لیے دوڑنا حج کے ان مناسک میں سے ہے جو حضرت ابراہیم کو سکھائے گئے تھے۔ اب ان پہاڑیوں کا زیادہ حصہ ختم کرا دیا گیا اور علامت کے طور پر تھوڑے سے پتھر باقی رکھے گئے ہیں۔

حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے مکہ کے آس پاس کے لوگ دین حنیف سے ہٹ گئے تھے اور صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ کے استھان بنا لئے تھے اور ان کے گرد طواف کرنے لگے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی حج کے مناسک میں سے قرار پایا۔ مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہیں ہم مشرکانہ فعل کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا بیشک یہ دونوں پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں اور ان کے درمیان دوڑنا کوئی حرج یا گناہ کی بات نہیں بلکہ ایسا کرنا نیکی کا کام ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی اس واقعہ کے یاد میں ہے جب حضرت بی بی حاجرہ اپنے بچے کے لیے پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑتی رہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے چاہ زمزم جاری کر دیا جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

اس آیت کے ذریعے مسلمانوں کی کراہت جو ان پہاڑیوں کے درمیان مشرکین کے

Marfat.com

دوڑنے سے منسوب تھی، دور ہوگئی کہ ان مقامات کا تقدس خدا کی جانب سے قرار پایا۔ زمانہ جاہلیت کے بتوں کے استھان سے اس کی کوئی نسبت نہیں ہے۔

حضرت امام بخاریؒ نے عاصم بن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ میں نے انسؓ سے صفاو مروہ کے متعلق پوچھا تو کہا کہ ہم ان کے درمیان سعی کرنا جاہلیت کے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔ جب ہم نے اسلام قبول کرلیا تو ہم اس سے رک گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام حاکمؒ نے حضرت عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ شیاطین زمانہ جاہلیت میں صفاومروہ کے درمیان رات کے وقت دوڑتے تھے جبکہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بت رکھے ہوئے تھے۔ جب اسلام کی نعمت آئی تو مسلمانوں نے کہا کہ ہم صفااور مروہ کے درمیان سعی نہیں کریں گے کیوں کہ ہم یہ کام زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ (تفسیر ابن عباسؓ ج ا ص ۹۵)

مسلمانوں کی صفاومروہ کے درمیان سعی کی حرمت قائم کردی اور واضح کردیا کہ یہ سعی حج کے مناسک میں سے ہے۔

حرمت کعبہ کے ضمن میں مسلمانوں کے دلوں میں تجارت کم ہوجانے کا خدشہ پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس تنگ دستی کے خوف کو التوبہ (۲۸) کے ذریعے دور فرمادیا۔ صفہ ۱۶۱ میں اس حکم کے بارے میں تحریر کیا جاچکا ہے۔ یہاں اس کی مزید تفصیل دی جارہی ہے۔ التوبہ (۲۸) میں فرمایا

یاایھاالذین آمنو .... علیم حکیم O ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مشرکین ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کردے، اللہ علیم اور حکیم ہے۔"

کعبہ میں غیر مسلموں کے داخلہ کا امتناعی حکم ۹ ہجری میں دیا گیا جبکہ اس کا نفاذ ۱۰ ہجری میں ہوا۔ ۹ ہجری سے ۱۰ ہجری مہلت کا سال تھا۔

مشرکین کا داخلہ مسجد حرام کی حدود میں بند کردیا گیا تاکہ شرک و جہالت کا اعادہ نہ ہو سکے۔ مشرکین کو ناپاک قرار دے دیا گیا۔ یہ نجاست ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی ہے۔ ظاہری

Marfat.com

نجاست وہ گندگی ہے جو ظاہر ہو اور آنکھ، ناک، ہاتھ وغیرہ سے دیکھی یا محسوس کی جاسکتی ہو۔ اور وہ بھی جو عقل وعلم کے ذریعے معلوم ہو۔ اس میں حیض اور جنابت کی نجاست بھی شامل ہے۔ باطنی نجاست کا تعلق انسانی قلب سے ہے، یعنی اعتقاد مشرکانہ اور اخلاق رذیلہ۔ مشرکین کو نری نجاست قرار اسی لئے دیا گیا ہے کہ ان میں ہر قسم کی نجاست موجود ہے۔ اس لیے نہ صرف انکار داخلہ حدود حرم میں ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے بلکہ ان کے لیے حج، عمرہ اور مراسم جاہلیت ادا کرنے کی بھی اجازت نہ رہی۔ یہ ظاہری نجاست سے زیادہ کفر وشرک کی نجاست کی بنا پر ہے۔

عند المسجد حرام سے مراد پورا حرم ہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ حدود سے گھرا ہوا ہے یا صرف کعبتہ اللہ اور اس کی چار دیواری ہے۔ اس بارے میں چونکہ قرآن الحکیم ساکت ہے اس لیے اشارات قرآن اور احادیث کو سامنے رکھ کر مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق رائے دی ہے۔ (م ج ۴ ص ۳۵۵ ـ ۳۵۶)

مشرکین تو ہر اعتبار سے نجس ہیں مگر اور کوئی نجاست مسجد حرام یا کسی مسجد میں بھی داخل کرنا جائز نہیں۔ مسلمان بھی ناپاکی کی حالت میں (جنابت یا حیض کی ناپاکی) کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ فقہائے مدینہ اور امام مالکؒ کی رائے ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ حکم مشرکین، کفار اور اہل کتاب، سب کے لیے عام ہے۔ مگر مسجد حرام کے لیے مخصوص ہے۔ دوسری مساجد میں ان کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے غیر مسلموں کی اس ممانعت کی تائید کی ہے، البتہ کسی ضرورت کے تحت حاکم وقت کی اجازت سے داخل ہو سکتے ہیں۔ حضورﷺ نے وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھہرایا جبکہ وہ لوگ اس وقت کافر تھے۔ حضور نبی کریمﷺ نے صحابہ کرام کے استفسار کے جواب میں فرمایا کہ مسجد کی زمین پر ان لوگوں کی نجاست کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (ایسا کسی خاص ضرورت کے تحت کیا جاسکتا ہے) (م ج ۴ ص ۳۵۶)

مذکورہ بالا حکم کے تحت پورے حرم محترم اور مساجد کی تطہیر پیش نظر ہے۔ اس آیت کا ایک خاص تعلق اسلام کے سیاسی حکم سے ہے جس کا اعلان سورہ التوبہ کی آیت ۱، ۲، میں کیا گیا ہے۔ حرم محترم کو بتوں اور بتوں کے پوجنے والوں سے خالی کرانا مقصود تھا مگر انصاف کا تقاضا تھا

Marfat.com

کہ سب کو فوری طور پر خارج کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ جن لوگوں سے کوئی معاہدہ کیا گیا تھا، اگر وہ اس پر قائم رہیں تو معاہدہ کی میعاد پوری تک مہلت دی جائے اور باقی لوگوں کو سال بھر کی مہلت دے کر حدود حرم سے نکل جانے کو کہا گیا۔

سورہ الانفال (۵۸) میں معاہدہ توڑنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ فرمایا واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء ط ان اللہ لا یحب الخائنین O ترجمہ ''اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو، یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔''

صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ دشمنوں سے کوئی رو رعایت نہیں کرنی جب ان سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ فتح مکہ کے بعد ملک کا غالب حصہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا، مگر کچھ دشمنان دین منافقین اس تاک میں رہتے تھے کہ جب اسلامی مملکت کو کوئی خطرہ درپیش ہو یا حضور ﷺ وفات پا جائیں تو یہ بغاوت کر کے جنگ کے سے حالات پیدا کر کے دشمنی پر اتر آئیں۔ اللہ نے صاف صاف بتا دیا کہ اب یا تو یہ لوگ مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں یا ملک چھوڑ جائیں یا دعوت حق قبول کر کے اپنے آپ کو اسلامی نظم وضبط کے دھارے میں دے دیں۔

اس تدبیر کی پوری حکمت عملی سمجھنے کے لیے فتنہ ارتداد کو پیش نظر رکھنا ہے، جب خلیفۃ الاول حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں جھوٹی نبوت کے دعوے داروں اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد کرنا پڑا۔

اس حکم کے بعد مسلمانوں کو ایک معاشی مسئلہ سے دوچار ہونے کا خدشہ درپیش تھا۔ کوئی خاص پیداوار نہیں ہوتی تھی اور ضروریات زندگی کا انحصار تجارت پر تھا۔ موسم حج میں یہ تجارت عروج پر ہوتی۔ مسلمانوں کو یہ خدشہ ہوا کہ غیر مسلموں کے حدود حرم میں داخلے کی ممانعت سے تجارت میں واضح کمی آ جانے سے معاشی تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ التوبہ ۲۸ میں اس خدشے کا جواب دیا گیا ہے کہ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ظاہری اسباب پر نظر نہ رکھیں بلکہ مسبب الاسباب کی طرف دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو ظاہری اسباب کو موافق بنا دیتا ہے۔ اللہ نے مسلمانوں کو اپنے فضل وکرم سے غنی کر دیا۔

Marfat.com

شعائر اللہ کا تقدس قائم رکھنے کا حکم:

مذکورہ بالا آیات میں اللہ نے شعائر اللہ کا تقدس قائم کیا ہے اور مومنوں کو ان کی حرمت کا حکم فرمایا ہے۔ کسی بھی طرح ان کی بے حرمتی، بے ادبی نہیں کرنی اور اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو بعض صورتوں میں اس کا علاج بھی تفویض فرما دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک علاج یہ بھی ہے کہ اگر دانستہ یا نادانستہ ایسا ہو جائے تو استغفار کرے اور یہ عہد کرے کہ آئندہ ایسا نہیں کرنا ہے۔

اللہ کے ہر حکم میں مسلمانوں کے لیے بھلائی مقصود ہے۔ ہمیں اس کرید سے گریز کرنا چاہیے کہ کسی بھی حکم میں کیا مصلحت ہے کہ مالک دو جہاں کی حکمتیں بندوں کی سمجھ سے ماورا ہیں۔ اطاعت اور بندگی کا یہی تصور ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کا حکم بلا چوں چرا مان لیا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب سوم

سود کی حرمت

حلال روزی کمانے کے ذرائع بھی طیب ہونے ضروری ہیں۔ رب کریم نے سود کو اسی لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ ذریعہ کمائی حلال نہیں ہے۔ سود کے بارے میں سورہ البقرہ میں سات آیات ہیں۔ ۲۷۵ تا ۲۸۱، سورہ ال عمران میں آیہ ۱۳۰، سورہ النساء میں ۱۶۱، سورہ الروم میں آیت ۳۹۔ اس طرح قرآن الحکیم میں ان دس آیات میں سود کے بارے میں احکامات مذکور ہیں جن میں اس کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

جس طرح شراب کی حرمت بتدریج بیان فرمائی گئی ہے اس طرح سود کے بارے میں بتدریج بیانات کے بعد قطعی حرمت کا حکم صادر فرمادیا گیا ہے، یہ اس لئے کہ قطعی حرمت سے پہلے مسلمانوں کے ذہنوں کو تیار کیا جاسکے۔ جس چیز کی لوگوں کو عادت ہو یا جو نظام معیشت کا حصہ بن چکا ہو اس کو چھوڑنے اور نظام کو تبدیل کرنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نفسیات سے خوب واقف ہے۔

سورہ الروم میں سود کی صرف مذمت فرمائی گئی ہے۔ پھر آل عمران ۱۳۰ میں سود در سود کو منع فرمادیا اور پھر سورہ بقرہ میں اس کی قطعی حرمت کا فیصلہ سنادیا گیا ہے۔

ربا عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اصطلاحاً اہل عرب اس لفظ کو اس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو ایک قرض خواہ اپنے قرض دار سے ایک طے شدہ شرح کے مطابق وصول کرتا ہے۔ اس کو ہماری زبان میں سود کہتے ہیں۔ قسطوں میں چیز کی خرید وفروخت بھی ادھار لین دین کی ایک صورت ہے کہ خریدار کو چیز کی اصل قیمت جو نقد ادائیگی کی صورت میں ہوسکتی ہے، سے زائد رقم دینی پڑتی ہے۔ قرض رقم پر بھی مدت گزر جانے کی صورت میں شرح سود میں اضافہ کردیا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ربا کا لین دین عام تھا۔ اس طرح حاجت مند معاشی تنگی کا شکار ہو جاتا۔ اسلام میں ایسی کمائی کو حرام قرار دے دیا جو کوئی نئی

Marfat.com

بات نہ تھی کہ یہ تورات میں بھی حرام ٹھہرائی گئی ہے۔

سود کے بارے میں آیات قرآنیہ:

۱۔ سورہ الروم، ۳۹ میں فرمایا وما آتیتھم .... ھم المضعفون O ترجمہ ''جو سود تم دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر بڑھ جائے، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، اس کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں سود کو ناپسند فرمایا ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مال اس نیت سے دنیا کہ لیتے وقت کچھ زائد واپس آئے گا۔ اللہ کے نزدیک یہ کار ثواب نہیں کہ یہ بھی ایک صورت ربا کی ہوگئی البتہ اللہ کے ہاں جو پسندیدہ فعل ہے وہ زکوٰۃ ادا کرنا ہے جو کہ فرض صدقہ ہے۔ اللہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے مال میں اضافہ فرماتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مجاہدؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ کے مطابق یہاں ربا سے مراد وہ سود نہیں جو شرعاً حرام ٹھہرایا گیا ہے بلکہ ایک رسم کی اصلاح کرنا مقصود ہے جو برادریوں میں رائج تھی اور اب بھی ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر رشتہ دار ہدیہ یا تحفے کے طور پر کچھ رقم میزبان کو دیتے تھے۔ یہ باقاعدہ ایک رجسٹر میں بمع نام اور رقم کے درج کیا جاتا ہے اس کو نیوتا یا نوتہ کہا جاتا ہے۔ اور جب کسی دوسرے رشتہ دار کے گھر ایسی تقریب ہوتی تو جنہوں نے پہلے نیوتا وصول کیا ہوتا وہ اتنی رقم لوٹا دیتے کچھ زائد بھی دیتے۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا اس میں وصولی کے لیے کوئی شرح یا مدت مقرر نہیں ہوتی۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ میزبان رشتہ دار کی اس موقع پر کچھ مالی امداد بھی ہو جائے مگر زیادہ وصولی کا خیال ناپسندیدہ خیال کیا جاتا ہے کہ مال اس نیت سے دینا کہ اس کے بدلے میں زیادہ واپس آئے گا ہدیہ کو بدلہ بنا دیتا ہے۔ اللہ کے نزدیک اس طرح مال نہیں بڑھتا اور اس رقم کا کوئی اجر و ثواب نہیں اگر اس میں زائد رقم کی وصولی کی نیت ہو۔ البتہ تحفہ دینا جس میں کوئی لالچ نہ ہو، اچھے اخلاق کا مظہر ہے۔

Marfat.com

حضورﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور کسی موقع پر آپ بھی اس شخص کو ہدیہ عطا فرماتے۔

دوسری تفسیر میں مراد وہی ربا ہے جو شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ رائے حضرت حسن بصریؒ اور سدیؒ اور علامہ آلوسیؒ کی ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اس دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔ سورہ الروم کی یہ آیت جس زمانے میں نازل ہوئی اس وقت سود کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا تھا مگر سود کی ایک صورت بیان فرمائی گئی ہے جس میں اگر نیوتا کی رقم اس نیت سے دی جائے کہ کچھ زائد رقم واپس ملے گی تو یہ رسم ناپسندیدہ ہو جائے گی۔ یہاں ذہنوں کو تیار کرنا مقصود تھا کہ جب قطعی حرمت کا حکم ہو جائے تو لوگ اس کے غیر اخلاقی اور قبیح پہلو سے آشنا ہو چکے ہوں۔ اس آیت مبارکہ میں سود کے مقابل زکوٰۃ کا ذکر ہے جو خالص اللہ کی رضا کے لیے مالی مدد کرنا ہے، جس سے مال میں برکت ہوتی ہے، اور دین دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

اوپر دی ہوئی دونوں تفسیروں میں ایک قدر مشترک ہے کہ مال دے کر اضافہ کے ساتھ وصول کرنا ناپسندیدہ فعل ہے۔

۲) سورہ آل عمران، ۱۳۰، ۱۳۱ میں فرمایا

یاایھا الذین آمنو .... للکافرین O ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہ بڑھتا چڑھتا سود مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو (نافرمانی سے بچو) امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔ اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہے''۔ یہ آیت بھی سود کی قطعی حرمت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں سود کی انسانیت کش رسم کو مٹانے کے لیے مروجہ سود کی رسم کی مذمت کی گئی ہے اور سود کھانے سے منع فرمایا ہے۔

جنگ احد میں عارضی شکست کا سبب مال کی محبت تھی۔ عین کامیابی کے وقت مسلمان مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے اصلی کام کو تکمیل تک نہ پہنچایا۔ اس زمانے میں سود خوری عام تھی۔ سود لینے والا مال کی محبت میں حرص، طمع، بخل اور خود غرضی جیسی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سود نفرت، بغض، غصہ، حسد اور طبقاتی تفریق میں شدت کا باعث بن جاتا ہے۔

اس آیت میں بڑھتا چڑھتا یعنی سود در سود کھانے سے منع فرمایا گیا ہے جو مقروض کے لیے مزید تنگی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر سود در سود نہ ہو تو کھایا جا سکتا ہے۔ البقرہ اور سورہ

النساء میں اس کی قطعی حرمت صاف صاف مذکور ہے۔

اس طرح کا سودی لین دین، پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے دیہی علاقوں میں عام تھا۔ دیہات میں ہندو بنیا یہ کام کرتا تھا۔ ضرورت مند لوگ اور زمیندار طبقہ شادی بیاہ اور دیگر رسوم کے لیے بنئے سے سود پر رقم ادھار لیتے اور بعض اوقات زمین بھی رہن رکھ دیتے۔ ناادائیگی کی صورت میں سود کی رقم اصل زر میں شامل کر کے نئی مدت کے لیے سود پر لکھ لی جاتی۔ بسا اوقات یہاں تک نوبت آتی کہ زمین زمیندار کی ملکیت سے نکل کر سودی رقم کے عوض بنئے کی ملکیت میں چلی جاتی۔ یہ معاشرے کے استحصال کی بدترین صورت تھی۔ آزادی کے بعد بہت حد تک یہ کاروبار ختم ہو گیا ہے مگر کہیں کہیں اب بھی مسلمان یہ کاروبار کرتے ہیں۔ جو سودی قرضے اداروں کے ذریعے ذاتی سطح پر کسی مقصد کے لیے گھر بنانے کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے حاصل کیے جائیں ان پر بھی یہی حکم لاگو ہے۔

۳) سورہ البقرہ ۲۷۵ تا ۲۸۱ میں سود کے بارے میں مزید تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں اور اس کی قطعی حرمت کا اعلان فرما دیا ہے۔ فرمایا الذین یاکلون ...... وھم لا یظلمون O ترجمہ ”جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔ اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے سود خواری سے باز آ جائے تو جو کچھ پہلے وہ کھا چکا، سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے۔ اور اللہ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، ان کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔“

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم واقعی ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے

Marfat.com

رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔اب بھی توبہ کرلو(اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔تمہارا قرض دار تنگ دست ہو،تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کردو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے،اگر تم سمجھو۔اس دن کی رسوائی ومصیبت سے بچو،جبکہ تم اللہ کی طرف واپس ہوگے،وہاں ہر شخص کو اس کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔''

ان آیات میں سود کی حرمت اور سود کھانے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔قرض خواہوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ مقروض کو تنگ نہ کریں بلکہ قرض ادائیگی کے لیے مزید مہلت دیں اور پھر اگر وہ مقروض کی تنگ دستی کے پیش نظر قرضہ معاف کردیں تو بہت بہتر ہو۔

سورہ النساء میں یہودیوں کی سودخوری کا ذکر ہے۔فرمایا **فبظلم من الذین .... عذاباً الیما O** ترجمہ(آیات ۱۶۰،۱۶۱)''غرض ان یہودی بن جانے والوں کے لیے اسی ظالمانہ رویہ کی بناپر اور اس بناپر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور سود لیتے ہیں،جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں،ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کردیں،جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں اور جو لوگ ان میں سے کافر ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

یہودیوں کے ظالمانہ رویہ سے مراد وہ طرز عمل ہے جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے سلسلے میں روا رکھا۔ان کی مخالفت کی،نافرمانی کی اور ان کو بظاہر صلیب دینے کی سزا میں جو کردار ادا کیا۔دراصل نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا گیا نہ صلیب دی گئی بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔یہودیوں نے خود اپنے دین میں تحریف کی اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں،حق کا راستہ روکنے میں پیش پیش رہے۔دین اسلام کی بھی ڈٹ کر مخالفت کی اور کر رہے ہیں۔بلکہ بعض نئی اختراعی تحریکوں کے بانی بھی یہودی ہیں جن میں اشترا کی تحریک اور فلسفہ فرائڈ شامل ہیں۔حق کی راہ روکنے اور اپنے دین کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے جس میں سود کھانا اور دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے کھانا شامل ہے،کی پاداش میں ان پر تمام وہ جانور حرام کردیے گئے جن کے ناخن ہوتے ہیں اور کئی دوسری سختیاں اور پابندیاں عائد کردی گئیں۔

Marfat.com

(الانعام ۱۴۶)

سورہ النساء کی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ سود کی حرمت تورات میں بھی وارد ہوئی ہے۔ مگر آج یہ قوم سب سے زیادہ سود خور اور سودی نظام میں پیش پیش ہے۔ باوجود سرمایہ دار ہونے کے یہ قوم عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔ ان کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے دو مرتبہ اپنے وطن سے دربدر ہونا پڑا۔ اب بھی اسرائیلی ریاست میں ان کا اکٹھا ہونا ایک عارضی کیفیت ہے۔

توراۃ میں سود کے بارے میں یہ حکم ہے کہ!

''اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو، قرض دے اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا۔ اگر تو کسی وقت اپنے ہمسایہ کے کپڑے گرو رکھ بھی لے تو سورج ڈوبنے تک اس کو واپس کر دینا کیونکہ وہی اس کا اوڑھنا ہے، اس کے جسم کا وہی لباس ہے، پھر وہ کیا اوڑھ کر سوئے گا۔ پس جب وہ فریاد کرے گا تو میں اس کی سنوں گا کیونکہ میں مہربان ہوں'' (خروج باب ۲۲، ۲۵، ۲۷) (ت ج ا ص ۲۲۲، ۲۲۳)

اللہ تبارک تعالیٰ کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں، چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ یہ بحث قرآن کے اصولی احکامات اور ارشادات کی روشنی میں موجودہ سودی نظام کے تجزیہ کا تقاضا کرتی ہے کہ پہلے قرآنی آیات کی تفسیر سمجھنا ہے۔ ان آیات مبارکہ میں سود خوروں کی حشر میں بدحالی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ لوگ روز حشر قبر سے اس حالت میں اٹھیں گے جیسے باؤلے، مخبوط الحواس جو کسی جن کے اثر سے آسیب زدہ ہوں۔ یعنی سودی لین دین دولت کی حرص میں انسان کو باؤلا کر دیتا ہے۔ اس شخص نے دو جرم کیے، ایک سود کا مال کھایا اور دوسرا اس کو حلال سمجھا اور سودی لین دین میں زائد آمدنی کو اس طرح نفع خیال کیا۔ جس طرح سے تجارت میں ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ قرض دینے والا بھی اپنی نقدی کچھ عرصہ کے لیے دوسرے کو دیتا ہے اور اس پر زائد رقم وصول کرتا ہے۔ اس میں یہ قباحت ہے کہ قرض دینے والا کوئی محنت نہیں کرتا اور اس کو کسی نقصان کا خطرہ نہیں بلکہ زائد رقم یقینی ہے۔ تجارت میں نفع نقصان دونوں کا احتمال ہے۔ پہلے سے کوئی طے شدہ شرح منافع نہیں۔

ربوا آج کل کے زمانے میں بھی شخصی لین دین میں بعض علاقوں میں سود وصول کیا

Marfat.com

جاتا ہے۔ اس کی دوسری صورت اس دور میں بینکوں کے ذریعے لین دین، تجارت کے لیے، صنعت لگانے کے لیے، گھر بنانے کے لیے اور دوسرے کاموں کے لیے قرضہ لیا جاتا ہے جس پر سود ادا کیا جاتا ہے۔

تجارت اور سود میں فرق:

۱) تجارت میں بیچنے والے اور خریدنے والے موقع محل کے مطابق نفع اٹھاتے ہیں جو کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور نقصان کی صورت میں بھی خسارے میں حصہ دار ہوتے ہیں۔

۲) تجارت میں مال کی خرید و فروخت پر نفع ایک بار ہی لیا جاتا ہے۔ سود کے معاملے میں رقم لگانے والا مقررہ شرح کے مطابق مسلسل منافع وصول کرتا ہے جبکہ اس کی اصلی رقم بھی محفوظ رہتی ہے۔

۳) سودی کاروبار میں مال لگانے والے بغیر محنت کے صرف نفع وصول کرتے ہیں اور کسی نقصان میں حصہ دار نہیں ہوتے، یعنی یہ صحیح معنے میں شراکت نہیں ہوتی۔

سودی کاروبار نے فی زمانہ عالمی اقتصادیات کو جکڑ رکھا ہے۔ معاشی اور اخلاقی اعتبار سے اس کے نقصانات بھی ہیں جبکہ اس کا حل تلاش کرنے کی سنجیدہ کوشش تا حال نہیں کی گئی۔ مسلمان ممالک پر فرض بنتا ہے کہ اس کا متبادل نظام رائج کیا جائے۔

سورہ البقرہ میں یہ بھی فرمایا کہ جب خدا کا فرمان پہنچ گیا ہے تو آئندہ سود لینے سے باز رہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کھا چکا اسے معاف کر دیا بلکہ یہ ایک قانونی رعایت ہے جس کے تحت اسے واپس لینے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ پہلے سے سود کی لی گئی رقم بظاہر اسی کی ہوگئی، اگر توبہ کر لی تو اس کا معاملہ خدا کے حوالے رہا۔ (ت ج ۱ ص ۲۱۴)

اور جو نصیحت سن کر بھی اس فعل سے باز نہ رہے اور سود کو مثل بیع حلال سمجھتا رہے تو اس کے لیے ہمیشہ کی دوزخ کی وعید ہے۔ جس نے یہ نصیحت دل سے قبول کر لی تو خدا خوفی سے سود کی رقم اپنی ذات پر خرچ نہ کرے جن سے سود وصول کیا گیا ان کو ہو سکے تو واپس کر دے۔ اگر ایسا نہ کر

Marfat.com

سکے تو اسے کسی اجتماعی فلاح و بہبود پر صرف کیا جائے، اسی طرح وہ خدا کی سزا سے بچ سکے گا۔

البقرہ کی اگلی آیت ۲۷۶ میں اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ سود اور صدقات میں تضاد ہے۔ سود میں مال دینے والا اپنے مال کو بڑھانے کی فکر میں رہتا ہے، اس کے برعکس صدقہ کرنے والا اپنے مال کی کمی پر راضی ہوتا ہے اور وہ ایسا اللہ کی رضا جوئی کے لیے کرتا ہے۔ سود لینے والے کا مال بظاہر بڑھتا نظر آتا ہے۔ ایک شخص کی عارضی خوشی دوسرے کی بدحالی کا سبب بن جاتی ہے۔ اپنی ضروریات کے لیے قرض لینے والا حاجت مند اکثر مشکل میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ قرض کی نہ ادائیگی کی صورت میں اس پر سود در سود چڑھتا جاتا ہے اور نوبت قرقی تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح طبقاتی کش مکش، حسد، بغض اور نفرت بڑھ جاتی ہے۔

کاروباری حضرات یا صنعت کار بینک سے بھاری رقمیں ایک مخصوص شرح پر حاصل کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے سود کا بوجھ خریدار پر ڈالتے ہیں۔ اس کے علاوہ کاروبار میں نفع کی ضمانت نہیں دی جا سکتی جبکہ سود کی شرح پہلے سے متعین کی جا چکی ہوتی ہے۔ اس طرح بعض اوقات اچھے اچھے سرمایہ دار خاک شاہ ہو جاتے ہیں۔ بلا سود قرضے کا کوئی متبادل نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ جس سے ہر خواص و عام فائدہ اٹھا سکتا ہو۔ قرض کی ایک صورت قرض حسنہ بھی ہے مگر عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ قرض حسنہ لینے والے لوگ اس کو واپس نہیں کرتے۔ یہ بھی بددیانتی ہے۔ قرض حسنہ کا ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو قرض حسنہ کچھ مدت کے لیے دیتا ہے مگر جب وہ واپس کیا جاتا ہے تو اس مدت میں اس رقم کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے اس کا علاج اس طرح ہو سکتا ہے جو رقم دی جائے اس کی قیمت سونے کے برابر لکھی جائے اور واپس لیتے وقت اتنے ہی سونے کی قیمت دی جائے تا کہ قرض حسنہ دینے والے کے (مثال کے طور پر) ۱۰ ہزار آٹھ ہزار نہ رہ جائیں۔ یعنی کہ اصل رقم مل جائیگی۔ جس طرح فطرہ یا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے رائج الوقت مقررہ گندم کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

موجودہ نظام اقتصادیات کا تصور بغیر سود کے ممکن نہیں۔ مفکرین کو اس کا کوئی متبادل نظام وضع کرنا چاہیے کہ جس سے دنیا اور آخرت کی بھلائی ہو۔ قرآن الحکیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی لیے غور و فکر کرنے کو کہا ہے۔

Marfat.com

پھر اللہ تعالیٰ نے ناشکری کرنے اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جبکہ اطاعت گزار اور صالح عمل کرنے والوں کو بشارت دی ہے کہ دنیا میں ان کے نیک اعمال سے ایک صالح معاشرہ کا قیام ممکن ہو سکے گا اور آخرت میں بھی ان لوگوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

البقرہ آیت ۲۷۸، ۲۷۹ میں سود کے بارے میں مزید احکامات فرمائے۔ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئے۔ ان آیات میں سود کا تمام کاروبار ختم کر دینے کو کہا گیا ہے۔ یہاں تین ہدایات فرمائی گئی ہیں۔

۱) اللہ سے ڈرو، اگر تم نے دل سے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یعنی اللہ کی نافرمانی سے ڈرو۔

۲) سود کا بقایا چھوڑ دو مگر تمہارا اصل زر تمہیں ملے گا، اگر تم سود سے توبہ کر لو۔

۳) ان احکامات کی خلاف ورزی خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے مترادف ہے۔

فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب کے بیشتر علاقوں میں لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ چند قبیلوں نے ذمی ہونا پسند کیا۔ پہلے سود کی مذمت فرمائی گئی، پھر اس کی قباحتوں سے آگاہ کیا گیا۔ اور اب ان آیات میں نہ صرف سودی کاروبار بند کر دیا گیا بلکہ جو سود کسی کے ذمے رہتا تھا اس کا لینا بھی حرام ٹھہرایا گیا۔ ان احکامات کے نزول کے بعد اسلامی حکومت کے دائرے میں سعودی کاروبار ایک فوجداری جرم بن گیا۔ یعنی سود کھانے والے مجرموں کے خلاف قانون حرکت میں آ سکتا ہے۔

سود کے بقایا جات چھوڑ دینے کے وقت کچھ لوگوں کے سودی بقایا جات دوسروں پر تھے۔ معاملہ یہ ہوا کہ بنو ثقیف اور بنی مخزوم کا آپس میں سودی لین دین تھا۔ بنو مخزوم مسلمان ہو گئے تو انہوں نے سود کی رقم ادا کرنا ناجائز سمجھا مگر بنو ثقیف کے لوگ اپنا سود چھوڑنا نہ چاہتے تھے کہ وہ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ امیر مکہ نے یہ قضیہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس آیت کی رو سے ایمان دار کو پچھلا سود چھوڑ دینے کا حکم ہوا مگر راس المال وصول کرنے کا حق دے دیا۔ گو غیر مسلم قبائل اس کے پابند نہیں تھے مگر بطور صلح و

Marfat.com

معاہدہ اسلامی قانون قبول کر چکے تھے۔(م ج ا ص ۶۵۵)

حضور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا یعنی

''زمانہ جاہلیت میں جو سودی معاملات کیے گئے، سب کا سود چھوڑ دیا گیا۔ اب ہر شخص کو اصل رقم ملے گی۔ سود کی زائد رقم نہ ملے گی، نہ تم زیادتی کر کے کسی پر ظلم کر سکو گے اور نہ کوئی اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم کر سکے گا۔''

پھر سب سے پہلے حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب کا سود چھوڑا گیا۔ مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی سے باز آؤ اور یوم آخرت کی پیشی کو یاد رکھو۔ ایمان والوں کے لیے اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی ایمان کی نفی ہے۔ اس قانون کی رو سے خلاف ورزی کرنے والے کا عمل ایسا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ یہ وعید بڑی شدید ہے جو کفر کے علاوہ کسی اور گناہ کبیرہ پر بھی نہیں آئی۔

جو شخص سود کو حرام نہ سمجھے اور سود چھوڑنے کے لیے توبہ نہ کرے تو وہ مرتد ہو گیا۔ اگر کسی مسلمان ملک میں آئین اسلام کے احکامات کا ترجمان ہو تو ایسے شخص کی زمانہ اسلام کی کمائی مسلمان وارثوں کو مل جائے گی اور ارتداد کے بعد کی کمائی بیت المال میں جمع کر دی جائے گی اور وہ اصل زر سے بھی محروم ہو جائے گا۔

یہ ایک بڑا سنجیدہ مسئلہ ہے۔ مسلمان سود کو حرام سمجھتے ہیں مگر عالمی سودی نظام کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں جس سے فی الحال کسی اسلامی ملک یا مسلمان فرد کا اس سے نکلنا محال ہے جب تک اہل نکتہ ونظر علماء کرام کوئی متبادل نظام تجویز نہ فرمائیں تاکہ ذہنی آسودگی اور ضمیر کی خلش سے آزادی حاصل ہو۔

البقرہ کی آیت (۲۸۰) میں اہل ثروت کو غریب قرضدار کے ساتھ ہمدردی اور اعلیٰ اخلاق کے مظاہرے کا درس دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ ''اگر تمہارا قرض دار تنگ دست ہو، تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو، اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔''

یہاں سود خوروں کی خود غرض روش کے خلاف قرض داروں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنے کو کہا گیا ہے۔ اگر قرض دار تنگ دستی کی وجہ سے رقم واپس نہ کر سکے تو اسے مزید مہلت دو۔

Marfat.com

یعنی جب وہ آسودہ حال ہو جائے تو قرض واپس کرے۔اس سے زیادہ بھلی بات یہ ہے کہ قرض خواہ اپنی مالی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے قرض واپس نہ لے۔اس کا یہ عمل بحکم صدقہ ہو کر باعث ثواب عظیم ہوگا۔اور یہ ثواب اس حقیر رقم کے عوض بہت بڑا ہے جو جنت کے در کھول دے گا۔یہ عمل دنیا میں بھی باعث برکت اور آخرت کے لیے متاع بے بہا ہے۔

اس کے برعکس سود خور مہلت پوری ہونے پر سود در سود کا سلسلہ چلا دیتا ہے جو دراصل اس کی سنگ دلی اور غیر انسانی رویہ کا عکاس ہوتا ہے۔دنیا میں بھی بے برکتی اور آخرت میں خواری مقدر ہو جاتی ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی مفلس قرضدار کو مہلت دیگا تو اس کو ہر روز اتنی رقم کا صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا جتنی اس مقروض کے ذمہ واجب ہے اور یہ حساب مہلت پوری ہونے سے پہلے مزید مہلت دینے کا ہے اور جب میعاد پوری ہو جائے اور مقروض ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس وقت کوئی مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اس کی دوگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔(م ج ا ص ۶۵۸)

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کے کاروبار میں گھاٹا آ گیا اور اس پر قرضوں کا بھار بہت ہو گیا۔معاملہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔چنانچہ بہت سے لوگوں نے مالی امداد کی مگر قرضے پھر بھی صاف نہ ہو سکے۔تب آپ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا ”جو کچھ حاضر ہے وہی لیکر اسے چھوڑ دیا جائے، اس سے زیادہ نہیں دلوایا جا سکتا“ (ت ج ا ص ۲۱۸، ۱۲۹)

فقہا نے تصریح کی ہے کہ مقروض کے رہنے کا مکان، کھانے کے برتن، پہننے کے کپڑے اور وہ آلات جن سے وہ اپنی روزی کماتا ہو، کسی حالت میں قرق نہیں کیے جا سکتے۔سود کی حرمت کی ان آیات کے بعد آیت (۲۸۱) میں فرمایا ”اس دن کی رسوائی اور مصیبت سے بچو، جب تم اللہ کی طرف واپس ہو گے، وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔“

حضرت عبداللہؓ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری

Marfat.com

آیت ہے، اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اس کے اکتیس روز بعد حضور نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی اور بعض روایات میں صرف نو دن بعد وفات ہونا مذکور ہے۔ (م ج ا ص ۲۵۸) اس آیت کی رو سے اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کے بدانجام سے ڈرنے کے لیے فرمایا ہے کہ یوم حساب رفت عمل پیش ہوگا تو بندوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعلیٰ جہاں ایک برائی کا بدلہ ایک ہی دیں گے، وہاں اپنی رحمت سے نیک کام کا اجر دہ کئی گنا بھی دیں گے کہ اعمال کو گنا نہیں جائیگا بلکہ میزان قائم ہوگا بظاہر چھوٹی نیکی کا وزن بھی زیادہ ہوگا۔

سود کا مسئلہ اور محصہ احاطہ:

سود کے بارے میں بہت کچھ احاطہ تحریر میں آچکا ہے اور آتا رہے گا مگر اصل مسئلہ جو درپیش ہے وہ عالمی سودی نظام کے متبادل غیر سودی نظام قائم کرنے کا ہے۔ سوال ہے کہ کیا عالم اسلام نے غور وفکر اور تدبر سے کوئی حل نکالنے کی کوشش کی ہے جو ایک دینی فریضہ ہے۔ ایک فرد یا گروہ یا ایک اسلامی ملک کا اس سے نکلنا محال ہے۔ ایسی صورت میں مسلمان کب تک اس نظام کا حصہ بنے رہیں گے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس ضمن میں کئی کوششیں کی گئیں مگر فی الحال کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ مولانا اسرار احمد نے اپنے کتابچے، سود، حرمت، خباثتیں، اشکالات میں ان کوششوں کا ذکر فرمایا ہے (ص ۳ تا ۷)

۱۹۶۹۔ اسلامی مشاورتی کونسل نے موجودہ بنکاری کے نظام کی ہر شکل کو سودی قرار دیا ہے۔

۱۹۷۳۔ دستور پاکستان کی دفعہ ۳۷ کے مطابق عرصہ ۹ سال کے اندر ملک کے سارے نظام کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھال دیئے جانے کی نوید سنائی۔

۱۹۷۷۔ صدر ضیاء الحق کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل نے غیر سودی نظام معیشت کے لیے ایک ۱۵ رکنی کمیٹی قائم کی گئی جس نے اپنی سفارشات مرتب کیں۔

۱۹۸۰۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے حتمی سفارشات صدر کو پیش کیں مگر ان پر عمل نہ ہوسکا۔

۱۹۸۱۔ شرعی عدالت قائم کی گئی اور سود کے متبادل کے طور پر بنکوں میں PLS (نفع نقصان)

Marfat.com

کھاتوں کے نام سے نظام کیا گیا جسے علماء کرام نے سودی نظام کی ایک صورت قرار دیا۔

۱۹۸۸۔ صدر ضیاء الحق نے نفاذ شریعت آرڈیننس کے ذریعے اسلامی معیشت کمشن قائم کیا۔ بے نظیر کے دور حکومت میں اس آرڈیننس کو اسمبلی میں پیش نہیں کیا گیا اور یہ کمیشن بھی ختم ہو گیا۔

۱۹۹۱۔ سود کے متبادل نظام کے لیے کئی کوششیں ہوئیں۔ ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو وفاقی شرعی عدالت نے طویل سماعت کے بعد Bank Interest کو ربوا قرار دیا اور حکومت کو چھ ماہ کی مہلت دی تاکہ ملکی معیشت کو سود سے پاک کر دے (مگر کوئی متبادل نظام کی تجویز پیش نہ کی) نواز شریف کی حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی مگر اس کی سماعت نہ ہو سکی اور معاملہ تعطل کا شکار رہا۔

۱۹۹۷۔ نواز شریف کے دور حکومت میں اس سلسلے میں قائم کردہ کمیٹی نے خاصا کام کیا مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔

۱۹۹۹۔ سپریم کورٹ نے وفاقی شرعی عدالت ۱۹۹۱ء کے فیصلے کے مطابق ۲۰۰۱ء جون ۳۰ تک حکومت کو سود کے خاتمے کے لیے مہلت دی۔

۲۰۰۱۔ حکومت وقت نے اس مدت میں ایک سال کی مزید مہلت حاصل کر لی۔

۲۰۰۲۔ حکومت نے ایسے علمائے دین سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا جو موجودہ سودی نظام کو رباء کے مترادف نہیں سمجھتے۔ اس کے بعد کوئی قابل ذکر پیش رفت نہ ہوئی۔ علمائے کرام نے خاموشی اختیار کر لی۔

سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے U.B.L کی طرف سے دائر کردہ نظر ثانی کی اپیل کی سماعت شروع کی اور عجلت میں وفاقی شرعی عدالت کے تاریخ ساز فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا۔

موجودہ مالیاتی نظام کو سودی نظام کہہ دینا کوئی بڑی بات نہیں کہ صرف یہ فیصلے مسئلے کا حل نہیں ہے۔ غیر سودی نظام کے خطوط متعین کرنا ہونگے تاکہ مسلمانوں کو ذہنی اذیت سے نجات دلائی جائے اور یہ کام مالیاتی نظام کے ماہرین اور علمائے کرام کو ملکر انجام دینا ہے۔

Marfat.com

رکن سوئم

حقوق العباد

باب اول

انفاق فی سبیل اللہ

یاایھا الذین آمنوا .... ھم الظلمون O

(البقرہ ۲۵۴) ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو مال متاع ہم نے تم کو بخشا ہے، اس میں سے خرچ کرو۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔ اور ظالم اصل میں وہی ہیں جو کفر کی روش اختیار کرتے ہیں''

اس آیت مبارکہ میں اہم باتیں جو کہی گئی ہیں یہ ہیں کہ

۱) اللہ کے دیئے ہوئے مال متاع سے خرچ کرو۔ اس میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ جو مال متاع تمہارے پاس ہے وہ ہمارا ہی عطا کیا ہوا ہے، گو کہ اس میں انسانی عقل و تدبیر اور کوشش کا دخل ہے مگر یہ سب کامیابی سے ہمکنار اس وقت ہوتا ہے جب اللہ کی مرضی شامل ہو۔ کسان زمین تیار کرتا ہے، بیج بوتا ہے، پانی دیتا ہے اور فصل کی نشو و نما کے لیے اپنے ذرائع استعمال کرتا ہے مگر کبھی کسی وجہ سے بیج کم اگتا ہے، یا تیار فصل ژالہ باری کی وجہ سے تباہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تجارت میں نفع نقصان ہوتا ہے۔ انسان سعی کرتا ہے اور پھر اللہ سے فضل کی امید رکھتا ہے۔ ساری متاع اس کی دین ہے۔ اور اس کی ربوبیت کا مظہر ہے کہ وہ مومن کو بھی دیتا ہے اور کافر کو بھی۔

۲) اللہ کے دیئے ہوئے مال سے انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمادیا گیا ہے کہ خرچ کرو اپنی زندگی میں کہ تمہارے لیے وہ توشۂ آخرت بن جائے۔ خرچ کیا ہوا مال ہی تمہاری سفارش بنے گا۔ اگر بخل کیا اور بچا بچا کے رکھا تو جو چھوڑ جاؤ گے وہ میراث

Marfat.com

بن جائے گا اور شہادت تمہارے خلاف جائے گی۔ عمل کا وقت اسی زندگی میں ہے۔

۳) حشر میں گناہوں کا بوجھ کم کرنے کے لیے کوئی سفارش، فدیہ، رشتہ داری اور منصب داری کام نہ آئے گی۔ نافرمانی کرنے والے اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔ اللہ کریم اپنے واضح احکامات سے بندوں کو اچھے عمل کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور اچھے کاموں کی جزا کی خوشخبری اور نافرمانی کی سزا سے بھی آگاہ فرماتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کا حقوق العباد سے تعلق

انفاق فی سبیل اللہ کا حقوق العباد سے گہرا تعلق ہے، اس سے معاشرتی بہتری، اخلاقی بلندی اور انسانی ہمدردی سے دلوں کی تسخیر مطلوب ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے نیکی کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ لیس البر .... هم المتقون O ترجمہ ''نیکی صرف یہ نہیں کہ نماز میں اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو۔ بڑی نیکی ایمان بالغیب یعنی اللہ اور یوم آخرت پر اور ملائکہ پر، صحیفوں پر اور نبیوں پر ایمان لانا اور مال کو اللہ کی محبت میں، رشتہ داروں، یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں اور گردن چھڑانے میں خرچ کرنا ہے اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ اور عہد کی پابندی کرنے والے، مشکل وقت میں صبر کرنے والے سچے پرہیزگار لوگ ہیں۔''

اس آیت میں (البقرہ ۱۷۷) اصولی طور پر تمام احکام شریعہ، اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق کا اجمالی ذکر آیا ہے۔ پہلے ایمان مفصل کا بیان ہے، عبادات، معاملات اور اخلاق کا ذکر ہے۔ انہیں احکامات میں اللہ کی راہ میں اس کی رضا اور محبت میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مال اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کرنا کہ نام ونمود، کسی معاوضہ یا احسان مندی کی توقع کے بغیر خرچ کیا جائے۔ ایسا مال جو انسان کو محبوب ہو، صدق دل سے (صدقہ کا یہی مطلب ہے) خرچ کرنا ہے۔ نفلی صدقہ اور خیرات کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ فرض صدقہ زکوٰۃ ہے، جس کے لیے مال کا اڑھائی فیصد دینا فرض قرار دیا گیا ہے اور اس کے لیے صاحب نصاب

Marfat.com

ہونا ضروری ہے۔ آدھی کھجور اور اگر کچھ بھی پاس نہ ہو تو اچھی بات ہی صدقہ بن جاتی ہے۔ زکوٰۃ کے مصارف کے لیے اللہ نے قانون وضع کر دیا ہے جبکہ دوسرے صدقات کا مصرف حاجت اور ضرورت پر منحصر ہے۔

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم البقرہ (۱۹۵) میں بھی دیا گیا ہے۔ فرمایا **فانفقوا.......... المحسنین** O ترجمہ ''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ احسان کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے۔''

دین کی سربلندی کی سعی، تبلیغ میں، اور جہاد میں مالی قربانیاں کرنا ہے۔ اپنے ذاتی مفاد، دین کے مفاد پر قربان کرنا ہے وہ بھی خوشدلی سے، اس طرح نہیں کہ آپ کوئی جرمانہ ادا کر رہے ہوں۔ ایک کام محض فرض سمجھ کر ادا کرنا ایک بات ہے مگر اس کو خوبی سے، محبت اور دلی لگاؤ سے کرنا احسان ہے۔

حضورﷺ کے زمانہ میں مسلمانوں کو کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے مالی مشکلات کا سامنا تھا۔ اللہ کے حکم کے مطابق صحابہ کرامؓ کھلے دل سے جتنا میسر ہوتا حاضر کر دیتے۔ جان کے علاوہ مالی قربانیاں بھی دیتے۔ اس آیت کریمہ میں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالنے کا مطلب جہاد کرنا ہے، یعنی اپنی عسکری کمزوری کی وجہ سے کفار کو غلبہ پانے کا موقع دینا ہے۔ اپنے وسائل کے مطابق مسلمانوں کو عسکری تربیت اور اسلحہ اور دیگر جنگی سامان کے لیے مال کی ضرورت ہے۔ آج کل تمام ممالک بشمول اسلامی ممالک، اپنے سالانہ اخراجات کے تخمینہ میں اس مد میں کچھ رقم مختص کر دیتے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے گھوڑے تیار رکھنے کا حکم دیا ہے یعنی اپنی دفاع کے لیے پوری تیاری کرنا ہے۔

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اپنے وسائل سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا جس میں اپنے اہل وعیال کے جائز حقوق پامال ہوں، جائز نہیں ہے۔ اس کی تائید اور وضاحت البقرہ ۲۱۹ میں فرما دی گئی ہے۔ لوگ حضورﷺ سے دریافت کرتے تھے کہ ہم لوگ خیرات اور صدقات میں کتنا خرچ کریں۔ اللہ نے فرما دیا جو اپنے اخراجات پورے کرنے کے بعد بچ رہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اپنے بال بچوں کو تنگی دینا مقصود نہیں ہے۔

Marfat.com

اس میں سوچ کا ایک اہم پہلو ہے۔ انسان کی ضروریات کا تعین کرنا مشکل کام ہے۔ رہن سہن میں ہر شخص اپنے معیار کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ مثلاً کوئی دو جوڑے کپڑوں میں گزارہ کرتا ہے اور کوئی دس میں بھی خوش نہیں ہوتا۔ ضرورتیں گھٹائی اور بڑھائی جا سکتی ہیں۔ بے جا تصرف اور بخل دونوں راستے اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ایک مومن کی زندگی میں عیش عشرت کے سامان کی کوئی گنجائش نہیں۔ اہل ثروت اللہ کی راہ میں زیادہ مال بھی دے سکتے ہیں اور جن لوگوں کی کمائی روٹی کپڑا اور مکان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بھی کافی نہیں' وہ اگر ایک پیسہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو امیروں کے لاکھوں کے برابر ہے۔ آفت زدہ علاقوں کے لوگوں کی مدد کرنے کے لیے انسان اپنی کئی ضروریات کو کم کر کے اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتا ہے۔ اسلام میں انفرادی اور اجتماعی بھلائی کے کاموں کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ رب تعلیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ کو قرض حسنہ دینا ہے۔ (البقرہ ۲۴۵)

قرض حسنہ ایسا قرض ہے جو خالص بھلائی کے جذبے سے، بغیر کسی غرض کے، کسی کو دیا جائے اور نہ اس پر کوئی سود وصول کیا جائے۔ اس کا معاوضہ اللہ تعلیٰ کئی گنا عطا فرماتے ہیں۔ المائدہ ۱۲، سورہ التغابن ۱۶، المزمل ۲۰ اور الحدید ۱۸ میں بھی یہی بات فرمائی گئی ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ میں صدقہ، زکوٰۃ اور مسکینوں کو کھانا کھلانا شامل ہیں یعنی خواہ وہ فرض و واجب ہو یا نفلی اور مستحب ہو۔

خلوص نیت سے، صدق دل سے، خدا طلبی کی نیت سے مال خرچ کرنے سے گھاٹا نہیں پڑتا، بلکہ پھلتا پھولتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ سورہ البقرہ میں (۲۶۵) یہی مضمون مختلف پیرائے میں دوہرایا گیا ہے۔ خرچ کیا مال خالص صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب احسان نہ جتایا جائے اور ایذا نہ دی جائے۔ (البقرہ ۲۶۳-۲۶۴)۔ صدقہ دے کر احسان جتانا کہ جس کو دیا ہوا سے ذلیل و خوار سمجھنا اور اس سے کسی کے معاوضے کی خواہش رکھنا، صدقہ و خیرات کو برباد کر دیتا ہے اور اس پر کوئی ثواب نہیں۔ اسی طرح دکھاوے کے لیے خرچ کیا جائے تو یہ ریاکاری بھی صدقہ کو ضائع کر دیتی ہے (النساء ۳۸)۔ صدقہ و خیرات کسی پر احسان نہیں، اگر ہے تو اپنے اوپر ہے۔ اللہ تعلیٰ کسی کے مال کا

Marfat.com

محتاج نہیں، وہ خود غنی ہے۔صدقہ دینے والا جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا نفع اس کو پہنچتا ہے۔

صدقہ وخیرات کے مقبول ہونے کی شرائط

قرآن الحکیم میں باری تعلیٰ نے صدقہ وخیرات کے مقبول ہونے کی کچھ منفی اور مثبت شرائط بتائی ہیں:

۱) صدقہ کا مال حلال ہونا

۲) طریق سنت کے مطابق خرچ کرنا

۳) صحیح مصرف میں خرچ کرنا

۴) خیرات دے کر احسان نہ جتانا

۵) ایسی بات نہ کرنا جس سے صدقہ لینے والے کی تحقیر ہو

۶) خالص اللہ کی رضا جوئی کے لیے ہو نام ونمود کے لیے نہ ہو

صدقہ کے بارے میں مزید ہدایات (البقرہ ۲۶۷) دی گئی ہیں کہ صدقہ میں اچھی چیز دو، ایسی بری چیز چھانٹ کر نہ دو جو تم خود لینا پسند نہ کرو گے۔اچھی حالت میں استعمال شدہ چیزیں بھی حاجتمندوں کو دی جا سکتی ہیں۔اہل ثروت لوگ اچھی چیز دیں تو مقبول ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مومن کی صفات میں سے ہے۔اس طرح معاشرے میں نادار، کمزور، ضعیف، اپاہج انسانوں کی مالی مدد کرنا معاشرے میں بہتر اخلاقی اقدار، بہتر معاشی حالات کا باعث بن جاتا ہے۔یہ معاشی جمعیت بندی ہے۔صدقہ کی نیت سے قصاص معاف کر دینا گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔المائدہ (۴۵) میں فرمایا وَمن .... فهو كفاره له.

ترجمہ "اور جو شخص اسے معاف کر دے تو وہ اس کیلئے کفارہ ہے۔"

فرض صدقہ۔زکوۃ

انفاق فی سبیل اللہ میں فرض صرف زکوۃ ہے۔یہ اسلامی عبادت کا دوسرا رکن ہے۔نماز اور زکوۃ توام ہیں۔حضور نبی پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق نماز خدا کا حق ہے۔اور زکوۃ

Marfat.com

بھائیوں کا حق ہے۔قرآن الحکیم میں متعدد مقامات پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں مختصراً زکوٰۃ کے بارے میں اہم باتیں تحریر کی جارہی ہیں۔مزید تفصیل کے لیے مختلف مراجع (References) سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔(سیرت النبی،شبلی نعمانی،جلد پنجم صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲)

زکوٰۃ ہر شخص، جو صاحب نصاب ہو، پر فرض ہے۔قرآن الحکیم میں زکوٰۃ کا ذکر تقریباً ۳۲ مرتبہ بلاواسطہ اور متعدد بار بالواسطہ آیا ہے۔زکوٰۃ مال کو پاک کرتی ہے اور تزکیہ نفس کا باعث ہے۔ یہ معاشرے میں ارتکاز دولت کو روکنے کا سبب بھی بنتی ہے۔ یہ معاشرے کے بے کس اور لاچار انسانوں کی دستگیری کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح مقرر فرمادی ہے۔ملک کا ۲/۱۔۲ یعنی اڑھائی فیصد دینا ہے۔جس مال و دولت پر زکوٰۃ نہ دی گئی ہو، روز حشر یہ سانپ، بچھو بن کر ڈنگ مارے گی اور عذاب کا موجب ہوگی۔

زکوٰۃ چھ قسم کی ملک پر واجب ہے۔

۱) چوپائے۔مویشی، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکریاں۔دیگر حیوانات پر اور گدھے اور گھوڑے پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

۲) غلہ

۳) سونا چاندی

۴) مال تجارت

۵) زکوٰۃ فطر

۶) دیگر املاک

۱) چوپائے، مویشی جو چراگاہوں میں پلے ہوں اور مسلسل ایک سال تک مالک کی ملک میں رہے ہوں، اس میں اونٹ، گائے، بھیڑ بکریاں، دنبے شامل ہیں۔گھر پر پالنے کا خرچ زکوٰۃ کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب نہیں رہتی۔اگر مویشی چوری ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔۱۵ اونٹ سے کم، ۳۰ گائے سے کم، ۴۰ بکریوں بھیڑوں دنبوں جو ایک سال کی عمر سے کم ہوں، پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

Marfat.com

۲) زمین کی پیداوار یعنی جو گندم، چاول اور دیگر غذائی اجناس جو ۸۰۰ من سے زیادہ ہوں پر (عشر) زکوٰۃ دینا ہے بشرطیکہ ایک ہی جنس ہو یعنی اگر اس مقدار سے کم گندم ہو اور جو ہوں تو زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے چاہے یہ دونوں اجناس مل کر ۸۰۰ من سے زائد ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ (الولئو والمرجان ج ۱ ص ۳۱۹) اگر فصل کے لیے پانی نہر یا کاریز سے حاصل کیا گیا ہو یا دولاب وغیرہ سے لیا گیا ہو تو عشر واجب نہیں۔ بارانی زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہے۔

۳) تیسری قسم زکوٰۃ کی سونے اور چاندی پر ہے۔ ۲/۱-۷ یعنی ساڑھے سات تولہ سے زائد سونا یا ۵۲ تولے چاندی سے زائد ملک پر واجب ہے۔ اس میں زیورات اور سونے چاندی کے برتن شامل ہیں۔ قیمتی پتھروں پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تجارت کی خاطر جمع نہ کئے گئے ہوں۔ عام قیمتی پتھر جو انگوٹھی وغیرہ میں جڑے ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ انکے ٹوٹ پھوٹ جانے میں ان کی قیمت بہت گر جاتی ہے جبکہ سونا چاندی کی قیمت ہر حالت میں برقرار رہتی ہے۔

۴) زکوٰۃ کی یہ قسم مال تجارت پر ہے یعنی جو مال کی مقدار سارا سال آپ کے پاس رہے۔

۵) یہ زکوٰۃ فطر ہے۔ ہر صاحب نصاب مسلمان بقدر ایک صالح یعنی ۲/۱-۳ سیر گندم یا اتنی قیمت بطور فطرہ عید الفطر کی نماز سے پہلے ادا کرے گا۔ صاحب خانہ اپنے بیوی، بچوں، والدین، ملازم جنکی کفالت آپ پر ہے، کا فطرہ ادا کرے گا۔

۶) یہ صاحب نصاب کی زائد غیر منقولہ ملک کی آمدنی پر ہے۔ مثلاً اگر دو مکان ہوں تو رہائشی مکان چھوڑ کر دوسرے مکان کی زائد امدنی پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر مکان کی آمدنی (کرایہ) مرمت کے اخراجات وغیرہ نکال کر کچھ پس انداز نہ ہو سکے تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

گزشتہ مذاہب میں بھی صدقہ وخیرات کا تصور کسی نہ کسی طرح موجود ہے۔ زکوٰۃ تمام آسمانی صحیفوں میں فرض بتائی گئی ہے مگر ان کے پیروؤں نے اپنے اس فریضہ کو بڑی حد تک بھلا دیا۔ جس طرح ان صحیفوں میں نماز کو مذہب کا ایک جزو لاینفک قرار دیا، زکوٰۃ بھی ضروری جزو د

Marfat.com

رہا۔ سورہ بقرہ ۴۳، اور سورہ مائدہ ۱۲ میں بنی اسرائیل کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ سورہ مریم ۵۵، میں حضرت اسمٰعیلؑ کا اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تائید کرنے کا ذکر ہے۔ توراۃ کے زمانہ میں چونکہ دولت زیادہ تر زمین کی پیداوار اور جانوروں کے گلوں تک محدود تھی اس لیے ان ہی دونوں چیزوں کا زیادہ ذکر آیا ہے۔ نقد زکوٰۃ کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ نیز یہ تصریحاً معلوم نہیں کہ زکوٰۃ کی مدت کا تعین کیا گیا ہو، ہر سال یا دوسرے یا تیسرے سال واجب الادا تھی اور اس کے مصرف کے بارے میں کوئی تفصیل بھی سامنے نہیں آئی۔

دوسرے مذاہب میں بھی خیرات اور دان کرنے کے احکامات موجود ہیں مگر اس کے لیے کوئی نظام اور اصول مقرر نہیں کیا گیا تھا اور نہ بتایا گیا کہ کن پر زکوٰۃ دینا فرض ہے نہ اس کے خرچ کرنے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

اسلام نے زکوٰۃ کے پورے نظام کا تصور دیا، اور ہر سال دینے کا حکم ہوا اور پوری تفصیلات سامنے آ گئیں کہ کہاں کہاں خرچ کرنا ہے اور کون لوگ اس کے حقدار نہیں ہیں۔ یعنی زکوٰۃ کو بھی تکمیلی شکل دی گئی۔

نماز کا حکم ہجرت سے پہلے دیا گیا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ صدقہ و خیرات کی تعلیم کا آغاز بھی ابتداء اسلام سے ہو چکا تھا۔

نماز کے ساتھ زکوٰۃ کی تعلیم کا آغاز اسلام کی ابتداء میں ہی ہو چکا تھا۔ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے اسلامی تعلیمات کے بارے میں جو باتیں بتائیں انہیں، نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا ذکر کیا۔ سورہ مدثر اور مزمل میں زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ مگر حالات کے مطابق اور مناسبت سے ان تعلیمات پر تفصیلی احکامات بتدریج نازل ہوئے۔ ہجرت کے بعد مدینے میں مسلمانوں کی مالی حالت اچھی نہیں تھی مگر پھر بھی وہ حاجتمند محتاج، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے صرف اللہ کی رضا کے لیے۔ سورہ دہر۔ ۸، ۹ ویطعمون الطعام .... سکھ راO "اور وہ (حاجتمند ہونے کے باوجود) محتاج، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تم کو صرف خدا کے لیے کھلاتے ہیں، تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ"۔

پھر مسلمان حضورﷺ سے پوچھتے کہ ہم کیا خیرات کریں۔ حضورﷺ کو بتایا گیا کہ "کہ

Marfat.com

دو کہ تمہاری ضروری سے جو کچھ بچ رہے'' البقرہ۔۲۱۹۔

مدینہ منورہ میں جب مسلمانوں کو کسی قدر خوشحالی نصیب ہوئی تو روزہ کے ساتھ ۲ ہجری میں صدقہ ءفطر واجب ہوا یعنی سال میں ایک مرتبہ عید الفطر کی نماز سے پہلے ہر مسلمان ساڑھے تین سیر غلہ خدا کی راہ مین خیرات کرے کہ عید والے دن غریب محتاج بھی پیٹ بھر کر خوشی سے دن گزارے۔

صحابہ کرامؓ صدقہ خیرات دینے کے لیے بے چین رہتے تھے۔اور حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ نیکی کے کام کرے، برائی سے بچے، یہی اس کا صدقہ ہے۔

فتح مکہ سے پہلے زکوٰۃ کا کوئی مرتب قومی نظام قائم نہ تھا۔ ۸ ہجری فتح مکہ کے بعد مناسب وقت آ گیا تھا کہ اسلام اپنا خاص نظام قائم کرے۔سورہ توبہ۔۱۰۳۔ **خذمن .... بھا۔** ''(اے محمد ﷺ) ان کے مال میں صدقہ زکوٰۃ وصول کرو کہ اس کے ذریعہ تم ان کو پاک و صاف کرسکو''

زکوٰۃ فرض سمجھ کر خالصتاً اللہ کے لیے دینی ہے۔زکوٰۃ دینے میں جلدی کرے، بلا عذر تاخیر مناسب نہیں۔زکوٰۃ سال کے کسی حصے میں دی جا سکتی ہے مگر مبارک مہینوں یعنی رجب، شعبان اور رمضان المبارک میں بہتر ہے۔زکوٰۃ پورے حساب سے دینی ہے، کسی صورت میں کم نہیں ہونی چاہیے اگر زیادہ ہو جائے تو اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہے۔

زکوٰۃ کا مصرف

سورہ التوبہ (آیہ ۶۰) میں اللہ کے فرمان کے مطابق ۸ قسم کے لوگوں کو دینے کا حکم دیا گیا ہے۔فرمایا

انما الصداقت .... علیم الحکیم O ترجمہ ''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں، اور راہ

Marfat.com

خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہے"

یہ آٹھ گروہ ہیں۔

۱) فقراء۔ فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی معیشت کے لیے دوسروں کا محتاج ہو، خواہ جسمانی نقص کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے مدد کا مستحق ہو۔ اس میں بیوہ، یتیم بچے، بے روزگار، معذور اور وقتی طور پر حادثات کا شکار (زلزلہ اور سیلاب وغیرہ کے متاثرین وغیرہ) لوگ شامل ہیں۔

۲) مساکین۔ یہ ایسے حاجت مند درماندہ لوگ ہیں جو اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھتے ہیں اور ان کی خودداری کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ شریف اور غریب لوگ ہیں۔

۳) جو لوگ زکوٰۃ کا نظام چلاتے ہیں، صدقات وصول کرتے ہیں، اس کا حساب رکھتے ہیں اور تقسیم میں مدد کرتے ہیں زکوٰۃ کے حقدار ہیں۔ ایسے نظام کو چلانے کی تنخواہیں زکوٰۃ میں سے ادا کی جاسکتی ہیں۔ اسلامی حکومت میں زکوٰۃ کی رقم بیت المال میں یا خصوصی زکوٰۃ کے حساب میں جمع کرائی جاتی ہے اور یہی لوگ اس محکمے کو چلاتے ہیں۔ بیت المال یا زکوٰۃ کے خصوصی فنڈ سے جب زکوٰۃ دی جاتی ہے تو لینے والے کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی جبکہ ذاتی طور پر زکوٰۃ ادا کرنے والے کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا شاید اپنے آپ کو کمتر محسوس کرے۔

۴) تالیف قلوب۔ اسلام میں داخل ہونے والے نئے لوگ کئی قسم کی مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خاندان والوں کی مخالفت، ملازمت سے علیحدگی وغیرہ۔ ایسے لوگوں کی مالی امداد کرنا ضروری ہے کہ وہ کفر کی طرف نہ لوٹ جائیں۔ ان کو وضائف یا عطیے دے کر مدد کی جاسکتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ فقیر، مسکین یا مسافر ہوں۔

۵) گردنیں چھڑانا۔ اس سے مراد غلاموں کی آزادی کے لیے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا ہے۔ غلام کی آزادی میں مدد دی جائے یا قیمت ادا کر کے غلام آزاد کروا دیا جائے۔ آج کل کے دور میں غلامی کا وہ رواج نہیں رہا البتہ جنگ کی صورت میں جنگی قیدیوں

Marfat.com

کی رہائی کے لیے اس مد سے رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔آج کل نادار قیدی جن کی مدت قید ختم ہوگئی ہوتی ہے، ان کو قید سے رہائی کے لیے جو رقم ان پر دین ہو ادا کر کے ان کی گردنیں چھڑائی جاسکتی ہیں۔

۶) قرض داروں کی مدد زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔ایسے قرض دار جو اپنا قرض چکا دیں تو ان کے پاس قدر نصاب سے کم مال بچتا ہے۔زکوٰۃ کی رقم سے ایسا قرض چکایا جاسکتا ہے جو اچھے کاموں کے لیے لیا گیا ہو، بداعمالیوں یا شاہ خرچیوں کے لیے نہیں۔

۷) فی سبیل اللہ۔اس میں ہر اچھے کام کے لیے زکوٰۃ کا مال صرف کیا جاسکتا ہے مگر اکثریت کی رائے میں اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔کفار کے ساتھ جنگ کے لیے اسلامی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے، سامان حرب کے لیے جنہیں ہر قسم کا اسلحہ شامل ہے، اور فوجی اخراجات کے لیے زکوٰۃ کی رقم کام میں لائی جاسکتی ہے۔اس مد کا اطلاق ان تمام کوششوں پر بھی ہوتا ہے جو کلمہ حق اور اللہ کے نظام کو قائم کرنے کے لیے ہوں، اس میں دعوت حق یعنی تبلیغ بھی شامل ہے۔حضور ﷺ کے زمانے میں اصحاب صفہ کو بھی اس کا حقدار ٹھہرایا گیا۔

۸) وابن السبیل۔مسافر چاہے اپنے گھر میں غنی ہو یا کسی بھی حالت میں ہو لیکن حالت سفر میں وہ کسی وجہ سے محتاج ہو جائے تو اس کی مدد زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔ مسافروں کی سہولت کے لیے سرائے یا سستے ہوٹل، سڑکوں، پلوں اور پانی کی دستیابی کے لیے زکوٰۃ سے رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ اللہ کی رضا جوئی کے لیے ادا کرنا ہے اور شکرانہ نعمت کے طور پر بھی۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں نثار کر دیا اور سیدنا حضرت عمرؓ نے آدھا مال دے دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یعنی تم دونوں کے درجوں میں وہی فرق ہے جو تمہارے اس عمل میں ہے۔

زکوٰۃ دلوں سے مال کی محبت کو دور کرتی ہے۔مال کو پاک کرتی ہے۔یہ مال کی میل ہے، اور اسی لیے سادات پر زکوٰۃ حرام ہے۔البتہ سادات جو صاحب نصاب ہوں زکوٰۃ دینا ان پر فرض ہے۔مسجد کیلئے بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

Marfat.com

زکوٰۃ دینے میں جلدی کرنا، احسن ہے مبادا کہ کہیں کوئی افتاد پڑ جائے یا شیطان گمراہ کر دے۔ زکوٰۃ اگر پوشیدہ دے تو ریاکاری سے بچا رہتا ہے۔ زکوٰۃ فرض کی ادائیگی ہے کسی پر احسان نہیں، دے کر احسان نہ جتائے اور زکوٰۃ میں اچھا مال دے۔ زکوٰۃ کا بیت المال کے ذریعے دینا بہتر ہے۔

زکوٰۃ ایک تو کسی کی فوری مالی امداد کے طور پر دی جا سکتی ہے یا حاجت مندوں، بیواؤں، یتیموں، مساکین اور فقراء کا وظیفہ مقرر کی جا سکتا ہے۔ اس کی ادائیگی کی ایک بہتر صورت یہ بھی ہے کہ کسی غریب، بے روزگار کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دی جائے تا کہ وہ آئندہ خود کفیل ہو سکے، یہ زکوٰۃ کے نشوونما کا پہلو ہے۔ یہ گداگری کے انسداد میں مددگار ہو سکتی ہے زکوٰۃ ادا نہ کرنا دین اسلام کی ایک بنیادی شق سے انحراف کرنا ہے اور روز حشر ایسے لوگوں کے لیے عذاب کا باعث بنے گا۔

صدقہ و خیرات دے کر احسان جتانا

انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں سورہ البقرہ میں مزید بیان فرمایا گیا ہے۔ آیت ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶ میں فرمایا یاایھا الذین آمنو .... تتفکرون O ترجمہ

"اے ایمان والو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔

اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں۔ بخلاف اس کے جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے، دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو اور زور کی بارش ہو جائے تو دوگنا پھل لائے اور اگر زور کی

Marfat.com

بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہے، تم جو کچھ کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔''

''کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایک ہرا بھرا باغ ہو، نہروں سے سیراب، کھجوروں اور انگوروں سے لدا ہوا اور عین ایک تیز بگولے کی زد میں آ کر جھلس جائے، جبکہ وہ خود بوڑھا ہو اور اس کے کم سن بچے ابھی کسی لائق نہ ہوں، اس طرح اللہ اپنی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، شاید تم غور وفکر کرو''

اس سے پہلے آیات ۲۶۲، ۲۶۳ میں انفاق فی سبیل اللہ کے فیوض اور برکات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ معاشی نظام کا ایک پہلو ہے جو معاشرے میں اخوت، محبت اور ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے۔ ان آیات میں اللہ کی رضا کے لیے خالص ہو کر خرچ کرنے والوں کے لیے ایک کے بدلے سات سو تک اجر عطا ہونے کی وعید ہے۔ بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے والے روز حشر ہر قسم کے خوف وحراس سے محفوظ ہونگے اور اجر عظیم پائیں گے۔ یہ بھی فرمایا صدقات کے قبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ احسان جتا کر لینے والے کی تحقیر نہ کی جائے اور اسے کم تری کا احساس نہ دلایا جائے اور نہ ہی لوگوں کے دکھاوے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے خرچ کیا جائے ورنہ سارا ثواب جاتا رہے گا۔

نام ونمود اور ریاکاری سے صدقہ ضائع ہو جاتا ہے

اب آیات ۲۶۴ تا ۲۶۶ تک میں مومنوں کو خطاب فرما کر انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں کچھ شرائط کا ذکر مثال دے کر کیا گیا ہے، جس سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال مالک کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے اور ایسے رویے کا ذکر ہے جس سے انسان اپنی ساری نیکی برباد کر بیٹھتا ہے۔

ریاکاری اور لوگوں سے اپنی تعریف کے متمنی ہونے کے لیے صدقات دینے سے نہ دینا بہتر ہے یہ اپنا اجر لوگوں سے وصول کرنا چاہتا ہے۔ اور اللہ سے اجر پر ایمان کامل نہیں ہے کہ وہ

Marfat.com

آخرت میں کسی نیکی کو ضائع نہیں کرتا بلکہ بہتر اجر عطا فرماتا ہے، وہ غنی ہے اور اسے تمہارا خلوص نیک نیتی اور رضا جوئی پسند ہے۔

نام و نمود کی خاطر خرچ کرنے والے اور لینے والے کی عزت نفس مجروح کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چٹان پر مٹی جم جائے اور اس پر بیج بوئے، پھر زور کی بارش ہو اور وہ اس کو صاف کر دے۔ ایسے شخص کو کوئی کمائی ہاتھ نہ آئے گی۔ یہ صرف اپنی کمائی برباد کرنا ہے۔ یہاں بارش سے مراد خیرات ہے، چٹان سے مراد وہ نیت اور جذبہ ہے جس کے تحت خیرات کی گئی ہے۔ مٹی کی ہلکی تہہ نیکی کی ظاہری شکل ہے جو دراصل نیت کی خرابی کو چھپائے ہوئے ہے۔ ایسی حالت میں، بارش، بجائے پیداوار کو بڑھانے کے، الٹی مضر ثابت ہوتی ہے، اور سب بہا کر لے جاتی ہے۔ یعنی کہ بھلائی کے نشوونما کے لیے خلوص نیت لازمی ہے جو ابر کرم کا موجب بنتا ہے۔ اللہ شکران نعمت نہ کرنے والوں اور اس کی رضا طلب نہ کرنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور احسان فراموشوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

دوسری مثال سطح مرتفع پر واقع باغ کی دی گئی ہے، جس پر زور کی بارش ہو اور وہ دوگنا پھل لائے اور اگر زوردار بارش نہ بھی ہو، ہلکی پھوار ہی اس کے پھل پھولنے کے لیے کافی ہے۔ بغیر ریاکاری کے اور اخلاص کے ساتھ تھوڑا بھی خرچ کیا جائے تو وہ باغ کے پھلنے پھولنے کے لیے یعنی اجر آخرت کے لیے کافی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ میں' سوائے زکوٰۃ کے' خرچ کی مقدار متعین نہیں ہے۔ البتہ حسب استطاعت اور اطاعت کے درجات اور مراتب اخلاص سے مطابقت رکھتی ہو۔ کم مایہ کے لیے تھوڑی رقم ہی کافی ہے اور اگر کچھ نہ دینے کی طاقت ہو تو سائل کو بھلے طریقے سے ٹال دیں۔

انسان کی فطرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ نیک جذبے سے خرچ کیا ہوا باعث سکون اور اطمینان قلب کا موجب ہوتا ہے ان لوگوں کے لیے جن کا حساب اللہ کے ساتھ ہے۔ طاعات کی صحت و بقا کے لیے ایمان شرط ہے کہ کافر کی کوئی طاعت صحیح و مقبول نہیں، کہ ان کو اس کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا جائے گا، آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صدقہ کے رد اور باطل ہو جانے کے بیان میں ایک اور مثال دی ہے۔

Marfat.com

سوال کے اندر جواب بھی ہے۔ پوچھا گیا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی پسند کریگا کہ اس کا باغ ہو، کھجور اور انگوروں کے اور نیچے نہریں بہتی ہوں، باغ میں ہر قسم کے میوے ہوں اور اس شخص پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے اہل و عیال ضعیف اور کمزور ہوں، ایسی حالت میں ناگہانی بگولے سے باغ جل کر تباہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ واضح مثال دے کر سوچ سمجھ رکھنے والوں کو باور کراتا ہے کہ کیا کوئی بھی شخص اپنی عمر بھر کی کمائی ایسے حالات میں جبکہ تم خود اس سے فائدہ اٹھانے کے محتاج ہو اور از سر نو کچھ کمائی نہیں کر سکتا، برباد کرنا چاہیے گا۔ یعنی جو اس دنیا میں کمایا وہ یہیں رہ جائے اور آخرت میں خالی ہاتھ پیش ہو کر عمل کا وقت گزر چکا ہو یعنی ریاکاری سے جو صدقہ و خیرات کیا وہ مقبول نہ ہو سکا۔

بیان القرآن ج ا ص ۱۵۹، ۱۶۰ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں

یعنی کہ عمل انفاق فی سبیل اللہ بار بار کرنے سے نفس کی صفت مزاحمت ختم ہو جاتی ہے وہ اس عمل کو جو کہ مرضات الٰہیہ ہے، بار بار کرے گا جس سے مرضات الٰہیہ ہمیشہ حاصل ہو گی۔ پس حاصل نیت کا یہ ہو گا کہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گی اور ایسے حالات ہو جاویں گے کہ آئندہ بھی ہمیشہ رضائے الٰہی حاصل کرے گا۔ دو طرح کی بارش سے مراتب اخلاص کا بیان کرنا ہے اور چونکہ یہ انفاق ایمان کے ساتھ مقرون یعنی منسلک ہے۔ من اور اذیٰ وریا اس میں مفقود ہے، اخلاص اس میں موجود ہے تو ضروری ہے مقبول ہو کہ موجب تضاعف اجر و ثواب ہو جاتا ہے، خواہ اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہو یا اوسط یا ادنیٰ درجہ کا ہو، نفس قبول و تضاعف کے لیے ہر حال کافی ہے۔

روح المعانی میں حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں بروایت بخاری اور حاکم اور ابن جریر و عبد بن حمید سے منقول ہے جس کو حضرت عمرؓ نے بھی پسند فرمایا ہے کہ یہ آیت ۲۶۶ اپنے مضمون میں تمام طاعات کو عام ہے جن کے بعد آدمی معاصی میں منہمک ہو کر ان طاعات کو خراب کر دے۔ ان عموم میں نفقات بھی آ گئی اور تحقیق اس کے خراب کرنے کی یہ ہے جیسا کہ ایمان والوں سے فرمایا گیا ہے، اپنے صدقات کو باطل کرنے کے تحت اجمالاً کچھ شرطیں اعمال کی، ان کے انوار اور برکات کی بھی ہوا کرتی ہیں، سو وہ شرط مطلقاً سیئات میں مشغول ہونے سے پرہیز کرنا ہے اور طاعات کے بعد معاصی میں مشغول ہونے سے پرہیز کرنا ہے۔ اور اگر طاعات کے بعد معاصی میں مشغول اور مستغرق ہو جاتا ہے تو ان طاعات کے انوار اور برکات سلب ہو جاتے ہیں

Marfat.com

اور طاعت سے جو حلاوت قلب پیدا ہوتی ہے وہ زائل ہو جاتی ہے اور طاعات معمولہ میں ناغہ اور سستی ہونے لگتی ہے اور یہ توفیق بند ہو جاتی ہے اور آخرت کے ثمرات سے محروم ہو جاتا ہے۔

خلاصہ

آیات مذکورہ میں انفاق فی سبیل اللہ کے احکامات پر نظر ڈالنے سے صدقہ و خیرات کے مقبول ہونے کی مندرجہ ذیل صورتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

۱) صدقہ مال حلال سے دیا جائے۔ مال حرام سے دیا گیا تو صدقہ مقبول نہ ہوگا۔

۲) صدقہ و خیرات بطریق سنت خرچ ہو، خرچ کرتے وقت اسکا لحاظ رکھا جائے کہ کسی حقدار کی حق تلفی نہ ہو، یعنی اپنے اہل وعیال کے ضروری اخراجات ان کی مرضی کے خلاف بند کر کے صدقہ و خیرات میں مال خرچ کرنا کوئی امر ثواب نہیں۔ پہلی حاجت اپنے بال بچوں کی پوری کرنا ہے، پھر حاجتمند رشتہ داروں کا حق ہے، پھر دوسرے حاجتمندوں کا۔ اس کے علاوہ ضرورت اور اہمیت کے لحاظ سے مصرف کا انتخاب کرنا بھی طریق سنت ہے۔

۳) صدقہ وخیرات کا مال صحیح مصرف میں خرچ کرنا یعنی نیک کاموں کے لیے جواز روئے شریعت جائز اور مستحسن ہوں۔ ناجائز کھیل تماشوں میں صرف کرنا بجائے ثواب کے عذاب کا موجب ہوگا۔

۴) خیرات دے کر احسان نہ جتلائے، ایسا کرنے سے دینے والا اللہ کے اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔

۵) صدقہ وخیرات دے کر کوئی ایسی بات کرنا جس سے مسائل کی تحقیر ہو اور یہ اپنے آپ کو برتر ظاہر کرتا ہو اللہ کو ناپسند ہے، بلکہ دینے والے کے لیے تو یہ مقام شکر ہے۔

۶) خالص اللہ کی رضا، اس کی محبت اور قرب حاصل کرنے کیلئے خرچ کیا جائے، نام و نمود اور دنیا سے چند تعریفی کلمات سننے کے لیے نہیں۔

Marfat.com

اللہ نے نیکی کے کاموں، بشمول انفاق فی سبیل اللہ کی بڑی جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کسی کے اجر کو رتی بھر بھی ضائع نہیں فرماتے چاہے نیکی کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ (المومن ۴۰، الاحقاف ۱۲، الصافات ۸۰، ۱۰۵، ۱۱۰، ۱۳۱، الرعد ۳۵، الشوریٰ ۲۳)

صدقہ وخیرات کے بارے میں مزید احکامات

اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں مومنوں کے لیے مزید ہدایات بیان فرمائی ہیں۔ اللہ کریم اپنے مومن بندوں سے محبت فرماتے ہیں اور ان کی اصلاح کے لیے اور ان کو ہیرے کی طرح تراشنے کیلئے ایک بہترین سانچے میں ڈھالنے کے لیے البقرہ کی آیات ۲۶۷ تا ۲۷۴ میں کچھ احکامات جاری فرماتے ہیں۔

البقرہ ۲۶۷ میں فرمایا یاایھا الذین آمنوا .... غنی حمید O

ترجمہ ''اے ایمان والو جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ زمین میں سے تمہارے لیے نکالا ہے، اس میں سے بہتر حصہ راہ خدا میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے، تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے۔ الا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم چشم پوشی برت جاؤ، تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے''

ایمان والوں کو اپنی کمائی سے اور جو کچھ زمین سے مختلف اقسام کے پھل اور غلے پیدا کئے ہیں انہیں سے عمدہ اور حلال چیز کو خرچ کرنے کی ہدایت فرماتی ہے۔ ناقص چیز چھانٹ کر اللہ کی راہ میں دینے کے لیے مت نکالو کہ حق تعلیٰ تمہارے خرچ کا محتاج نہیں اور وہ اپنے تمام امور میں قابل ستائش ہے اور وہ برے اوصاف رکھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ خود فیاض ہے، اس کی راہ میں گھٹیا اور ردی چیز دینا قابل تحسین نہیں۔

''امام حاکمؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ہم انصاریوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ ہم کھجوروں کے باغوں والے تھے۔ ہم میں سے ہر

Marfat.com

شخص اپنی کھجوروں کی کمی زیادتی کے لحاظ سے اللہ کی راہ میں دینے کے لیے لایا کرتا تھا اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ وہ اس قسم کے نیک کاموں میں کوئی دلچسپی کا اظہار نہیں کرتے تھے، چنانچہ ان میں سے کوئی ایسا خوشہ لے آتا تھا جس میں معمولی اور ہلکی قسم کی کھجوریں لگی ہوتی تھیں۔ اس پر اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی کہ اے ایمان والو اپنی کمائی میں سے بہترین چیز خرچ کرو" (تفسیر ابن عباسؓ ج ا ص ۱۶۱)

اور امام حاکم نے جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے صدقہ فطر میں ایک صاع کھجوریں دینے کا حکم فرمایا تو ایک شخص ردی کھجوریں لے کر آیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ابن حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ کچھ صحابہ کرام کھانے کی سستی چیزیں خرید کہ ان کو صدقہ کیا کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت مبارکہ میں زمین کی پیداوار کا اشارہ عشری زمین پر عشر واجب کی طرف ہے۔ امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا ہے کہ زمین کی کثیر وقلیل پیداوار پر عشر واجب ہے۔ عشر زکوۃ الارض ہے۔ دوسرے مال پر زکوۃ (سونا، چاندی اور تجارت کے مال پر) سال بھر گزرنے کے بعد عائد ہوتی ہے لیکن عشر زمین سے پیداوار حاصل ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر زمین سے کوئی پیداوار نہ ہو تو عشر ساقط ہو جاتا ہے البتہ سونے، چاندی اور اموال تجارت پر اگر کوئی نفع بھی نہ ہو تو تب بھی سال پورا ہونے پر زکوۃ دینا ہوگی۔

اگلی آیات مبارکہ ۲۶۸، ۲۶۹ میں فرمایا **الشیطن یعدکم .... اولو الالباب** O ترجمہ "شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ خدا بڑا کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے، اور جس کو دانائی ملی اسے بڑی دولت مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو دانشمند ہیں"

یہاں شیطان کی چال کا ذکر ہے کہ وہ انسان کے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈال دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو اپنی دولت سنبھال کر رکھنے کی طرف راغب کرتا ہے کہ اگر تم اس طرح اللہ کی راہ میں فراخدلی سے خرچ کرتے رہے تو مفلس ہو جاؤ گے۔ بظاہر یہ انسان کے بھلے کی بات لگتی ہے مگر

Marfat.com

حقیقت میں یہ انسان دشمنی ہے۔اس کے برعکس اللہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کے گناہ بخش دیتا ہےاور مال میں ترقی اور برکت دیتا ہے۔ یہ حکمت کی بات انہیں لوگوں کو سمجھ آ سکتی ہے جن کو اللہ ایسی سمجھ کی توفیق دے کہ انسان اس عارضی چند روزہ زندگی کی خوشحالی کے لیے ابدی زندگی کی بدحالی مول لے کر بڑے خسارے کا سودا کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یعنی یہ باتیں اس کو سمجھ آتی ہیں جس کو اللہ صحیح بصیرت اور قوت فیصلہ عطا فرماتے ہیں۔ یہاں حکمت سے مراد دانائی اور دین کا فہم اور معرفت ہے۔جس شخص کو حکمت عطا ہو گی وہ شیطان کی راہ پر نہ چلے گا بلکہ رحمان کی دکھائی ہوئی راہ پر چلے گا۔ نہ وہ دولت کی ہوس میں مبتلا ہوگا کہ ہر وقت اس میں اضافہ کی فکر کرتا رہےاور نہ ہی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کترائے گا کہ مبادا وہ مفلس ہو جائے، بلکہ وہ اپنی کمائی میں اپنی مناسب ضروریات پوری کرنے کے بعد صدقہ وخیرات کے کاموں میں ہاتھ کھلا رکھے گا کہ آخرت کی بدحالی سے بچ جائے۔

پھر آیت ۲۷۰ میں فرمایا کہ وماانفقتم .... من انصار O ترجمہ ''تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ہواور نذر بھی مانی ہو،اللہ کواس کا علم ہی اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

خرچ اور نذر کی دو ہی صورتیں ہیں، یا خدا کی راہ میں خرچ کیا ہواور نذر اللہ کے لیے مانی ہو۔ دوسری صورت میں خرچ شیطان کی راہ یعنی فضول کاموں میں، ناجائز کاموں میں کیا ہواور نذر بھی غلط کاموں کے لیے مانی ہو۔اللہ نیتوں کو جانتا ہے۔پہلی صورت میں خرچ کرنا اطاعت اور موجب ثواب ہے جبکہ دوسری صورت میں خرچ کیا جانے والا مال باعث عذاب ہوگا۔ یہ ایسا ظلم کرنا ہے جس پر گرفت سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ جو کچھ خرچ کرنے میں سب خرچ آ گئے ہیں، جس میں شرائط مذکورہ کی رعایت ہو یعنی حلال مال سے ہو، فی سبیل اللہ ہو، ریا سے پاک ہو، دینے کے بعد احسان نہ جتایا ہو۔اس کے برعکس خرچ اور نذر وصیت میں شمار ہوتے ہیں۔

اس کے بعد کی آیت (۲۷۱) میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اجازت دی ہے کہ تم اپنے صدقات علانیہ دو یا چھپا چھپا کر حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنا زیادہ بہتر ہے۔مومنوں کی بہت سی برائیاں اس طرز عمل سے محو ہو جاتی ہیں اور اللہ کو بہر حال اس کی خبر ہے۔اخفا افضل ہےاور اس میں دینی مصلحت بھی ہے کہ لینے والا کوئی شرم محسوس نہیں کرتا اور دینے والا ریاکاری سے بچا

Marfat.com

رہتا ہے۔اور دنیاوی مصلحت یہ ہے کہ دوسروں پر آپ کی دولت کی مقدار ظاہر نہیں ہوتی۔

فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ اعلانیہ دینا افضل ہے۔(ت ج ا ص ۲۰۸) اور صدقہ وخیرات جو اس کے علاوہ ہو اس کا اخفا زیادہ بہتر ہے۔ دوسرے اعمال میں بھی یہی اصول ہے۔ فرائض کا اعلانیہ انجام دینا اور نوافل کو چھپا کر کرنا افضل ہے۔ دونوں حالتوں میں صدقہ وخیرات خطاؤں کی معافی کا موجب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے (البقرہ ۲۷۲) نفلی صدقات اور خیرات اہل کتاب اور مشرکین پر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ ابتداء میں مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ داروں اور عام غیر مسلم حاجت مندوں کی مالی مدد کرنے سے گریز کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انفاق فی سبیل اللہ میں صرف مسلمان حاجت مندوں کا حق ہے۔ حضور ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ ''یارسول اللہ کیا ہمارے لیے ان قریبی رشتہ داروں کو جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا، صدقات دینا جائز ہیں'' اس پر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ **لیس علیک .... لا تظلمون** O ترجمہ ''لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو، اس کا فائدہ تمہیں کو ہے اور تم جو خرچ کرو گے، خدا کی خوشنودی کے لیے خرچ کرو گے اور جو کچھ مال تم خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور حق تلفی ہرگز نہیں ہوگی۔''

اس آیت میں صدقہ سے مراد نفلی صدقہ ہے جو کافر، ذمی، اور اہل کتاب کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کو زکوٰۃ اور عشر دینا جائز نہیں۔ البتہ حربی کافر کو نفلی صدقہ دینا بھی جائز نہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ پر (آیت ۲۷۳) مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔ فرمایا **للفقراء .... بہ علیم** O ترجمہ ''خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست ہیں جو خدا کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں اور ذاتی کسب کمال کے لیے کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ (اور مانگنے کو عار سمجھتے ہیں) ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں اور تم قیافے سے ان کو پہچان لو گے (کہ یہ حاجت مند ہیں اور شرم کے سبب لوگوں سے منہ پھاڑ کر نہیں مانگتے) کہ وہ ایسے نہیں ہیں جو لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں۔ ان کی اعانت کے لیے جو مال تم خرچ کرو گے

Marfat.com

بیشک اللہ اس کو جانتا ہے'' پھر راہ حق میں مال خرچ کرنے والوں کے لیے پروردگار کی طرف اچھے صلے کی خوشخبری سنائی ہے۔ فرمایا (آیت ۲۷۴) الذین .... ولاھم یحزنون O ترجمہ ''جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا صلہ پروردگار کے پاس ہے اور ان کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم''۔

یہاں مستحق، تنگ دست اور حاجت مند سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ کی اطاعت کے لیے اور دینی خدمات کے لیے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی مسجد تک محدود کیا ہوا تھا۔ یہ لوگ اپنی معاشی سرگرمیوں کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کر سکتے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں اس قسم کے رضا کاروں کا ایک مستقل گروہ تھا جو تاریخ میں اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کوئی تین چار سو آدمی تھے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینے آ گئے تھے اور ہمہ وقت حضور ﷺ کے ساتھ رہتے۔ دین کا علم حاصل کرتے اور اسے دوسروں تک پہنچاتے۔ یہ لوگ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتے اور اپنی سفید پوشی کا بھرم اس طرح رکھتے کہ بظاہر ان کو لوگ غنی اور کھاتا پیتا سمجھتے۔ حضور ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ اے محمد ﷺ آپ ان کو شکل سے پہچان سکتے ہیں۔ ایسے لوگ انفاق فی سبیل اللہ کے حقدار ہیں۔

پھر ان لوگوں کے لیے جو اپنا مال شب و روز اعلانیہ یا خفیہ خرچ کرتے ہیں، رب تعلیٰ کی طرف سے اجر عظیم کی بشارت ہے۔ ایسے لوگوں کے خرچ کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ ساری شرائط شریعہ کے ساتھ یوں خرچ کرنے والوں کو روز جزا اللہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رکھے گا۔

روح المعانی میں بحوالہ ابن عساکر نقل کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے چالیس ہزار اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کئے کہ دس ہزار دن میں دس ہزار رات میں، دس ہزار اعلانیہ اور دس ہزار خفیہ (م ج ۱ ص ۶۴۳) بعض مفسرین نے اس آیت کا شان نزول اسی واقعہ کو لکھا ہے۔ اس آیت کے شان نزول کے متعلق اور بھی مختلف اقوال ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ آیت کریمہ حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف اور حضرت عثمانؓ بن عفان کے متعلق نازل ہوئی۔ ان حضرات نے سامان جہاد فراہم کیا تھا۔ (تفسیر ابن عباس ج ۱ ص ۱۶۵)

قرآن الحکیم میں انفاق فی سبیل اللہ کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مقصود اللہ کی رضا

Marfat.com

اور قرب حاصل کرنا اور اطاعت ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ سے معاشرتی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ محبت، اخوت اور انسانی ہمدردی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ مال کی محبت اور ہوس سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے حکم میں ساتھ یہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرو، اس سے یہ گمان نکل جاتا ہے کہ یہ مال و متاع اپنی عقل، دانش اور قوت بازو کا پھل ہے اور جیسے چاہوں خرچ کروں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو ساری قوتیں بخشی ہیں اور وہ جب چاہے سلب کرے کہ کوشش کا ثمر بھی اللہ کی مرضی سے ملتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب دوم

معاملات۔لین دین

لین دین

اللہ تعالیٰ نے لین دین کے معاملے میں مسلمانوں کی راہنمائی فرمائی ہے۔(البقرہ ۲۸۲)یاایھا الذین آمنو .... بما تعملون علیم O ترجمہ"اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب کسی مقررہ مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے۔جسے اللہ تعالیٰ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو،اسے لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔وہ لکھے اور املاوہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہے۔(یعنی قرض لینے والا)اور اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ طے ہوا پھر اس میں کوئی بیشی نہ کرے۔لیکن اگر قرض لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو اور املا نہ کرا سکتا ہو،تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے۔پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اسمیں گواہی کرالو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہیں جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو۔گواہوں کو جب گواہ بننے کے لیے کہا جائے گا تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا،میعاد کا تعین کے ساتھ دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ انصاف پر مبنی ہے۔اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور تمہارے شکوک وشبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔ہاں تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ آپس میں کر سکتے ہو،اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں،مگر تجارتی معاملات طے کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے،ایسا کرو گے تو گناہ کا ارتکاب کرو گے۔اللہ کے غضب سے بچو۔وہ تم کو صحیح طریق پر عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔"

Marfat.com

''اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی کاتب نہ ملے تو رہن بالقبض پر معاملہ کرو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص بھروسہ کرے (یعنی بغیر رہن رکھے ہوئے اطمینان کی وجہ سے قرض دے دے) اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے (یعنی قرضدار) اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے اور اللہ، اپنے رب سے ڈرے۔ اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ، جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ آلودہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔''

لین دین کے احکامات

ان آیات مبارکہ میں جو احکامات دیئے گئے ہیں ان پر عمل درآمد سے لین دین کے معاملے میں اعتبار کی فضا قائم ہو جاتی ہے اور بہت سے لڑائی جھگڑوں، فتنہ فساد اور خیانت کا سدباب ہو جاتا ہے ان احکامات کی تشریح ذیل میں کی گئی ہے۔

۱) سب سے پہلے قرض اور ادھار کے لیے اقرارنامہ لکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس حکم سے پہلے زیادہ تر لین دین زبانی ہوتا تھا۔ اس دور میں لکھنے والے کم دستیاب ہوتے تھے۔ اس طرح زبانی لین دین میں بھول چوک، وعدہ خلافی اور خیانت کا امکان رہتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے بندے کی نفسیات اور سرشت کو مدنظر رکھتے ہوئے دستاویز لکھنے کی طرف توجہ دلوائی ہے۔ آج کل کے دور میں اس کو تحریری معاہدہ کا نام دیا جاتا ہے جو سٹامپ کے مخصوص کاغذ پر لکھا جاتا ہے۔ تحریری معاہدہ لکھنے میں بے اعتباری کی کوئی بات نہیں بلکہ ایسا حفظ ماتقدم کے طور پر کیا جاتا ہے کہ شیطان انسان کو گمراہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

۲) دوسری بات فرمائی گئی کہ قرض کے معاملہ میں مدت کا تعین کر لینا چاہیے۔ یعنی رقم کی مقدار یا رہن کے بارے میں یہ احاطہ تحریر میں لایا جائے کہ لینے والے کو کتنی مدت، سال ماہ و دن کے اندر قرض چکانا ہے۔ یہ غیر مبہم نہیں ہونی چاہیے۔ بعض زمیندار فصل کٹنے تک کا وعدہ کرتے ہیں جو مدت کی غیر یقینی شکل ہے۔ اسی طرح کاروباری

Marfat.com

حضرات یہ وعدہ بھی کر لیتے ہیں کہ مال بکنے پر قرض کی رقم ادا کر دی جائے گی۔ مدت کا تعین صاف ہونا لازمی ہے کہ فلاں سال، فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک رقم ادا کر دی جائے گی۔ مدت پوری ہونے سے پہلے ادائیگی میں کوئی تعرض نہیں۔

۳) کاتب کے لیے بھی فرض ہے کہ وہ دیانتداری اور انصاف سے لکھے۔ اس میں یہ ہدایت بھی بالواسطہ دی گئی ہے کہ کاتب غیر جانبدار ہو، تاکہ دونوں فریقوں کے لیے معتبر ہو۔ کاتب خدا خوفی سے لکھے، اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس ذمہ داری کا جوابدہ ٹھہرایا گیا ہے۔ کاتب کو اللہ تعالیٰ نے جو ہنر دیا ہے۔ اس کا شکرانہ یہی ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ کوئی غیر معقول بہانہ نہ کرے اگر ان کے لکھنے والا اجرت مانگے تو ادا کرنی چاہیے۔ آج کل وثیقہ نویس تحریر لکھنے کی فیس لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ چودہ سو سال پہلے بنا دیا تھا۔

۴) لکھوانے کی ذمہ داری قرض خواہ پر ہے۔ وہ خود دستاویز کا مضمون لکھوا دے اور کاتب اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ بعض اوقات ایک لفظ کی کمی بیشی سے بہت فرق پڑ جاتا ہے اور معنی بدل جاتے ہیں۔ اگر لکھوانے والا یعنی قرض خواہ بوڑھا ہو یا اس کی یادداشت کمزور ہو یا نابالغ یا مجنون ہو یا گونگا ہو یا غیر زبان بولنے والا ہو تو اس صورت میں اس کا ولی تحریر لکھوا دے۔ ولی کا متبادل وکیل بھی ہو سکتا ہے۔

۵) ایسی دستاویز میں صرف تحریر کو کافی نہیں سمجھا گیا، بلکہ اس پر گواہ بھی بنا لیں کہ کبھی باہمی تنازع کے وقت عدالت میں گواہوں کی مدد سے صحیح فیصلہ ہو سکے۔ تحریر اور گواہ بنانا حجت شرعی اور شہادت شرعی ہے۔ آج کل عدالتوں میں گواہوں کے بغیر شاید ہی کوئی فیصلہ ہوتا ہے۔ (حالانکہ اکثر گواہ معتبر نہیں ہوتے)

۶) گواہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ ایک اکیلا مرد کافی نہیں ہے، دو عورتیں بھی ساتھ ہوں۔ عام خواتین عدالتوں میں جانے سے گھبراتی ہیں اور ان کے بھول جانے کا امکان ہے اس لیے وہ ایسی صورت میں ایک دوسری کو یاد دلا سکتی ہیں۔ یہاں عورتوں کی حیثیت کم تر کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ عین عورتوں کی نفسیات کے مطابق ہے۔

Marfat.com

عام طور پر چھوٹے چھوٹے کاموں بھی جہاں گھر سے باہر جانا ہو، اکیلی عورت جانے سے گھبراتی ہے۔ عام طور پر لین دین کے معاملے میں عورتیں کم ہی پڑتی ہیں اور نہ ہی ان کو عدالتوں کے چکر لگوانا اچھا فعل ہے۔

اس معاملے میں عورتوں نے اپنی گواہی آدھی ہونے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے حالانکہ رب تعالیٰ کے احکامات ماننے سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ عورتوں کی گواہی کے معاملے میں اس کا دوسرا پہلو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ کسی عورت پر تہمت کی صورت میں چار قسمیں کھانے کو کہا گیا ہے۔ مرد اور عورت دونوں چار چار قسمیں کھائیں مگر عورت کی قسمیں مانی جائیں گی۔ عام طور پر عدالت میں مالی لین دین کے علاوہ اکیلی عورت کی گواہی قبول کر لی جاتی ہے۔

عورتوں کی گواہی کے متعلق حکمت خداوندی

عورتوں کی گواہی سے متعلق تسنیم انور سلیمی کی تحریر قابل تحسین ہے۔ لکھا ہے کہ ''درحقیقت دو مردوں اور دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا جو ضابطہ سورہ البقرہ میں مذکورہ آیت میں بیان ہوا ہے، اس کا ایک خاص موقع ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ واقعاتی شہادت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، یہ صرف دستاویزی شہادت سے متعلق ہے کیونکہ دستاویزی شہادت کے لیے گواہ کا انتخاب ہم کرتے ہیں اور واقعاتی شہادت میں گواہ کا موقع پر موجود ہونا ایک اتفاقی معاملہ ہے۔ یعنی اگر ہم دستاویز لکھنے یا کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں اختیار ہے کہ اس پر جسے چاہیں گواہ بنائیں لیکن اگر کوئی ڈاکہ پڑا ہے، چوری ہوئی، زنا یا قتل کا جرم ہوا تو اس طرح کے معاملے میں تو جو موقع پر موجود ہو وہی گواہ قرار پائے گا۔ اس میں عورت، مرد، بچے، بوڑھے کی کوئی تخصیص نہیں حتیٰ کہ انگلیوں کے نشان، قرائن، جائے واردات یا جائے وقوع پر پڑی ہوئی بے جان اشیاء بھی گواہ بن جاتی ہیں۔

دوسری بات کہ قرآن مجید نے حکم عدالت کو نہیں دیا کہ وہ جب گواہ طلب کرے تو اس نصاب سے کرے۔ چنانچہ کئی مفسرین نے واضح طور پر لکھا ہے کہ درج بالا حکم کی حکمت اس کے سوا

Marfat.com

کچھ نہیں جبکہ بعض اوقات جب دستاویز پر گواہی کے لیے کوئی قابل آدمی نہیں ملتا تو اس موقع پر آدمی کو اپنے گھر کی خواتین پر ہی تکیہ کرنا پڑتا ہے۔ وہ عام حالات میں عدالت کچہری کے ماحول سے بالکل ناواقف ہوتی ہے۔

چنانچہ اس ہدایت کا مقصد صرف یہ ہے کہ گھر میں رہنے والی خواتین عدالت، پنچایت، جرگے وغیرہ میں بوقت گواہی گھبراہٹ میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اسے گھبراہٹ اور اضطراب سے بچانے کے لیے دوسری خاتون کا سہارا مل جائے۔

جدید تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرد کا دماغ ایک چیز پر توجہ مرکوز کر سکتا ہے جبکہ عورت بیک وقت مختلف چیزیں دیکھتی ہے گویا کہ مرد کی توجہ کا مرکز ایک چیز ہوتی ہے اور عورت کی توجہ کئی چیزوں کی طرف ہوتی ہے۔ عورت اور مرد کے دماغ کا یہ تحقیقی فرق نہایت اہم ہے۔ مرد کا Unifocal Mind اور عورت کا Multifocal Mind۔ اس فرق کی بنا پر ہمیشہ یہ امکان رہے گا کہ جس دستاویز کی گواہی دینی ہو اس کو مرد کا دماغ پوری شکل میں ذہن نشین کر لے جبکہ عورت کے معاملے میں یہ امکان ہے کہ مختلف فطری بناوٹ کی بنا پر اس کا دماغ دستاویز کے تمام اجزاء ذہن نشین نہ کر سکے۔

ایسی حالت میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو گواہ بنانے میں حکمت یہ ہے کہ کوئی پہلو ایک عورت سے چھوٹ جائے تو دوسری اس کی تلافی کر دے۔

دراصل قرآن کا حکم ایک ایسی ہستی کی ہدایت ہے جو انسان کی رگ رگ سے واقف ہے اور جانتی ہے کہ اس کے لیے کیا مناسب اور کیا مناسب نہیں ہے (اردو ڈائجسٹ مارچ ۲۰۱۰ء صفحہ ۱۹۱، ۱۹۲)

۷) گواہ مسلمان ہو، عادل اور معتبر ہو جس پر لوگ اعتماد کر سکیں۔ اچھے کردار کا مالک ہو، فاسق اور فاجر نہ ہو۔ گواہ کا گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار کرنا گناہ ہے۔ یہ ہدایت دی گئی ہے کہ معاملہ چھوٹی مالیت کا ہو یا بڑی، تحریری معاہدہ ضروری ہے۔ بعض صورتوں میں جہاں تجارتی لین دین دست بدست ہو، اگر نہ بھی لکھیں تو حرج نہیں، البتہ اس پر بھی گواہ ضرور بنالیں تاکہ تنازع کی صورت میں گواہوں کی مدد سے صحیح

Marfat.com

صورت حال سامنے آجائے۔

۸) گواہوں کو کوئی تنگی نہیں دی جانی چاہیے۔ گواہ کا سفر کا خرچ اور دیگر اخراجات ادا کرنے ہونگے۔ اگر وہ کوئی کام کرتا ہے تو جتنے دن وہ گواہی کے لیے پیش ہو اس کا نقصان پورا کرنا ہوگا۔ آج کل عدالتوں کی ابتر حالت کی وجہ سے گواہ کو کئی گھنٹے انتظار کرنا پڑتا ہے یا پھر دوسری تاریخ پر حاضر ہونے کو کہا جاتا ہے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرا فریق یہ سمجھ لے کہ سچے گواہ سے مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں نہ ہو سکے گا تو گواہ کو ہی ختم کردیا جاتا ہے۔ ان سب حالات کی وجہ سے آج کل گواہی دینے سے کترانا فطرتی بات ہے۔ گواہ کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لازمی ہے، جس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔

ان آیت کے آخر میں فرایا کہ تم جو کام جس نیت سے کرو، اللہ کے علم میں ہے اس لیے کسی حیلے بہانے سے احکامات کی خلاف ورزی کرو گے تو جوابدہی کے لیے تیار رہو۔ بہتر یہی ہے کہ ایک پرامن معاشرے کے لیے معاملات دیانتداری سے طے کئے جائیں اور اس دنیا کے عارضی فائدے کے لیے آخرت کا خسارہ مول لینا کونسی عقل مندی ہے۔

لین دین اور رہن

آیت ۲۸۲ میں لین دین کے سلسلے میں رہن بالقبض کا معاملہ طے کرنے کے لیے دو ہدایات دی گئی ہیں۔ پہلی بات فرمائی گئی ہے کہ حالت سفر میں اگر قرض لینے کی ضرورت پڑ جائے اور کاتب دستیاب نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ قرض خواہ قرض دینے والے کے اعتماد کے لیے اپنی کوئی چیز گروی رکھ دے۔ یہ رہن بالقبض ہوگا۔ رہن رکھی ہوئی چیز مثلاً سونے کے زیور، زمین، مکان یا مال مویشی جس کے بدلے قرض لیا ہو قرض دینے والے کی تحویل میں دینا ہوگا تا کہ قرض کی واپسی کا اطمینان ہو سکے۔ ایسی ضرورت کی حالت سفر کے بغیر بھی پیش آ سکتی ہے۔ اور اگر ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو بغیر رہن کے بھی معاملہ ہو سکتا ہے، مگر ایسی صورت میں

Marfat.com

قرض خواہ کو حسب وعدہ قرض ادا کر دینا چاہیے کہ امانت داری کا یہی تقاضا ہے۔

رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے۔ قرض دینے والا اگر رہن شدہ مکان میں خود رہے یا کرایہ لے تو ایک قسم کا سود ہے۔ البتہ مال مویشی رہن رکھا گیا ہو تو اس سے سواری یا مال برداری کا کام لیا جا سکتا ہے۔ دودھ سے بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ مال مویشی کے چارہ پر اس کا خرچ ہوگا۔

قرض دینے والا قرض دار سے نرمی اختیار کرے اور اگر قرض دار دیوالیہ ہو گیا ہو اور قرقی کی نوبت آ گئی ہو تو بھی اس شخص کے رہنے کا مکان، کھانے کے برتن، پہننے کے کپڑے اور آلات جس سے وہ روزی کماتا ہو کسی حالت میں قرق نہیں کیے جا سکتے۔ (البقرہ ۲۸۰، ت ج ا صفحہ ۲۱۸، ۲۱۹)

قرض کی ادائیگی حتی الامکان لازمی ہے۔ اگر مقروض وفات پا جائے اور اس کے ذمہ کچھ قرض ہو تو مرنے والے کی وراثت کی تقسیم سے پہلے قرض چکا دینے کا حکم ہے (النساء ۱۱)

مذکورہ بالا معاملات میں اللہ تعالیٰ نے شہادت کی تاکید فرمائی ہے۔ گواہ کو شہادت دینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے سوائے کسی شرعی عذر کے، یعنی بیماری یا ضعیفی یا کسی اور مجبوری کی وجہ کے۔ گواہی دینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ گواہ متقی، معتبر، صادق اور غیر جانبدار ہو کہ روز حساب جوابدہی کی گھڑی میں کوئی کسی کو نہ چھڑا سکے گا۔

☆☆☆

Marfat.com

باب سوئم

غیر مسلموں سے روابط

سورہ آل عمران (۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰) میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کو دلی راز بتانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ فرمایا یاایھا الذین آمنو..... محیط O ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے۔ تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایت دے دی ہے اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان کو راز دار بنانے سے پرہیز کرو) تم ان سے محبت رکھتے ہو وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کے ماننے والے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی مان لیا ہے (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب کو) مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیض و غضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اپنے غصہ میں آپ جل مرو، اللہ دلوں کے چھپے ہوئے بھید تک جانتا ہے۔ تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں مگر ان کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس پر حاوی ہے۔"

غیر مسلموں کو راز دار نہ بنانے کی حکمت

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اہل کتاب یعنی یہودیوں کی بدنیتی سے آگاہ فرمایا ہے۔ ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کی کئی بستیاں

Marfat.com

تھیں جن کے اوس اور خزرج قبیلوں سے پرانے دوستانہ مراسم تھے۔ جب یہ دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے تب بھی یہ اپنی پرانی دوستیاں نبھانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر چونکہ یہودیوں نے نبی پاک ﷺ کی بعثت سے انکار کیا تھا، دل میں اسلام کے خلاف خبث باطن کا اظہار کرتے رہتے اور ہر وقت دین اسلام کا راستہ روکنے کی سبیل کرتے رہتے۔ بظاہر دوستی کے پردے میں دشمنی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ مسلمانوں کی مجالس میں بیٹھ کر یہ ظاہر کرتے کہ ہم دوست ہیں اور ایمان لے آئے ہیں، تم سے محبت رکھتے ہیں مگر اندر ہی اندر یہ غیض وغضب سے کھولتے رہتے ہیں اور اس اضطراری حالت میں اپنی انگلیاں چباتے رہتے ہیں۔ اللہ جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے، نے مسلمانوں کو ان سے دلی دوستی کرنے سے منع فرمایا۔ یعنی اپنا رازدار اور بھیدی اور ایسا دوست جو باطنی امور کا راز دار، معتمد اور مشیر بنانے سے منع فرمایا۔ حکم فرمایا گیا ہے کہ ان سے ایسی دوستی نہ کرو کہ اپنی ملت اور حکومت کے راز ان پر کھول دو۔ ان کی منافقانہ چالوں سے خبردار فرمایا ہے کہ تم کو ان سے پر خلوص محبت ہے مگر ان کی بدنیتی کا یہ حال ہے کہ ہر دم تم کو یعنی مسلمانوں کو گزند پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ان کو راحت ہوتی ہے۔ بعض اوقات تو اپنی دشمنی کا اظہار کھلم کھلا بھی کرتے ہیں اور تمہاری جڑیں کاٹنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

مسلمانوں کو صبر اور تقویٰ سے انکا مقابلہ کرنے کو فرمایا ہے کہ یہی دو حربے ان کی چالوں کو مات دے دیں گے۔ یہ دو صفات کامیابی کی ضامن ہیں اور موثر علاج ہے اور پھر اللہ کی مدد بھی شامل حال ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آیت ۱۲۵ میں جنگ احد کے پس منظر میں صبر اور تقویٰ کرنے والوں کو فرشتوں سے مدد فرمانے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ہر شعبہ میں یہ دو صفات کامیابی کی کنجی ہیں۔

اسلام نے جہاں غیر مسلموں کو دلی راز دار بنانے سے منع فرمایا ہے وہاں غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی، نفع رسانی اور مروت کی ہدایت فرمائی ہے۔ حق ہمسائیگی اور دیگر انسانی حقوق کے معاملات میں نبی کریم ﷺ نے عملی طور پر اس کو رواج دیا مگر ان تعلقات کو ایک خاص حد سے بڑھنے کی اجازت نہیں دی تا کہ فرد و ملت دونوں کو کسی امکانی

Marfat.com

نقصان سے بچایا جائے۔

غیر مسلموں کو دوست اور راز بنانے کے سلسلے میں قرآن الحکیم میں سات دوسری آیات میں بھی ہدایت آئی ہے۔

سورہ آل عمران ۱۴۹، ۱۵۰ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے کفار کے اشاروں پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا یاایھاالذین.......... المنصرین O ترجمہ "اے ایمان والو اگر تم ان کے اشاروں پر چلو گے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو وہ تم کو الٹا لے جائیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی اور مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔"

مسلمانوں کو جنگ احد میں عارضی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس موقع پر کفار اور مشرکین مسلمانوں میں بدلی اور بے یقینی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ یہ منافقین اور یہودی مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ اگر واقعی تمہارا نبی اللہ کا سچا رسول ہوتا تو اس جنگ میں شکست کیوں ہوتی یعنی یہ تو معمولی آدمی ہے۔ جنگ کے دوران عارضی شکست کے موقع پر یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ حضور ﷺ اب اس دنیا میں نہیں رہے، اس پر اللہ نے خبردار کیا کہ ان کی کسی بات کو قابل توجہ نہ سمجھو اور مشورہ تو خیر خواہوں سے لیا جاتا ہے جبکہ یہ لوگ تمہاری دشمنی سے کبھی باز نہیں آتے۔ جنگ احد میں عارضی شکست کی وجہ یہ غلط فہمی تھی کہ مسلمان فتح پا چکے ہیں لہٰذا اپنی اپنی جگہ جمے رہنے کی ضرورت نہیں رہی اور اس طرح وہ دستہ بھی جو حضور ﷺ کے ساتھ متعین تھا اور جس کو کسی حالت میں جگہ نہ چھوڑنے کا حکم تھا، اس کے کچھ لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے اور دشمن نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور یہ خبر اڑا دی گئی کہ حضور ﷺ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ حضرت کعب بن مالکؓ نے پکار کر نبی ﷺ پاک کے بارے میں اس خبر کی تردید کی تو سب کو تسلی ہوئی۔ اس وقت اختلاف رائے، غلط افواہ اور حضور ﷺ کی نافرمانی عارضی ہزیمت کا باعث بنے۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو معاف فرما دیا۔

منافقین کی خباثت کھل کر سامنے آ گئی اور مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانے کی مذموم کوششیں کرنے لگے حالانکہ وہ جنگ بدر میں بڑی شکست سے دوچار ہو چکے تھے۔ یہاں فرمایا گیا کہ ان کا مشورہ تم کو کہیں کا نہ چھوڑے گا۔ اگر تم اپنے دین سے ہٹ گئے تو تمہارا حشر برا ہو گا۔

Marfat.com

دراصل اللہ ہی تمہارا حامی اور ناصر ہے، یہ تمہارے ولی ہرگز نہیں ہو سکتے۔

سورہ النساء (۱۴۴، ۱۴۵) میں بھی مسلمانوں کو یہی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ فرمایا یاایھاالذین آمنو .... نصیرا O ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو؟ یقین جانو کہ منافق جہنم کے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو انکا مددگار نہ پاؤ گے۔"

اس سے پہلی والی آیات میں منافقین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کا ظاہر و باطن بالکل دو متضاد رخ پیش کرتا ہے۔ ان کی عبادت یعنی نماز بھی دکھاوے کی ہوتی ہے۔ یہ ظاہر میں مومن، کفار سے الگ اور باطن کے کافر اور مومنین سے الگ یعنی یہ کفر اور ایمان کے درمیان لٹکے رہتے ہیں۔ یہ دونوں چہرے بوقت ضرورت ظاہر کرتے ہیں۔ اپنی شراتوں سے کبھی باز نہیں آتے۔ اسی لیے ان کی دلی دوستی سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہ مسلمانوں کی کمزوریوں سے ائدہ اٹھا کر عدالت سے باز نہ آئیں گے۔ ان پر اپنا دل کا بھید نہیں کھولنا مبادا کہ راز کی بات معلوم ہو جانے پر تمہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچائیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ ایسا کر کے تم اپنے پر خود فرد جرم عائد کر دو اور اللہ کی ناراضگی مول لے لو۔ اللہ نے منافقین کا ٹھکانہ جہنم کے سب سے نیچے درجے میں رکھا ہے اور اپنے اعمال کی بنا پر یوم حساب انکا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

سورہ المائدہ کی آیات ۵۱ تا ۵۸ اسی مضمون سے متعلق ہیں۔ فرمایا یاایھاالذین آمنو ....لایعقلون O یہی آیت ۵۱ میں فرمایا ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہودوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی ان کو رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی انہیں میں ہے، یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔"

اس میں بھی مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی کرنے کو منع فرمایا ہے کہ یہ اسلام دشمنی سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ جو ان سے دوستی رکھے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے جیسے نافرمان اولاد سے والدین قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ پھر اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے۔ البتہ جن کو اللہ توبہ کی توفیق دے اور اپنے دین کو خالص کر لیں تو اللہ درگزر فرمانے والا ہے کہ وہ

Marfat.com

سراسر رحمت ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام اور کفر کی کشمکش جاری تھی۔ اس آیت کی شان نزول یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے مدینہ میں تشریف فرما ہونے کے بعد اطراف کے یہود و نصاریٰ سے ایک معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف نہ خود جنگ کریں گے نہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کسی قوم کی مدد کریں گے بلکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کے مخالف کا مقابلہ کریں گے۔ کچھ عرصہ تو یہ معاہدہ قائم رہا مگر پھر یہ لوگ اپنی سازشی فطرت اور اسلام دشمنی کی وجہ سے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے لگے اور مشرکین سے رابطہ کر کے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے لگے۔ اس موقع پر یہود و نصاریٰ سے گہری دوستی سے منع فرمایا اور ترک موالات کا اعلان کر دیا۔ جو منافقین تھے جنہوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ قطع تعلق نہیں کرنا چاہتے تھے اور دونوں فریقوں سے تعلق رکھنا چاہتے تھے کہ جب کوئی بھی فریق غالب رہے وہ نقصان میں نہ رہیں۔

اگلی آیت (۵۲) میں فرمایا گیا ہے ترجمہ ''تم دیکھتے ہو جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہیں میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشے گا یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا تو یہ لوگ اپنے نفاق پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، نادم ہونگے''

ممکن ہے، منافقین ترک موالات سے گھبرا کر کافر دوستوں کی طرف دوڑنے لگیں کہ کہیں ان سے قطع تعلق میں ہم اپنا نقصان نہ کر بیٹھیں مگر جب اللہ کی طرف سے فیصلہ کن فتح یا کوئی ایسی چیز جس سے ہار جیت کا فیصلہ اسلام کے حق میں ہوگا یا ان پر اسلام کا غلبہ ظاہر ہو جائے تو یہ لوگ اپنے درون دل نفاق پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہونگے''

تیسری آیت (۵۳) میں مزید ان کی حالت اور مسلمانوں کی حیرت کے بارے میں اللہ نے فرمایا ''اس وقت اہل ایمان کہیں گے، کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے سب اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آخر کار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہیں گے۔''

Marfat.com

عبداللہؓ ابن عباس نے اپنی تفسیر ج اص ۳۴۹ میں اس بارے میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے عبادہ بن صامت سے روایت نقل کی ہے کہ بنی قینقاع سے لڑائی کے سلسلے میں عبداللہ بن ابی بن صلول نے اس میں بڑی دلچسپی لی اور ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا تو حضرت عبادہ بن صامتؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سامنے ان کی دوستی سے برات ظاہر کی اور حضرت عبادہ بن عوف الخزرج سے تھے نے بھی ایسا ہی اقرار کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے رسول اکرم کے سامنے قسمیں کھائیں اور کفار کی قسموں اور ان کی دوستی سے برات ظاہر کی۔ سورہ المائدہ کی یہ آیت عبداللہ بن ابی اور حضرت عبادہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

مسلمان جب بے یقینی کی بنا پر ان کو غیر مسلموں کی طرف راغب ہوتے دیکھیں گے تو وہ حیران ہونگے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے بظاہر اسلام کی پیروی کی، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، زکوٰۃ ادا کی، جہاد میں شریک ہوئے مگر ان کے دلوں میں اسلام کے لیے خلوص نہ تھا اور انہوں نے مفادات کی خاطر اپنے آپ کو خدا اور اس کے باغیوں کے درمیان بانٹ رکھا تھا۔ پکی قسمیں کھا کر اپنی دوستی کا یقین دلانے والے بدنیت لوگوں کے سارے اعمال ختم ہو جائیں گے۔ حدیث پاک ہے کہ الاعمال بالنیات، یعنی اعمال نیت سے جانچے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد ہی منافقین کی رسوائی مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

دین سے پھر جانے والوں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ

آیت ۵۴ میں دین سے پھر جانے والوں کے بارے میں فرمایا یاایھا الذین آمنو...... واسع علیم O ترجمہ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ پیدا کردے گا جو اللہ کو محبوب ہونگے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہونگے، جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

Marfat.com

اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے''۔

اللہ ان منافقوں کے دین سے پھر جانے سے بے نیاز ہے، نہ اس کی خدائی میں کچھ فرق پڑتا ہے نہ اس کا دین خطرے میں پڑتا ہے، کہ وہ خود اپنے دین کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اللہ فوراً دوسری قوم میدان عمل میں لے آئے گا جو اللہ کے دین کی حفاظت اور فروغ کا کام انجام دے گی کہ اللہ نے جب کوئی کام لینا ہوتا ہے تو صرف حکم صادر فرما دیتا ہے۔ یہ جماعت مرتد ہونے والوں کی جگہ لے گی بڑی اوصاف کی مالک ہوگی۔ ایمان کی پختگی، اور اعمال صالح کی وجہ سے اللہ ان سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے۔ یہ اللہ کی عظمت وجلالت اور قدرت کاملہ کا اعتراف ہے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے یہ لوگ راسخ العقیدہ ہونگے۔ اللہ نے فرمایا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ. یعنی اللہ کی محبت حضور ﷺ کی اطاعت جو دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے، سے مشروط ہے۔ اور مومن لوگ حضور ﷺ کی اطاعت کے بل بوتے پر اللہ کی محبت حاصل کرنے میں کامیاب ہونگے۔

پھر ان لوگوں میں یہ وصف بھی ہوگا کہ مسلمانوں کے سامنے نرم خو، خلیق اور صلح جو ہونگے اور حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا کرنے سے گریز کرینگے مگر جب مسلمانوں کی اس جماعت کا سامنا اللہ کے دین کے مخالفوں سے ہوگا تو سخت اور قوی ثابت ہونگے۔ بقول علامہ اقبالؒ

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

یہ اپنے ایمان میں کوئی کمزوری نہیں دکھائیں گے۔ یہ ہر قسم کے امتحان میں سرخرو ہونگے۔ اپنوں کی طعن وتشنیع سے ان کے عزم میں کوئی لغزش نہیں آئے گی اور دین کی خاطر یہ لوگ جہاد جاری رکھیں گے۔

ایسی جماعت کا کھڑا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، وہ اپنی عنایات اور فضل جس پر چاہتا ہے نچھاور فرماتا ہے یہ محض ان کی سعی کا نتیجہ نہیں۔ اللہ کا فضل شامل حال ہونا لازمی ہے۔ آیت میں جو ارتداد کا ذکر فرمایا گیا ہے، مفسرین کے مطابق یہ آنے والے فتنہ ارتداد کی پیش گوئی تصور کیا جاتا ہے، جس کے آثار عہد نبوت کے بالکل آخری ایام میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔

Marfat.com

حضور ﷺ کے وصال کے بعد خلیفہ اول کے زمانے میں اس فتنہ ارتداد کے خلاف جہاد کیا گیا۔
مسیلمہ کذاب، قبیلہ مذحج کے سردار سوعنسی اور بنو اسد کے سردار طلیحہ بن خویلد نبوت کے دعوے دار بن گئے۔ ان تینوں کی جماعتیں حضور ﷺ کے مرض وفات ہی میں مرتد ہو چکی تھیں۔
حضور ﷺ کے وصال کے بعد پورے جزیرۃ العرب میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا اور صحابہ کرام کی جماعت نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو صبر و استقامت کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا اور ان کو کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور اس اندرونی جنگ کی وجہ سے نوزائندہ اسلامی ملک کو بیرونی خطرات کا شکار ہو جانے کے امکانات پر اظہار خیال کیا گیا۔

مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے اس جہاد کے لیے مضبوط فرمایا اور آپ نے ایک بلیغ خطبہ فرمایا جس سے صحابہ کرامؓ کا بھی شرح صدر ہو گیا۔ فرمایا:

> ''جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد رسول کریم ﷺ کے دیئے ہوئے احکامات اور قانون اسلام کا انکار کریں تو میرا فرض ہے کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں، اور اگر میرے مقابلے پر تمام جن و انس اور دنیا کے شجر و حجر سب کو جمع کر لائیں اور کوئی میرا ساتھی نہ ہو، تب بھی میں تنہا اپنی گردن سے اس جہاد کو انجام دوں گا۔''

(م ج ۳ ص ۱۷۶)

آئندہ آنے والے ہر دور میں جو مسلمان قرآنی ہدایات کے مطابق کفر و ارتداد کا مقابلہ کریں گے، اسی آیت کے مصداق میں داخل ہونگے۔ فتنہ ارتداد ارض ہند میں بیسویں صدی میں قادیانی جماعت کی صورت میں اٹھا۔ قیام پاکستان کے بعد ان کے خلاف کئی تحریکیں چلیں اور آخر کار ان کو اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا جو کہ اس فتنہ کا صحیح علاج ثابت نہیں ہوا کہ ارتداد کی سزا گردن زدنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں سے گہری دوستی کے خطرات سے آگاہ فرمایا ہے کہ یہ دنیاوی اور دینوی سطح پر نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اللہ کے دین سے پھر جانے والوں کے ساتھ جہاد باللسان، بالقلم اور بالسیف کرنا ہے تاکہ فتنہ ارتداد کا تدارک ہو سکے۔

Marfat.com

مسلمانوں کا رفیق تو اللہ اور اللہ کا رسول ہے

المائدہ کی اگلی آیات (۵۵تا۵۸) میں اللہ نے فرمایا کہ انما ولیکم قوما لایعقلون O ترجمہ ''تمہارے رفیق تو صرف اللہ اور اللہ کا رسول اور اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت غالب رہنے والی ہے۔ اے ایمان والو تمہارے پیش رو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنالیا ہے انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ۔ اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔ جب تم نماز کی منادی کرتے ہو تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس سے کھیلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔''

اس سے پہلی چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ گہری دوستی کے معنوی پہلو بیان فرمائے ہیں۔ اب یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ اہل ایمان کن سے اپنے دلی تعلقات قائم کریں۔ سب سے پہلے اللہ، پھر اللہ کا رسول ﷺ اور پھر ایسے اہل ایمان جو متقی، پرہیزگار اور مخلص ہیں اور ان میں یہ تین صفات ہوں، نماز قائم کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے اور اللہ کے سامنے جھکنے والے یعنی اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے۔ ایسے لوگوں کی دوستی دین و دنیا سنوار سکتی ہے۔ ایسے ہی لوگ اللہ کا گروہ ہوتے ہیں اور یہی آخرکار غالب رہیں گے اور اللہ کی نصرت بھی ان کے شامل حال ہوگی۔

پھر مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ جو اہل کتاب تو ہیں مگر حضور ﷺ کی رسالت سے انکار کر کے یہ بھی کفار میں داخل ہیں۔ دوسرے کافروں کی دوستی سے بھی باز رہنے کو کہا گیا ہے کہ یہ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اپنی شرارت پسندی کی وجہ سے اذان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق مدینہ طیبہ میں ایک نصرانی تھا، وہ جب اذان میں اشھد ان محمداً رسول اللہ سنتا تو یہ کہا کرتا (نعوذ باللہ من ذالک) احرق اللہ الکاذب یعنی جھوٹے کو اللہ جلا دے۔ شاید یہ کلمہ اس کے اپنے لیے ہی نکلتا تھا۔ آخر اس کا سارا خاندان جل کر

Marfat.com

خاک ہوگیا۔

آخر میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مذاق اڑانے والے اور شعار دین کو کھیل تماشا خیال کرنے والے کم عقل لوگ ہیں ورنہ وہ خدائے واحد کی پرستش کا تمسخر نہ اڑاتے۔

قرآن کا نصیحت کرنے اور احکام جاری کرنے کا ایک اپنا اسلوب ہے۔ ایک ہی نکتہ کو ذہن کرانے کے لیے مختلف مواقع پر مختلف پیرائے میں دوہرایا جاتا ہے۔ غیر مسلموں کو رفیق بنانے سے سلسلے مین سورہ التوبہ آیت ۲۳ میں بھی یہ بات فرمائی گئی ہے چاہے یہ غیر مسلم اپنے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔ فرمایا **یاایھاالذین آمنوا......... الظٰلمونO** ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ تم میں جو ان کو اپنا رفیق بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے''

اس آیت مبارکہ میں مومنوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ رشتہ داری اور دوستی کے سارے تعلقات پر اللہ اور اس کے رسول کا تعلق مقدم ہے۔ جو تعلق اس ایمانی رشتہ میں حائل ہو اس کو خاطر میں نہ لایا جائے۔ صحابہ کرامؓ کا یہی عمل ان کو ساری امت میں افضل و اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر گیا۔ اور انہوں نے اپنا ایمان کامل کر لیا، محبت رسول ﷺ کو اپنے ہر رشتے، جان، مال اور اولاد پر فوقیت دی۔

والدین، بہن بھائی اور دیگر رشتہ داروں سے تعلق کو مضبوط رکھنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہدایت قرآن میں متعدد بار فرمائی گئی ہے۔ مگر جہاں اس رفاقت، محبت اور تابعداری کا مقابلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہو تو پھر ایسے سارے رشتوں سے قطع نظر کرنا ہوگا۔

ایمان کے خالص رشتے سے منسلک ہو کر انصار اور مہاجر بھائی بھائی ہو گئے۔ گورے کالے، امیر غریب، عربی عجمی ایک ہی نام سے پکارے جانے لگے اور یہ نام مسلمان پڑا۔ جنگ بدر اور احد میں باپ بیٹے اور بھائی بھائی کی تلواریں آپس میں ٹکرا گئیں اور ایمان کامل کی گواہی دے گئیں۔

التوبہ کی آیت ۲۴ میں اس بات کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ دنیاوی تعلقات اور معاشی تکالیف کے خوف سے ترک ہجرت کرنے والوں پر عذاب کی وعید ہے۔ باوجود قدرت

Marfat.com

کے ہجرت نہ کرنے والوں کو مسلمان نہ سمجھا جاتا کیونکہ مدینہ کی طرف ہجرت ایک فرض تھا اور مسلمان ہونے کی علامت تھی۔ یہ حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گیا اور اس کی دوسری صورتیں قائم رہیں۔ یعنی دارالکفر میں اگر مسلمان تنگ ہوں تو صرف اس صورت میں ہجرت کریں اگر وہ قدرت رکھتے ہوں۔ آفات آسمانی، وبائی امراض وغیرہ میں بھی ہجرت کی جاسکتی ہے۔ یہ ادنیٰ درجے کی ہجرت ہے۔

سورہ الممتحنہ میں اسلام دشمنوں کے ساتھ راز و نیاز کی بات اور ان سے ایسے قریبی روابط سے منع فرمایا ہے اور یہ ایک واقعہ کے ساتھ منسوب ہے۔ فرمایا یاایھاالذین آمنو....... تعملون بصیر O ترجمہ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضاجوئی کی خاطر (ہجرت کی ہے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم چھپ کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو اعلانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔ ان کا رویہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ اور زبان سے تمہیں آزار پہنچائیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کسی کام آئیں گی نہ تمہاری اولاد۔ اس روز اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور وہی تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔“

ان آیات مبارکہ میں کفار و مشرکین سے موالات اور دوستانہ روابط رکھنے کی حرمت و ممانعت کے بارے میں مسلمان کو آگاہ کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی اس ضمن میں مسلمانوں کو خبردار فرمایا گیا ہے۔ ان آیات کی شان نزول ایک خاص واقع سے منسوب ہے۔

یہ واقع مستند حوالہ جات سے یوں مذکور ہے۔ فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ کی ایک مغنیہ سارہ، مدینہ منورہ آئی۔ یہ پہلے عبدالمطلب کی لونڈی تھی، پھر آزاد ہو کر پیشہ ور مغنیہ بن گئی۔ اس نے حضور ﷺ سے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور مالی امداد کی درخواست کی۔ یہ نہ تو ہجرت کر

Marfat.com

کے آئی تھی نہ ہی مسلمان تھی۔ اپنی تنگ دستی کی وجہ بتائی کہ مکہ کے بڑے سردار غزوہ بدر میں مارے گئے اور آپ لوگ جو مکہ کے اعلیٰ خاندان سے تھے یہاں چلے آئے اور مکہ کے نوجوان بھی واقعہ بدر کے بعد تقریبات اور جشن نہیں مناتے۔ اس لئے میرا روزگار متاثر ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو اس کی امداد کرنے کی ترغیب فرمائی۔ انہوں نے اسے کچھ نقدی اور کپڑے دیکر رخصت کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ کفار قریش نے توڑ ڈالا تھا۔ حضور ﷺ نبی کریم نے مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر کے اس کی خفیہ تیاری شروع کر دی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ ہمارا یہ راز اہل مکہ پر قبل از وقت فاش نہ ہو۔ ادھر مہاجرین اولین میں ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہؓ جو یمن سے آ کر مکہ میں مقیم ہو گئے تھے، ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تھے مگر ان کے اہل وعیال ابھی مکہ میں تھے۔ کفار مکہ اور مشرکین ان مسلمانوں کو تنگ اور پریشان کرتے تے۔ حاطب کو فکر ہوئی کہ میرے اہل وعیال کو دشمنوں کی ایذا رسانی سے بچانے والا کوئی نہیں۔ انہوں نے اپنے اہل وعیال کے تحفظ کی خاطر اہل مکہ پر احسان کرنے کے لیے مکہ مکرمہ پر حملہ کی تیاری کا راز ایک خط میں لکھ کر دس دینار کے عوض، مکہ جانے والی مغنیہ سارہ کے سپرد کر دیا کہ شاید ایسا کرنے سے میرے اہل وعیال محفوظ رہیں گے۔

حضور ﷺ کو بذریعہ وحی اس معاملے کی اطلاع دے دی گئی اور یہ بھی آپ کو بتا دیا گیا کہ وہ عورت اس وقت مدینہ سے ۱۲ میل دور رغضہ ء کاخ کے مقام پر پہنچ چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ بن اسودؓ کو گھوڑوں پر سوار ہو کر اس عورت کا تعاقب کرنے کا حکم فرمایا، اور اس کو پکڑ کر حاطب کا خط بنام مشرکین اس سے واپس لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس عورت کو روضہ ء کاخ کے مقام پر اونٹ پر سوار ہوتے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ اس کے اونٹ کو بٹھایا گیا اور اس کی تلاشی لی گئی مگر خط برآمد نہ ہوا۔ پھر اس عوت کو کہا گیا کہ اگر وہ خط نکال کر نہیں دیتی تو ہم تمہارے کپڑے اتار کر تمہاری تلاشی لیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ اب کوئی راہ فرار نہیں تو اس نے خط اپنی چوٹی سے نکال کر دے دیا۔ دوسری روایت کے مطابق خط اپنے ازار سے نکال کر

Marfat.com

دیا۔ یہ خط حضورﷺ کے پاس لایا گیا۔ خط میں قریش کے لوگوں کو اطلاع دی گئی تھی کہ رسول اللہﷺ تم پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضورﷺ نے حاطبؓ سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ حاطبؓ نے عرض کیا کہ آپ میرے معاملے میں جلدی نہ فرمائیں۔ نہ میں مرتد ہوا ہوں نہ کفر کو پسند کرنے لگا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان کر دوں تا کہ وہ میرے اہل وعیال کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ حاطبؓ نے یہ بھی عرض کیا کہ میں نے یہ کام مسلمانوں کو گزند پہنچانے کے لیے نہیں کیا کیونکہ میرا یقین تھا کہ فتح مسلمانوں ہی کی ہو گی۔ نبی پاکﷺ نے حاطبؓ کی عذرداری کو قبول فرمایا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے واقعہ سنتے ہی عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اللہ کے رسول اور سب مسلمانوں سے خیانت کی کہ ہمارا راز کفار تک پہنچانے کی کوشش کی، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔

حضورﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ اہل بدر میں سے نہیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے سب شرکاء غزوہ بدر کی مغفرت اور ان کے لیے جنت کی وعید سنائی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ فاروق آبدیدہ ہو گئے اور عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ہی حقیقت کا علم رکھتے ہیں۔

اس واقعہ کی بنا پر سورہ الممتحنہ کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانون کے لیے واضح احکامات ہیں۔

۱) اپنے اور خدا کے دشمنوں سے بھلائی کی توقع رکھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ کافر مسلمان کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔

۲) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صرف ایمان کی بنا پر تم کو اور تمہارے رسول کو وطن سے نکلنے پر مجبور کیا۔

۳) اگر ہجرت اللہ کی رضا کے لیے ہے تو کفار سے خیر کی کوئی توقع نہیں کرنی ہے۔

۴) اللہ سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

۵) روز حشر کوئی تعلق کام نہیں آئے گا۔ یعنی حاطبؓ نے اپنے جن اہل وعیال کی خاطر کفار پر جو راز فاش کیا، وہ قیامت کے دن ان کی کوئی سفارش نہ کر پائیں گے۔

اس واقع سے کچھ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

Marfat.com

۱) جاسوسی کا یہ فعل ایسے نازل موقع پر مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ حضورﷺ نے حاطبؓ کو صفائی کا موقع دیا اور کھلی عدالت میں دیا یعنی خفیہ تحقیق کا اسلام میں کوئی جواز نہیں۔

۲) حاطبؓ بدری صحابہ تھے مگر ان سے بشری کمزوری کی وجہ سے یہ خطا سرزد ہوئی۔ ماسوائے انبیاء اور رسل کے کوئی بے خطا نہیں۔

۳) حضرت حاطبؓ کے لیے کوئی جسمانی یا مالی سزا تجویز نہیں کی گئی بلکہ اعلانیہ مقدمہ سن کر چھوڑ دیا۔ ایک مسلم معاشرے میں ایک خطا کار مومن بدری صحابہ جیسے شخص کی عزت کو بٹہ لگ جانا اور اس کا غیر معتبر ہونا ہی ایک بڑی سزا ہے۔

۴) بدری صحابہ میں سے ہونے کی حیثیت سے حاطبؓ سے درگزر فرمایا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام اپنے آپ کو ہر خطا سے آزاد سمجھنے لگیں۔

۵) کفار کے لیے کسی مسلمان کا جاسوسی کرنا اس کے مرتد ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ فعل ایک جرم ہے جو کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

۶) فقہا کے ایک گروہ کے نزدیک ایسے فعل کی قانونی سزا تو قتل ہے البتہ مخصوص حالات میں وزنی دلائل کی موجودگی اس کی کم تر سزا ملامت کر کے چھوڑ دینا ہے۔ بعض فقہا کے مطابق طویل قید اور جسمانی عقوبت بھی کافی ہے۔ بلکہ بعض حالات میں امام یا قاضی کو وسیع اختیار ہے کہ وہ جرم اور مجرم کے حالات کو دیکھتے ہوئے اپنے اجتہاد سے کوئی سزا سنا دے۔

۷) تفتیش کے لیے تلاشی (برہنہ بھی) لی جاسکتی ہے۔

مغضوب لوگوں سے دوستی کی ممانعت

اس سورت الممتحنہ کی آخری آیت (۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مغضوب لوگوں کو دوست بنانے سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا یاایھا الذین آمنوا.......... اصحب القبور O ترجمہ" اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ کا غضب فرمایا

Marfat.com

ہے، جو آخرت سے اسی طرح مایوس ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر مایوس ہیں''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

''مومنو ان لوگوں سے جن پر خدا غصے ہوا ہے، دوستی نہ کرو (کیونکہ) جس طرح کافروں کو مردوں کے جی اٹھنے کی امید نہیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی آخرت (کے آنے) کی امید نہیں''

حضرت مولانا مفتی صاحبؒ نے اس کا یوں ترجمہ کیا ہے''اے ایمان والو مت دوستی کرو ان لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ ان پر اور وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے جیسے آس توڑی منکروں نے قبر والوں سے''(م ج ۸ صفحہ ۴۰۷)

اس طرح اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔

ایک یہ کہ مسلمان ایسے مغضوب لوگوں کو دوست نہ بنائیں جو آخرت کی رحمت سے اس طرح مایوس ہیں جس طرح قبروں میں مدفون کافر کیونکہ اس کو معائنہ آخرت ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت امر بالیقین واضح ہو جاتی ہے کہ اب میری بخشش ہرگز نہیں ہوگی۔

دوسرے معنی کہ وہ آخرت کے اجر و ثواب سے اس طرح مایوس ہیں جس طرح زندگی بعد موت سے انکار کرنے والے اس بات سے مایوس ہیں کہ جو قبروں میں جا چکے ہیں وہ پھر دوبارہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمر اور زیدؓ بن حارث کچھ یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر عبداللہؓ بن عباس جلد ۳ صفحہ ۳۶۷)

مشرکین اور کفار سے گہری دوستی سے ایک اور خرابی کا بھی احتمال ہے اور وہ بددلی کی فضا پیدا ہونے کا امکان ہے۔ سورہ آل عمران کی آیات ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸ میں فرمایا گیا ہے یاایھا الذین آمنوا .... تحشرون O ترجمہ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو کافروں کی سی باتیں نہ کرو، جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے (اور وہاں وہ کسی حادثے سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس

Marfat.com

ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔ اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت واندوہ کا سبب بنا دیتا ہے ورنہ دراصل مارنے اور جلانے والا تو اللہ ہی ہے اور تمہاری تمام حرکات پر وہی نگران ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں اور تم مرو یا مارے جاؤ بہرحال تم سب خدا کے حضور اکٹھے کیے جاؤ گے"

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک اٹل حقیقت کی یاددہانی کرائی ہے کہ موت اور حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جنگ بدر میں ذلت آمیز شکست کفار کے لیے عذاب الٰہی کی پہلی قسط تھی۔ قریش نے سب کو غیرت دلائی کہ اس شکست کا بدلہ لیے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے۔ اس غرض کے لیے ۳ھ میں قریش اور دوسرے قبائل کا تین ہزار کا لشکر مدینہ کے قریب جبل اُحد کے قریب خیمہ زن ہوا۔ نبی پاک ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ حضور ﷺ کی رائے تھی کہ کفار کا مقابلہ مدینہ کے اندر رہ کر کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی، جو بظاہر مسلمان تھا مگر منافق تھا، سے بھی رائے لی گئی جو حضور ﷺ کی رائے کے موافق تھی مگر بعض پرجوش مسلمانوں نے شوق شہادت میں دشمن کا مقابلہ مدینہ سے باہر نکل کر کرنے کا مشورہ دیا۔ حضور ﷺ نے کثرت رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئی مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کا فیصلہ کیا۔ مسلمانوں کا لشکر ایک ہزار نفوس پر مشتمل تھا۔ اس موقع پر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تقریباً تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا اور یہ کہا کہ جب ہمارے مشورہ پر عمل نہیں کیا گیا تو ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے، خوامخواہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں کیوں دھکیلیں۔ ان تین سو آدمیوں میں زیادہ تر منافق تھے مگر کچھ مسلمان بھی ان کی باتوں میں آ کر ان کے ساتھ لگ گئے۔

ان آیات میں اسی واقع کی طرف اشارہ ہے۔ مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ بھی کافروں جیسی باتیں نہ کریں۔ ایسی باتیں کرنا ایمان کی کمزوری ہے۔ منکرین حق ایسی باتیں کرتے تھے کہ اگر سفر یا جنگ پر نہ جاتے تو موت واقع نہ ہوتی حالانکہ موت کی جگہ اور وقت معین ہے اور یہ بھی کہ کس طرح آئے گی، بستر پر گھر میں، جنگ کے محاذ پر یا حالت سفر میں، ہر حالت میں آ کر رہے گی۔ کبھی کبھی اس زمانے میں بھی ایسے تبصرے سننے میں آتے ہیں کہ فلاں جگہ نہ جاتے تو نہ

Marfat.com

مرتے وغیرہ وغیرہ مگر مسلمان کو یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ ہر جاندار کو ایک وقت مقرر پر موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ باری تعالیٰ نے سورہ آل عمران (۱۸۵) میں فرمادیا کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر چیز فانی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ (الرحمان ۲۶، ۲۷) سورہ النساء (۷۸) میں بھی اسی بات کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ فرمایا کہ موت تو جہاں بھی تم ہو ہر حال تمہیں آ کر رہے گی، خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارت میں ہو۔

اس آیت (النساء ۷۸) کا پسِ منظر بھی یہی ہے کہ جہاد کا حکم آنے سے پہلے کچھ لوگ جنگ کے لیے بے تاب تھے اور بار بار مقابلہ کی اجازت مانگتے تھے کہ آخر ہم کب تک صبر کریں اور ظلم سہتے رہیں۔ جب لڑائی کا وقت آیا تو انہیں میں سے ایک گروہ جنگ کے خطرات سے خوف کھانے لگا۔ ادائیگی نماز اور زکوٰۃ تک تو یہ لوگ پکے دیندار تھے مگر جب رزمِ حق و باطل میں جان بھی داؤ پر لگانے کا وقت آیا تو یہ کہتے خدایا ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا گیا ہے؟ کیوں نہ ہمیں کچھ مہلت دی؟ (النساء ۔ ۷۷) یہ منافقت کرنے والے گروہ کا رویہ تھا اور یہ مسلمانوں کو بھی ایسی باتوں سے بددل کرنے کی کوشش کرتے۔

اسی لیے ایمان والوں کو ان کی صحبت سے متاثر ہو کر ان جیسی باتوں سے منع فرمایا گیا۔ مسلمانوں کو یہ نصیحت فرمائی گئی کہ آخرت کا اجر تمہاری متاعِ دنیا سے زیادہ بہتر ہے۔ اور رہی موت، اس سے تم بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

قصہ ایک بادشاہ کا اس ضمن میں بڑا سبق آموز ہے۔ نجومیوں نے بادشاہ کو بتایا کہ اس کی موت سانپ کے ڈسنے سے واقع ہوگی۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے لیے بہت مضبوط محل بنوایا کہ کہیں سے بھی کوئی سانپ داخل نہ ہو سکے۔ ایک دن بادشاہ صحن میں ہواخوری کے لیے نکلا ہوا تھا کہ ایک چیل نے ایک سانپ کو وہاں پھینک دیا، اس نے بادشاہ کو ڈس لیا اور موت واقع ہوگئی۔

اللہ کی راہ میں جان دینے والا شہادت کا درجہ پاتا ہے اور اس کے لیے اجرِ عظیم کی وعید ہے۔ ہر جاندار کو موت آنی ہے اور روزِ حشر سب اٹھائے جائیں گے۔ یہ دونوں حقیقتیں اٹل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن الحکیم میں مسلمانوں کو غیر مسلموں سے دلی دوستی سے منع فرما کر بڑا احسان فرمایا ہے۔ ایسی دوستی مسلمانوں کے حق میں کسی صورت بھی سودمند نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کو

Marfat.com

اس خطرہ سے آگاہ فرمایا کہ غیر مسلم تمہارے راز جان ہو کر تم کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ قرآن الحکیم کا یہی اسلوب ہے کہ ایک بات کو مختلف پیرائے میں دوہرایا گیا ہے تا کہ مسلمانوں کو اچھی طرح ذہن نشین اور دل نشین ہو جائے۔

اگر اپنی تاریخ اور آج کے دور پر نظر ڈالی جائے تو مسلمانان عالم پر یہ بات روشن ہو چکی ہے کہ یہود و نصاریٰ اور کفار سے دوستی کی کتنی بڑی قیمت چکانی پڑ رہی ہے۔ ذرا غور کریں کہ مسلمانوں کی نا اتفاقی میں ان لوگوں کا کتنا ہی ہاتھ ہے اور خود ان کا آلہ کار بن کر ہمارا کتنا قصور ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے میں عربی اور عجمی کے امتیاز کو ہوا دے کر ترکوں اور عربوں میں نفرت کے بیج بوئے گئے جس کی فصل اب تک کاٹی جا رہی ہے۔ سپین سے مسلمانوں کا خروج آپس کی نا اتفاقی اور اپنوں کے خلاف غیر مسلموں سے مدد پر انحصار کرنے کی وجہ سے ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں سے ایک حد تک روابط رکھنے کو منع نہیں فرمایا۔ بات دلی دوستی اور راز دان بنانے کی ہے۔ اس دور میں ہر آن دوستی کے پردے میں یہود، ہنود اور نصاریٰ مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اپنی خود غرضی کی خاطر مسلمان حکمران ایک دوسرے پر بھروسہ کم کرتے ہیں اور بظاہر دوست مگر بہ باطن دشمن کے مشورے پر عمل کرتے ہیں۔ خدا جانے ہم اس ذہنی غلامی سے کب نکلیں گے۔

مسلمان علم و ہنر، سائنس اور تکنیکی اعتبار سے دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ قومیتوں اور فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ مسلمانوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پابندی کر کے بڑا عروج پایا۔ آج دعوت حق کا باب وا ہے۔ جس پر عمل کر کے ہم قوموں سے ممتاز ہو سکتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے،

گر تو می خواہی مسلماں زیستن　　　نیست ممکن جز بقرآن زیستن

ہم تارک قرآن ہو کر خوار ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

رکن چہارم

اخلاقی تعلیمات

باب اول

حق گوئی اور انصاف

سچائی اور انصاف ایمان والوں کا خاصہ :

سچائی اور انصاف ایمان والوں کا خاصہ ہے۔ یہ انقلاب اسلام کے ان لوازمات میں سے ہے جو معاشرے میں ذہنی، فکری اخلاقی اور عملی تبدیلی کا موجب بنتے ہیں۔ عدل اور انصاف، اسلام کے نظام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرتا ہے۔

النساء ۱۳۵، میں باری تعالیٰ نے فرمایا یایھا الذین آمنوا.........علیماً خبیراً ☆ (ترجمہ) ''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد تمہاری اپنی ذات یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ انکا خیر خواہ ہے۔ لہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے''۔

دنیا کے سارے مذاہب میں انصاف اور سچائی اہم اقدار ہیں۔ اللہ نے لوگوں کی راہنمائی کیلئے نبی بھیجے اور ان پر نازل کردہ صحیفوں کا مقصد دنیا میں عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا ہی تھا ان دونوں اقدار کے بدوں ایک پر امن معاشرے کا قیام محال ہے۔ سچائی اور انصاف کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنا شعار بنانا ہے البتہ اجتماعی سطح پر انصاف قائم کرنا حکومت وقت کا فرض ہے۔

سورہ الحدید (۲۵) باری تعالیٰ نے اسی مضمون کی تائید فرمائی ہے۔ فرمایا لقد ارسلنا بالبینت .... قوی عزیز ☆ (ترجمہ) ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر اور ہم نے اتارا لوہا، جس میں بڑا زور

Marfat.com

ہے لوگوں کے لیے منافع ہے۔ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اسکو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔''

اللہ نے اس آیت مبارکہ میں رسولوں کے بھیجنے اور ان پر آسمانی کتابیں نازل کرنے کا مقصد انسان کو سچائی اور انصاف کے راستے پر چلانا بیان فرمایا ہے۔ ان پیغمبروں کو روشن دلائل اور کتابوں کے ساتھ جن میں راہ راست کیلئے ساری تعلیمات درج فرما دیں' بھیجا تا کہ وہ ایک عادل معاشرہ کے قیام کے مقصد کو پورا کریں۔ اور اپنی سیرت کے کردار سے روحانی اخلاقی اور مادی فلاح کیلئے لوگوں کی راہنمائی کریں۔

انبیاء کے مشن کو بیان کرنے کے ساتھ لوہا اتارنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہاں اس سے مراد سیاسی اور جنگی طاقت ہے۔ وعظ ونصیحت سے اگر کام نہ چلے اور شر پسند لوگ معاشرے میں قتل وغارت اور ظلم کا بازار گرم کرنا چاہیں تو انکے ساتھ سختی سے نپٹنا ہے۔ لوہے سے اوزار بنتے ہیں اور زنجیریں اور ہتھکڑیاں بھی۔ ایسے شر پسند گروہ کو معاشرے کا امن تباہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور ان سے سختی سے نپٹنا ہے۔

پھر ان دیکھے خدا اور اسکے رسولوں کے مشن کو آگے بڑھانے کیلئے صالح لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ اللہ کمزور نہیں ہے مگر انسانوں کی ہدایت کیلئے انہیں میں سے رسول بھیجے۔ قرآن الحکیم میں بھی عدل وانصاف قائم کرنے کیلئے ہدایات فرمائی گئی ہیں جیسے پہلے نبیوں کے زمانے میں دی گئی تھیں کہ سب نبیوں کا دین دین اسلام ہی تھا۔ حضورؐ نے مدینہ کی ریاست میں عدل وانصاف کے حصول کیلئے قانون نافذ فرمائے۔ ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ عوام تک انصاف پہنچانے کیلئے عدالتیں قائم کرے۔

عدالتوں میں مقدمات کا فیصلہ بہت حد تک گواہوں کے بیانات کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں گواہی اللہ کیلئے دینے پر زور دیا گیا ہے۔ گواہی پر کسی کی زندگی اور موت کا فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ کسی کو قصاص اور دیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے' کسی پر چوری کی فرد جرم عائد کی جاتی ہے' مجرموں کو سزا سنائی جاتی ہے اور بے گناہوں کو بری کر دیا جاتا ہے۔ سچی گواہی سے اصل مجرم تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔

Marfat.com

شہادت برحق:

جیسا کہ سورہ النساء ۱۳۵' میں فرمایا گیا ہے کہ شہادت حق پر مبنی ہو' گواہ معتبر ہو اور کسی کی رو رعایت کیلئے حق گوئی سے نہ ہٹے چاہے اپنے عزیز یا رشتہ دار کیخلاف ہی کیوں نہ گواہی دینا پڑے۔ ہر حالت میں انصاف کے تقاضے پورے کرے اور جب تک اس کو اس بات کا یقین نہ ہو کہ جس بات کی وہ گواہی دے رہا ہے وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے یعنی وہ عینی شاہد ہے یا بات اپنے کانوں سے سنی ہے' گواہی نہ دے۔ ایسے امتحان میں انفرادی فرض پورا کرنے سے حصول انصاف میں مدد ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آیت معتس بن حبابہ کے بارے میں نازل ہوئی' ان کے پاس اپنے والد کیخلاف گواہی تھی۔ (تفسیر عبداللہ بن عباسؓ ج ۱ ص ۳۰۹)

سچی گواہی کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ سورہ النور (۴) میں زنا جیسے گناہ کبیرہ کے معاملے میں سزا دینے کیلئے سخت شرائط رکھی گئی ہیں ورنہ ذاتی دشمنی کی بناء پر تہمت لگانے میں کوئی بھی دیر نہ کرے۔ سورہ النساء (۱۵) میں بھی اس معاملے میں چار عینی گواہوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ حد جاری نہ کی جا سکے گی اور اگر الزام لگانے والا چار عینی گواہ نہ لا سکے تو اس پر جھوٹی تہمت لگانے کے جرم میں حد قذف جاری کی جا سکتی ہے۔ جھوٹی گواہی دینے والے کیلئے ۸۰ کوڑے کی سزا ہے۔

یہ حدیں بڑی احتیاط کا تقاضا کرتی ہیں۔ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جاتا ہے۔ حضور نبی پاک کا اس سلسلے میں یہی رویہ رہا کہ "حدود کو آپس میں ہی معاف کر دیا کرو مگر جس حد کا معاملہ مجھ تک پہنچ جائے گا تو وہ واجب ہو جائیگی۔" (ت ج ۱ ص ۲۳۲)۔

گواہوں کے بارے میں کچھ شرائط ہیں۔ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ وہ خدا کے واسطے گواہی دے۔ گواہ عاقل اور بالغ ہو' حق اور انصاف کا علمبردار ہو' معتبر ہو' بھروسے کا ہو' کسی جرم میں ملوث نہ رہا ہو' امانت دار ہو اور ملزم سے کوئی عناد نہ رکھتا ہو۔ عدل و انصاف کیخلاف گواہی اللہ کیلئے ہو ہی نہیں سکتی۔

سورہ المائدہ میں باری تعالیٰ نے سورہ النساء کا مضمون دوہرایا ہے' فرق صرف یہ ہے کہ

Marfat.com

سورہ النساء میں گواہی کے وقت اپنے نفس یا کسی عزیز اور رشتہ دار کی طرف داری اور سورہ المائدہ (۸) میں کسی کی دشمنی اور عداوت گواہ کو عدل وانصاف کے راستے میں آنے نہ دینا ہے۔ المائدہ (۸) میں فرمایا یایھا الذین آمنو..........بما تعملون ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو' یہ بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو' جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

مندرجہ بالا مذکور دونوں سورتوں میں دو چیزوں کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ خواہ دوستی یا رشتہ داری کا معاملہ ہو عدل وانصاف پر قائم رہنا ہے۔ دوسرا یہ کہ کسی کی دشمنی میں جذباتی ہو کر سچائی سے نہیں ہٹنا ہے۔

شہادت نہ چھپانے کا حکم:

کبھی حالات سے مغلوب ہو کر کسی کو نقصان سے بچانے کیلئے گواہی چھپانا بھی اللہ کو ناپسند ہے۔ سورہ البقرہ (۲۸۳) میں گواہی کو نہ چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا (ترجمہ) ''اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔''

شہادت دینے سے گریز کرنا یا صحیح واقعات بیان کرنے سے پرہیز کرنا شہادت چھپانے کے مترادف ہے۔ ایسا کرنیوالے کا دل صاف نہیں اور وہ ایسا کر کے خیانت کرتا ہے۔ سچی گواہی مقدمات کے صحیح فیصلہ تک پہنچنے میں مددگار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید اور بندوں کی نیتوں سے واقف ہے۔ کوئی شے اس سے مخفی نہیں اور یہی حقیقت بندوں کو پیش نظر رکھنی چاہیے۔ آخرت میں اپنے اللہ کے سامنے حاضری اور جوابدہی بھی ایک اٹل حقیقت ہے۔ یوم حساب کو یاد رکھنے والے بہت سی غلط کاریوں سے محفوظ رہتے ہیں اور اسی خدا خوفی سے قائم ہونیوالا نظام عدل معاشرے میں امن وسکون کا ضامن بن جاتا ہے۔ اگر جھوٹی گواہی دے کر کسی مجرم کو چھڑا بھی لیا اور کسی بے گناہ کو سزا دلوا بھی دی تو یہ عارضی فائدہ ہے' جو دراصل بڑے خسارے

Marfat.com

کا سودا ہے کہ آخرت کی پرسش سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا یہی بات آخرت کا عقلی جواز ہے۔

آج کل کے حالات کے پیش نظر یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ سچی گواہی دینے سے لوگ ڈرتے ہیں کہ مخالفین گواہوں کو قتل کروا دیتے ہیں اور پھر گواہوں کو بڑی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے کہ ایک مقدمے کی بار بار تاریخیں پڑتی ہیں اور عدالت کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں جو وقت اور اخراجات کا تقاضا کرتا ہے۔ مقدمات کا جلد فیصلہ ہونا مدعی اور گواہوں کو بار بار کی پریشانی سے نجات دلا سکتا ہے۔

معارف القرآن میں حضرت مولانا محمد شفیعؒ نے غلط ڈاکٹری سرٹیفکیٹ جاری کرنا بھی جھوٹی گواہی میں شامل فرمایا ہے۔ امتحانی پرچوں میں نمبروں کی بے ایمانی بھی ایک طرح کی جھوٹی شہادت ہے۔ اسی طرح انتخابات میں اور دیگر انتظامیہ کے اداروں میں چناؤ کیلئے صحیح شخص کے حق میں رائے دہی نہ کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے۔ رشتہ داری' برادری یا پیسے کے لالچ کی بناء پر غلط لوگوں کا منتخب ہونا بڑی خرابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

ایک معاشرہ کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتا ہے مگر انصاف کے بغیر نہیں۔ اسلام میں عدل و انصاف کو ایک خوش کن معاشرہ کے قیام کیلئے مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ ہم آج اپنے معاشرے میں ناانصافی کو عروج پر دیکھ رہے ہیں۔ حکومتی سطح پر' اجتماعی و انفرادی سطح پر ہر شخص یا گروہ دوسرے کی حق تلفی کو جائز سمجھتا ہے۔ تجارت میں ناجائز منافع اور دھوکہ دہی' ناپ تول میں کمی' ذمہ داریوں سے انحراف' سارے فسادات اور انتشار کا موجب ہیں۔ فوری اور سستا انصاف وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور یہ مہم آزاد عدلیہ ہی سر کر سکتی ہے۔

عدل کے سلسلے میں ایک بات جو چرچل' وزیر اعظم برطانیہ' نے دوسری عالمی جنگ کے دوران کہی تھی قابل ذکر ہے۔ دوران جنگ اداروں کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا رہا تھا تو چرچل نے ہر ادارے کے بارے میں پوچھا' جس کا مناسب جواب دیا گیا پھر چرچل نے پوچھا کہ کیا ہماری عدلیہ ٹھیک کام کر رہی ہے تو جواب مثبت تھا۔ چرچل نے کہا کہ پھر مجھے کوئی فکر نہیں۔ اس جگہ اگر حضرت عمرؓ کا ذکر کروں کہ انہوں نے کسی گورنر کی شکایت پر کہا تھا کہ کیا انصاف کر رہا ہے؟ تو شکایت کنندہ نے کہا' ہاں! تو آپؓ نے فرمایا کہ پھر کوئی ڈر نہیں۔

Marfat.com

باب دوم

امانت داری رسول اللہ سے خیانت

مسلمانوں کو امانت داری کی تاکید کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اللہ کے رسولؐ سے خیانت کرنے کو منع فرمایا ہے۔ سورہ الانفال ۲۷، ۲۸ میں فرمایا یاایھا الذین آمنو.......... اجر عظیم ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جانتے بوجھتے اللہ اور رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو اور جان رکھو تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کیلئے بہت کچھ ہے''

اس آیت کے مخاطب تمام مسلمان ہیں مگر اس کی شان نزول، اکثر مفسرین کے نزدیک، غزوۂ بنو قریظہ میں پیش آنیوالے واقعہ سے منسوب ہے۔ یہاں امانتوں سے مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق یا آپس میں بندوں کے حقوق ہیں یعنی وہ تمام ذمہ داریاں، اجتماعی معاہدات یا رازوں کی امانتیں یا کسی عہدے کی امانت جو عوام یا جماعت کی طرف سے بندے کے حوالے کی گئی ہوں۔ ہر منصب خواہ چھوٹا یا بڑا ہو امانت ہے اور پوری ایمانداری سے اس ذمہ داری کو نہ نبھانا خیانت ہے۔ علاوہ ازیں ہر محنت کش، کسان، تاجر اور ہر کام کار جو اپنا کام دیانتداری سے نہ کرے تو وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نااہلوں، سفارشیوں، بددیانتوں اور بدکرداروں کو کسی بھی عہدے پر فائز کرنا خیانت ہے۔

ان آیات میں بنیادی غلطیوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ بنی اسرائیل اس غلط روش پر چل نکلے تھے اور اہم عہدے نااہل لوگوں کو دینے شروع کر دیئے تھے۔ اس طرح برے لوگوں کی قیادت ساری قوم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ نااہل افسر نااہلوں کو ہی اپنے عملہ میں رکھنا پسند کرتا ہے اور یہ ناانصافی اداروں کے زوال کا باعث بنتی ہے۔ اہل لوگ محرومی کا شکار، تلخ اور مضطرب ہو جاتے ہیں۔ یہ تجربہ مسلمانوں کو اس زمانہ میں ہو رہا تھا۔ ایک طرف مومنین کی پاکیزہ

Marfat.com

زندگیاں تھیں اور ایک صالح معاشرہ تشکیل پا رہا تھا۔ دوسری طرف اہل کتاب بتوں کو پوجنے والے اور ہر قسم کی ناانصافی، ظلم اور بدکاری کے مرتکب ہونیوالے اس دوسرے گروہ کو ترجیح دیتے تھے۔ مسلمانوں کو ایسی بے انصافیوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی کہ کسی حالت میں بھی انصاف کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔

سورہ النساء (۵۸) میں یہ مضمون ہے۔ فرمایا ان اللہ .... سمیعاً بصیراً ☆

(ترجمہ) ''مسلمانوں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔''

خیانت میں مبتلا ہونے کے اسباب:

الانفال (۲۸) میں غداری اور خیانت میں مبتلا ہونے کا سبب بیان فرمادیا گیا ہے۔ انسان اپنے ذاتی مالی فوائد اور اولاد کے مفاد کی خاطر راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے۔ ظلم اور ناانصافی کا چلن اختیار کر لیتا ہے۔ مال اور سامان تعیش اور ہوس زر میں مبتلا ہو کر آخرت خراب کر بیٹھتا ہے حالانکہ راہ راست پر چلنے والوں کیلئے اور مال اور اولاد کی محبت سے مغلوب نہ ہونے والوں کیلئے اللہ نے دنیا اور آخرت میں اجر عظیم رکھا ہے۔

آج کل کے دور کی دو بڑی خرابیاں ہیں ہوس زر اور اولاد کی محبت اور یہ دونوں فتنہ بن گئی ہیں اور یہ اللہ کی ناراضگی کا موجب بن جاتی ہیں۔ بعض دنیا ہی میں عذاب بن جاتی ہے۔ اللہ کے احکامات سے روگردانی کر کے کمایا اور خرچ کیا ہوا مال آخرت میں سانپ بچھو بن کر ڈسنے کا سبب بن جائے گا۔

سورہ الانفال کی آیت ۲۸ کے مضمون کا اطلاق سب مسلمانوں پر ہوتا ہے مگر یہاں اسکی شان نزول حضرت ابولبابہؓ کے قصہ سے متعلق ہے اور خیانت کا خاص مطلب سیاسی اور جنگی رازوں کا افشا کرنا ہے۔ جنگ احزاب، جسے جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے، کی منصوبہ بندی کے تحت

Marfat.com

دفاع کیلئے مدینہ کے شمال اور مغرب میں خندق کھودی گئی مگر جنوب مشرق میں خندق نہیں کھودی گئی اس لیے کہ اس جانب بنو قریظہ آباد تھا۔ بنو قریظہ مسلمانوں کیخلاف جنگ میں نہ شریک ہونے کے معاہدے پر قائم تھے اس لیے اس جانب سے مدینہ کو محفوظ خیال کیا گیا۔ باقی قبائل کی کوششوں سے اور لالچ میں آ کر بنو قریظہ حلیفانہ معاہدہ سے پھر گئے۔ اللہ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور ایک زبردست آندھی سے دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

اس کے فوراً بعد حضورؐ کو بنو قریظہ سے نپٹنے کا حکم ملا۔ مسلمانوں نے بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اکیس دن تک رہا۔ محصورین بنو قریظہ نے عاجز آ کر درخواست کی ہمیں ملک شام چلے جانے کی اجازت دیدی جائے۔ حضورؐ نے ان کی شرارتوں کے پیش نظر درخواست قبول نہ فرمائی اور فرمایا کہ صلح کی صرف یہ صورت ہے کہ سعد بن معاذؓ تمہارے بارے میں جو فیصلہ کریں اس پر راضی ہو جاؤ۔ یہودی بڑے چالاک تھے انہوں نے درخواست کی کہ سعد بن معاذؓ کی بجائے ہم ابولبابہؓ کا فیصلہ قبول کرینگے۔ بنو قریظہ کا خیال تھا کہ چونکہ ابولبابہؓ کے اہل عیال اور جائیداد انکے علاقے میں ہیں اس لیے اس بات کا امکان ہے کہ وہ ہمارے معاملے میں رعایت کریں۔ حضورؐ نے انکی درخواست پر ابولبابہؓ کو انکے پاس بھیج دیا۔ بنو قریظہ نے ابولبابہؓ کے سامنے بڑی آہ وزاری کی اور پوچھا کہ اگر ہم رسولؐ اللہ کے حکم سے قلعہ چھوڑنے کو تیار ہو جائیں تو کیا ہمارے معاملے میں کچھ نرمی برتی جائیگی۔ بنو قریظہ کی آہ وزاری اور اپنے اہل وعیال کی محبت سے مرعوب ہو کر حضرت ابولبابہؓ نے اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر یہ اشارہ دیا کہ ذبح کیئے جاؤ گے۔ اس طرح انہوں نے حضورؐ کا راز فاش کر دیا۔ کسی اعلیٰ سطحی مشاورتی مجلس میں جو فیصلے ہوتے ہیں وہ راز ہوتے ہیں اور انکا فاش کرنا بہت بڑی خیانت ہے بعض اوقات یہ بڑے نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔

حضرت ابولبابہؓ مال و اولاد کی محبت میں ایسا کر گزرے مگر فوراً ہی یہ احساس ہوا کہ انہوں نے رسولؐ اللہ سے خیانت کی ہے۔ شدید ندامت کیوجہ سے بجائے خود حضورؐ کے پاس حاضر ہونے کے سیدھے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہیں ہوتی، اسی طرح بندھا رہوں گا۔ چاہے اس حالت میں موت آ جائے۔ ان کی بیوی نماز کے وقت اور ضروری حوائج کیلئے انکو کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد

Marfat.com

پھر باندھ دیتی۔ کھانے پینے سے بھی احتراز کرتے۔ حضورؐ کو جب اس بارے میں خبر ہوئی تو فرمایا کہ وہ اول ہی میرے پاس آ جاتا تو میں اس کیلئے استغفار کرتا اور توبہ قبول ہو جاتی' اب اللہ کی طرف سے توبہ قبول ہونے کا انتظار کریں۔ سات روز بعد یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جب حضرت ابولبابہؓ کو قبولیت کی خبر سنائی اور کھولنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ جب تک حضورؐ مجھے نہ کھولیں میں یونہی بندھا رہوں گا۔ حضورؐ نے نماز فجر کے بعد دست مبارک سے انکو کھولا۔

اللہ تعالیٰ بڑی حکمتوں والا ہے انسانی فطرت کا نباض ہے' مال اور اولاد کی محبت سے مغلوب ہونے سے منع فرما کر برے انجام سے بچاؤ کا راستہ دکھا دیا ہے۔ سورہ التغابن آیت ۱۴'۱۵ میں اہل وعیال کو فتنہ قرار فرمایا ہے اور فرمایا یاایھاالذین آمنو............اجراً عظیماً ☆

(ترجمہ) ''اے ایمان والوں تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں' سو ان سے بچو اور اگر معاف کر دو' اور در گزر کرو اور بخش دو تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔''

پہلی آیت کے دو مفہوم ہیں۔ پہلا عام مطلب کا اطلاق ان مشکلات پر ہوتا ہے جو اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری میں اہل وعیال کی طرف سے پیش آئیں۔ ان میں شوہر' بیوی' بچے اور والدین شامل ہیں۔ بعض اوقات بیوی شوہر کیلئے اور اولاد والدین کیلئے یا اسکے برعکس اللہ اور رسولؐ اللہ کی تابعداری میں حائل ہو جاتے ہیں۔ ایماندار خاوند سے بیوی تنگ آ سکتی ہے اور اسکے مطالبات اسکو دیانت داری اور راست بازی پر چلنے میں دیوار بن جاتے ہیں۔ اسی طرح کبھی والدین کی دیانت داری اولاد کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ آج کل ہمارے معاشرے میں ذاتی تجربات سے بھی ایسی باتیں سامنے آئی ہیں کہ اولاد ماحول سے متاثر ہو کر باپ کو حرام کی کمائی کی طرف راغب کرتی ہے اور مثال دیتے ہیں کہ فلاں شخص آپ ہی جیسی ملازمت کرتا ہے مگر اسکے گھر میں ساری سہولتیں میسر ہیں' ہمیں بھی وہ سب آسائشیں درکار ہیں۔ ایسی صورت میں گھر کا ماحول تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے دین پر چلنے میں بعض اوقات اہل وعیال ہی بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اسکے برعکس نیک بیویاں شوہروں کو حرام کی کمائی سے روکنے میں کامیاب ہو جاتی۔

Marfat.com

پہلی آیت کے دوسرے مطلب کا تعلق ان مخصوص حالات سے ہے جو مسلمانوں کو اسلام کے پہلے ادوار میں مکہ میں پیش آئے۔ مکہ معظمہ اور دیگر علاقوں میں صورتحال کچھ یوں تھی کہ شوہر مسلمان ہے تو بیوی غیر مسلم یا اسکے برعکس اولاد میں سے کوئی ایمان لے آیا اور کوئی اپنے آبائی دین پر قائم رہا۔ ایسی صورت میں گھر کے غیر مسلم افراد کی یہی کوشش ہوتی کہ جو ایمان لے آیا اسکو اپنے آبائی دین کی طرف پھیر دیں۔

حضرت عباسؓ کے مطابق یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ہجرت مدینہ کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل اسلام ہوئے اور ارادہ رکھتے تھے کہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہجرت کرنا ہر مسلمان پر فرض تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کو خبر دار کیا گیا ہے کہ یہ دنیاوی رشتے تمہارے دین کی فرمانبرداری میں حائل نہ ہوں۔ اہل وعیال کی محبت کو اپنے راستے میں نہ آنے دو کہ کہیں تم اپنی عاقبت خراب کر بیٹھو۔ ان پر اتنا اعتماد نہ کرو کہ تم ان کو مسلمانوں کا کوئی اہم راز بتا بیٹھو۔ (م ج ۸ ص ۴۶۹)

ایک حدیث مبارکہ میں حضورؐ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ ''ایک شخص قیامت کے روز لایا جائے گا اور کہا جائیگا کہ اس کے بال بچے اسکی ساری نیکیاں کھا گئے'' (ت ج ۵ ص ۵۴۵)

حضرت عطار بن ابی ریاح سے روایت ہے کہ یہ آیت عفف بن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ مدینہ میں موجود تھے اور جب کسی غزوہ جہاد کا موقع آتا تو انکے بیوی بچے ان سے کہتے کہ ہمیں کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو؟ ان کی فریاد سے متاثر ہو کر جہاد پر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیتے (م ج ۸ ص ۴۷۰)۔

آیت کے اگلے حصے میں فرمایا کہ عفو اور درگزر سے کام لو اور معاف کر دو کہ اللہ تبارک تعالیٰ معاف کرنیوالا ہے۔ دین کی راہ میں حائل ہونیوالے اہل وعیال سے بچنے کو فرمایا گیا ہے مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ تم بیوی بچوں پر سختی کرو اور اعلیٰ اخلاق کے معیار سے نیچے آ جاؤ۔ البتہ اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہو اور دین کے معاملے میں والدین کی مداخلت بھی قبول نہ کرو۔

آیت ۱۵ میں مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو الانفال میں ہے۔ یعنی تمہارا سب سے بڑا دشمن وہ نہیں ہے جو تمہیں جان سے مار ڈالے بلکہ وہ ہے جو تمہیں اللہ اور

Marfat.com

رسولؐ کی اطاعت سے ہٹا دے۔ مال اور دولت کے فتنہ سے اپنے آپ کو بچانا ہے کہ دنیاوی فائدے کے مقابلے میں اللہ کے ہاں اس کا اجر عظیم ہے۔

اللہ اور رسولؐ کی اطاعت فائز ہے:

سورہ العنکبوت (۸) میں فرمایا **و وصینا الانسان .... کنتم تعلمون** ☆ (ترجمہ) "اور ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے، لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے معبود کو شریک ٹھہرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر۔ میری ہی طرف تم سب کو پلٹ کر آنا ہے، پھر میں تم کو بتادوں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو"۔

سورہ لقمان (۱۴، ۱۵) میں بھی یہی مضمون ہے۔ فرمایا **و وصینا الانسان ...... بما کنتم تعملون** ☆ (ترجمہ) "اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اسکا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لیے) ہم نے اسکو نصیحت کی کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں انکے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے اس وقت میں تم کو بتادوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو"

مذکورہ بالا العنکبوت اور لقمان کی آیات میں والدین کی اطاعت کی بھی حد بندی فرمادی ہے کہ دین اسلام کے شعائر کیخلاف والدین کا کہا ہرگز نہیں ماننا۔

سورہ الممتحنہ آیات (۱، ۲، ۳) بھی خیانات کے ایک خاص واقعہ کے بارے میں نازل ہوئیں جب مشرکین مکہ کے نام حضرت حاطبؓ ابی بلتعہ کا خط پکڑا گیا۔ فرمایا **یا ایھا الذین آمنو .... تعملون بصیر** ☆ (ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد

Marfat.com

کرنے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو۔ حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اس کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور انکی روش یہ ہے کہ رسولؐ کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو۔ حالانکہ جو کچھ چھپاتے اور اعلانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔ ان کا رویہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ اور زبان سے تمہیں آزار دیں۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کام آئیں گی نہ تمہاری اولاد۔ اس روز اللہ تمہارے دور میان جدائی ڈال دے گا اور وہی تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔"

ان آیات میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ صلح حدیبیہ کے بعد پیش آیا۔ معاہدہ حدیبیہ کے ٹوٹ جانے کے بعد حضورؐ نبی پاک نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور سوائے مخصوص صحابہ کرام کے سوا کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ تیاریاں کس مہم پر جانے کیلئے ہیں۔ آپؐ نے یہ دعا فرمائی کہ یہ راز راز ہی رہے۔ اسی زمانے میں ایک مغنیہ عورت مدینہ آئی اور حضورؐ سے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور مالی امداد کی خواہاں ہوئی۔ اس نے حضورؐ کو بتایا کہ اسکا گانے بجانے کا کاروبار مندا ہو گیا ہے کہ مکہ کے نوجوان اور امرا بدر کی شکست کے بعد فی الحال ایسی محفلیں سجانے سے گریز کرتے ہیں۔ حضورؐ نے بنی عبدالمطلب سے اپیل کر کے اسکی حاجت روائی فرمائی۔ جب وہ مکہ واپس جانے لگی تو حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے خفیہ طور پر ایک خط اسکو دیا جو سرداران مکہ کے نام تھا اس خط میں مکہ پر حملہ ہونے کا راز فاش کر دیا۔

مغنیہ ابھی مکہ سے روانہ ہوئی ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بذریعہ وحی اس خط کے بارے میں مطلع فرما دیا۔ نبی پاکؐ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ بن اسود کو اس کے تعاقب میں روانہ کر دیا اور فرمایا کہ مدینہ سے ۱۲ میل مکہ کے راستہ پر روضہ کاخ کے مقام پر تم کو ایک عورت ملے گی جس کے پاس مشرکین مکہ کے نام حاطبؓ کا ایک خط ہے، ہر حالت میں یہ خط حاصل کرنا ہے اور اگر وہ خط دے دے تو چھوڑ دینا ورنہ قتل کر دینا۔ ان حضرات نے اس مقام پر

Marfat.com

اس عورت کو جالیا۔ اس سے خط مانگا مگر اس نے کہا کہ اس کے پاس کوئی خط نہیں۔ انہوں نے تلاشی لی مگر خط برآمد نہ ہو سکا پھر اس عورت کو دھمکی دی گئی کہ اگر وہ خط ان کے حوالے نہیں کرے گی تو برہنہ تلاشی لی جائیگی۔ اس پر اس نے خط اپنی چوٹی سے نکال کر انہیں دے دیا۔

خط حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس خط کے مضمون کا متن مکہ پر حملہ کی تیاری سے متعلق تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر عرض کیا کہ اس شخص نے اللّٰہ اور اللّٰہ کے رسولؐ اور سب مسلمانوں سے خیانت کی ہے، مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ حضورؐ نے منع فرمادیا۔ نبی پاکؐ نے حاطبؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے اس بات پر آمادہ کیا؟ حاطبؓ نے عرض کیا کہ میرے ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دراصل میرے دل میں خیال آیا کہ میرے اہل مع میری والدہ مکہ میں مقیم ہیں اور میرا کوئی قبیلہ وہاں نہیں ہے جو ان کو بچالے اور ان کی حفاظت کر سکے۔ اس لیے میں نے مکہ والوں پر ایک احسان کرنا چاہا کہ وہ میرے اہل وعیال سے درگزر کریں۔ حضورؐ نے سن کر فرمایا کہ حاطبؓ نے سچ بات کہی ہے۔ حاطبؓ کے اس فعل میں کفر کی حمایت یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا جذبہ کارفرمانہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے پھر حاطبؓ کی گردن اڑادینے کی اجازت چاہی حضور نبیؐ نے فرمایا یہ اہل بدر میں سے ہیں جنکی مغفرت اور جنت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ ان کیلئے بے اعتبار ہو جانا ہی بڑی سزا ہے۔

ان آیات اور شان نزول کے واقعے کی روشنی میں کچھ نتائج واضح ہوئے ہیں:

(۱) حاطبؓ کا خط خطرناک صورتحال کا موجب ہو سکتا تھا مگر حضورؐ نے مجرم کو صفائی کا موقع کھلی عدالت میں دیا۔

(۲) حاطبؓ کے جرم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام سے بھی خطا ہو سکتی ہے۔ البتہ اللّٰہ اور اللّٰہ کے رسولؐ کی تعلیمات کی روشنی میں اگر صحابہ کرام سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اسکا تقاضا یہ نہیں کہ اسکا ذکر نہ کیا جائے۔

(۳) حاطبؓ کا جرم ایک مخلص مسلمان کی لغزش تھی، غداری نہ تھی۔ اس لیے حاطبؓ کو سخت سرزنش کر کے چھوڑ دیا کہ ایک جلیل القدر صحابی کی عزت پر حرف آجانا ہی اس کیلئے بڑی سزا ہے۔

Marfat.com

(۴) ایک بدری صحابہ کی عذرداری جو وہ خود بیان کر رہا ہے کو قبول کر لینا ہے کہ اہل بدر نے دین حق کیلئے اور اللہ کی رضا کیلئے سرفروشی اور جانبازی کا اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا کہ اللہ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمائے اور اس جرم کی معافی بھی بعید از امکان نہیں ہے۔

(۵) یہ فعل ایک جرم ہے، کفر نہیں۔ ایسا کرنیوالا دوسرے قرائن اور شواہد کے بغیر نہ مرتد نہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ مسلمان کا کفار کیلئے جاسوسی کرنا کسی حال میں روا نہیں خواہ اس کی یا اسکے بال بچوں یا عزیز ترین اقرباء کی جان و مال کو کیسا خطرہ ہی لاحق ہو۔

(۶) حضور نبی کریمؐ نے حضرت عمرؓ کو حاطبؓ کے قتل کی اجازت نہیں دی مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ یہ جرم مستوجب قتل نہیں بلکہ حاطبؓ کا بدری ہونا انکے مخلص مسلمان ہونے کا ثبوت بنا۔ ان کی نیت مسلمانوں کو نقصان پہنچانا نہ تھا مگر اپنے بال بچوں کی محبت آڑے آ گئی۔ ان مخصوص حالات کی وجہ سے ان کو سرعام سرزنش کر کے چھوڑ دیا۔ اس لیے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسلمان جاسوس جو کفار کیلئے جاسوسی کرے کیلئے قتل کی سزا ہے الا کہ کوئی وزنی دلیل اسے کم سزا دینے کیلئے موجود ہو۔ امام شافعیؒ اور بعض دوسرے فقہاء کا مسلک ہے کہ ایسے جاسوس کو تعذیری سزا دی جائے مگر اس کا قتل جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے مطابق اسے جسمانی عقوبت اور لمبی قید کی سزا دی جانی چاہیے۔ امام مالکؒ قتل کی سزا جائز قرار دیتے ہیں۔

(۷) اس واقعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بوقت ضرورت ملزم چاہے مرد ہو یا عورت کی برہنہ تلاشی لینا جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ مرد پولیس مرد کی اور زنانہ پولیس عورت کی تلاشی لے۔

سورۃ التوبہ ۲۳، ۲۴ میں حق تعالیٰ نے حفظ ما تقدم کے طور پر کفار اور مشرکین پر بھروسہ اور ان سے دلی دوستی کرنے کو منع فرمایا ہے چاہے وہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ فرمایا یا ایھا الذین آمنو .... القوم الفاسقین ☆ (ترجمہ) ''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیتے ہیں۔ تم میں سے جو انکو رفیق

Marfat.com

بنائیں گے وہی ظالم ہوں گے۔اے نبیؐ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ' تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے' اور تمہارے گھر جو تم پسند کرتے ہو' تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے' اور اللہ فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کرتا''۔

یہاں آیت ۲۳ میں ایک بنیادی مسئلہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ عزیز و اقارب اور دوستوں سے ایسے تعلقات جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے تعلق پر مقدم ہیں' منقطع کرنے کے قابل ہیں ایسے تعلقات اللہ اور اسکے رسولؐ کی فرمانبرداری میں حائل ہو سکتے ہیں۔غیر مسلموں کو چاہے ان سے آپ کا کتنا گہرا خونی رشتہ ہو یا دوستی ہو' اپنا رازدار نہ بناؤ کہ ان سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اللہ نے قرآن الحکیم میں والدین' بھائی بہن اور رشتہ داروں کیساتھ اچھے تعلقات اور حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے مگر اس کی حد وہاں ختم ہو جاتی ہے جہاں یہ تعلقات اللہ اور اسکے رسولؐ کے رشتے سے ٹکرا جائیں۔ایسی صورت میں ایمان کا رشتہ سب پر مقدم ہے۔صحابہ کرام نے اس پر عمل کر کے اپنے ایمان کامل کا ثبوت دیا۔ جنگ بدر میں باپ بیٹا اور بھائی اور رشتہ دار ایک دوسرے کے مقابل لڑ رہے تھے' صرف ایک رشتہ ایمان کا انکے درمیان کارفرما تھا۔رفاقت صرف اسلام کی قائم رہی۔

ہجرت اور جہاد:

التوبہ کی اگلی آیت (۲۴) دراصل ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ سے ہجرت فرض ہونے کے وقت ہجرت نہ کی۔ والدین' بھائی' بہن' اولاد' بیوی اور اپنے مال و متاع کی محبت انکے فریضہء ہجرت کے آڑے آئی۔ ان لوگوں نے دنیاوی تعلقات اور فوائد کو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر ترجیح دی۔ اللہ کا فرماں کہ ''منتظر رہو حتیٰ کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں'' سے مراد جہاد و قتال اور فتح مکہ ہے۔یعنی دنیاوی اغراض و فوائد کو اخروی تعلقات پر

Marfat.com

قربان کرنیوالوں کا حشر برا ہونیوالا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس آیت کا مقصود تو ترک ہجرت ہے مگر ذکر جہاد کا فرمادیا گیا ہے جو ہجرت کے بعد کا پہلا قدم ہے۔ یعنی اگر مسلمان ہجرت پر ہی حکم عدولی کے مرتکب ہوئے تو اگلا حکم جہاد و قتال کا ہونیوالا ہے۔ جب انہیں اپنی ہر عزیز شے حتیٰ کہ جان کا نذرانہ بھی پیش کرنا ہوگا۔ اور حدیث مبارک کے مطابق ایمان اسوقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک ہر شے کی محبت پر اللہ اور اسکے رسولؐ کی محبت غالب نہ آجائے۔

مسلمانوں پر مکہ سے مدینہ ہجرت فرض کردی گئی۔ بغیر کسی شرعی عذر کے (یعنی ضعیف ہو' بیمار ہو' اپاہج ہو' فاتر العقل ہو) زاد راہ کی استطاعت رکھنے والا ہجرت نہ کرنیوالا نافرمانی کا مرتکب سمجھا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا البتہ جس علاقے یا ملک میں اللہ کے احکامات پر (نماز' روزہ' وغیرہ) تعمیل کرنا ناممکن ہوگیا ہو وہاں سے ہجرت کرنا ہمیشہ کیلئے فرض ہے بشرطیکہ قدرت رکھتا ہو۔ قدرت سے مراد اختیار بھی ہے اور استطاعت بھی ہے۔ آج کل کے حالات میں ہجرت حکومتوں کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں۔ بعض حالات میں ہجرت ایک اجتماعی تحریک کی صورت اختیار کرسکتی ہے قیام پاکستان میں لاکھوں مسلمانوں نے حالات سے مجبور ہوکر بھارت سے پاکستان ہجرت کی۔

حضورؐ کا فرمان ہے کہ ایمان کامل رکھنے والے کی دوستی اور دشمنی اللہ کے لئے ہوتی ہے اور مال و جان قربان کرنا بھی اللہ کی رضا کیلئے ہوتا ہے۔ محبت کا یہی مقام ہے کہ جو مسلمان کیلئے ہر قربانی' ہر مشقت اور محنت کو پر لطف بنادیتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں فرمایا کہ محبت خدا اور رسول اللہ کا یہ مقام ایک نعمت کبریٰ ہے مگر یہ صرف اللہ والوں کی صحبت و معیت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ (م ج ۴ ص ۳۴۲) یہ مقام خلت اسی کو حاصل ہوتا ہے۔ خلیل اللہ کی طرح اپنا مال' اولاد اور جان اللہ کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔

قرآن الکریم کا یہ حسین اسلوب ہے کہ ایک ہی مضمون کو مختلف مواقع پر مختلف پیرائے میں بیان فرمایا گیا ہے۔ سورہ المجادلہ (۲۲) میں فرمایا **لا تجدقوماً** .... **هم المفلحون** ☆ (ترجمہ) "تم کبھی نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اسکے رسولؐ کی مخالفت کی ہے' خواہ وہ انکے باپ ہوں'

Marfat.com

انکے بیٹے، یا انکے بھائی یا ان کے اہل خاندان ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو کہ اللہ کی جماعت والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

یہ بات بڑی واضح ہے کہ ایک دل میں حق تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت اور دشمنان دین سے محبت بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔ کفار اور مشرکین سے انسانیت کے ناطے حسن سلوک سے منع نہیں فرمایا گیا مگر ایسی محبت' جو اللہ کی فرمانبرداری کی راہ میں رکاوٹ بن جائے' ایمان کی سچائی کے دعوے کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ دو کشتیوں کا سوار ڈوب جاتا ہے۔

عشق رسولؐ اطاعت رسول ہے:

صحابہ کرامؓ نے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور عملی طور پر اللہ کے دین میں حائل ہونیوالے ہر رشتے کو کاٹ کر پھینک دیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جنگ بدر میں اہل عرب نے دیکھا کہ مسلمان خالص اللہ اور اسکے دین کی خاطر اپنے قبیلے اور قریب ترین رشتہ داروں سے لڑ گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے باپ کو قتل کیا' حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو' حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں کو قتل کیا۔ حضرت ابو بکرؓ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے لڑنے کو تیار ہو گئے۔ حضرت علیؓ ' حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ بن الحارث نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو قتل کیا۔ اس جنگ کے میدان میں اللہ اور حضور کی محبت کے سوا کوئی رشتہ نہ تھا۔ (ت ج ۵ صفحہ ۳۶۷)

جنگ کی حالت کے علاوہ بھی صحابہ کرام کے عشق رسول کا یہ حال تھا کہ جب اسلام یا حضورؐ کے خلاف کوئی بات سنی تو سب رشتے بھلا کر بات کرنیوالے کو سزا دی۔ عبداللہ بن ابی منافقوں کے سردار نے اپنے بیٹے عبداللہ کے سامنے حضور کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہا تو عبداللہؓ

Marfat.com

نے حضورؐ سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی مگر حضورؐ نے منع فرمادیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے منافق باپ کو حضورؐ کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہنے پر طمانچہ رسید کیا۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آئندہ ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔

حضور نبی کریمؐ دعا فرمایا کرتے تھے "اللھم لا تجعل لفاجر علی یداً" یعنی یااللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دیجئے" فاسق و فاجر کا احسان قبول کرنے' مبادا کہ ان سے محبت ہو جائے' سے حضورؐ نے بھی پناہ مانگی ہے خالص ایمان والوں کے دل اللہ کے نور سے روشن ہو جاتے ہیں جو ان کے اعمال صالح کی ضمانت بن جاتا ہے اور یہی مومن کی اصل قوت ہے اور یہی خلت بے خطر ہے۔ ایسے بے مثل لوگ اب خال خال ہی ہیں۔

اللہ نے مومنوں کو قرآن الحکیم میں بار بار خطاب فرمایا ہے۔ الذین آمنو کے مخاطب کبھی تو سچے اہل ایمان ہیں اور کبھی صرف زبانی اقرار کرنے والے ہیں اور کبھی ہر طرح کے عام مسلمان ہیں۔

سورہ المنافقون میں ان لوگوں کی سازشوں کا ذکر فرمایا ہے جو بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے تھے مگر مسلمانوں کو زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ المنافقون (۹'۱۰'۱۱) میں خطاب مخلص مومنین سے ہے۔ فرمایا یاایھا الذین آمنو .... بما تعملون

☆(ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔ جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ جو رزق ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اسوقت وہ کہے کہ "اے میرے رب کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا" حالانکہ جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے تو اللہ اسکو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔"

مومنوں کو مال اور اولاد کی محبت کی حد بندی فرمادی ہے کہ اسے اتنا نہ بڑھاؤ کہ یہی دو چیزیں انسان کی محبت اور توجہ کا مرکز بن کر رہ جائیں۔ ان دو چیزوں کے علاوہ پوری متاع دنیا بھی اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے کا باعث ہو سکتی ہے۔ اللہ کی فرمانبرداری اور ان اشیاء کی محبت میں ایک

Marfat.com

حد فاصل قائم کرنا ہے۔ ان دنیاوی اشیاء کی محبت اور ان سے رغبت صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہے مگر اسکو ذکر اللہ سے غفلت کا باعث نہ بننے دینا ہے۔ بعض مفسرین کے مطابق ذکر اللہ سے مراد نماز، حج، زکوٰۃ، روزہ اور تلاوت قران ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ذکر سے مراد یہاں ہر قسم کی طاعت اور عبادات ہیں اور یہی قول سب کا جامع ہے۔ (م ج ۵ ص ۴۵۸) جو ان بنیادی چیزوں سے ہٹ گیا، وہ خسارہ میں رہے گا کہ ایسے لوگوں نے دنیا کی وقتی نعمتوں کو آخرت کی ابدی نعمتوں کے بدلے اختیار کیا۔

تمام طاعات میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بھی شامل ہے کہ مال انسان کو غفلت میں ڈال دینے کا باعث بن سکتا ہے۔ زکوٰۃ، عشر اور دیگر صدقات مال کے خرچ کرنے کے احسن طریقے ہیں۔ موت آنے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے واجبات ادا کرنا نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریمؐ سے دریافت کیا کہ کونسا صدقہ سب سے زیادہ اجر و ثواب رکھتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں اللہ کی راہ میں خراچ کرنا جب کہ انسان تنگ دست ہو اور اپنی آئندہ ضروریات کے پیش نظر یہ خوف بھی ہو کہ مال خرچ کرنے کے بعد میں خود محتاج نہ ہو جاؤں اور فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اسوقت تک نہ ٹالو جب تک کہ روح تمہارے حلق میں آ جائے اور مرنے لگو تو اسوقت کہو کہ اتنا مال فلاح کو دیدو، اتنا فلاں کام میں خرچ کردو۔ (م ج ۵ ص ۴۵۹)

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی اور ادا نہیں کی یا حج فرض تھا اور ادا نہیں کیا وہ موت کے سامنے آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اسکی تمنا کرے گا کہ میں پھر دنیا کو لوٹ جاؤں یعنی موت میں کچھ اور مہلت مل جائے تاکہ میں کچھ صدقہ و خیرات کرلوں اور فرائض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ مرنے کے وقت وہ یہ بھی تمنا کریگا کہ مہلت مل جائے تو ایسے اعمال کرلوں جن کی وجہ سے صالحین میں داخل ہو جاؤں یعنی جو فرائض اور واجبات چھوٹے ہیں انکو قضا کرلوں، جن مکروہات میں مبتلا رہا ہوں ان سے توبہ و استغفار کر کے بیباق ہو جاؤں، مگر حق تعالیٰ نے یہ واضح طور پر بتا دیا ہے کہ موت کے آ جانے کے بعد کسی کو مہلت نہیں دی جاتی، یہ تمنائیں لغو اور فضول ہیں۔

Marfat.com

باب سوم

صنف نازک کے بارے میں ہدایات

اللہ تعالیٰ نے جہاں مردوں کو خاندان کا محافظ اور کفیل بنایا ہے وہاں عورتوں کے حقوق کا بھی خاص خیال رکھا ہے۔ سورہ النساء میں آیات ۱۹ تا ۲۱ تک میں ان حقوق کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ آیات ۱۹ تا ۲۱ میں ایمان والوں سے خطاب کر کے فرمایا **یـا ایھـا الـذین آمـنـو...... میثاقاً غلیظاً** ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لیے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں تنگ کر کے اس مہر کا کچھ حصہ اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو۔ ہاں اگر وہ کسی بد چلنی کی مرتکب ہوں (تو ضرور تمہیں تنگ کرنے کا حق ہے۔) ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر ''تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ ہی کر لو تو خواہ تم نے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے؟ اور آخر تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور یہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔''

زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج سے نجات:

زمانہ جاہلیت میں بہت سے رسم و رواج ایسے تھے جن میں عورتوں کیساتھ نہایت ناروا سلوک کیا جاتا تھا۔ عورت کی حیثیت غلام سے بھی بدتر تھی۔ وہ خرید و فروخت کی ایک چیز سمجھی جاتی تھی۔ عورت کا معاشرے میں کوئی مقام نہ تھا' اسکے کوئی حقوق نہ تھے۔ اسلام نے عورت کو عزت و شرف کا مقام عطا فرمایا اور اسکے حقوق اور فرائض تعین فرما دیئے کہ عورت گھر میں اور معاشرے میں کلیدی مقام کی حامل ہے۔

ان آیات مبارکہ میں ایک قبیح رواج کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اسکا سد باب بھی کیا

Marfat.com

گیا ہے۔عورت کا مال غصب کرنے کیلئے ہر طرح کے غیر اخلاقی حربے استعمال کیے جاتے تھے۔ مرد عورت کی جان و مال کا مالک سمجھا جاتا۔ اسکا مال اڑانے کی تین صورتیں مروج تھیں۔عورت کے شرعی میراث کا حق خود لے لے اور اسکو نہ دے۔شوہر کے مرنے کے بعد دوسرا نکاح نہ کرنے دیا جائے تا کہ اسکے شوہر کی میراث پر خود قبضہ کرلیں۔تیسری صورت میں خاوند اسکو بے وجہ مجبور کرے کہ وہ اسکو کچھ مال دے تب یہ اسکو چھوڑے۔

اپنے آبا کی عورتوں کا زبردستی مالک ہونا حلال نہیں۔جس طرح وہ اپنے آبا کے اموال کے وارث ہوتے تھے۔اس طرح وہ ان عورتوں کے بھی شوہر کے مرنے کے بعد وارث ہوجایا کرتے تھے۔سب سے بڑا لڑکا جو دوسری بیوی سے ہوتا اسکا وارث بنتا۔اگر وہ عورت خوبصورت اور مالدار ہوتی تو بغیر مہر کے اس سے تعلق قائم کرلیتا یا کسی دوسرے سے مال لیکر اسکا نکاح کردیتا۔

ابن جریرؒ اور ابن حاتمؒ نے سند حسن کے ساتھ ابوامامہ بن سہل بن حنیفؓ سے نقل کیا ہے کہ جب ابوقیس کا انتقال ہوگیا تو انکے لڑکے نے ان کی عورت سے شادی کرنا چاہی کہ ایسا کرنا زمانہ جاہلیت میں جائز تھا۔اس نے انکی بیوی کو نکاح کا پیغام دیا' وہ بولیں میں تم کو اپنا بیٹا سمجھتی ہوں اور تم اپنی قوم کے شرفاء میں سے ہو۔اسکے بعد وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر چلی جاؤ۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(تفسیر ابن عباسؓ ج ۱ص ۲۵۳)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ مال غصب کرنے کے لالچ میں عورت کو دوسرا نکاح کرنے سے نہ روکو کہ یہ ظلم ہے۔عورت کو جو مال کہیں سے وراثت میں ملا ہے' یا اسکے میکے والوں کی طرف سے ملا یا شوہر کی طرف سے مہر یا زیورات کی شکل میں ملا' اس پر غاصبانہ قبضہ کرنے کیلئے اس کو دوسرا نکاح کرنے سے روکے رکھے حتیٰ کہ وہ اسی گھر میں مرجائے یا وہ مجبور ہو کر مال چھوڑ دے' بھی ظلم ہے۔عورت کو جو میراث' جہاں سے بھی ملی ہو' اس کا غصب کرنا حرام قرار دیدیا گیا۔

ایک اور ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ کسی معقول وجہ کے نہ ہوتے ہوئے بھی شوہر بیوی کو ناپسند کرتا ہو مگر طلاق بھی نہ دیتا ہو کہ وہ تنگ آ کر مہر اور زیور جو اسکو دے چکا ہے واپس کردے یا مہر معاف کردے۔اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر غصب کرنے کی ایسی ساری صورتوں کو حرام قرار دیا

Marfat.com

ہے۔ صرف ایک صورت میں شوہر کیلئے اپنا دیا ہوا مال واپس لینا جائز ہے جب عورت مبینہ طور پر ناشائستہ حرکات کی مرتکب ہو۔ یہاں مبینہ ناشائستہ حرکات سے مراد بدزبانی' نافرمانی' بے حیائی ہے جس سے مجبور ہو کر مرد طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے۔ چونکہ عورت قصوروار ہے اس لیے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس نہ لے لے یا مہر معاف نہ کرالے۔

اگر شوہر یا بڑوں (والدین) کے سمجھانے سے بیوی راہ راست پر آ جائے تو فیصلہ شوہر پر منحصر ہے کہ اسے معاف کر دے اور طلاق تک نوبت نہ آئے۔ اللہ کو گھر بسائے رکھنے کیلئے آخری حد تک کوشش کرنا مرغوب ہے کہ حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ فعل طلاق ہے۔

پھر مومنوں کو ازدواجی زندگی خوشگوار طریقے پر بسر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کیلئے دونوں کو اپنے حقوق اور فرائض کا خیال رکھنا ہے۔ بیوی گھر کی منتظمہ ہے' امانت دار ہے' اپنی عصمت کی حفاظت کرنیوالی' بحیثیت ماں اپنے فرائض ادا کرنے والی ہے اور شوہر اسکے نان نفقہ کا ذمہ دار ہے۔ بیوی کو ساتھی سمجھتا ہو اور اللہ کے حکم کے مطابق اس سے مشاورت کرنیوالا ہو۔ بصورت دیگر اگر کوئی اختلافی مسئلہ ہو تو مرد کا فیصلہ مقدم ہو۔ اگر کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہو تو اسکو حوصلہ سے کام لینا چاہیے کہ ہو سکتا ہے کہ ظاہری صورت باطنی صورت سے مختلف ہو کہ تم جس کو ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے لیے کتنی بھلی ثابت ہو۔ شوہر کو اسکی باطنی خوبیوں کے اظہار کا موقع دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نیک بیوی کیوجہ سے اولاد صالح سے نوازا جائے اور کشائش رزق ہو۔

ہمارے بزرگوں میں ایک کہاوت مشہور ہے کہ ''رَن تے اَن داناں نہیں رکھنا'' یعنی بیوی اور رزق (کھانا وغیرہ) میں نقص نہیں نکالنا۔ مرد کو حوصلے سے کام لینے کو کہا گیا ہے کہ جلد بازی میں طلاق کا فیصلہ نہ کرے جو رب تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ طلاق خاندان اور معاشرے میں انتشار کا باعث بن جاتی ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ ''نکاح کرو اور طلاق نہ دو''۔ طلاق آخری چارہ کار ہے۔

ان آیات میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت فرمائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ایک بیوی کے ہوتے ہوئے اپنی کسی خواہش کے تحت دوسری شادی کرنا چاہتے ہو یا ایک کو طلاق دے کر

Marfat.com

دوسری شادی کرنا چاہتے ہو تو اس صورت میں مرد کو حق مہر اور ڈھیر سارا مال اگر اسکو دیا ہو' واپس لینے کا کوئی حق نہیں۔ نکاح ایک میثاق ہے' مضبوط مقدس پیمان ہے جس کے بھروسے پر عورت اپنے آپکو مرد کے حوالے کرتی ہے۔ جب تم ازدواجی زندگی کا آغاز کر چکے ہو تو تمہیں یہ چیزیں واپس لینے کا کوئی حق نہیں۔ صرف ایک صورت میں یہ واپس کی جاسکتی ہیں کہ بیوی ناشائستہ اور بے حیائی کی حرکات کی مرتکب ہو۔ البتہ مال واپس لینے کی خاطر اس پر بدچلنی کا الزام لگانا گناہ ہے۔

آج کل دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں شوہر معمولی باتوں کو جواز بنا کر طلاق دے دیتے ہیں اور سسرال والے عورت کا سارا مال ہضم کر جاتے ہیں جس میں شوہر کی طرف سے دیئے گئے زیورات' مہر کی رقم اور جہیز کا سامان بھی شامل ہوتا ہے۔ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے مالی وسائل کا ہونا ضروری ہے۔ مقدمہ عرصہ دراز تک چلتا ہے اور اگر فیصلہ عورت کے حق میں ہو بھی جائے تو اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات حکمتوں کے مظہر ہیں۔ خالق کائنات اپنے بندوں کی کمزوریوں کو خوب جانتا ہے اور ایسی کمزوریوں پر قابو پانے کے نسخے بھی تجویز فرما دیئے ہیں کہ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔

النساء کی آیات ۲۳ تا ۲۴ میں جاہلیت کے زمانہ کی دوسری معمولات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اسلام سے پہلے لوگ بعض حرام عورتوں سے نکاح کرلیا کرتے تھے اور بعض جائز نکاح کو حرام سمجھتے تھے (جیسے لے پالک کی مطلقہ بیوی) ان رسوم کو باطل قرار دے دیا گیا اور واضح طور پر محرمات کی تفصیل بیان فرما دی۔ ان میں کچھ محرمات ابدیہ ہیں جن کا نکاح کسی حالت میں حلال نہیں اور بعض محرمات ابدیہ نہیں جو بعض حالتوں میں حلال ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا و لا تنکحو .... غفوراً رحیماً ☆ (ترجمہ) ''اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں ان سے ہرگز نکاح نہ کرو مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ دراصل یہ ایک بے حیائی کا فعل ہے' ناپسندیدہ اور برا چلن ہے۔ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں' بیٹیاں اور بہنیں' پھوپھیاں' خالائیں' بھتیجیاں' بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو' اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں

Marfat.com

جنہوں نے تمہاری گود میں پرورش پائی' ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا ازدواجی تعلق ہو چکا ہو ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) ازدواجی رشتہ قائم نہ ہوا ہو تو ان کو چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں (حرام ہیں) اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو' جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا اللہ بخشنے والا اور رحم کرنیوالا ہے''۔

پہلا حکم آباء کی عورتوں سے شادی کی حرمت کے بارے میں ہے۔ اس سے پہلے آیت ۱۹ میں **لا یحل لکم** کے تحت بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ زمانہء جاہلیت میں یہ ناپسندیدہ اور بے حیائی کا چلن بری نگاہ سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ ان آبا کی عورتوں میں باپ' دادا یا نانا کے نکاح میں آنے والی عورتیں شامل ہیں۔ ابو قیس کا واقع پہلے بیان کیا جا چکا ہے جس پر یہ **لا یحل لکم**.......... کی آیت نازل ہوئی۔

ابن سعد نے زہری نے نقل کیا ہے کہ آیت ۲۲ کچھ انصاریوں کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ ان میں سے جب کوئی مر جاتا تو اسکی بیوہ کا زیادہ حق دار اسکا ولی ہوتا تھا اور وہ یا خود اس سے نکاح کر لیتا یا اسے تا حیات روکے رکھتا تاکہ اسکا مال ولی کے پاس ہی رہے۔ اس حکم میں یہ قید نہیں لگائی گئی کہ ازدواجی رشتہ قائم ہوا ہو' لہٰذا کسی عورت سے اگر باپ کا عقد ہو جائے تو اس عورت سے بیٹے کیلئے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح بیٹے کی منکوحہ سے باپ کا نکاح جائز نہیں اگرچہ صرف نکاح ہوا ہو' حضرت علیؓ کے مطابق جب تک عورت سے خلوت نہ ہوئی ہو حرمت قائم نہیں ہوتی۔ اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا ہو تو بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں۔

یہ فرمایا کہ جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا یعنی اس حکم سے پہلے اس قسم کی حرکت سے اللہ درگزر کرنیوالا ہے اور جو اولاد اس طرح ہو چکی اس کو کسی جائز حق جس میں حق وراثت بھی شامل ہے سے محروم نہیں کیا جائیگا۔ مگر اس حکم کے بعد مومنوں کیلئے اس بارے میں حرمت قائم کر دی گئی ہے۔

Marfat.com

محرمات کی نشاندہی:

آیت ۲۳ میں تمام محرمات کی تفصیل بیان فرمادی گئی ہے جس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے (ت ج ا ص ۳۳۸ تا ۳۴۱)

۱) والدہ، سگی یا سوتیلی، دادی اور نانی

۲) اپنی صلبی بیٹی، نواسی اور پوتی، سوتیلی بیٹی بھی شامل ہے۔ جو بیٹا صلبی نہ ہو بلکہ لے پالک ہو اس سے اور انکی اولاد سے نکاح جائز ہے اگر کوئی اور حرمت مانع نہ ہو۔ لے پالک کی مطلقہ بیوی سے بھی نکاح جائز ہے۔ سورہ الاحزاب آیہ ۴۰ میں ان اعتراضات کی جڑ کاٹ دی گئی ہے جو حضورؐ کے مخالفین آپ کے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کے بارے میں کر رہے تھے۔ زید بن حارثہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ جاہلانہ رسم کو توڑنے کیلئے آپ نے انکی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے نکاح فرمایا جو کہ اللہ کے حکم سے ہوا (ت ج ۴ ص ۹۹ تا ۱۰۳)

۳) حقیقی بہن، ماں شریک اور باپ شریک

۴) باپ کی بہن یعنی پھوپھی، باپ شریک اور ماں شریک بہن

۵) والدہ کی حقیقی بہن، باپ شریک اور ماں شریک یعنی خالہ، تینوں سے نکاح حرام ہے

۶) بھتیجی یعنی بھائی کی بیٹی ماں شریک اور باپ شریک

۷) بھانجی، حقیقی بہن کی بیٹی اور ماں شریک یا باپ شریک بہن کی بیٹی

۸) وہ عورتیں جنہوں نے دودھ پلایا ہو یعنی رضائی مائیں، تھوڑا یا زیادہ پلایا ہو، کی حرمت قائم ہو جاتی ہے۔ رضاعت کی حرمت اس زمانہ کے دودھ پینے سے ہوگی، جس زمانہ میں دودھ پینے سے بچے کی پرورش ہوتی ہو۔ اس عرصہ کی انتہا اڑھائی سال ہے۔ جس بچے نے جس عورت کا دودھ پیا ہو وہ اس عورت کے سارے بچوں کی رضائی بہن یا رضائی بھائی ہو جاتا ہے اسکے لئے اپنی رضائی بہنوں اور بھائیوں سے حرمت کے رشتے قائم ہو جاتے ہیں۔ (م ج ۲ ص ۳۵۹ سے ۳۶۱) کچھ مفسرین کے مطابق اصل

Marfat.com

بات رضاعت کی ہے' عرصہ کی کوئی قید نہیں۔

۹) بیویوں کی مائیں اور انکی نانیاں دادیاں نسبی یا رضائی سے نکاح حرام ہے

۱۰) جس عورت سے نکاح اور رشتہ ازدواج استوار ہو چکا ہو اسکی دوسرے شوہر سے جولڑکی ہے اس سے اور اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بھی نکاح جائز ہے۔

۱۱) بیٹے کی بیوی اور اس ذیل میں پوتا اور نواسا بھی شامل حرمت ہیں۔

۱۲) دو بہنوں کو اکٹھا بیویاں بنانا بھی حرام قرار دیا گیا ہے اس میں دو حقیقی بہنیں' پھوپھی زاد یا خالہ زاد یا دو رضائی بہنیں شامل ہیں۔ پھوپھی بھتیجی' خالہ بھانجی کو بھی کسی ایک شخص کے ساتھ نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

اگلی آیت ۲۴ میں حرمت کا ایک اور پہلو بھی اجاگر فرمایا ہے۔ فرمایا **و المحصنت و من ...... علیم حکماً** ☆ (ترجمہ) ''اور وہ عورتیں تم پر حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں البتہ ایسی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں جو جنگ میں تمہارے ہاتھ آئیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کردی گئی ہے۔ ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعہ حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ حصار نکاح میں انکو محفوظ کرو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔ پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم اٹھاؤ اسکے بدلے انکے مہر بطور فرض ادا کرو البتہ مہر کی قرارداد ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے تمہارے درمیان اگر کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں حرج نہیں' اللہ علیم اور دانا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں ازدواجی زندگی کے بارے میں کئی مزید ہدایات فرمائی گئی ہیں۔

(۱)۔ شوہر والی عورتیں بھی حرام کی گئیں جب تک ایک عورت کسی کے نکاح میں ہو' دوسرا شخص اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ یعنی کہ ایک عورت بیک وقت ایک سے زائد شوہر والی نہیں ہوسکتی۔ اس بات میں سراسر بے حیائی ہے اور بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوسکتا اور اس صورت میں بچہ کی پرورش کے حقوق فرائض کی ذمہ داری کا تعین بھی نہیں ہوسکتا۔ اس قانون سے لونڈی' یا باندی جو جنگ میں پکڑی ہوئی آئے اور اسکا شوہر دارالحرب میں رہ جائے' مبرا ہے۔ دارالحرب سے آنے والی ایسی عورت کا نکاح سابق شوہر سے

Marfat.com

ختم ہو جاتا ہے۔ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں' وہ حکومت کے حوالہ کر دی جائیں اور حکومت کو اختیار ہے کہ چاہے انکو رہا کر دے' یا انکا تبادلہ مسلمان قیدیوں سے کر لیا جائے' یا ان سے فدیہ لے' یا انکو سپاہیوں میں تقسیم کر دے۔ ان کیلئے اہل کتاب ہونے کی شرط نہیں ہے۔ان سے جو اولاد ہو گی وہ اس شخص کی''جس کی تحویل میں وہ دے دی گئی ہیں' جائز اولاد سمجھی جائے اور اس اولاد کے قانونی حقوق وہی ہوں گے جو صلبی اولاد کیلئے مقرر ہیں۔

(۲)۔ اپنے مال کے ذریعے حلال عورتیں تلاش کرو اور انکو اپنے نکاح میں لے آؤ۔ مال سے مراد یہاں مہر ہے۔ مال خرچ کر کے عورتوں کو صرف اپنی جنسی خواہشات پوری کرنے کیلئے حاصل نہ کرو' ایسا کرنا حرام ہے۔

مہر کی ادائیگی لازمی ہے' فرض ہے۔ اگر رشتہ ازدواج قائم ہونے سے پہلے طلاق ہو جائے تو آدھا مہر واجب ہوتا ہے۔ آیت مبارکہ میں استمتاع کرلو' فرمایا گیا ہے' یعنی ازدواجی تعلق قائم کر کے فائدہ حاصل کرو۔ اسکا سیدھا سادھا مطلب پوری امت کے نزدیک نکاح کے بعد رشتہ ازدواج قائم کر کے خوشگوار گھریلو زندگی کی بنیاد رکھنا ہے۔ کچھ لوگ اسکو متعہ کے دوسرے معنی میں بھی لیتے ہیں یعنی ایک مرد کسی عورت سے کچھ رقم کے عوض کچھ عرصہ کیلئے جنسی تعلقات قائم کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محرمات کے سوا دوسری مسلمان یا اہل کتاب عورتوں سے نکاح اور مہر کے ساتھ گھر بسانے کیلئے زوجیت کا رشتہ قائم کرنے کو کہا ہے نہ کہ ہر دن کچھ رقم کے عوض ایک اور شخص کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنا ہے۔

امام ترمذی نے باب ماجاء فی نکاح المتعہ میں دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے غزوۂ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا''(م ج ۲ ص ۲۶۷)۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ متعہ اسلام کے عہد اول میں شروع تھا یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ **الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم** نازل

Marfat.com

ہوئی تو منسوخ ہوگیا۔اس کے بعد ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زوجہ شریعہ اور مملوکہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے۔'' غزوۂ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا' پھر اسکے بعد حرام قرار دے دیا گیا۔

(۳)۔ مہر کی ادائیگی فرض ہے مہر میں شوہر اپنی طرف سے اضافہ بھی کرسکتا ہے اور بیوی اپنی خوش دلی سے تھوڑا یا سارا معاف بھی کرسکتی ہے بشرطیکہ اس میں کوئی جبر نہ ہو۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اللہ حکمتوں والا ہے اور بندے کی بھلائی اور برائی کو اچھی طرح جانتا ہے۔اسکو تمہاری فرمانبرداری اور خلاف ورزی کا علم ہے۔اگر اس دنیا میں حکم عدولی کر کے اور سزا سے بچ بھی جاؤ گے تو آخری عدالت کا تو سامنا کرنا ہی ہوگا۔کچھ لوگ حکم ربانی میں علتیں تلاش کرتے ہیں' عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو حکم ربانی کو نامناسب خیال کرتے ہیں۔یہاں یہی بات فرمائی گئی ہے کہ تم اللہ کی حکمتوں کو پوری طرح سمجھنے کے اہل نہیں ہو اور مومن کا کام تو بلاچوں چراں اطاعت کرنا ہے۔

طلاق کے معاملے میں حسن سلوک:

ایک شریفانہ ماحول پیدا کرنے کیلئے قرآن الحکیم میں جا بجا ہدایات نازل فرمائی ہیں تاکہ ان پر عمل سے فتنہ' فساد اور عناد سے بچا جاسکے۔طلاق جو کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سخت ناپسندیدہ مگر جائز فعل ہے' کے سلسلے میں بھی حسن سلوک کو مدنظر رکھنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ کسی قسم کے انتقامی جذبات کو ہوا نہ دی جائے اور مقدمہ بازی تک نوبت نہ آئے۔

سورہ الاحزاب (۴۹) میں فرمایا یاایھا الذین آمنو ....سراجاً جمیلاً☆ (ترجمہ) ''اے ایمان والو جب تک مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورے ہونے کا تم مطالبہ کرسکو لہذا انہیں کچھ مال دو اور بھلے طریقے سے رخصت کردو۔''

یہ آیت کریمہ طلاق سے پیدا ہونے والے ایک مسئلہ کے بارے میں نازل ہوئی' اس

Marfat.com

میں دو واضح احکامات ہیں۔

(۱) پہلی بات جو فرمائی گئی ہے وہ مومن مرد کے مومن عورت سے نکاح ہے اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آ جائے تو عورت پر عدت کی قید واجب نہیں ہے وہ فوراً نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ قرآن اور سنت کے مطابق نکاح ایک اصطلاحی لفظ ہے، جس سے مراد گواہوں کی موجودگی میں ایک مومن مرد کو مومن عورت یا اہل کتاب عورت سے رشتہ ازدواج میں باندھ دیا جاتا ہے۔

ہاتھ لگانے سے پہلے مراد محض چھونا نہیں ہے بلکہ خلوت صحیحہ میسر آنا اور رشتہ ازدواج قائم ہونا ہے۔ منکوحہ سے بات چیت خلوت کے بغیر شامل نہیں ہے۔ لہٰذا ہاتھ لگانے کا واضح مطلب صحبت کا ہونا ہے۔ اور سقوط عدت صرف اسی حالت میں ہوگا جب خلوت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو۔ عدت ساقط ہو جانے سے عورت آزاد ہو جاتی ہے کہ جب چاہے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ یہ حکم صرف خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں ہے۔ اگر خلوت سے پہلے عورت کا شوہر مر جائے اور ابھی طلاق نہ ہوئی ہو، تو عدت وفات ساقط نہیں ہوتی بلکہ چار ماہ دس دن کی عدت گزارنی ہوتی ہے۔ جیسے کہ طلاق کی دوسری صورت میں واجب ہے، جس کے گزارنے سے پہلے عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی چاہے مرد اسکی زبانی یا تحریراً اجازت دے دے تب بھی شریعت کی رو سے عدت ساقط نہ ہوگی۔

(۲) دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ ایسی مطلقہ عورت کو شرافت اور حسن سلوک کے ساتھ کچھ مال دے کر رخصت کیا جائے کچھ متاع یعنی سامان جس سے فائدہ اٹھایا جا سکے، دے کر رخصت کرنا ہر مطلقہ کیلئے مستحب اور مسنون ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہے۔ متاع میں حقوق واجبہ مہر وغیرہ شامل ہیں۔ اور غیر واجبہ حقوق میں کپڑے یا کچھ سامان دے کر رخصت کرنا داخل ہے۔

سورہ البقرہ (۲۳۶، ۲۳۷) میں اسی مسئلے کے متعلق زیادہ وضاحت سے بات کی گئی ہے فرمایا لا جناح علیکم .... بما تعملون بصیر ☆ (ترجمہ) ''تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اپنی

Marfat.com

عورتوں کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ ہاتھ لگانے کی نوبت آئے یا مہر مقرر ہو۔ اس صورت میں انہیں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے۔ خوش حال آدمی اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقہ سے دے۔ یہ حق ہے نیک آدمیوں پر اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے (اور مہر نہ لے) یا وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے نرمی سے کام لے (اور پورا مہر ادا کر دے) اور تم (یعنی مرد) نرمی سے کام لو تو یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔ تمہارے اعمال اللہ دیکھ رہا ہے۔"

ان آیات میں بھلے طریقہ سے رخصت کرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں عورت کو کچھ نہ کچھ نقصان ضرور پہنچتا ہے اور تلخی اور رنجش کا باعث بن سکتا ہے۔ اس تلخی کو کم کرنے کیلئے فیاضی سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔

متاع طلاق میں واجبہ اور غیر واجبہ حقوق دونوں شامل ہیں۔ مہر جو حق واجب ہے کے سلسلے میں فرما دیا گیا ہے کہ وہ رشتہ ازدواج قائم ہونے سے پہلے طلاق کی صورت میں نصف ادا کرے بعض حالات میں اگر عورت خود ہی مہر لینا پسند نہ کرے تو پھر مرد پر یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت مرد کے فیاضانہ رویہ کی ہے کہ وہ فراخدلی سے بجائے نصف کے پورا مہر ادا کر دے۔

غیر واجب متاع حسن سلوک کا مظہر ہے۔ صرف نکاح پڑھا گیا ہو اور رخصتی اور خلوت اور صحبت کی نوبت نہیں آئی تو ایسی صورت میں عورت کو عدت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے مگر اس کے متاع طلاق کی دوسری عورتوں کی نسبت جنہیں طلاق رشتہ ازدواج قائم ہونے کے بعد دی گئی ہو زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے۔ رشتہ ازدواج کے بعد طلاق کی صورت میں عدت کا زمانہ شوہر کے گھر ہی گزارنا ہے اور گھر سے باہر نکلنے کی پابندی ملحوظ رکھنی ہے۔ بھلے طریقے سے رخصت کا مطلب صاف بیان فرما دیا گیا ہے۔ اس میں کئی باتوں کا خیال رکھنا ہے۔

(۱) مہر پورا یا نصف جیسے حالات ہوں ادا کرنا ہے البتہ اگر عورت خود مہر نہ لے تو اور بات ہے

(۲) مطلقہ عورت کے عیوب لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے جو اس کے نکاح ثانی کی راہ

Marfat.com

میں حائل ہوں۔ یہی بھلا طریقہ ہے کہ بغیر بدنامی' رسوائی اور فضیحت کے شریفانہ طور پر یہ کام سرانجام پائے۔ زبان سے طعن و تشنیع پر پابندی لگادی گئی کہ طلاق کی تلخی میں مزید اضافہ نہ ہو۔

(۳) مہر کے علاوہ کچھ کپڑے' اپنی حیثیت کے مطابق' یعنی عام لباس کرتہ' پاجامہ اور چادر دے کر رخصت کرو۔

(۴) جو زیور نکاح کے وقت دے دیا گیا ہوا سے واپس نہیں لینا۔ نکاح کا جوڑا بھی عورت کے پاس رہنے دیا جائے۔ دیگر جہیز کا سامان بھی لوٹا دینا ہے۔

(۵) اگر مہر مقرر نہ بھی کیا گیا ہو تو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ مال دیکر رخصت کرنا ہے۔

یہ پابندیاں لگانے کا مقصد طلاق کو کھیل بننے سے روکنے کیلئے ہیں۔ امیر پر ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ طلاق' خاص طور پر رخصتی سے پہلے' سوچ سمجھ کر دے۔ اسلامی تعلیمات کے فیضان سے حسن سلوک سے معاشرے کی فضا کو پرسکون رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب چهارم

استیذان

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے حقوق واضح طور پر بیان فرما دیئے ہیں مگر ایک حسین معاشرے کا قیام حقوق العباد کی پاسداری کے بغیر ممکن نہیں۔قرآن الحکیم نے معاشرتی آداب اور اخلاقی قدروں کے بارے میں انسان کی راہبری فرمائی ہے۔

دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کیلئے استیذان:

سورۃ النور (۲۹،۲۸،۲۷) میں فرمایا یاایھا الذین آمنوا ....وما تکتمون

☆ ترجمہ ''اے ایمان والو یا اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضامندی نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو' یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔توقع ہے کہ تم اسکا خیال رکھو گے۔پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو' جب تک کہ تم کو اجازت نہ دیدی جائے۔اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ' یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور جن میں تمہارے فائدے کی کوئی چیز ہو' تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو' سب اللہ کو خبر ہے۔''

سورہ النور کے آغاز میں معاشرے کو پاک صاف کرنے اور برائی کے تدارک کے احکامات دیئے گئے ہیں۔مذکورہ بالا آیات میں بھی جو ہدایات دی گئی ہیں ان کا مقصد بھی برائیوں کے اسباب کو دور کرنا ہے۔شخصی آزادی کا احترام کرنا ہے اور گھر کی حرمت اور پردہ داری قائم کرنا ہے۔یہاں کچھ بنیادی اصولوں کی بات کی گئی ہے جو برائی کے اسباب کو روکنے کیلئے مؤثر ہیں۔صرف جرائم کی سزا دینا ہی کافی نہیں بلکہ انکی وجوہات کا سدباب کرنا ہے اور اسباب جرم کی روک

Marfat.com

تھام کرنی ہے۔

گھر کا تخلیہ کا حق قائم کرنے کیلئے فرمایا ہے کہ:

اپنے گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، جس میں آپ کے اہل و عیال رہائش پذیر ہوں، یعنی بیوی بچے اور والدہ اور بہنیں ایک گھر میں آپ کے ساتھ رہتی ہوں۔ البتہ مستحب ہے اور طریق سنت کہ وہاں بھی اچانک داخل ہونے کی بجائے اپنے پاؤں کی آہٹ یا کھنکار سے اہل خانہ کو اپنی آمد سے خبردار کر دے تا کہ گھر والوں کو کسی ناپسندیدہ حالت میں نہ دیکھیں۔ اس بات کا امکان بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے اہل خانہ سے ملنے کوئی عورت، محلے والی یا واقف کار، آئی ہوئی ہو اور پردے دار ہو اور گھر میں حجاب اتار کر بیٹھی ہو، اس لیے گھر والوں کو اپنی آمد سے مطلع کرنا پسندیدہ عمل ہے۔ اجازت لینے اور اطلاع دینے میں فرق ہے۔

اجازت بارضا حاصل کرنے کا حکم:

استیذان یعنی اجازت لینے میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ قرآن الحکیم میں حتیٰ تسانسوا فرمایا گیا ہے یعنی دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ اپنے آپ کو گھر والوں سے مانوس نہ کرلو۔ اپنی پہچان کروالو، اس لیے یہاں اجازت بمعنی گھر والوں کی رضامندی حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زمانہء جاہلیت میں اہل عرب صبح بخیر یا شام بخیر کہتے ہوئے بغیر گھر والوں کا جواب سنے دوسروں کے گھروں میں بے دھڑک داخل ہو جاتے تھے۔ اس طرح گھر والوں پر اور ان کی عورتوں پر نادیدکی حالت میں نگاہیں پڑ جاتی تھیں اور گھر کے تخلیے میں خلل انداز ہوتے تھے۔ رضامندی حاصل کرنے کا حکم جاری فرما کر چادر اور چاردیواری کی حرمت قائم کر دی گئی ہے۔ اس کے کئی مقاصد ہیں:

۱) لوگوں کی آزادی میں خلل ڈالنے اور انکی ایذارسانی سے بچنا ہے۔ یہ ہر شریف انسان کا حق ہے۔

۲) یہ نہ صرف اہل خانہ کے لئے خوش آئند ہے بلکہ جو ملاقات کیلئے آئے اس کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ جس گھر میں جائے اسکو خوش آمدید کہا جائے اسکو بلائے ناگہانی نہ سمجھا جائے۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ عین کھانے کے وقت یا آرام کے وقت کوئی

Marfat.com

آن ٹپکتا ہے تو گھر والوں کو قدرے ناگوار گزرتا ہے اور وہ اس سے زیادہ تپاک سے نہیں ملتے۔

۳) اس حکم میں حیاءداری کا خیال رکھا گیا ہے۔غیر محرموں پر نظر پڑنے سے شیطان آپ پر غالب آ سکتا ہے۔(م ج ۶ص ۳۸۷)

۴) بعض اوقات انسان اپنے گھر میں کوئی ضروری نجی کام کر رہا ہوتا ہے' جس کی رازداری ضروری ہو' ایسے میں بغیر اطلاع اور اجازت دوسرے کے گھر میں داخل ہونا غیر پسندیدہ فعل بن جاتا ہے۔گھر کے معاملات کی رازداری کیلئے ضروری ہے کہ آنیوالا غیر متعلقہ شخص گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت لے۔

یاایھاالذین آمنوا کے حکم میں مرد' عورت' محرم' غیر محرم سب کو شامل فرمادیا گیا ہے۔

استیذان کے حکم کی حکمت:

کسی دوسرے کے گھر داخل ہونے سے پہلے اجازت یا رضامندی لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ایسا گھر جس میں آپ اور آپ کے اہل وعیال رہتے ہیں اس میں شامل نہیں۔ان گھروں میں داخل ہونے کیلئے صرف اطلاع ضروری ہے۔اس کے علاوہ ہر دوسرا گھر اس حکم کے تحت ہے۔حتیٰ کہ وہ گھر جس میں آپ کی والدہ یا بہن رہتی ہو اس میں شامل ہے۔امام مالکؒ نے مئوطا میں مرسلاً عطاءؒ بن یسار سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جاتے وقت بھی استیذان کروں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں استیذان کرو۔ اس شخص نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں تو اپنی والدہ کے گھر میں رہتا ہوں۔آپؐ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ۔اس نے عرض کیا یارسولؐ اللہ میں تو ہر وقت ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لیے بغیر گھر میں نہ جاؤ' کیا تمہیں پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو؟ اس نے کہا نہیں۔فرمایا اسی لیے استیذان کرنا چاہیے۔کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہو۔(م ج ۶ص ۳۸۷'۳۸۸)

Marfat.com

فقہاء نے نگاہی حکم میں سماعت کو بھی شامل کیا ہے کہ کان بھی گھر والوں کی باتیں بلا اجازت نہ سنیں۔ ایک اندھا آدمی بلا اجازت گھر میں داخل ہو جائے تو اس کی نگاہ سے تو آپ محفوظ ہیں مگر وہ آپ کے گھر کی باتیں تو سن سکتا ہے جو آپ پسند نہ کریں گے' اس لیے اسے بھی اجازت طلب کرنا ہے۔

کسی دوسرے کا خط بغیر اجازت پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ اس لیے تخلیے کا حق صرف داخلے کی اجازت تک محدود نہیں بلکہ اس عام حق میں دوسرے کے گھر جھانکنا' دوسرے کا خط بلا اجازت پڑھنا اور کنسوئیاں لینا بھی ممنوع ہے۔

استیذان کے حکم سے استثنا کی چار صورتیں ہیں۔ کسی کے گھر اچانک کوئی مصیبت آ جائے مثلاً آگ لگ جائے یا گھر منہدم ہو جائے یا چور ڈاکو گھس آئے ہوں تو ایسے موقع پر آپ بلا اجازت' مدد کرنے کی نیت سے' ایسے گھر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ آج کل' بدقسمتی سے صورت حال کچھ ایسی ہے کہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بدنیت لوگ لوٹ مار کرنے لگ جاتے ہیں۔ آفت زدہ علاقوں' زلزلہ زدہ علاقوں' سیلاب زدہ علاقوں میں مدد کرنے کی بجائے بدقماش لوگ ایذا رسانی کا موجب بن جاتے ہیں۔

استیذان کا مسنون طریقہ:

جب استیذان کا حکم دیا گیا تو لوگ اس کے طریقہ اور آداب سے ناواقف تھے۔ ایک شخص نبی پاکؐ کے ہاں آیا اور دروازے پر سے پکار کر کہنے لگا الج (کیا میں گھس آؤں) حضورؐ نے اپنی لونڈی روضہ سے فرمایا کہ اس شخص کو اجازت مانگنے کا طریقہ نہیں آتا' ذرا اُٹھ کر اس کو بتا کہ یوں کہنا چاہیے' السلام علیکم ا ادخل۔ اسکا واضح مطلب یہ ہے کہ پہلے سلام کرو۔

دوسری روایت کے مطابق جابر عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے مرحوم والد کے قرضوں کے سلسلے میں حضورؐ کے ہاں گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا میں ہوں۔ آپؐ نے دو تین مرتبہ فرمایا' میں ہوں' میں ہوں' یعنی اس سے کوئی کیا سمجھے کہ تم کون ہو۔ یعنی

Marfat.com

کہ صرف 'میں ہوں' سے کام نہیں چلے گا بلکہ اپنا نام بتانا ہے۔

حضرت عمرؓ سے متعلق روایت ہے کہ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عرض کرتے السلام علیکم یا رسول اللہ ایدخل عمر۔ ان روایات سے صحیح طریقہ استیذان سمجھا دیا گیا ہے کہ پہلے السلام علیکم کہے پھر اپنا نام بتا کر اجازت طلب کرے تاکہ اجازت لینے والے کی پہچان ہو سکے۔

دوسری بات جو اس ضمن میں حضورؐ نے واضح کر دی' یہ اجازت لینے کی حد مقرر کر دی گئی۔ زیادہ سے زیادہ تین بار اجازت طلب کرو اور اگر گھر سے کوئی جواب نہ آئے یا کہہ دیا جائے کہ اسوقت ملاقات نہیں ہو سکتی' تو بغیر کسی ملال کے واپس لوٹ جاؤ' وہاں جم کر نہ بیٹھے رہو۔ مگر ملاقات کیلئے آنے والے کا بھی آپ پر حق ہے کہ بغیر کسی شدید مجبوری کے تحت مثلاً نماز کے وقت یا غسل کرنے کی حالت میں ہو یا سو رہا ہو' انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کو اپنے پاس گھر کے اندر بلاؤ یا باہر آ کر اس سے ملو۔

تیسری بات یہ ہے کہ گھر کے مالک کی اجازت یا گھر کے خادم یا اور ذمہ دار افراد کی اجازت معتبر ہے بچہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اجازت ملنے پر گھر میں داخل ہو کر سلام کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اسے اجازت نہ دو۔ یہ سلام استیذان ہے جو اجازت حاصل کرنے کیلئے باہر سے کیا جاتا ہے' تاکہ صاحب خانہ متوجہ ہو اور آنیوالے کی استدعا سن لے۔

باہر سے سلام کرنے کے بعد اپنا نام بتلا کر اجازت کیلئے دروازے پر دستک دے۔ دستک اتنی زور سے نہ دے کہ گھر والے چونک جائیں۔ حضورؐ نبی پاک کے دروازے پر دستک دینے کیلئے صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تاکہ حضورؐ کو تکلیف نہ ہو۔

آج کل کے دور میں دروازوں پر گھنٹیاں لگی ہوتی ہیں مگر یہ زیادہ تر شہروں تک ہی محدود ہیں۔ گھنٹی بجا کر بھی اجازت لی جا سکتی ہے۔ سلام کے بعد نام بتانا ضروری ہے۔ حفاظت

Marfat.com

کے نقطہ نظر سے آنیوالے کا نام وغیرہ پوچھ کر ہی دروازہ کھولنا چاہیے۔ قرآن الحکیم کے اس طریقہ استیذان میں رب تعالیٰ کی کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی بزرگ یا عالم کے دروازے پر بغیر اجازت لئے اور بغیر انکو پیشگی اطلاع کیے انتظار میں بیٹھ رہے کہ جب وہ اپنی فرصت کے مطابق باہر تشریف لائیں تو ملاقات ہوگی' جائز ہے۔ حضورؐ کے بارے میں یہی حکم ہے۔ الحجرات آیہ ۵ میں فرمایا گیا ہے یعنی اگر تم صبر کرو جب تک وہ خود باہر آجائیں تو تمہارے لیے بہتر ہے بلکہ عین ادب ہے۔

استیذان فی البیت:

النور کی آیات ۲۷'۲۸'۲۹ میں آداب معاشرت اور باہمی ملاقات کے احکامات بیان فرمادیئے گئے ہیں کہ باہر سے آنے والا ملاقاتی نہ خود تکلیف اٹھائے اور نہ گھر والوں کیلئے باعث تکلیف ہو۔ النور (۵۸'۵۹) میں گھر کے اندر بھی تخلیے اور پردہ داری کی خاطر بعض اوقات میں بعض لوگوں کو استیذان کی ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا یاایھاالذین آمنوا............علیم حکیم ☆ ترجمہ ''اے ایمان والو لازم ہے کہ تمہارے مملوک اور تمہارے بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں' تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جبکہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں۔ ان کے بعد بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔ تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے۔ اور علیم و حکیم ہے۔ اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے کھولتا ہے' اور وہ علیم و حکیم ہے''۔

ان آیات مبارکہ میں گھر کے اندر رہتے ہوئے بھی استیذان کا حکم دیا ہے۔ جو لوگ گھر میں رہتے ہیں اور آتے جاتے رہتے ہیں یعنی اقارب و محارم' ایسے لوگوں سے عورتوں کا پردہ بھی

Marfat.com

نہیں مگر گھر میں داخل ہو کر بھی ایک دوسرے کے تخلیے کا خیال رکھنا ہے' تا کہ بے حیائی اور بے پردگی سے بچے رہیں۔ اللہ کے فرمان کے مطابق تین اوقات تمہارے لیے ''عورات'' ہیں کہ ان اوقات میں لوگ تنہا اپنی بیویوں کے ساتھ ایسی حالتوں میں ہوتے ہوں کہ کسی کا بھی تمہارے حجرے یا کمرے یا تخلیے کی جگہ اچانک تمہارے پاس آنا مناسب نہیں حتیٰ کہ آپ کے غلام اور لونڈیاں اور نابالغ بچے بھی اجازت کے بغیر تمہارے تخلیے کی جگہ آنے سے پہلے اجازت لیں۔

تخلیے کے تین اوقات' صبح کی نماز سے پہلے' دوپہر کو آرام کرنے کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد کے اوقات ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ کسی پر گھر کے کسی فرد کے کمرے یا تخلیے کی جگہ جانے کیلئے اجازت کی ضرورت نہیں کہ یہ اوقات کام کاج ہیں' اگر کوئی گھر کا فرد حتیٰ کہ لونڈی' غلام یا نابالغ بچے تم کو کسی بے تکلفی کی حالت میں دیکھ لیں تو یہ قصور تمہارا اپنا ہوگا کہ نامناسب اوقات میں اپنی بیویوں کیساتھ بے تکلفی کی حالت میں پائے جاؤ۔

اس آیت میں بالغ مرد و عورت' لونڈی اور غلام کو استیذان کا حکم دینا تو ظاہر ہے مگر نابالغ بچے جو شرعی حکم کے مکلّف نہیں انکو بھی اس حکم کا پابند کر دیا گیا ہے نابالغ بچوں میں اطفال شامل نہیں جو دودھ پیتے بچے ہوں۔ دراصل یہاں بچوں کی تربیت کرنا مقصود ہے۔ بچہ چاہے شعور نہ ہی رکھتا ہو' اسکے ذہن میں ایسی حالت نقش ہو جاتی ہے۔ ماں باپ کو دودھ پیتے بچے کے سامنے بھی اختلاط میں احتیاط برتنی ہے۔

نابالغ بچوں کے ساتھ بالغ مملوک غلام اور لونڈی پر بھی یہ حکم حاوی ہے کہ آقا اور مالک عورت کو بھی ان سے پردہ داری کرنا واجب ہے۔ مگر نابالغ بچوں کے ساتھ لونڈیاں اور غلام جو نابالغ ہوں' بھی اسی حکم کے تابع ہیں۔

بلوغت کے بارے میں عمر کا قطعی تعین نہیں کیا جا سکتا کہ ہر خطے میں جسمانی نشو و نما اور نسلی اثرات کے اعتبار سے اس میں فرق پایا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ' امام یوسفؒ' امام محمدؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک پندرہ برس کے لڑکے اور لڑکی کو بالغ سمجھا جائے۔ امام اعظمؒ کا قول ہے کہ ۱۷ برس کی لڑکی اور ۱۸ برس کے لڑکے کو بالغ سمجھا جائے۔ یہ سب فقہی اختلافات ہیں۔ ہر علاقے میں بلوغت کی عمر کا تعین قیاس پر مبنی اجتہادی فیصلہ سے کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

گھر کے اندر یہ استیذان تخلیے کے اوقات کی حرمت قائم کرنا ہے۔ اس کا پابند ہونا حکم وجوب ہے' مردوں اور عورتوں کیلئے۔ کچھ لوگ اسکا خیال نہیں رکھتے یا نہیں رکھ سکتے۔ کم آمدنی والے طبقے کے اکثر لوگ ایک کمرے کے مکان میں رہتے ہیں جہاں اس حکم کی پاسداری مشکل ہو جاتی ہے مگر پھر بھی تھوڑی سی کوشش سے اس حکم کی پابندی کی جاسکتی ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اس طبقے کے نابالغ بچے بھی' وقت سے پہلے' جنسی اختلاط کے بارے میں جان جاتے ہیں جو باعث تشویش ہوسکتا ہے۔

ابن کثیرؒ نے بسند ابن حاتمؒ یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عباس نے فرمایا کہ تین آیتیں ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل چھوڑ ہی دیا ہے' ایک یہ استیذان کی آیات (النور ۵۹،۵۸) جس میں اقارب اور نابالغ بچوں کو بھی استیذان کی تعلیم دی گئی ہے۔ دوسری النساء (۷) کی آیت جس میں وراثت کے تقسیم کے وقت وارثوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اگر مال وراثت تقسیم کرنے کے وقت کچھ ایسے رشتہ دار بھی موجود ہوں جن کا ضابطہ میراث سے کوئی حصہ نہیں' تو ان کو بھی کچھ دے دیا کرو کہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔ تیسری آیت تقویٰ کے بارے میں ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ سب سے مکرم وہ آدمی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ (الحجرات ۱۳) (م ج ۶ ص ۴۷۶)

بدلتے زمانہ کے ساتھ ساتھ دولت کو عزت کا معیار سمجھا جانے لگا ہے۔ زیادہ دولت مند' محلات و جائیداد کا مالک' بڑا زمیندار' معاشرے میں معزز سمجھا جاتا ہے' چاہے اسکا اپنا کردار کتنا ہی گھٹیا کیوں نہ ہو۔ برطانوی راج کے زمانے میں ۱۵ مربعہ زمین (یعنی ۳۷۵ ایکڑ) کے مالک کو کچہری میں کرسی پیش کی جاتی تھی۔

ان آیات کے نزول کے وقت زندگی بہت سادہ تھی۔ عام گھر ایک یا دو کمروں پر مشتمل ہوتے تھے۔ اُمہات المؤمنین کے حجرے ایک چھوٹے کمرے جیسے ہوتے تھے۔ دروازہ پر کوئی پردہ نہ ہوتا تھا' اس لیے تین اوقات میں استیذان کی پابندی لگادی تاکہ کسی کی شخصی آزادی اور آرام میں خلل نہ ہو' نہ کوئی کلفت ہو اور نہ کسی کے اچانک آجانے سے شرمندگی ہو۔ رب کریم اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ دین اسلام اسی لیے دین فطرت کہلاتا ہے کہ حقوق العباد کو بہت مقدم رکھتا ہے۔

Marfat.com

باب پنجم

زبان کی حفاظت

سچ بولنا:

خوش آئند اور مامون معاشرے کے قیام کیلئے زبان کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔ سورہ الاحزاب (۷۱،۷۰) میں اسکی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے **یا ایھا الذین آمنو ....فوزاً عظیما** ☆ ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔''

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو **قولاً سدیداً** کا حکم دیا ہے۔ سدید لفظ کی اپنی جامعیت ہے یعنی ایسا قول جو سچا ہو اور اس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ تک نہ ہو جس میں خطا نہ ہو درست ہو مذاق اور دل لگی سے پاک ہو نرم ہو طعن سے پاک ہو اور الفاظ ایسے نہ ہوں جیسے کسی کو پتھر مار دیا ہو۔

درست کلام کیلئے زبان کی اصلاح مقصود ہے کہ زبان کی حفاظت بڑی کٹھن ہے اور اس کیلئے تقویٰ لازمی ہے جو اس کو سہل بنا دیتا ہے۔ اگر انسان اپنی زبان سے غلط بات نہ نکالے سیدھی صاف اور تکلیف نہ دینے والی بات کرے تو باقی اعمال کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔ زبان بہ یک وقت بڑی فتنہ گر اور مصلح ہے دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ زبان کی حفاظت کیلئے آسان نسخہ تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ جب انسان کو احتساب کا ڈر ہو تو بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ رکاوٹیں دور کر دیتا ہے۔ قرآن الحکیم میں حضورؐ کو بھی تقویٰ اختیار فرمانے کو کہا گیا ہے حالانکہ آپؐ سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا اور کون بشر ہو سکتا ہے۔ یہ حکم دراصل امت کے لیے ہے۔

اس آیت کریمہ میں سیدھی بات کا عادی ہونے والے کے لیے اصلاح اعمال کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ یہ صرف دینی اعمال ہی نہیں بلکہ دنیاوی کام بھی اس میں داخل ہیں۔ جو شخص قول

Marfat.com

سدید کا عادی ہو جائے' جھوٹ نہ بولے اور بات کرنے سے پہلے سوچے' دھوکہ دہی اور دلخراش بات سے پرہیز کرے اس کے اعمال درست ہو جائیں گے اور دین و دنیا دونوں سنور جائیں گے۔

جھوٹی خبر کی تحقیق:

زبان کی حفاظت سے معاشرہ پرسکون رہتا ہے۔ سورہ الحجرات (۶'۷'۸) میں معاشرے کو فتنہ فساد سے بچانے کیلئے کچھ احکامات جاری کیے گئے ہیں جن کا تعلق جھوٹی خبروں سے ہے۔ ان احکامات پر عمل کر کے بہت سے فتنہ فساد' قتل و غارت اور نقصانات سے بچا جا سکتا ہے۔ ان آیات میں فرمایا یا ایھا الذین آمنو..........علیم حکیم ☆ ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔ خوب جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری رائے مان لیا کریں تو تم خود ہی مشکلات میں مبتلا ہو جاؤ' مگر اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے لیے دل پسند بنا دیا اور کفر اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا۔ ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل و احسان سے راست رو ہیں اور اللہ حکیم اور علیم ہے۔"

اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق اس آیت کی شان نزولی ولید بن عقبہ کے قصے سے متعلق ہے۔ ابن کثیر نے بحوالہ مسند احمد یہ نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار' حضرت جویریہؓ بنت حارث جو امہات المومنین میں ہیں' کے والد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نبی کریمؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ حارث بن ضرار نے اسلام قبول کر لیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ جا کر اپنے قبیلے والوں کو اسلام اور ادائیگی زکوٰۃ کی دعوت دیں گے جو لوگ اسلام کے دائرے میں آ جائیں گے ان کی زکوٰۃ خود جمع کریں گے۔ انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تاکہ زکوٰۃ کی رقم اس کے سپرد کر دی جائے۔ جب مقررہ تاریخ تک کوئی زکوٰۃ وصول کرنے نہ آیا تو حارث کو خطرہ محسوس

Marfat.com

ہوا کہ شاید حضورؐ کسی بات سے ناراض ہیں ورنہ حضورؐ وعدہ کے مطابق ضرور قاصد بھیج دیتے۔ حارث اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی نیت سے چل پڑے۔

ادھر یہ ہوا کہ حضورؐ نے ولید بن عقبہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے مقررہ تاریخ پر بھیج دیا۔ چونکہ ولید بن عقبہ کی بنی مصطلق سے پرانی دشمنی چلی آ رہی تھی' ان کو راستے میں خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں۔ اس خوف کے سبب وہ راستے سے لوٹ آئے اور حضورؐ سے یہ کہا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے' اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ بھی کیا۔ یہ سراسر بہتان اور جھوٹ تھا۔ حضورؐ نبی پاک کو غصہ آیا اور آپ نے خالد بن ولید کی سرکردگی میں مجاہدین کا ایک دستہ روانہ فرما دیا کہ ارتداد کرنے والوں کی پرسش کی جائے۔ مدینہ کے قریب مجاہدین کے دستہ اور حارث بن ضرار کے گروہ سے ملاقات ہوئی۔ حارث نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ کا ارادہ کس طرف جانے کا ہے۔ خالد بن ولید نے صورت حال بیان کر دی جس پر حارث نے کہا کہ حضورؐ تک جو خبر پہنچی ہے وہ غلط ہے اور کہا کہ انہوں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں اور نہ ہی زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا گیا ہے اور نہ ہی ولید بن عقبہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد حارث حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہی بیان دیا۔ اس پر الحجرات کی آیت ۶ نازل ہوئی۔

دوسری روایت کے مطابق یہ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ مقررہ تاریخ پر حضورؐ کے قاصد کو خوش آمدید کہنے کیلئے حارث اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ بستی سے باہر آ گئے۔ ولید بن عقبہ کو گمان ہوا کہ یہ لوگ پرانی دشمنی کی بنا پر انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں تو وہ وہیں سے لوٹ آئے اور یہ بیان دے دیا کہ ان لوگوں کا زکوٰۃ دینے کا کوئی ارادہ نہیں بلکہ وہ ان کے قتل کے درپے ہیں۔ یہ بیان ان کے اپنے گمان پر مبنی تھا۔ حضورؐ نے خالد بن ولید کی سرکردگی میں مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا اور ہدایت فرمائی کہ پہلے تحقیق کر لیں اور پھر کوئی قدم اٹھائیں۔ خالد بن ولید نے بستی سے باہر ٹھہر کر حالات معلوم کیے تو معلوم ہوا کہ حقیقت حال خبر کے برعکس ہے۔ خالد بن ولید نے حضورؐ کو آ کر خبر دی کہ وہ لوگ دین اسلام پر قائم ہیں اور زکوٰۃ کے پابند ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ کسی فاسق کی خبر پر یقین کر لینا اور

Marfat.com

اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ دوسرے ذرائع سے تحقیق نہ کر لی جائے۔کوئی بھی قدم اٹھانے میں جلدی نہ کریں۔اگر خبر غلط ہو تو اس شخص کی شہادت بھی قابل قبول نہیں رہتی۔

ایک اہم بات جو یہاں سامنے آئی ہے وہ یہ کہ ولید بن عقبہؓ کو بالواسطہ فاسق گردانا گیا ہے۔یہ اس ضابطہ کے برعکس ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب ثقہ ہیں اور ان کی کسی خبر یا شہادت کے غلط ثابت ہونے پر گرفت نہیں کی جاسکتی۔دوسری طرف علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں فرمایا کہ صحابہ کرام معصوم نہیں اور ان سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور ان کو ایسے معاملے میں شرعی سزا جاری کی جاسکتی ہے۔مگر حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کا فیصلہ بھی فرما دیا۔(م ج ۸ ص ۱۰۶'۱۰۷)

ایک اور اہم بات بھی اس آیت سے متشرح ہو جاتی ہے۔اس آیت میں ایمان والے مخاطب ہیں جو عام مومنین ہیں اور فاسق سے مراد عام فاسقین ہیں۔یہ ضروری نہیں کہ جس قصہ کے ضمن میں اس آیت کا نزول ہوا ہو خبر دینے والے کو فاسق کہا گیا ہو۔اس آیت کی رو سے ولید بن عقبہؓ کا فاسق ہونا لازم آیا نہ اس کا شبہ رہا کہ حضورؐ نے بلا تحقیق کوئی کارروائی کرنا چاہا ہو۔اس بات کا قوی امکان ہے کہ ولید بن عقبہؓ کو خود گمان میں غلطی ہوئی ہو۔(بیان القرآن ج ۲ ص ۴۳)

صحابہ کرامؓ کو حضورؐ کی صحبت نے شریعت کے ڈھانچے میں ایسا ڈھال دیا کہ یہ ان کی طبیعت بن گئی۔ان سے گناہ کا سرزد ہونا شاذ و نادر تھا۔ان کے اعمال صالح ایسے تھے کہ حضورؐ کی محبت کو جان و مال سے مقدم رکھتے تھے۔ان سے عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہو جانا اعمال صالح کی فضیلت سے کالعدم ہو جاتا۔پھر ان لوگوں کو غلطی کا احساس ہونا اور توبہ کرنا' اپنے اپ کو سزا کے لیے پیش کر دینا' ان کو ایسا پاک کر دیتا تھا جیسے ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہی نہیں۔سورہ التوبہ میں تین صحابہ کرام کا جہاد کے معاملے میں سستی کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والوں کی توبہ اور سزا کے طور پر اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ دینا ایسی مثال ہے جو کہیں نہیں ملتی۔صحابہ کرام کے اعمال صالح خود ان کے گناہ یا لغزش کا کفارہ بن جاتا تھا۔اگر کسی لغزش پر ان کو فاسق کہا بھی گیا ہو تو بعد میں کسی دوسرے کے لیے ان کو فاسق کہنا کسی طرح جائز نہیں۔

Marfat.com

ایک اور بات بھی سامنے آتی ہے کہ ولید بن عقبہؓ نے یہ بات کسی بدنیتی سے نہیں کی بلکہ اپنے گمان کے مطابق صحیح سمجھ کر کی جو کہ واقع میں غلط تھی۔

اس آیت میں فاسق کی خبر پر تحقیق بنا کوئی ردعمل ظاہر نہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ولید بن عقبہ اگر چہ فاسق نہ تھے مگر اپنے گمان کے مطابق جو بات انہوں نے بیان کی وہ حضورؐ کو قابل قبول نظر نہ آئی اور خالد بن ولید کو تحقیق کے لیے روانہ کیا۔ یعنی اگر صحابہ کرام میں سے کسی خبر پر شبہ ہوسکتا ہے تو جو شخص فاسق جانا پہچانا گیا ہے اس کی خبر پر یقین نہ کرنا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

ویسے بھی کسی بدخبر پر جو کسی نے سنی سنائی بات پر آگے پہنچادی ہو یقین کرنے اور ردعمل ظاہر کرنے سے فتنہ اور فساد کا احتمال زیادہ ہے۔ یہاں ایک واقع بیان کرنا قارئین کیلئے سودمند ہوسکتا ہے۔ افغانستان میں روس کے خلاف جنگ جاری تھی، اس ضمن میں دانش گاہ پنجاب میں ایک جلسہ (غالباً ۱۹۸۱ء) میں ہو رہا تھا جس میں افغانستان میں مجاہدین کی مزاحمت کے بارے میں تقاریر ہو رہی تھیں۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ مجاہدین ایک کمانڈر کے تحت منظم طور پر ملک کا دفاع کریں۔ اسی دوران کسی نے یہ بدخبر پہنچائی کہ خانہ کعبہ پر یہودیوں نے قبضہ کرلیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی جمیعت کے طلباء مشتعل ہوگئے۔ اس وقت جلسے میں موجود مرزا محمد منور مرحوم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی مگر کسی نے توجہ نہ دی۔ طلباء نے جامعہ پنجاب کی بسوں پر قبضہ کرلیا اور جلوس کی صورت میں شہر کا رخ کیا۔ دو بڑی غیر ملکی کتب خانوں کو آگ لگادی اور کئی جگہ دنگا فساد ہوا۔ بعد میں تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ خبر سرے سے غلط تھی۔ البتہ کچھ سر پھرے لوگ حرم شریف کے اندر مورچہ بند ہوگئے۔ ان کے کچھ مطالبات تھے۔ سعودی حکومت نے ان کو حرم شریف سے نکل جانے اور اپنے آپ کو حکام کے حوالے کرنے کا حکم دیا جو انہوں نے نہ مانا۔ بحالت مجبوری سعودی حکام کو سخت اقدام اٹھانا پڑا جس سے جانی نقصان بھی ہوا۔

تحقیق کے بارے میں حضرت مولانا تھانویؒ نے بیان القرآن (۲ ج ۱۱ ص ۴۳) میں وضاحت فرمائی ہے کہ یہ مستقل ہے کہ تحقیق کہاں واجب ہے، کہاں جائز ہے، کہاں ممنوع ہے۔ سو اس سے قول مجمل یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہے وہاں

Marfat.com

واجب ہے مثلاً سلطان کسی کے ارتداد کی خبر سنے تو چونکہ ارتداد کی صورت میں اس پر واجب ہے کہ اس کو توبہ کرادے ورنہ قتل کرے اس لیے تحقیق واجب ہوگی یا سلطان نے سنا کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے (یعنی زبانی دھمکی دیتا ہے) چونکہ بوجہ سلطان ہونے کے حفاظت رعایا کی اس کے ذمہ ہے اس لیے اس کی تحقیق اور انتظام واجب ہے۔ اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہیں ہوتا اور تحقیق کرنے سے اس مبلغ عنہ کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا تو وہاں تحقیق سے درگزر جائز ہے۔ اگر کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں اور تحقیق کرنے سے وہ فضیحت ہوتا ہے تو تحقیق حرام ہے۔

الحجرات کی اگلی آیت (۷) میں یہ واضح کر دیا کہ رسول اللہ کی موجودگی میں اپنی رائے پر اصرار کرنا ادب اور حکمت کیخلاف ہے۔ ایسا کرنے سے صورت حال مشکل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی ایسی محبت ڈال دی کہ وہ نافرمانی کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ ایسے اطاعت کرنے والوں کیلئے نیک راہوں پر چلنا آسان کر دیا' اور یہ مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہوا۔

واقع افک میں بھی گمان کی بنیاد پر حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بہتان باندھنے کی کوشش کی اور زبانیں بے لگام ہو گئیں۔ اللہ نے اپنی رحمت اور مہربانی سے خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بریت فرما دی اور بہتان باندھنے والوں پر حد قذف جاری کی گئی۔

طعن و تشنیع اور برے القاب سے پرہیز:

سورہ الحجرات آیہ ۱۱ میں قبیح باتوں سے منع فرمایا ہے' جو فتنہ و فساد کا باعث بن سکتی ہیں فرمایا یا ایها الذین آمنو .... هم الظلمون ☆ ترجمہ "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہو' اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فاسقانہ نام سے پکارنا بہت بری بات

Marfat.com

ہے جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔"

جہاں دین اسلام میں مسلمانوں کے اجتماعی اور جماعتی اصلاح کے احکام بیان ہوئے ہیں وہاں افراد کے باہمی حقوق کا بھی بہت اہتمام فرمایا گیا ہے تاکہ کسی فرد کو دوسرے فرد سے جسمانی، ذہنی اور روحانی اذیت نہ پہنچنے پائے۔ اس آیت مبارکہ میں ان تینوں چیزوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایک تمسخر یا ٹھٹھا، یعنی مذاق اڑانا، دوسرا طعن زنی کرنا اور تیسرے کسی کو توہین آمیز لقب سے بلانا یا اس کا ذکر کرنا جس میں دوسرے کی توہین اور تذلیل کا پہلو نکلتا ہو۔ ان تینوں برائیوں کا تعلق براہ راست زبان سے ہے اور یہ آپس میں خوشگوار تعلقات کو خراب کرتی ہیں اور عداوتیں اور فتنہ و فسادات کا باعث بن جاتی ہیں اور ہتک عزت کے مقدمات کی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں اور ان میں دراڑ ڈالنے والی برائیوں کے سد باب کی خاطر یہ احکامات جاری فرمائے گئے ہیں۔ کسی شخص کو دوسرے کی عزت اور عزت نفس پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

پہلی بات جس سے منع فرمایا گیا ہے وہ تمسخر ہے۔ یعنی مذاق اڑانا، اس میں زبان سے مذاق اڑانا یا ہاتھ پاؤں سے نقل اتارنا، اشارے کرنا، یا کسی بات یا کام پر یا اس کی چال ڈھال پر ہنسنا اور دوسروں کو بھی ایسے مذاق میں شامل کرنا شامل ہے۔ ایسا کرنا حرام ہے۔

مرد حضرات کو مردوں اور خواتین حضرات کو کسی دوسری عورت کا مذاق اڑانے سے منع کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ نامحرم مرد کسی نامحرم عورت کا مذاق اڑا سکتا ہے یا اس کے برعکس نامحرم عورت کسی نامحرم مرد کا مذاق اڑائے۔ یہ عمل کسی شخص کی غیر حاضری میں بھی ممنوع ہے۔

تمسخر اور مزاح میں فرق ہے۔ تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر اور دل آزاری ہو اور جس سے دوسرے کا دل خوش ہو وہ مزاح کہلاتا ہے۔ یعنی خوش طبعی جائز ہے۔ اور قوم اور نساء فرمانے سے مقصود نہیں کہ کئی مرد کئی مردوں سے اور کئی عورتیں کئی عورتوں سے تمسخر نہ کریں بلکہ مراد اس سے جنس رجال اور جنس نساء ہے خواہ واحد ہو یا متعدد۔ اگر مرد عورت سے یا عورت مرد سے تمسخر کرے، اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ اکثر تمسخر ہم جنسوں میں واقع ہوتا ہے۔ خلاف جنس کے ساتھ تمسخر کرنے سے تمسخر کے علاوہ ایک بے غیرتی اور

Marfat.com

بے حیائی بھی ہے۔ بیان القرآن (۲ص ۴۶ جلد ۱۱)

مذاق میں دوسروں کی تذلیل اور تحقیر کرنا اخلاق کے ہر اصول کے خلاف ہے اور پھر مذاق اڑانے والے کو کیا معلوم کہ اللہ رب العزت کے نزدیک جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہو وہ اس سے کتنا بہتر اور افضل ہے۔ سورہ یٰسین ایت ۳ میں فرمایا ہے **یحسرۃ علی .... یستھزئون**

☆ ترجمہ "ہائے افسوس بندوں پر، انکے پاس جو بھی رسول آتا رہا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ یہ اللہ کو سخت ناپسند تھا اور پھر ان نافرمانوں پر عذاب نازل ہوئے۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزا کروں تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اللہ مسلمانوں کی صورتوں اور انکے مال و دولت پر نظر نہیں فرماتا بلکہ ان کے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ یعنی کہ ظاہری اعمال و افعال کے مطابق ایک شخص بہت اچھا نظر آتا ہے مگر باطنی طور پر وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو اور اسکے برعکس ظاہر اعمال میں ناقص نظر آنے والے کا باطن اتنا اچھا ہو کہ اس کی ظاہری بداعمالی کا کفارہ بن جائے۔

دوسری چیز جس سے منع فرمایا گیا ہے وہ لمز ہے۔ اس لفظ کے متعدد مفہوم ہیں' اس میں چوٹ کرنا' پھبتی کسنا' عیب نکالنا' طعنہ زنی کرنا' نقل اتارنا' شامل ہیں۔ یہ کسی کی شخصیت کو مسخ کرنے کے مترادف ہے اور یہ کردار کشی ہے۔ یہ ایک دوسرے کو قتل کرنا ہے تو ایک حیثیت سے اپنے آپ کو قتل کرنا ہے۔ دوسروں کی عیب جوئی کرنے والوں کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں (ماسوائے نبیوں کے) تم کسی کی تذلیل کا باعث بنو گے تو وہ بھی تمہارے عیب نکالے گا۔ اگر دوسرا درگزر کرتا ہے تو یہ اسکی عالی ظرفی اور شرافت ہے۔ جب آپ ایک انگلی کسی پر اٹھاتے ہیں تو باقی انگلیاں تمہاری اپنی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ دوسروں کی اچھی بات پر نظر رکھے اور اپنے عیوب پر نظر رکھے۔

تیسری بات جس سے منع فرمایا گیا ہے وہ کسی کو برے القاب سے پکارنا ہے۔ یعنی ایسے لقب سے جو اس کو ناگوار ہو اور اس کی ذہنی اذیت اور تحقیر کا باعث ہو۔ اندھا' کانا' لنگڑا' گنجا' ٹھگنا' بہرا وغیرہ کہنے کا تعلق جسمانی عیوب سے ہے اور ان پر کسی کا اختیار نہیں۔ اس لیے کسی کو

Marfat.com

اندھے یا بہرے وغیرہ القاب سے پکارنا منع فرمادیا گیا ہے۔ کیا معلوم کہ ایک آنکھوں والا کسی حادثے میں اندھا ہو جائے۔ اس لیے جسمانی عیب والے شخص کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

حضرت ابو جبیر انصاریؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کیوں کہ حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ہم میں سے اکثر آدمی ایسے تھے جن کو دو یا تین ناموں سے پکارا جاتا تھا اور بعض نام عار دلانے یا تحقیر و توہین کے لیے مشہور کر دیئے گئے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (م ج ۸ ص ۱۱۷' ۱۱۸)

القاب کی دوسری شکل ایسے برے عمل و عادت کے متعلق ہے جس سے کوئی شخص تائب ہو گیا ہو مگر پھر بھی اس کی توہین یا تذلیل کرنے کے لیے اس کو اس کے برے عمل کے نام سے پکارا جائے۔ اگر کوئی شخص کسی طوائف سے جو تائب ہو گئی ہو' نکاح پڑھا کے گھر لے آتا ہے تو کوئی رشتہ دار اس کو اس کا جائز مقام دینے کو تیار نہیں ہوتا بلکہ اس کا ذکر پچھلے حوالے سے کیا جاتا ہے جو کہ گھٹیا اور تنگ ذہن کی غماز ہے۔

اس حکم سے وہ القاب مستثنیٰ ہیں جن کا مقصود تحقیر نہ ہو اور صرف پہچان کے لیے بولے جائیں مثلاً عبداللہ نام کے کئی شخص ہوں اور ان میں سے ایک نابینا ہو' تو عبداللہ نابینا کہنا جائز ہے۔ بعض القاب صرف محبت کی بنا پر مشہور ہو جاتے ہیں اور جن کا تحقیر و تذلیل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا جیسے ابو ہریرہ' ابو تراب وغیرہ۔ حضورؐ نے خاص صحابہ کو خود کچھ القاب سے نوازا تھا جیسے حضرت عمرؓ کو فاروق' حضرت حمزہؓ کو اسد اللہ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو سیف اللہ۔

مومن کے اخلاق حسنہ کے خلاف ہے کہ وہ کسی کا مذاق اڑائے یا برے ناموں سے یاد کرے۔ ایسا کرنا بے ہودہ گوئی ہے' جس سے مومن کو اپنی زبان کی حفاظت کرنا ہے کہ یوم حساب اس کا شمار ظالموں میں نہ ہو۔

شرف انسانیت کی تکمیل کیلئے قرآن الحکیم میں اخلاقیات کی مزید ہدایات دی گئی ہیں' جن سے دنیاوی اور دینوی زندگی کامل سکون' ذہنی آسودگی اور اپنائیت کی فضا میں گزاری جا سکے۔ الحجرات (۱۲) میں باہمی حقوق اور آداب معاشرت کے متعلق احکامات جاری فرمائے گئے ہیں۔

فرمایا یا ایھا الذین آمنو .... تواب الرحیم ☆ ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو

Marfat.com

بدگمانیوں سے بچتے رہو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ سو تم (جبکہ تم) خود اس سے گھن کھاتے ہو' اللہ سے ڈرو' اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

اس آیت کریمہ میں تین چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے' اول ظن' دوسرے تجسس اور تیسرے غیبت' یعنی پیٹھ پیچھے کسی کے متعلق ایسی بات کہنا جو اس شخص کو ناگوار ہو' اگرچہ وہ بات صحیح ہی کیوں نہ ہو اور جو عیب اس شخص میں نہ ہو اور اس سے منسوب کیا جائے تو پھر وہ بہتان کے زمرے میں آتا ہے۔

۱) زیادہ ظن یا گمان سے پرہیز کرنے کو کہا گیا ہے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ گمان کی کونسی قسم گناہ ہے۔ امام ابوبکر حصاصؒ نے احکام القرآن میں ظن کی چار قسمیں بیان کی ہیں جو گناہ نہیں ہیں۔ ایک فرض ہے' دوسری ماموریہ اور واجب ہے' تیسری مستحب اور چوتھی مباح اور جائز ہے۔

پہلی قسم حسن ظن ہے' اللہ تعالیٰ' اللہ کے رسولؐ اور اہل ایمان اور ان لوگوں کے بارے میں جن سے آدمی کا اٹھنا بیٹھنا ہو' حسن ظن رکھنا دین فطرت میں مطلوب اور محمود ہے۔

اللہ تعالیٰ سے بدگمانی حرام ہے۔ یعنی بندہ یہ گمان کرنے لگے کہ اللہ مجھے ضرور عتاب دے گا' معاف نہیں کرے گا۔ حضورؐ نبی کریم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یعنی ''اپنے بندے کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا نام رحمٰن و رحیم سے شروع ہوتا ہے' اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور اس سے بدگمان ہونا اس کی رحمت سے مایوس ہونا ہے اور اس کی رحمت سے ناامید ہونا حرام ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسولؐ اہل ایمان اور میل جول والے مسلمان سے نیک گمان رکھنا فرض ہے۔ حضورؐ نے بغیر کسی قوی دلیل کے بدگمانی سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

دوسری قسم کا گمان وہ ہے جس سے کام لینا ضروری ہے۔ مثلاً کسی مقدمہ کے فیصلہ میں قاضی یا جج شہادتوں پر انحصار کرتے ہیں اور انکی جانچ پڑتال کر کے گمان غالب کی بنا پر فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ ثقہ آدمیوں کی گواہی پر عمل کرنا اس کیلئے واجب ہے کیوں کہ معاملہ کی حقیقت کا براہ

Marfat.com

راست علم ان کو نہیں ہو سکتا۔ اس بات کا احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ کسی گواہ نے جھوٹ بولا ہو۔ قاضی یا جج کے لیے اس کا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے اور اسی پر عمل کرنا واجب ہے اور یہی ظن ماموریہ ہے۔ ظن غالب کی اور بھی صورتیں ہیں جس سے کئی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو کسی گم شدہ چیز کا ہرجانہ ادا کرنا ہو تو قیمت میں ظن غالب پر ہی عمل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح سفر کے دوران سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور نہ کوئی ذریعہ ہو جس سے سمت قبلہ کا تعین ہو سکے تو ظن غالب کی بناء پر نماز ادا کرنا ہے۔

ظن کی تیسری قسم ظن مستحب ہے کہ ہر مسلمان کے بارے میں نیک گمان رکھے۔ بلا سبب دوسروں کے متعلق رائے قائم کرنے میں بدظنی سے کام لینے یا بظاہر نیک اور شریف لوگوں کے معاملہ میں بدظنی کا اظہار کرنے سے اجتناب کرے۔ بعض اوقات کسی شخص سے ایسے فعل سرزد ہو جاتے ہیں جو برائی کی نیت سے نہیں کیے جاتے۔ مثلاً اگر کسی دوسرے کی چیز جو اپنی چیز سے متشابہ ہو جیسے بٹوا اٹھا لے جائے تو یہ رائے قائم کرنا کہ اس شخص نے یہ حرکت چوری کی نیت سے کی ہے گناہ ہے۔ جمعہ کے موقع پر اکثر لوگوں کو اپنے جوتے نہیں ملتے اور وہ کسی دوسرے کے جوتے پہن لیں تو یہ چوری نہیں تصور کی جاتی۔ نیک گمان رکھنا ہی بھلا ہے۔

بعض اوقات بدگمانی کی معقول وجہ موجود ہو تو یہ جائز قسم کی بدگمانی ہے اور گناہ نہیں ہے۔ اگر کوئی فرد یا گروہ اپنے معاملات اور طور طریقوں میں قابل اعتماد نہیں تو یہ ضروری نہیں کہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر ان سے تجارت یا کسی کام میں شراکت کرے۔ احتیاط سے کام لینا ہے اور ایسے لوگوں کی شر سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

مذکورہ بالا تفسیر کے مطابق گمان از خود ممنوع نہیں بلکہ اس کا جائز یا ناجائز ہونا حالات اور نیت پر منحصر ہے۔ اس لیے گمان کرنے سے پہلے تحقیق لازم ہے۔ خدا خوفی کا یہی تقاضا ہے کہ سوئے ظن سے بچے اور بے دھڑک کسی کے بارے میں بدگمانی کا اظہار نہ کرے۔

۲) دوسری بات جس سے اس آیت مبارکہ میں منع فرمایا ہے وہ تجسس ہے۔ یعنی کسی کے راز کا سراغ لگانا۔ بدنیتی کی بنا پر ٹوح لگانا، کسی کو بدنام کرنے کی خاطر یا صرف اپنے استعجاب کو دور کرنے کے لیے ہو، ہر حال میں شرعاً ممنوع ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی کسی بات پر پردہ ڈالے رکھنا چاہتا

Marfat.com

ہے یا اپنی کسی کمزوری کو چھپاتا ہے تو کسی دوسرے کو پردہ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ کسی کا خط یا ڈائری بلا اجازت پڑھنا' دوسروں کی باتوں کی کنسوئیاں لینا' دوسروں کے گھروں میں جھانکنا یعنی کسی نے نجی معاملات میں ٹوہ لگاتے رہنا ناجائز ہے اور بداخلاقی بھی۔ اس ضمن میں متعدد احادیث کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ حضور نبی کریم نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ "اے لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا' مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کا کھوج نہ لگایا کرو' کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے محبوب کے درپے ہو جائے گا اور اللہ جس کے درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔ (ت ج ۵ ص ۸۹)

ایک اور حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ "جب کسی شخص کے متعلق تمہیں کوئی برا گمان ہو جائے تو اسکی تحقیق نہ کرو۔"

حضرت سہل بن سعد ساعدی نے خبر دی کہ ایک آدمی نبی کریم کے دروازے کے سوراخ سے اندر جھانکنے لگا۔ اس وقت آنحضرت کے پاس لوہے کا کنگھا تھا جس سے آپ سر جھاڑ رہے تھے۔ جب آپ نے دیکھا تو فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم (جھانکتے ہوئے) میرا انتظار کر رہے ہو تو میں اسے تمہاری آنکھ میں چبھو دیتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ (اندر آنے کی) اجازت لینے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی لیے تو ہے کہ نظر نہ پڑے (اللو لو والمرجان ج ۲ ص ۲۳۹' حدیث ۱۳۹۳)

تجسس نہ کرنے کا حکم صرف افراد تک محدود نہیں بلکہ اسلامی حکومت کیلئے بھی ہے۔ لوگوں کی چھپی ہوئی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال کر سزا دینا حکومت کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے۔ صرف ان برائیوں کیخلاف کارروائی کرنی ہے جو ظاہر ہو جائیں۔ مثلاً جواء خانہ' شراب خانہ کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا واقعہ بڑا بصیرت افروز ہے۔ حضرت عمرؓ اکثر رات کو عوام کے حالات معلوم کرنے کیلئے عوام کی بھلائی کی نیت سے' گشت کرتے تھے۔ ایک رات آپ نے کسی شخص کی اپنے گھر میں گانے کی آواز سنی۔ آپ کو شک ہوا' اور دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا کہ وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی۔ آپ نے پکار کر کہا کہ اے دشمن خدا کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا۔ اس نے جواب دیا اے امیر المومنین جلدی نہ کیجئے اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کیے

Marfat.com

ہیں۔اللہ نے تجسس سے منع فرمایا ہے۔آپ نے تجسس کیا'اللہ نے حکم دیا ہے کہ گھروں میں ان کے دروازے سے آؤ اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے۔اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اجازت لیے بغیر نہ آؤ اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر تشریف لے آئے۔یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ اپنی غلطی مان گئے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی البتہ اس سے وعدہ لے لیا کہ آئندہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔

بعض حالات میں ٹوہ لگانا جائز اور ضروری ہو جاتا ہے۔کاروباری معاملات میں شریک کاروبار کے بارے میں تحقیق کر لینا جائز ہے کہ کہیں دھوکہ نہ کھا جائے۔اسی طرح بیٹے یا بیٹی کا رشتہ کرنے سے پہلے فریقین کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا جائز اور ضروری ہے کہ یہ دو زندگیوں اور دو خاندانوں کے مستقبل کے روابط کا سوال ہے۔

تجسس کی ایک اور قسم بھی ہے اور یہ تلاش کے معنی میں ہے۔جیسے حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں بن یامین اور حضرت یوسفؑ کے بارے میں فرمایا (سورہ یوسف ۸۷) یبنی اذھبوا .... الا القوم الکفرون ☆ ترجمہ "میرے بچو جا کر یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لاؤ'اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو'اس کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔"

حکومتی سطح پر بھی بعض حالات میں تجسس جائز ہے۔دشمن کی فوج کے بارے میں اس کی جنگی تیاری کے بارے میں جاسوسی کرنا جائز ہے تاکہ اپنا دفاع مضبوط کر سکے۔ملک کے اندر بھی باغ گروہ کے فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے'حکومت حالات کی تحقیق کا پورا پورا حق رکھتی ہے۔

تیسری بات جس سے اس آیت مبارکہ میں منع فرمایا گیا ہے وہ غیبت ہے۔یہ ایسا قبیح فعل ہے جس کو مرے ہوئے بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے لازماً کوئی بھی ایسا کرنا پسند نہ کرے گا۔غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں ایسی بات کرے جو اسے ناگوار گزرے۔حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے غیبت کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے کہ:

"غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو'عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا

Marfat.com

''اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا'' یعنی اگر ناگوار بات پیٹھ پیچھے کہی جائے وہ حق ہے تو غیبت ہے اور اگر باطل ہے تو بہتان ہے۔ اگر دو آدمیوں کو لڑانے کے لیے ہو تو چغلی ہے اور یہ تینوں صورتیں از روئے شریعت حرام ہیں۔ ایسی بات جو ناگوار ہو' کسی کی زندگی میں کی جائے یا مرنے کے بعد' دونوں صورتوں میں حرمت یکساں ہے۔

غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں مجرم ہیں۔ ہو سکے تو اگر کسی کے سامنے غیبت کی جائے تو غیر موجود آدمی کا دفاع کرے اور غیبت کرنے والے کو اس فعل سے روکے اور اگر وہ نہ رکے تو محفل سے اٹھ آئے۔

غیبت اس لیے بھی حرام ہے کہ علاوہ فتنہ فساد اور بداعتمادی کے' جس کی غیبت کی جارہی ہے وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ اگر کسی کی موجودگی میں اسے برا کہا جائے تو یہ ایذاء رسانی ہے اور اس سے بھی پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔

شب معراج حضورؐ کو ایک قوم کا حشر دکھایا گیا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور بدن سے گوشت نوچ رہے ہیں۔ حضورؐ نے جبرئیل امینؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور انکی آبروریزی کرتے تھے۔ (اسکا یہ مطلب نہیں کہ بھائی کے علاوہ دوسروں کی غیبت کی جا سکتی ہے' مطلب یہ ہے کہ انسان ہونے کے ناطے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) (م ج ۸ ص ۱۲۳)

غیبت کی کچھ صورتیں ایسی ہیں جو ضرورت کے تحت' بقدر ضرورت جہاں کسی کو کسی سے بچانا مقصود ہو جائز ہیں۔ حضورؐ کے زمانہ میں فاطمہ بنت قیس کو دو صاحبوں نے نکاح کا پیغام بھیجا ایک حضرت معاویہؓ اور دوسرے ابوالجہیم۔ انہوں نے آکر حضور نبی کریمؐ سے مشورہ طلب کیا۔ آپؐ نے فرمایا معاویہؓ مفلس ہیں اور ابوالجہیم بیویوں کو مارتے ہیں۔ یہ ایک خاتون کے مستقبل کا سوال تھا اس لیے دونوں صاحبوں کی کمزوریاں جو آپؐ کے علم میں تھیں وہ بتا دیں۔ اپنے دفاع کے لیے' نہ کہ دوسرے کی بدنامی کیلئے' ایسا کرنا جائز ہے' خاص طور پر مقدمات یا جرگہ کے فیصلہ میں مدد کرنے کی خاطر۔

بیوی کی طرف سے شوہر کی غیر موجودگی میں شکایت' اگر غیبت بھی ہے' کی اجازت

Marfat.com

ہے۔ حضورؐ نبی پاک کے زمانے میں ابوسفیان کی بیوی ہند نے حضور سے عرض کیا کہ ''ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے اور مجھے اور میرے بچوں کو اتنا نہیں دیتے جو ضروریات کیلئے کافی ہو'' حضورؐ نے اس کو جائز رکھا کیونکہ مظلوم کو ظلم کی شکایت کا حق پہنچتا ہے تاکہ ظلم کے ازالہ کا بندوبست ہو سکے۔ اس قائدے کی بنا پر علماء نے غیبت کو جائز قرار دیا جس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ ظالم کے خلاف مظلوم کی شکایت ایسے شخص کے سامنے کرنی جائز ہے جو اس کو رفع کرنے کی استطاعت رکھتا ہو مثلاً پنچائت' جرگہ' عدالت

۲۔ کسی شخص کی اصلاح کے لیے اس کی برائیوں کا ذکر کسی ایسی شخصیت سے اس نیت سے کرے کہ اس کی اصلاح ہو سکے۔

۳۔ کسی شخص کے غلط فعل کا ذکر مفتی کے سامنے فتویٰ لینے کی غرض سے کرنا جائز ہے۔

۴۔ لوگوں کو ایسے شخص یا گروہ کے شر سے خبردار کرنا تاکہ عوام الناس اس کے دھوکے میں نہ آئیں۔ جھوٹے گواہوں' کسی فرقے کی طرف سے غلط نظریات کی اشاعت سے بچنے کیلئے' تجارت میں شراکت کے معاملے میں' شادی بیاہ کے معاملے میں کسی کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کیلئے کسی کی برائی کا ذکر کرنا جائز ہے۔

۵۔ ایسے فرقے کے خلاف اعلانیہ تنقید کرنا جو فسق و فجور پھیلا رہا ہو' لوگوں کو گمراہ کر رہا ہو' جیسے ختم نبوت کے مسئلے پر ایک فرقہ کے نظریات کی اشاعت' بدعات اور دیگر گمراہ کن نظریات کو روکنے کے لیے اس فرقے کی برائیوں کا ذکر کرنا جائز ہے تاکہ لوگوں کو ایسے فتنوں سے بچایا جا سکے۔

غیبت کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے مقصود اس فعل کی کراہت بیان کرنا ہے۔ بھائی کی لاش کو بھنبھوڑنا انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑنا ہے تاکہ وہ اس مکروہ فعل سے باز رہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سزا دے کر خوش نہیں ہوتا وہ اپنے بندوں کے لیے رحیم ہے اور یہ رحم کرنے کی ایک صورت ہے کہ برے کاموں کے انجام سے آگاہ کر دیا جائے کہ اپنی اور دوسروں کی زندگیاں پرسکون بنائیں اور جسمانی اور ذہنی توانائیاں تعمیری کاموں میں صرف کریں اور دین و دنیا دونوں سنواریں۔

Marfat.com

رکن چہارم (۲)

اخلاقی تعلیمات

باب اول

آداب معاشرت

برائی کی طرف راغب کرنے کے لیے شیاطین اور انسان کا اپنا نفس ہمہ وقت حملہ آور ہوتا رہتا ہے۔ضبط نفس کے لیے جو نسخہ تجویز کیا گیا ہے وہ خوف خدا ہے۔ ہر کام کرتے وقت یہ احساس کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور ہر عمل کا حساب کہ ہر نفس کو یوم حساب دینا ہے' انسان کو بہت سی برائیوں سے بچالیتا ہے۔ پھر مومن کو اس بات سے بڑی ڈھارس ملتی ہے کہ اگر غلطی ہو بھی جائے تو توبہ کا در کھلا ہے اور اللہ کریم بہت مہربان اور بخشنے والا ہے۔

سرگوشیوں سے اجتناب:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے کچھ مزید اخلاقی ضوابط کے بارے میں ہدایات فرمائی ہیں۔ سورہ المجادلہ آیت ۹' ۱۰ میں فرمایا یایھا الذین آمنوا............**فلیتوکل المومنون** ☆ (ترجمہ) ''اے ایمان والو جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسولؐ کی نافرمانی کی باتیں نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو اور خدا سے ڈرتے رہو' جس کے حضور تمہیں حشر میں پیش ہونا ہے۔کانا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے اور وہ اس لیے کی جاتی ہے کہ ایمان والے لوگ اس سے رنجیدہ ہوں' حالانکہ بے اذن خدا وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔''

ان آیات مبارکہ میں سرگوشی کے بارے میں مسلمانوں کو جو ہدایات فرمائی گئی ہیں ان کا پچھلی آیات (۸'۷) سے بڑا گہرا ربط ہے۔ان آیات میں خطاب منافقین اور یہودیوں سے ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضورؐ کا یہودیوں سے معاہدہ صلح ہو چکا تھا۔اس وقت وہ کھل کر مسلمانوں

Marfat.com

کے خلاف کوئی کام نہ کر سکتے تھے۔ منافقین کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بظاہر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوتے۔ حضورؐ کی مجالس میں بیٹھتے مگر اہل ایمان کو ایذا پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہ کرتے۔ ان کا طریقہ کار علاوہ اور تکلیف دہ باتوں کے یہ بھی تھا کہ انہوں نے ایک گروہ بنا رکھا تھا جو مسلمانوں کو دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں اور کھسر پھسر کرنے لگتے اور آپس میں ایسے اشارے کرتے جس سے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ ہمارے خلاف کوئی منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ویسے بھی ان لوگوں کا وطیرہ بن گیا تھا کہ ہر وقت دعوت حق کے خلاف افواہیں پھیلاتے اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے۔

آیہ ۷ ۸ میں فرمایا **الم تر ان یعلم .... فبئس المصیر** ☆ ترجمہ "کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے' کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ' جہاں کہیں بھی وہ ہوں' اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتا دے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں سرگوشیاں کرنے سے منع کر دیا گیا تھا' پھر بھی وہ یہ حرکت کیے جاتے ہیں جس سے انہیں منع کر دیا گیا تھا؟ یہ لوگ چھپ چھپ کر آپس میں گناہ اور زیادتی اور رسولؐ کی نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں' اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں اس طریقے سے سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے تم پر سلام نہیں کیا ہے اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری ان باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے اسی کا وہ ایندھن بنیں گے۔ بڑا ہی برا انجام ہے ان کا۔"

ان آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے اور تم کوئی حرکت بھی اس سے چھپ کر نہیں کر سکتے۔ یہ قرآن کا حسن بیان ہے کہ تین اور پانچ کے عدد کا ذکر فرما کر سمجھایا گیا ہے کہ سرگوشی کرنے والے کتنے بھی ہوں' بہر حال اللہ ان کے درمیان موجود ہوتا ہے۔ ہر عمل یوم حساب سامنے لایا جائے گا کہ اس کا بدلہ جزا اور سزا کی صورت میں دیا جائے۔

ان آیات میں بتایا ہے کہ ان لوگوں کو سرگوشیوں سے منع فرما دیا گیا ہے مگر یہ لوگ باز

Marfat.com

نہیں آتے، اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ چھپ چھپ کر بدی اور نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی اذیت پسندی اور منافقت کا یہ حال ہے کہ جب وہ آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہتے ہیں یعنی تم پر موت ہو۔ چونکہ الفاظ میں زیادہ فرق نہیں تھا اس لیے مسلمانوں کی توجہ اس طرف نہ ہوتی تھی۔ ایک روز حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی سن رہی تھیں انہوں نے جواب دیا اسام علیکم و لعنکم اللہ و غضبت علیکم یعنی ہلاکت تم پر ہو اور خدا کی لعنت اور غضب۔ حضورؐ نبی کریم نے حضرت صدیقہؓ کو ایسا کہنے سے منع فرمادیا اور سختی اور درشتی سے بچنے اور نرمی کی تلقین فرمائی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ کیا آپؐ نے سنا نہیں کہ ان لوگوں نے کیا کہا؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ''سن بھی لیا اور اسکا معتدل بدلہ لے لیا کہ میں نے جواب میں کہہ دیا علیکم یعنی ہلاکت تم پر ہو''

حضورؐ کے اخلاق حسنہ سے یہی درس ملتا ہے کہ ایمان والے کسی کی ایذا رسانی کا باعث نہ بنیں اور ایذا دینے والوں کے ساتھ بھی معتدل رویہ اختیار کریں۔

سرگوشی کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپس میں راز و نیاز کی باتیں کرنا ممنوع نہیں بلکہ اس کا جائز اور ناجائز ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ بات کرنیوالا کس کردار کا مالک ہے اور بات کی نوعیت اور نیت کیا ہے؟ راست باز لوگوں کا کسی بھی جگہ سر جوڑ کر بھلائی کی خاطر، نیک کاموں میں حصہ لینے کی خاطر اور کسی کے درمیان منصف کا کردار ادا کرنے کے لیے راز و نیاز کا تبادلہ جائز ہے۔ اس کے برعکس شریر لوگ جب غلط فہمیاں پیدا کرنے، فساد برپا کرنے اور پھوٹ ڈالنے کے لیے سرگوشیاں کریں اور خفیہ مجالس میں بیٹھیں تو یہ ناجائز فعل ہے، یعنی الاعمال بالنیات۔

حضورؐ نبی پاک نے آداب مجلس کی جو تعلیم فرمائی ہے اس میں بھی فرمایا کہ

''جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں کھسر پھسر نہ کریں کہ یہ تیسرے آدمی کے لیے باعث رنج ہوا۔ اگر دو آدمیوں کو کوئی ضروری بات کرنا بھی ہو تو تیسرے سے اجازت لے کر کرے اور نہ ہی دو آدمی تیسرے کی موجودگی میں کسی ایسی زبان میں بات کریں جس کو وہ نہ سمجھتا ہو یا ایسا

Marfat.com

اشارہ کریں جس سے تیسرے کو خیال ہو کہ بات اسی کے بارے میں کی جارہی ہے۔

مجلس میں بیٹھنے کے آداب:

مجلس میں وسعت کرنے اور سمٹ کر بیٹھنے کی ہدایت فرمائی گئی مگر کچھ لوگوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ ان کو تادیباً مجلس سے اٹھ جانے کا حکم فرمایا۔ دوسروں کے لیے جگہ بنانا اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہے۔ مجالس میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ عمر رسیدہ لوگ جب مجلس میں آئیں تو نوجوانوں اور بچوں کو انکے لیے جگہ بنانے کے لیے اٹھا کر دوسری جگہ بٹھا دیا جاتا ہے یا کھڑا کر دیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کسی عارضے کی وجہ سے فرش پر نہیں بیٹھ سکتے تو ان کے لیے کرسی مہیا کر دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (م ج ۷ ص ۳۴۶)

مجلس سے اٹھا دینے کے بارے میں ایک دوسری تفسیر بھی ہے۔ عبدالرحمان بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ لوگ نبی پاکؐ کی مجلس میں دیر تک بیٹھے رہتے اور ان کی کوشش یہ ہوتی کہ آخری وقت تک بیٹھے رہیں۔ اس سے حضورؐ کو تکلیف ہوتی، آپؐ کے آرام میں بھی خلل پڑتا اور آپ کے کاموں کا بھی حرج ہوتا تھا۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ جب تم لوگوں سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جاؤ۔ یہ حکم سورہ المجادلہ کی آیت (۱۱) میں آیا ہے۔ فرمایا **یاایھا الذین آمنوا .... بما تعملون خبیر** ☆ (ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو، اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا۔ اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔" (ت ج ۵ ص ۳۶۱، ۳۶۲)

آخر میں ایمان والوں اور علم رکھنے والوں کے درجات کی بلندی کی بشارت دی ہے۔ یعنی ایمان کا تقاضا احکامات کی پابندی ہے۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ حضورؐ کی مجلس میں دوسروں کو جگہ دینے سے اگر تم کو اُٹھ جانے کو کہا گیا ہے تو اس میں تمہاری کچھ ذلت ہوگی۔ بڑا مرتبہ تو اسی کا ہے جس نے ایمان اور علم کی دولت پائی۔ جو لوگ آپؐ کی صحبت سے ایمان اور علم کا

Marfat.com

سرمایہ حاصل کر کے وہ اخلاق حسنہ سیکھے جو ایک مومن کی شایان شان ہے' انہی کے درجات اللہ کے ہاں بلند ہوں گے۔

مندرجہ بالا آیت اور احادیث سے جو آداب مجلس بیان فرمائے گئے ہیں انہیں چند نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے:

۱۔ مجلس میں بعد میں آنے والوں کے لیے جگہ بنانا ہے۔

۲۔ بعد میں آنے والے کسی کو از خود اس کی جگہ سے نہ اٹھائیں۔ جہاں جگہ ملے بیٹھ جائیں

۳۔ صاحب مجلس ضرورت کے تحت بعض لوگوں کو مجلس سے اٹھا دے تو کوئی حرج نہیں ہے

۴۔ آداب مجلس میں یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے نہ بیٹھے' بعض لوگ کسی مصلحت کے تحت اکٹھا بیٹھنے کے لیے اجازت لے کر ایسا کر سکتے ہیں۔

خاندان کے سربراہ پر ذمہ داری:

اچھے اخلاق اور معاشرتی آداب کو ملحوظ رکھنا صرف انفرادی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ یہ اجتماعی فرض بھی ہے جو پہلے گھر سے شروع ہوتا ہے۔ سورہ التحریم (۶) میں فرمایا یـــایھـــا الـــذین آمـنـوا.........ما یؤمرون ☆ (ترجمہ) ''اے ایمان والو' بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے' جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو بھی حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔''

اس آیت میں معاشرتی آداب کی ذمہ داری اپنی ذات کی حدود سے نکال کر اجتماعی ذمہ داری تک پھیلا دیا گیا ہے۔ ایک شخص کی ذمہ داری محض اپنے آپ کو سنوارنا ہی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دینی ہے۔ گھر ایک سب سے چھوٹی تنظیمی اکائی ہے اور سنت رسولؐ ہے کہ دعوت حق' تعلیم و تربیت گھر سے ہی شروع کی جائے۔ مرد خاندان کا سربراہ ہوتا ہے' اور یہ بار اس پر ڈالا گیا ہے۔ پہلی ذمہ داری تو اس پر یہ ہے کہ اپنے آپ کو ایک اچھے انسان کے سانچے میں ڈھالے اور اس کے لیے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ پھر وہ اپنے بیوی

Marfat.com

بچوں کو ایسی تعلیم و تربیت دے کہ وہ معاشرے میں پسندیدہ انسان بنیں۔ اگر وہ غلط روش اختیار کریں تو ان کو وعظ، نصیحت، محبت اور نرمی سے سمجھانے کی کوشش کرے۔ گھر والوں کو نافرمانوں، فاسقوں و فاجروں کے انجام بد سے بچانے کی حتی المقدور سعی کرے۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ ''تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔''

لفظ اھلیکم میں اہل و عیال سب داخل ہیں جن میں بیوی، اولاد، غلام، باندیاں سب شامل ہیں۔ اور بعید نہیں ہمہ وقتی نوکر چاکر بھی غلام اور باندیوں کے حکم میں ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آ گئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہیہ کی پابندی کریں) مگر اہل و عیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے تم کو منع فرمایا ہے ان کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا گیا ہے تم ان کے کرنے کا اہل و عیال کو بھی حکم دو، تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔

اس آیت کی رو سے ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنے اہل و عیال کو فرائض شرعیہ اور حلال و حرام کے احکامات کی تعلیم دے اور ان پر عمل کرانے کی کوشش کرے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے، جو کہتا ہے کہ اے میرے بیوی بچو نماز، روزہ، زکوٰۃ، مسکین، یتیم اور پڑوسی کا خیال رکھو اور ان سے غفلت نہ ہونے پائے اور جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں، ان کو پابندی اور خوشی سے ادا کرو۔ (بشمول اہل و عیال کی اصلاح کے)۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل و عیال دین سے جاہل و غافل ہوں۔

اللہ کے فرمان کے مطابق نافرمان لوگ اور پتھر جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ یہ پتھر کا کوئلہ یا گندھک کے پتھر ہوں گے۔ فرشتوں کو جو سزا نافذ کرنے کا حکم دیا جائے گا وہ اسے جوں کا

Marfat.com

توں نافذ کریں گے‘ کسی پر رحم نہیں کھائیں گے‘ نہ سزا میں زیادتی یا تخفیف کریں گے۔

روز حشر کسی کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائیگا جو کفار کو انکے خوفناک انجام سے بچا سکے اس لیے مسلمانوں کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ تم کو دنیا میں ایسا طرز عمل اختیار کرنے سے بچنا چاہیے جس کا انجام کافروں جیسا ہو۔

اس آیت مبارکہ کی رو سے اور حضورؐ کے فرمان کے مطابق اہل ایمان پر اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ یعنی دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی بندوبست کرنا ہے۔ حالات حاضرہ کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر مسلمان ممالک‘ سوائے ایک آدھ کے‘ سب ہی اس کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ سکولوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں اور جامعات میں دینی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اس کے برعکس دینی مدارس‘ صرف دینی تعلیم پر زور دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ قرآنی تعلیمات کو بھی پوری طرح نہیں سمجھ پاتے۔ تعلیمی اداروں میں دنیاوی اور دینی تعلیم میں توازن ہونا ضروری ہے کہ جسم و روح‘ دونوں فیض یاب ہوں۔ یہ ذمہ داری حکومت وقت کی ہوتی ہے کہ حاکم رعایا کا راعی ہے اور جواب دہ ہے۔

پڑھا لکھا طبقہ کے بچے دنیاوی لحاظ سے کامیاب ہو جاتے ہیں مگر دین کے بارے میں عموماً نابلد ہوتے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقے میں کچھ والدین قرآن ناظرہ پڑھانے کیلئے قاری حضرات کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ کچھ گھروں میں والدین خود اپنے بچوں کو دینی تعلیم دینے پر توجہ دیتے ہیں مگر زیادہ تر لوگ آج کل کی مصروف زندگی میں سے ایسے کاموں کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔ معاشرے میں جو بے راہ روی دیکھنے میں آرہی ہے یہ سب انہیں حالات کا نتیجہ ہے۔

رہا گھر کے ملازمین کا معاملہ تو شاذ و نادر ہی گھر والے ان کو قرآن الحکیم ناظرہ پڑھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

سکولوں اور مدرسوں کے نصاب کو متوازن بنانا‘ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ ہم انگریزی پڑھانے پر بڑا زور دیتے ہیں۔ مادری زبان‘ اور انگریزی ضرور پڑھنی چاہیے مگر اس کے ساتھ عربی زبان کو بھی رائج کر دیا جائے تو روح القرآن تک رسائی حاصل ہو سکے۔ عربی زبان رائج کر دینے سے ایک مضبوط و مربوط اتحاد کی بنیادیں استوار ہو سکیں گی کہ ہر پاکستانی اور ہر مسلمان اس

Marfat.com

زبان سے عقیدت رکھتا ہے۔ آخر کو یہ ذمہ داری حکومت وقت کی ہی ہے اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔اس کے علاوہ سیرت النبیؐ کو بھی ہر سطح پر نصاب میں شامل کرنا احسن نتائج کا باعث ہوگا۔

قرآن الحکیم میں رب العزت نے آداب معاشرت کے جو بھی احکامات صادر فرمائے ہیں اس کا مقصد ایک خوش گوار، پرسکون اور با اخلاق معاشرے کا قیام ہے' ایسا ماحول پیدا کرنا ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو تعمیری کاموں میں صرف کر سکے۔حضورؐ نبی کریم اسوۂ حسنہ کا کامل نمونہ ہیں۔اور یہی بات اسلام دشمنوں کو بھی متاثر کرنے والی ہے۔قرآن الحکیم میں کم وبیش ۴۵ مقامات پر آداب معاشرت کا درس دیا گیا ہے جن میں ۹ جگہ یاایھا الذین آمنوا کہہ خطاب فرمایا ہے۔ دوسرے مقامات پر کسی نہ کسی شکل میں' کسی موقع پر مسلمانوں کے لیے اس ضمن میں ہدایات فرمائی ہیں۔ان میں سے کچھ کا مختصر ذکر ذیل میں کیا گیا ہے۔

غلط خبریں پھیلانے کے نتائج سے آگاہی:

ہنگامہ پسند منافقین کی ایسی چالوں' جو ضعیف اور کمزور مسلمانوں کے لیے گمراہ کن ہوں سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے النساء (۸۳) میں راہنمائی فرمائی ہے۔فرمایا واذا جآء ھم امر ....الا قلیلاً ☆ ترجمہ ''یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر یہ اسے رسولؐ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آ جائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمہاری کمزوریاں ایسی تھیں کہ) معدودے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔''

اس آیت میں مسلمانوں کو منافقین کی چالوں سے خبردار کیا گیا ہے کہ غیر ذمہ دارانہ افواہیں پھیلانے کے نتائج بعض اوقات بڑے فتنہ وفساد کا موجب بن جاتے ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے متعلق واقعات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس آیت کے شان نزول میں حضرت عمرؓ بن خطاب کی حدیث کا ذکر کرنا چاہیے۔وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ

Marfat.com

خبر پہنچی کہ رسولؐ اللہ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آئے' جب دروازے پر پہنچے تو آپؓ نے سنا کہ مسجد کے اندر لوگوں میں بھی یہی ذکر ہو رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپؓ نے کہا کہ اس خبر کی تحقیق کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپؓ رسولؐ اللہ کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ کیا آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق کرنے کے بعد میں مسجد کی طرف واپس آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ رسولؐ اللہ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی' جو آپ کہہ رہے ہیں' غلط ہے۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سنی سنائی بات پر بلا تحقیق یقین نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایسی کوئی فتنہ پرور خبر ملے تو اسے بجائے پھیلانے کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچا کر خاموش ہو جائیں۔ ذمہ دار اصحاب سے مراد حاکم اور ذمہ دار اصحاب حکومت سے وابستہ لوگ ہیں۔ یہ لوگ خود بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے اور لوگوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کریں گے۔ (م ج ۲ ص ۴۹۱' ۴۹۲)

حضورؐ کے زمانہ میں فتنہ گر دشمن کوئی خبر اڑا دیتے کہ مسلمان حراساں ہوں یا پھر خراب حالات کے باوجود دھوکہ دینے کے لیے یہ خبریں عام کر دیتے کہ سب ٹھیک ہے۔ اس لیے ایسی خبروں کی تحقیق کرنے کا فرض ذمہ دار لوگوں پر عائد ہوتا ہے۔

ایک معنی یہ بھی ہیں کہ مسائل و حوادث کے متعلق کوئی عوامی مسئلہ درپیش آ جائے جس کے بارے میں کوئی واضح حلت اور حرمت قرآن میں نہیں بیان فرمائی گئی تو اہل علم فقہاء سے رجوع کرو جو اس کا بہترین حل قرآن و سنت کی روشنی میں نکالنے کے اہل ہیں۔

سلام کرنے کی اہمیت:

معاشرے میں خوش خلقی اور شائستگی کو رواج دینے کے لیے سلام کرنے کے بارے میں سورہ النساء (۸۶) میں واضح ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا **و اذا حییتم .... کل شیء حسیبا**

☆ ترجمہ ''اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح' اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔''

Marfat.com

اس آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کے لیے حالات بہت کشیدہ تھے۔ اس بات کا اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں مسلمان کج خلقی کا مظاہرہ نہ کرنے لگیں۔ مسلمانوں کو یہ تربیت دینی ضروری تھی اور ہے کہ مسلمان' جو دینِ حق کے وارث ہیں اور جن کے ذمہ دوسروں کو بھی راہ راست پر لانا ہے' بہتر اخلاق کا نمونہ پیش کریں۔

اس آیت مبارکہ میں سلام کرنے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب جب ایک دوسرے کو ملتے تو حیاک اللّٰہ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ سے خیر مقدم کرتے ۔ اسلام نے اس سے بہتر طریقہ بتایا اور السلام علیکم کا رواج ڈالا۔ یعنی تم ہر تکلیف' رنج اور مصیبت سے سلامت رہو۔''

یہ طریقہ نہایت شائستہ اور مہذب ہے۔ اس میں محبت کے انداز میں سلامتی کی دعا شامل ہے۔ السلام علیکم کہنے والا اللّٰہ سے دعا مانگ رہا ہے کہ اللّٰہ تمکو ہر تکلیف سے محفوظ رکھے اور یہ پیغام بھی دے رہا ہے کہ میری طرف سے تم مامون ہو۔ سلام کا یہ طریقہ وقت کی قید سے آزاد ہے۔ صبح شام' دن رات یا کسی پہر یہ کلمہ کافی ہے۔ حضورؐ نے سلام کو رواج دینے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللّٰہ نے فرمایا یعنی کہ ''تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے' جب تک مومن نہ ہو اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں اگر تم اس پر عمل کر لو تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہو جائے گی۔ وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو' یعنی ہر مسلمان کے لیے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔''

ایک دوسری حدیث کے مطابق حضورؐ نے فرمایا کہ اللّٰہ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں ابتداء کرے۔ ایک اور حدیث میں رسولؐ اللّٰہ نے فرمایا ''بڑا بخیل وہ آدمی ہے جو سلام میں بخل کرے۔

ثواب حاصل کرنے کی خاطر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر بازار میں اس لیے جایا کرتے تھے کہ جو مسلمان ملے اس کو سلام کر کے عبادت کا ثواب حاصل کریں۔

اس آیت مبارکہ کی رو سے سلام کا جواب بہتر الفاظ میں یا کم از کم ویسے ہی الفاظ میں

Marfat.com

دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ حضور نبی پاک کے پاس ایک صاحب آئے تو انہوں نے سلام میں یہ لفظ کہے السلام علیکم یا رسول اللہ۔ آپ نے جواب میں ایک اور کلمہ بڑھا کر فرمایا وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ۔ پھر پھر ایک اور صاحب آئے تو انہوں نے اپنے سلام میں ایک اور کلمہ بڑھا کر کہا اسلام علیکم یا رسول اللہ و رحمتہ اللہ وبر کاتہ ۔آپ نے جواب میں صرف ایک کلمہ وعلیکم ارشاد فرمایا۔ ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان پہلے جو حضرت آئے آپ نے ان کے جواب میں کئی کلمات دعا کے ارشاد فرمائے اور میں نے ان سب الفاظ سے سلام کیا تو آپ نے وعلیکم پر اکتفا فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ہمارے لیے کوئی کلمہ چھوڑا نہیں کہ ہم جواب میں اضافہ کرتے۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سلام کا جواب بہتر الفاظ میں دینے کا کیا مطلب ہے۔ دوسری بات کہ سلام کا بہتر جواب تین کلمات تک مسنون ہے' اس سے زیادہ کرنا مسنون نہیں۔

سلام کا جواب دینا مسلمان کیلئے واجب ہے۔ بغیر شرعی عذر کے جواب نہ دینے والا گنہگار ہے۔ اگر بہتر الفاظ میں جواب نہ دے سکے تو صرف انہی الفاظ میں جواب دے یعنی وعلیکم السلام ۔حضور نبی کریم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے مقرب وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔ ابتداء کرنا سنت مئوکدہ ہے' مگر جواب دینا فرض ہے یعنی پہلے کرنا اختیاری ہے مگر جواب دینا لازمی ہے۔

حضور کے فرمان کے مطابق جو شخص سواری پر ہو اس کو چاہیے پیادہ کو سلام کرے' اور جو چل رہا ہو بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور جو لوگ تعداد میں قلیل ہوں وہ کسی بڑی جماعت پر گزریں تو ان کو چاہیے کہ سلام کی ابتداء کریں۔ اگر ایک شخص سے بار بار ملاقات ہو تو ہر مرتبہ سلام کرنا چاہیے۔

سلام کا جواب دینا لازم ہے مگر چند حالات میں استثنیٰ ہے۔ حالت نماز' خطیب کے لیے خطبہ کے دوران' قرآن کی تلاوت کرنے والے کے لیے' اذان یا اقامت کہنے والے کیلئے' درس قرآن کے دوران درس دینے والے کے لیے۔ ایسے شخص کو سلام کرنا بھی جائز نہیں اور اس کے لیے جواب دینا بھی واجب نہیں۔

Marfat.com

کھانا کھانے کے آداب:

دین حق، دین کامل میں اللہ تعالیٰ نے ہر شعبے میں اپنے بندوں کی راہنمائی فرمائی ہے۔ سورہ النور (۶۱) میں فرمایا **لیس علی الاعمی** .... **لعلکم تعملون** ☆ ترجمہ "کوئی حرج نہیں اگر کوئی اندھا، یا لنگڑا یا مریض (کسی کے گھر سے کھالے) اور نہ تمہارے اوپر اس میں کوئی مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماں یا نانی کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے سپرد ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ البتہ جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، دعائے خیر اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی، بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے آیات بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لوگے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حقوق العباد کے بارے میں ہدایات فرمائی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی بے مثل اطاعت اور فرمانبرداری سے ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جو فرمان الٰہی اور رسولؐ اللہ کی پیروی میں ذرہ برابر بھی ہٹ کر عمل کرنے کا تصور بھی گوارا نہ کرتی تھی۔ اس آیت کی شان نزول چند واقعات کو قرار دیا گیا ہے۔ امام بغویؒ نے حضرت سعید ابن جبیر اور ضحاک نے آئمہ تفسیر سے نقل کیا ہے کہ عام طور پر لوگ معذور آدمی، یعنی اندھے، لولے لنگڑے اور بیمار آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں بھی ایسے معذور اور بیمار تھے۔ ان کو یہ خیال ہوتا کہ ہم کسی کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے تو شاید دوسروں کو تکلیف ہو اور یہ بھی احتمال رہتا کہ شاید اندھا ہونے کی بنا پر وہ اپنے حصے سے زیادہ کھالے اور دوسروں کی حق تلفی ہو، لنگڑا یا لولا آدمی سوچتا کہ میں بیٹھنے میں زیادہ جگہ لیتا ہوں یا دوسروں کو میرے کھانے پینے کی اشیاء مہیا کرنی پڑیں۔ بیمار آدمی کی بھی یہی سوچ تھی کہ خوامخواہ لوگ مجھ سے کٹے کٹے رہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر ایسے معذور لوگ دوسروں سے مل کر کھانے سے گریز کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

Marfat.com

ایک دوسری روایت کے مطابق عرب کے عام رواج کے مطابق لوگ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے بے تکلف کھا پی لیا کرتے اور اپنے ساتھ معذوروں کو بھی لے جاتے۔ بعض اوقات یہ رواج بے تکلفی سے بڑھ کر افراط کا شکار ہو جاتا۔ قرآن الحکیم میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر کھانے سے منع فرمایا (لا تاکلو اموالکم بینکم بالباطل) تو لوگوں کو معذور اور بیمار لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے میں تردد پیش آنے لگا کہ کہیں یہ لوگ اپنے حصے سے کم کھائیں اور ان کی حق تلفی ہو جائے اللہ نے اس فکر سے آزاد کر دیا۔ (بیان القرآن ج۲ ج۸ ص۳۴)

اور سعید بن میسبؒ نے فرمایا کہ مسلمان جب کسی جہاد وغیرہ کے لیے جاتے تو اپنے گھروں کی کنجیاں ان معذوروں کے سپرد کر جاتے اور یہ اجازت دے جاتے کہ گھر میں جو کچھ ہے وہ تم کھا پی سکتے ہو مگر یہ لوگ احتیاطاً کچھ نہ کھاتے کہ کہیں گھر والے کی منشا کے خلاف زیادہ خرچ نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں کھول کر بتا دیا ہے کہ ایسے لوگوں کو کھانے پینے کی کھلی اجازت ہے اور چھوٹی موٹی کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس سلسلے میں حارث بن عمرؓ کا واقعہ بھی شان نزول کا باعث بنا۔ حارث بن عمرؓ حضورؐ نبی کریم کے ساتھ جہاد میں چلے گئے اور گھر اور گھر والوں کی نگرانی مالک بنؓ زید کے سپرد کر دی۔ جب واپس آئے تو دیکھا کہ مالک بن زیدؓ بہت ضعیف اور کمزور ہو گئے ہیں۔ پتا چلا کہ انہوں نے حارث بن عمروؓ کی غیر حاضری میں انکے گھر سے کچھ کھانا پینا مناسب نہ سمجھا۔

مندرجہ بالا واقعات اس آیت کے نزول کا سبب بنے۔ اس میں معذوروں کو معاشرے میں ان کا حق دلا دیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ عوام پر بھی ان کی ضرورتوں کا خیال کرنا مستحب ہے۔

جن گھروں سے بلا اجازت داخل ہو کر، بلا اجازت کھانا پینا جائز قرار دیا گیا ان کے بارے میں مفصل طور پر بتا دیا گیا ہے کہ جہاں سے آپ بے تکلف کھا سکتے ہیں اور اہل خانہ کو اس سے خوشی ہوتی ہے۔

یہاں اپنے گھر میں بیوی اور اولاد کا گھر بھی شامل ہے۔ اس طرح کھانے پینے سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ حکم ابتدائے اسلام سے آج تک جاری ہے گو آج کل کے حالات اور کچھ ممالک کے رواج میں فرق ہے۔ بعض اوقات رشتہ داروں کے درمیان کسی بات پر رنجش

Marfat.com

ہو جاتی ہے اور عزیزوں کا گھر میں آنا اور کھانا پینا ناگوار گزرتا ہے۔ ایسی صورت میں بغیر اجازت کھانا پینا جائز نہیں۔

پھر اس آیت میں مل کر کھانے یا علیحدہ علیحدہ کھانے کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ ایک ہی طشت سے سب اپنے اپنے آگے سے کھا سکتے ہیں یا علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی رکابی میں ڈال کر کھا سکتے ہیں۔ آج کل یہ عام رواج ہے کہ کھانا بڑے برتنوں میں ڈال کر میز یا دستر خوان پر رکھ دیا جاتا ہے اور ہر کوئی اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتا ہے۔ اس طرح کھانا ضائع بھی نہیں ہوتا اور کسی کی حق تلفی بھی نہیں ہوتی۔

گھر میں داخل ہونے کے آداب تو سورہ النور (۲۷، ۲۸، ۲۹) میں واضح طور پر فرمائے گئے ہیں۔ یہاں پھر اس بات کا اعادہ فرمایا ہے کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جہاں تم بے تکلف کھا پی سکتے ہو تو وہاں اپنے لوگوں، یعنی جو مسلمان ہوں، ان کو سلام کر لیا کرو۔ سلام دعائے خیر ہے، یہ اللہ کی مقرر کردہ، موجب ثواب اور برکت والی ہے اور مخاطب کے دل خوش کرنے والی ہے۔

مومنوں کی اخلاقی صفات جو معاشرے میں سکینت کا باعث ہوتی ہیں:

سوہ الفرقان (۶۳) میں ان صفات کا ذکر فرمایا ہے جن سے فتنہ فساد کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔ فرمایا **و عباد الرحمن .... قالو اسلماً** ☆ ترجمہ "رحمان کے (خالص) بندے وہ بندے ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام"

یہاں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تین صفات بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صفت اللہ کا بندہ ہونا ہے۔ تخلیقی اعتبار سے ساری مخلوق اللہ کی بندگی کرتی ہے اور مشیت کے تابع ہے۔ یہاں مراد وہ بندے ہیں جو شعوری اور اختیاری طور پر اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ عقائد میں اور اپنے ذاتی اعمال میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکامات کی پیروی کرتے ہیں اور آقا کا ہر حکم بجالاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو رحمان کے بندے کہا گیا ہے۔

Marfat.com

دوسری صفت نرم چال ہے۔ کسی بندے کی چال بڑی حد تک اس کے کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ نرم چال سے مراد وقار سے چلنا ہے۔ مگر جباروں اور مفسدوں کی طرح اکڑ کر نہ چلے کہ لوگوں پر اپنا رعب جمانا مقصود ہو۔ بدمعاش اور غنڈے اپنی چال اور انداز گفتگو ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ نرم چال سے مراد ضعیفانہ اور مریضانہ چال بھی نہیں' نہ ریاکارانہ عاجزی ظاہر کرنے والی چال ہے' بلکہ مضبوط مگر شریفانہ حلیم چال مراد ہے۔ ایسے لوگوں سے کسی شر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ حضورؐ نبی کریم خود اس طرح مضبوط قدم رکھتے ہوئے چلتے تھے جیسے نشیب کی طرف اتر رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے متعلق روایت منقول ہے کہ انہوں نے ایک جوان آدمی کو مریل چال چلتے دیکھا تو روک کر پوچھا کیا تم بیمار ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپؓ نے دُرّہ اُٹھا کر اسے دھمکایا اور بولے قوت کے ساتھ چلو۔

تیسری صفت جاہلوں کے منہ نہ لگنے اور ان سے اعراض کے بارے میں ہے۔ جہاں جاہل سے مراد ان پڑھ یا بے علم نہیں بلکہ مراد وہ شخص ہے جو جہالت پر اتر آئے' کج بحثی کرے' باتوں میں بدتمیزی کرے' بہتان طرازی کرے اور گالی گلوچ اور بے ہودگی پر اتر آئے۔ پہلے لوگ ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگتے بلکہ ان کے اشتعال انگیز رویے کے جواب میں سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔ بے ہودہ بات کا جواب بے ہودہ بات سے دینا فتنہ کا موجب ہوسکتا ہے۔ سلام کر کے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ یعنی بدی کو نیکی سے ختم کرنا ہے۔

سورہ القصص (۵۵) میں ذرا مختلف پیرائے میں یہی بات دوہرائی گئی ہے۔ بے ہودہ بات کو نظر انداز کرنے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہونے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و اذا سمعو اللغوا .... الجھلین ☆ ترجمہ ''اور جب انہوں نے بے ہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے' تم کو سلام ہے' ہم جاہلوں کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہتے۔''

اس آیت میں اس بیہودہ بات کی طرف اشارہ ہے جو ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے عیسائیوں کے وفد سے کی تھی۔ ہجرت حبشہ کے بعد حضورؐ نبی کریم کی بعثت اور دعوت حق کی خبریں

Marfat.com

حبش میں پھیلنے لگیں تو وہاں کے ۲۰ کے قریب عیسائیوں کا ایک وفد تحقیق حال کی غرض سے مکہ معظّمہ آیا۔ حضورؐ سے مسجد حرام میں ملاقات ہوئی۔ وفد کے عیسائیوں نے حضورؐ سے کچھ سوالات کیے جن کا آپؐ نے جواب مرحمت فرمایا۔ پھر حضورؐ نے اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی آیات کی تلاوت فرمائی۔ قرآن سن کر وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ یہ اللّٰہ کا کلام ہے۔ یہ لوگ حضورؐ پر ایمان لے آئے۔ یہ خبر ابو جہل تک پہنچی تو اپنے لوگوں کے ساتھ واپس جاتے ہوئے وفد کو راستے میں جالیا اور ان کے اسلام قبول کرنے پر سخت ملامت کی' ان کو نامراد اور احمق کہا اور ان کو یاد دلایا کہ تم تو عیسائیوں کے نمائندے بن کر تحقیق کی غرض سے آئے تھے اور اب اپنا دین بھی چھوڑ دیا۔

یہ باتیں سن کر ان نومسلموں نے الجھنا مناسب نہ خیال کیا اور ان سے کہا کہ ہم تم جیسے ناسمجھ' کج فہم اور جاہلوں کے ساتھ کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے اور ہمارے اعمال ہمارے ساتھ جائیں گے اور تم جو کچھ کرو گے اس کے تم ہی جواب دہ ہو گے۔ اپنے اپنے طریقے پر چلنے کا اختیار ہے۔ ہم اپنے آپ کو اب حق جان لینے کے بعد سراط خیر سے محروم نہیں کر سکتے۔ پھر وہ سلام کر کے ان لوگوں سے کنارہ کش ہو گئے۔

اس آیت اور اس کی شان نزول کی رو سے مسلمانوں کو یہی ہدایت دی گئی ہے کہ جہالت کی بات سن کر اس کا جواب دینے کی بجائے سلام کر کے کنارہ کش ہو جائے۔ امام حصاصؒ نے فرمایا کہ سلام کی دو قسمیں ہیں' ایک سلام تحیہ جو مسلمان ایک دوسرے کو خوش آمدید کے طور پر کرتے ہیں اور جس میں ایک دوسرے کے لیے سلامتی رحمت اور برکت کی دعا مانگتے ہیں اور دوسرا سلام مسالمت اور متارکت یعنی' اپنے حریف کو یہ کہہ دینے کے لیے کرتے ہیں کہ ہم تمہاری لغویات کا کوئی انتقام تم سے نہیں لیتے اور تم اپنی راہ لگو ہم اپنی راہ لگتے ہیں۔ اس آیت میں سلام کے یہی دوسرے معنی ہیں۔ سورہ الفرقان (۶۳) میں ایسے ہی سلام کا ذکر ہے اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا

وعبادالرحمن ....قالوا سلماً ☆

سورہ لقمان میں بھی رب کریم نے بندوں کو اچھے اخلاق کی تعلیم فرمائی ہے۔ آیات ۱۴' ۱۵ میں والدین کے حقوق بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا و وصینا الانسان .... بما کنتم تعلمون ☆ ترجمہ ''اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہنچاننے کی خود

Marfat.com

تاکید کی ہے۔اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔(اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا' میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا' تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے۔اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔''

ان آیات میں والدین کا حق' بالخصوص ماں کا جس نے حمل کے دوران تکلیف اٹھائی' ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے البتہ اگر اولاد کو شرک کرنے کو کہا جائے تو والدین کی تابعداری نہ کرے۔والدہ کا حق اس لیے بھی والد پر فائز رکھا گیا ہے کہ وہ نہ صرف حمل کے دوران بچے کی پرورش کرتی ہے بلکہ اس کے بعد اسے اپنا دودھ پلاتی ہے اور بچپن سے جوانی تک اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی ہے۔

سورہ لقمان کی آیات (۱۸'۱۹) میں دیگر آداب معاشرت سکھائے گئے ہیں جن سے اچھے اخلاق کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔حکم فرمایا **و لا تصعر خدک ....لصوت الحمیر**

☆ ترجمہ ''اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل' بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے' فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔اور اپنی آواز کو پست کر' بیشک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔''

ان آیات میں حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو مخاطب فرما کر حکمت کی باتیں سکھائی ہیں۔حضرت لقمان کی شخصیت کے بارے میں مختلف روایات سامنے آئی ہیں۔عرب میں آپ حکیم اور دانشور کی حیثیت سے مشہور تھے۔اہل عرب میں بعض پڑھے لکھے لوگوں کے پاس صحیفہ لقمان کے نام سے ان کے حکیمانہ اقوال کا ایک مجموعہ بھی موجود تھا۔

جمہور سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ فقیہہ اور حکیم تھے۔اور روایات سے یہ ثابت ہے کہ لقمانؒ حضرت داؤد کے زمانے میں ہوئے تھے۔حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آپ ایک حبشی غلام تھے۔نجاری کا کام کرتے تھے۔آپ کے جدامجد کا وطن نوبیہ (جنوبی

Marfat.com

مصر) تھا۔ کالے لوگوں میں تین بزرگ ایسے ہیں جو لوگوں میں سب سے بہتر تھے' حضرت بلالؓ حبشی اور مہجع' حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام اور حضرت لقمانؑ۔

حکیم ترمذی نے نوادر میں مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ان کو قبل داؤد خلافت دی جانی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر حکم ہے تو سر آنکھوں پر اور اگر میری مرضی پر ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ پھر حضرت داؤد کو خلافت عطا کر دی گئی۔ (بیان القرآن ۲' جلد ۹ ص ۲۱)۔ حضرت لقمان نے حکمت کو خلافت پر ترجیح دی کہ یہ منصب بڑی ذمہ داری کا ہے۔ اگر وہ بغیر اختیار کے دیدیا جاتا تو حق تعالیٰ خود اس کی کفالت فرماتے کہ اس کے فرائض ادا کیے جاسکیں اور اگر حضرت لقمان خود اپنے اختیار سے اس کو طلب کرتے تو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی۔

حضرت لقمان ایک روز مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سنا رہے تھے' ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کہ تم وہی ہو جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے؟ لقمانؑ نے جواب دیا' ہاں میں وہی ہوں۔ اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلق خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لیے دور دور سے جمع ہوتی ہے۔ لقمانؑ نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پہنچایا۔ اگر تم اختیار کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا۔ وہ کام یہ ہیں' اپنی نگاہ کو پست رکھنا' زبان کو بند رکھنا' حلال روزی پر قناعت کرنا' اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنا' بات میں سچائی پر قائم رہنا' عہد پورا کرنا' مہمان کا اکرام کرنا' پڑوسی کی حفاظت کرنا' اور فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا۔ (م ج ۷ ص ۳۵)۔

اللہ تعالیٰ نے لقمانؑ کو حکمت عطا فرمائی۔ آپ لوگوں کو جو نصیحت فرماتے وہ دلوں پر اثر کرتی۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ حکمت سے مراد عقل' فہم اور ذہانت ہے۔ دانشمندی یعنی حکمت' جو حضرت لقمان کو عطا ہوئی، سے مراد علم مع عمل ہے۔

قرآن الحکیم میں حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے حکمت کی جو باتیں بتائیں وہ بظاہر تو ان کا مخاطب بیٹا تھا مگر در حقیقت یہ عوام الناس کے لیے ہیں۔

حضرت لقمانؑ نے پہلی نصیحت جو فرمائی وہ شرک سے اجتناب ہے کہ یہ ظلم عظیم ہے۔ پھر والدین کی فرمانبرداری اور شکر گزاری ہے۔ شرک اتنا گناہ کبیرہ ہے کہ اس معاملے میں اولاد پر

Marfat.com

والدین کی اطاعت کرنی جائز نہیں۔شرک کے معاملے میں والدین کی اطاعت حرام ہے۔

پھر نماز قائم کرنے اور صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔

ان آیات مبارکہ (۱۹'۱۸) میں آداب معاشرت کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔پہلی بات کہ لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرکہ صعر اونٹ کی ایک بیماری ہے جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے۔یہ ایک قسم کا لقوہ ہے۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں سے گفت گو کرتے وقت منہ نہ پھیرو کہ ایسا کرنا تکبر کی علامت ہے اور دوسرے کو یہ باور کرانا ہے کہ تم کوئی حقیر شے ہو۔ایسا کرنا سراسر بداخلاقی اور غیر مہذب رویہ ہے۔

دوسری بات چال کے بارے میں فرمائی کہ اکڑ کر نہ چلو کہ یہ اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہے' اور تکبر کی نشانی ہے۔یعنی زمین کو اللہ تعالیٰ نے سارے عناصر سے پست اور افتادہ بنایا ہے' تم اس سے بنائے گئے ہو' اسی پر چلتے پھرتے ہو' اپنی حقیقت کو پہچانو اور اترا کر نہ چلو جو متکبرین کا طریقہ ہے۔انسان کے اخلاقی معیار کا اندازہ بڑی حد تک اس کی چال سے لگایا جاسکتا ہے۔جب انسان گھمنڈ میں مبتلا ہو' دولت' علم' حسن یا اقتدار کا نشہ ہو تو اس کی چال ڈھال متکبرانہ ہو جاتی ہے۔اکڑ کر چلنے لگتا ہے اونچے شملے والی پگڑی اور زمین پر گھسیٹتا ہوا تہبند بھی ایسے لوگوں کی نشاندہی کرتا ہے۔اس کے برعکس بلاوجہ مریل اور بیماروں جیسی چال بھی پسندیدہ نہیں۔چال میں میانہ روی اختیار کرنے کو فرمایا گیا ہے۔اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا واقعہ بیان کیا جاچکا ہے۔

تیسری نصیحت جو حضرت لقمانؑ نے کی وہ آواز کے بارے میں ہے۔یعنی آواز کو پست رکھو' ضرورت سے زیادہ بلند آواز نہ نکالو۔مگر اتنی پست بھی نہ ہو کہ لوگ سن نہ سکیں۔حضرت عمرؓ عادتاً تیز چلتے تھے مگر تکبر سے نہیں اور کلام کرتے وقت اتنی آواز نکالتے کہ لوگ اچھی طرح سن سکیں۔کرخت اور شور شرابہ والی آواز سے منع فرمایا گیا ہے۔ایسی کرخت اور کانوں پر گراں گزرنے والی آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔جو مکروہ اور سب سے بری آواز ہے۔

ان آیات مبارکہ میں چار ہدایات فرمائی ہیں۔

۱۔ لوگوں سے گفت گو میں متکبرانہ انداز اختیار نہ کریں۔

۲۔ زمین پر اترا کر نہ چلیں کہ یہ تکبر کی نشانی ہے۔

Marfat.com

۳۔ درمیانی چال' مضبوط مگر غیر متکبرانہ چال چلیں۔

۴۔ کرخت آواز میں بات نہ کریں۔

حضورؐ نبی کریم کی عادات وفضائل میں یہ سب چیزیں جمع تھیں۔ شمائل ترمذی میں حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی مرتضیٰؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرتؐ جب لوگوں میں بیٹھتے تو آپس میں آپؐ کا کیا طرز ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ ہمیشہ خوش و خرم معلوم ہوتے تھے' آپ کے اخلاق میں نرمی اور برتاؤ میں سہولت مندی تھی۔ آپ کی طبیعت سخت نہ تھی' بات بھی درشت نہ تھی' آپ نہ شور مچانے والے تھے نہ فحش گو تھے۔ کسی کو عیب لگاتے تھے نہ بخل کرتے تھے۔ جو چیز دل کو نہ بھاتی اس کی جانب سے غفلت برتتے (مگر) دوسروں کو ناامید بھی نہ کرتے تھے (اگر حلال ہو اور اس کی رغبت نہ ہو) جو چیز آپکو مرغوب نہ ہو دوسرے کے حق میں اس کی کاٹ نہ کرتے تھے۔ تین چیزیں آپؐ نے چھوڑ رکھی تھیں' جھگڑنا' تکبر کرنا اور جو چیز کام کی ہو اس میں مشغول ہونا۔ (م ج ۷ ص ۴۰)

اللہ سبحان التعالیٰ نے معاشرے کو پاک صاف' پرسکون اور دلکش بنانے کے لیے پر حکمت ہدایات صادر فرمائی ہیں اور انفرادی اور اجتماعی حقوق کی حفاظت فرمائی ہے۔

سورہ الشوریٰ (۳۷'۳۸) میں معاشرے کے پسندیدہ لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ **والذین .... ینفقون** ☆ ترجمہ "اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کر جاتے ہیں' جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' اپنے معاملات آپس میں مشورے سے چلاتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ رزق ان کو دیا ہے' اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سورہ الشوریٰ کی آیت ۳۶ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ سے بہتر اجر پانے والے کون لوگ ہوں گے۔ یہ اہل ایمان ہوں گے جو اللہ پر توکل کرتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی بتائی ہوئی حدود کے اندر رہ کر اپنی عقل' طاقت اور قابلیت کے مطابق سعی کرتے ہیں مگر بھروسہ صرف اللہ پر کرتے ہیں کہ وسائل اور تدابیر سے کامیابی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اللہ کی توفیق اور تائید شامل حال ہو۔

Marfat.com

آیات ۳۷'۳۸ میں ایسے اہل ایمان کا ذکر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اپنا دامن گناہ کبیرہ سے بچائے رکھتے ہیں۔ سورہ النساء (۳۱)' الانعام (۱۵۱) النحل (۹۰) اور النجم (۳۲) میں تفصیل سے گناہ کبیرہ کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی شرک' کسی کی حق تلفی' والدین اور دوسرے انسانوں کی' تکبر' زنا' چوری اور سود خوری)۔ یہاں بے حیائی کے کاموں کا الگ ذکر فرما کر یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ایسا مرض ہے جو ایک دوسرے سے لوگوں میں پھیلتا ہے اور یہاں بے حیائی کے کاموں سے مراد زنا (بالرضا یا بالجبر) اور ایسے دوسرے بداعمال جیسے عریانی ہے۔ ایسے اعمال پورے معاشرے کی فضا کو متعفن کر دیتے ہیں۔ ہر طرف شیطان کے چیلے دندناتے نظر آتے ہیں۔

پھر مومن اپنے غصے کو ضبط کرتے ہیں کہ غصے کی حالت میں کسی پر زیادتی نہ ہو۔ یہ لوگ دوسرے فریق کو معاف کرنے والے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی سرشت میں نرم مزاج' اور شائستہ گفت گو کرنے والے ہیں اور دوسرے لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ غصہ کو پی جانا حسن اخلاق کا بہترین نمونہ ہے اور قابل تعریف عمل ہے۔ سورہ آل عمران (۱۳۴) میں ایسی صفات کے مالک کو اللّٰہ کا پسندیدہ بندہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ کچھ یوں بیان فرمایا ہے الذین ینفقون .... یحب المحسنین ☆ ترجمہ ''جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں' خواہ بدحال ہوں یا خوش حال ہوں' جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگوں کو اللّٰہ بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ صفات ایسی ہیں تو تالیف قلوب اور فتنہ وفساد کو روکنے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہیں۔

حضورؐ نبی کریم کی صفات بیان کرتے ہوئے اللّٰہ نے فرمایا (آل عمران ۱۵۹) بما رحمة من الله .... یحب المتو کلین ☆ ترجمہ ''اے پیغمبر اللّٰہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو' ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد وپیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کاموں میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو' اور جب تمہارا عزم کسی رائے پر پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ رکھو' اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔''

حضورؐ میں یہ صفات بدرجہء اتم موجود تھیں' یہاں بیان کرنے کا مقصد اُمت کو باور کرانا

Marfat.com

ہے کہ اُمت مسلمہ میں ایسی صفات کے لوگ معاشرے کا حسن ہیں۔ نرم خوئی قرب کا باعث بنتی ہے جبکہ تند خوئی سے لوگوں کے درمیان فاصلے بڑھ جاتے ہیں۔ وعظ و نصیحت کرتے وقت بعض واعظ غضب ناک لہجہ اختیار کرتے ہیں اور اللہ کے غضب کا ذکر اس کی رحمت کے ذکر سے کہیں زیادہ کرتے ہیں۔ ایسے واعظ کی مجالس میں جانے سے لوگ کتراتے ہیں۔

پھر مومن درگزر اور معاف کرنے والے ہوتے ہیں اور دوسرے فریق کے حق میں بخشش کی دعا کرنے والے۔ ان آیات میں باہمی مشاورت کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔ حضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ دین کے کاموں میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔ ایسا کرنے سے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

(۱) انصاف کا تقاضا پورا کرنے کے لیے جتنے لوگوں کے مفاد کا معاملہ درپیش ہو ان کو شریک رائے کرنا ہے کہ شخصی فیصلہ متعصب اور خود غرضی پر مبنی ہو سکتا ہے۔

(۲) مشورہ کر لینے سے کسی کی حق تلفی کا امکان نہیں رہتا۔

(۳) صرف اپنی رائے پر انحصار کرنا اپنے پر بڑی ذمہ داری ڈالنا ہے۔ مشورہ کرنے کی صورت میں اگر کوئی فیصلہ غلط بھی ہو جائے تو کسی ایک شخص پر ذمہ داری عائد نہیں ہوتی

مشورہ، ہر سطح پر، مسلمانوں کی طرز زندگی کا شعار ہے۔ گھر کے چھوٹے پیمانے سے لیکر قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس سے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں بشرطیکہ نیت صاف ہو۔ گھر میں اہل خانہ یعنی میاں بیوی اور بالغ بچے کسی معاملے میں فیصلہ کرنے میں شریک ہونے چاہئیں۔ محلہ اور برادری کی سطح پر پنچایت کا وجود غنیمت ہے کہ چھوٹے بڑے جھگڑے نپٹا دیئے جائیں اور عدالتوں تک جانے کی نوبت نہ آئے۔ قومی سطح پر اپنی رائے کا اظہار اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے سے فرد واحد کے فیصلے مسلط کیے جانے کا خطرہ نہیں رہتا اور عوام کے حقوق اور مفادات محفوظ ہو جاتے ہیں (آج کل رائے کا اظہار حق و باطل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا کہ اپنی سیاسی جماعت کا مفاد ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے اور قومی مفاد کو نقصان پہنچنے کا احتمال رہتا ہے)

سربراہ کو مشورہ دینے والے لوگ مخلص ہونے چاہئیں اور ان کو عوام کا اعتماد بھی حاصل ہو۔ شوریٰ مسلمانوں کے معاملات میں مکمل خود مختار نہیں بلکہ دین کی حدود سے محدود ہے۔ جن

Marfat.com

معاملات میں حق تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔ نزاعی معاملات میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اللہ اور اسکے رسولؐ کے فیصلوں کے بعد خود کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔ البتہ بصورت دیگر اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔

اسلام میں امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے شخصی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہت اور نام نہاد جمہوریت' دونوں سے الگ ہے' یہ ایک معتدل دستور ہے۔

غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں سے لغزش ہوئی' جس سے بڑا خطرہ پیدا ہو گیا تھا' حضورؐ نبی کریم کو اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز رکھنے والے صحابہ کو آپؐ کی تنبیہ سے ان کا صدمہ بڑھ جانے اور دل برداشتہ ہونے کا امکان تھا' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مسلمانوں کی اس لغزش کی وجہ سے حضورؐ زخمی ہوئے' آپ کو جسمانی اور روحانی تکلیف پہنچی اور ہو سکتا تھا کہ آپ کا دل صحابہ کرام کی طرف سے مکدر ہو جائے' اس لیے حضور نبی کریم کو بہترین اخلاق کا نمونہ پیش کرنے کے لیے اللہ نے آپؐ سے خطاب فرمایا۔ اللہ نے حضورؐ پر اپنی رحمت کا ذکر فرمایا' آپ کی تعریف فرمائی کہ یہ صفات آپؐ کے اندر پہلے سے موجود ہیں۔ نرم دلی اور فراخ دلی کی صفات' اور یہ بھی فرمایا کہ حضورؐ کی نرم خوئی اور لطف و مہربانی ہی کی وجہ سے لوگ آپؐ سے متاثر ہوتے ہیں ورنہ بصورت دیگر یہ لوگ آپؐ سے دور ہو جاتے۔ یہاں حضورؐ کو صحابہ کرامؓ کی لغزش سے درگزر اور معاف کرنے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے کو کہا ہے یعنی سرزنش کرنے کی بجائے ان سے کرم کا معاملہ کیا جائے کہ ان کی آخرت بھی سنور جائے۔

پھر اپنے فیصلوں میں صحابہ کرامؓ کو شریک کرنے کی ہدایت فرمائی کہ حضورؐ شرف مشاورت بخش کر انکی قلبی تسکین فرمائیں۔ اور جب مشاورت سے کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو اس پر عمل کر ڈالیں' اپنے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کہ اللہ کی نصرت ضرور حاصل ہوگی۔

اس آیت کی رو سے ہر قابل غور اور اہم معاملہ میں ہر سطح پر باہم مشورہ کرنا سچے مسلمان کا شعار ہے۔ اہم معاملات میں' جن کا تعلق عوام سے ہو' جن سے مشورہ لیا جائے وہ معتبر' صادق' امین اور باعمل مومن ہوں۔ آج کل شوریٰ کا کام منتخب ایوان کے ذریعے لیا جاتا ہے۔ یہ لوگ صحیح

Marfat.com

مشورہ جب ہی دے سکتے ہیں جب یہ لوگ دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ ور ہوں اور ایسے لوگ ہی فیصلہ کرتے وقت اسلام کے دائرہ سے باہر نہیں جاتے۔ یہی قدر اسلامی مجلس شوریٰ یا منتخب ایوان کو غیر مسلم ممالک کی اسمبلیوں سے ممتاز کرتی ہے کہ یہ لوگ اپنے دین سے کوئی راہنمائی حاصل نہیں کرتے اور ہر قسم کے غیر اخلاقی طرز معاشرت مثلاً ہم جنس سے شادی اور غیر شادی شدہ جوڑوں کا ساتھ رہنے کو جائز قرار دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

ایسے فیصلوں میں کوتاہ نظر اور فرقہ پرست مولویوں کا دخل نہیں ہونا چاہیے کہ حضورؐ نبی کریم کے زمانے میں فرقہ پرستی کا کوئی مقام نہ تھا۔ ایک حدیث مبارکہ میں اس معاملے میں راہنمائی فرمائی گئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ''جب امراء اور حکام وہ لوگ ہوں جو تم سب میں بہتر ہیں اور تمہارے مالدار لوگ سخی ہوں (اللہ کی راہ میں غرباء پر خرچ کرنے والے) اور تمہارے کام باہمی مشورہ سے طے ہوا کریں، اس وقت تک تمہارا زمین کے اوپر رہنا بہتر ہے، اور جب تمہارے امراء و حکام قوم کے برے لوگ ہو جاویں اور تمہارے مالدار بخیل ہو جائیں اور تمہارے کام عورتوں کے سپرد ہو جاویں کہ وہ جس طرح چاہیں کریں، اس وقت تمہارے لیے زمین کی پیٹھ کی بجائے زمین کا پیٹ بہتر ہوگا، یعنی زندگی سے موت بہتر ہوگی۔'' (م ج ۷ ص ۶، ۷، ۷۰۷)

یہاں اس حدیث میں جو بات عورت کے بارے میں فرمائی گئی ہے اس میں عورت کے کسی جائز حق سے محروم کرنا مقصود نہیں البتہ محض خواہش پرستی کی خاطر برے بھلے، نافع اور مضر سے قطع نظر محض عورت کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنے معاملات کلی طور پر اس کے سپرد کر دو تو اس وقت زندگی تمہارے لیے موت سے بہتر ہے۔ مشورہ میں عورت کو شامل کرنے کا ذکر قرآن الحکیم میں کئی مرتبہ آیا ہے۔ سورہ البقرہ (۲۳۳) میں بچے کے دودھ چھڑانا ماں اور باپ دونوں کی مرضی اور مشورہ سے ہونا چاہیے۔ گھریلو معاملات میں باہمی مشورہ میں ماں، باپ اور بالغ اولاد کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔

اسمبلی میں منتخب خواتین اپنی رائے کا اظہار کرنے میں آزاد ہیں۔ شاید عورتوں کے سپرد کام سے مراد حکمرانی ہے۔ یعنی قحط الرجال کا یہ عالم ہو کہ کوئی مرد سربراہی کے لیے میسر نہ ہو تو یہ قوموں کے مردہ ہونے کی دلیل ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں محترمہ فاطمہ جناح کا انتخاب میں فیلڈ

Marfat.com

مارشل ایوب کے مقابلے میں کھڑا ہونا اسی وجہ سے تھا کہ کوئی قد آور مرد سامنے نہیں نظر آتا تھا اور دینی حلقوں نے اس بات کو جائز قرار دیدیا۔

مشورہ کے بارے میں یہ بات ذہن نشین رکھی جانی چاہیے کہ مشورہ صرف ان مسائل میں مسنون ہے جن کے بارہ میں قرآن اور حدیث میں واضح اور قطعی حکم موجود نہیں ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان اور دیگر واضح احکامات اور حدود کی موجودگی میں کسی مشاورت کے ذریعے کوئی قانون قرآن اور سنت کے منافی نہیں بنایا جاسکتا۔ مثلاً کسی اسمبلی کو یہ حق حاصل نہیں کہ قتل کے معاملے میں موت کی دی گئی سزا معاف کر کے اسے لمبی قید میں بدل دے۔ دیت اسی صورت میں جائز ہے جب مقتول کے لواحقین اس پر راضی ہوں۔

حضورؐ نبی کریم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کی سنت قائم فرمائی۔ آپ نے جنگ بدر کے موقع پر صحابہ کرام سے مشورہ لیا کہ جنگ مدینہ شہر کے اندر ہو یا باہر۔ کثرت رائے جنگ مدینہ شہر کی حدود سے باہر لڑنے کے حق میں ہونے کی بنا پر جنگ بدر کے میدان میں لڑی گئی۔ صلح حدیبیہ کے ایک معاملہ میں جب حضورؐ نے مشورہ لیا تو صدیق اکبرؓ کی رائے پر فیصلہ صادر فرمایا۔ یہ وہ معاملات تھے جن کے بارے میں وحی کے ذریعہ کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔

اسلام میں شخصی حکومت کی کوئی گنجائش نہیں اور حکومت میں وراثت کے اصول کو بھی باطل قرار دیا گیا ہے اور منتخب امیر اور شوریٰ پر حکومت چلانے کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔

مساکین' یتامیٰ اور قیدیوں کیساتھ حسن سلوک اور دیگر اخلاقی تعلیمات:

حقوق العباد اور حسن سلوک کے بارے میں خصوصی ہدایات دی گئی ہیں جس سے انسان اپنی ذات سے ماورا اللہ کی خوشنودی اور دوسرے انسانوں سے ہمدردی اور رحم کا معاملہ کرتا ہے۔ سورہ الدھر (۸'۹) میں اس بارے میں خاص ذکر فرمایا گیا ہے۔ **ویطعمون الطعام .... ولا شکوراً** ☆ ترجمہ ''اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں' ہم تم سے نہ کوئی بدلہ

Marfat.com

چاہتے ہیں نہ شکریہ۔"

ایمان والے متقی لوگ اپنے کاموں میں مالک دو جہاں کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ یہاں نیکی کے کاموں میں بالخصوص مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانے کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ بھوکے کا پیٹ بھرو' اس کے منہ سے دعائے خیر نکلتی ہے۔ یہ کام ریا کاری سے پاک اور کسی نام و نمود کی خاطر نہ کیا جائے' صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہو۔ اس کا معاوضہ یا بدلہ کی توقع کے بغیر حتیٰ کہ شکریہ کے الفاظ کی خاطر بھی نہ کیا جائے' کہ اس کا اجر رب کریم عطا فرماتے ہیں۔ یہاں اس ذیل میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہے' مسکین یتیم اور قیدی۔

مسکین کو کھانا کھلانا' یعنی ایسے شخص کو، جو اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھے ہوئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا' کھانا کھلانا ہے۔ دوسرا یتیم' جس کے والدین حیات نہ ہوں اور ابھی وہ کوئی کام کاج کرنے کے قابل نہ ہو' کو کھانا کھلانا بڑی نیکی ہے۔ یتیم کے سر پر خالی شفقت کا ہاتھ پھیرنے کا اجر حضورؐ نبی کریم کے فرمان کے مطابق بنو بکر کی بکریوں کے بالوں گنا ثواب ہے' یعنی بے بہا۔

قیدیوں کو کھانا کھلانا ایک احسن کار خیر ہے۔ پرانے زمانے میں قیدیوں کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر محلوں اور سڑکوں میں بھیک مانگنے کے بھیجا جاتا تھا۔ اسلامی حکومت میں قیدی خواہ کافر ہو' مسلمان ہو اور کسی بھی جرم میں گرفتار کیا گیا ہو' کو قید کے دوران کھانا دیا جانے لگا۔ جو شخص قیدی کو کھانا کھلاتا ہے وہ بالواسطہ حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے۔ جب تک بیت المال اور قید خانوں کا قیام وجود میں نہ آیا تھا' قیدیوں کو کھانا کھلانا اور ان کی نگہداشت کا کام عام مسلمانوں میں تقسیم کر کے ان کے ذمہ کر دیا جاتا' جیسے غزوہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔

سورہ المدثر (۴۰'۴۴) میں اہل جنت جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ تم کو کس چیز نے جہنم میں ڈالا تو وہ اعتراف کریں گے کہ ہم نہ تو نماز ادا کرتے تھے اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ **فی جنت یتسآءلون .... نطعم المسکین** ☆ یعنی طعام المسکین کی اتنی اہمیت ہے جتنی نماز کی' ایک میں بندوں کے حقوق سے چشم پوشی اور دوسرے میں حقوق اللہ سے گریز۔

سورہ الفجر (۱۷'۱۸) میں یتیم کو عزت نہ دینے اور مسکین کو کھانا نہ کھلانے کی بری

Marfat.com

خصلتوں پر کفار کو تنبیہ کی گئی ہے۔ بل لا تکرمون........طعام المسکین ☆ مسلمان کو یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسا کرنے والے خود غرض اور مال جمع کرنے والے ہیں' اور مومن ان دونوں باتوں سے گریز کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو صرف کھانا پلانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان کی عزت بھی کرنا ہے۔ یتیم کو اپنے بچوں کی طرح محبت کی نظر سے دیکھنا ہے۔

یتیم اور سائل کے بارے میں سورہ الضحیٰ (۹'۱۰) میں واضح ہدایت آئی ہے فاما الیتیم ....فلا تقھر ☆ ترجمہ ''سو جو یتیم ہے اس کی تحقیر نہ کر اور جو سائل ہے اس کو مت جھڑک''

اگرچہ بھوکے کو کھانا کھلانا خاص طور پر مسکین' یتیم اور قیدی کو' ایک بہت بڑی نیکی ہے مگر کسی حاجت مند کی حاجت پوری کرنا بھی بڑا نیک کام ہے مثلاً کپڑے' دوائیاں' قرضدار کی مدد اور دیگر حاجات پوری کرنا۔ حاجت مند کی ضرورت پوری کرتے وقت اسے یہ اطمینان دلانا بھی حسن سلوک ہے کہ اس کے بدلے میں کچھ درکار نہیں تاکہ وہ احسان کے بوجھ سے آزاد ہو جائیں اور یہ کہ مدد کرتے وقت کسی قسم کے افتخار کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ مومن تو اللہ کا شکرگزار ہوتا ہے کہ رب کریم نے اسے ایسی نیکیاں کرنے کا موقع عطا کیا اور اسے مالی طور پر اس لائق کیا کہ وہ یہ نیک کام کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے نیک عمل کرنے والے متقی لوگوں کے لیے بڑا اجر ہے اور روز حشر اللہ ان کو تازگی اور سرور بخشے گا۔

مال تو ہر کوئی خرچ کرتا ہے' کوئی بے جا' بے مصرف کاموں میں' صرف اپنی بڑائی اور نام و نمود کی خاطر اور کوئی اپنی ذاتی خواہشات کو محدود رکھتے ہوئے خلق خدا کی مدد کرنے میں خرچ کرتا ہے۔ اپنے نفس امارہ کو لگام دینا ایک دشوار گزار گھاٹی ہے' جس سے گزر کر انسان اخلاقی بلندیوں کی چوٹی پر پہنچ سکتا ہے۔ دونوں راہیں کھلی ہیں اور عمل اختیاری ہے۔ سورہ البلد (۱۲ تا ۱۷) میں اس کو یوں بیان فرمایا ہے وما ادراک ما العقبہ........وتوصوا بالمرحمۃ ☆ ترجمہ ''اور تم کیا جانو کہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے' کسی کی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین کو کھانا کھلانا پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) ان آدمیوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (مخلوق پر) رحم کی تلقین کی۔''

Marfat.com

اس جگہ طاعات اور عبادات کو ایک عقبہ یعنی دشوار گزار گھاٹی سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس طرح چوٹی پر پہنچ کر انسان دشمن کی دسترس سے دور ہو جاتا ہے' اس طرح اعمال صالح بھی آخرت کے عذاب سے نجات کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور ان اعمال میں غلام چھڑانا یا یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانا شامل ہیں۔

نفس پر جبر کر کے دوسروں کی خاطر ایثار و قربانی سے کام لینا ہی دشوار گزار گھاٹی ہے۔ اس مرحلے سے گزرنے کے لیے تین بڑی نیکیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک کسی غلام کو آزاد کرنا یا کرانا ہے' دوسرا قریبی یتیم (رشتہ دار' پڑوسی' ملنے والوں میں سے) کو کھانا کھلانا اور کسی محتاج' نہایت مفلس اور خاک نشین کی دستگیری کرنا۔ ان سب کاموں کی فضیلت حضورؐ کے ارشادات سے واضح ہو جاتی ہے۔ متعدد احادیث میں گردن چھڑانے یعنی غلام آزاد کرنے یا کرانے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ''جس شخص نے ایک مومن کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرانے والے شخص کے ہر عضو کو دوزخ کی آگ سے بچالے گا۔ ہاتھ کے بدلے ہاتھ' پاؤں کے بدلے پاؤں' شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ۔''

امام زین العابدینؒ نے اس حدیث کے سننے کے بعد اپنے سب سے قیمتی غلام کو بلایا اور اسی وقت آزاد کر دیا۔ اس غلام کی قیمت ان کو دس ہزار درہم مل رہی تھی۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام شعبیؒ نے اس آیت کی بنا پر غلام آزاد کرنا صدقے سے افضل قرار دیا ہے۔

آج کل کے زمانے میں غلاموں کی بلاواسطہ تجارت تقریباً (مکمل طور پر نہیں) ختم ہو چکی ہے۔ اس کو ختم کرنے کے لیے غلام آزاد کرنے کو بڑی نیکی شمار کیا گیا ہے۔ اب بالواسطہ غلام رکھے جاتے ہیں۔ جاگیردار' وڈیرے قسم کے لوگ اپنے مزارعوں سے بیگار کا کام لیتے ہیں۔ اسی طرح خرکار اپنے کاموں کیلئے لڑکوں کو اغواء کر کے ان سے صرف معمولی غذا کے عوض سخت کام لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چھڑانا غلام آزاد کرانے کی طرح ہے۔

اسی طرح کسی قرض دار کی گردن اس کا قرض ادا کر کے چھڑائی جاسکتی ہے۔ ایک بڑی مشکل آج کل درپیش ہے کہ یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ جس کی مدد کی جارہی ہے وہ صحیح حقدار ہے یا نہیں' دھوکہ دہی بھی ایک شعار بن گیا ہے۔ اگر کسی غلط آدمی کی مدد' دھوکہ کھا کر بھی کر دی گئی تو

Marfat.com

ثواب ضائع نہیں ہوتا کہ مدد کرنے والے کی اپنی نیت صاف تھی۔

یتیموں کی مدد بڑی افضل نیکی ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے نیک سلوک ہو رہا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ برا سلوک ہو رہا ہو۔ (ت ج ۶ ص ۳۴۳)۔

اس آیت مبارکہ میں قریبی یتیم کو کھانا کھلانے کے بارے میں فرمایا گیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی یتیم جس کو آپ نہ جانتے ہوں وہ آپ کی مہربانی کا حق دار نہیں بلکہ یہ کہنا مقصود ہے کہ اولین حق آپ کے قریبی رشتہ داروں میں جو یتیم ہے اس کا ہے۔ بالکل جیسے دعوت حق گھر سے شروع ہوتی ہے۔ حضور نبی پاکؐ نے پہلے ایمان کی دعوت اپنے اہل خانہ کو دی' اسی طرح بیواؤں اور یتامیٰ میں پہلے آپ کے رشتہ دار ہیں۔

اسی طرح مفلس خاک نشیں کو کھانا کھلانا بڑی نیکی ہے۔ ایسے لوگوں میں محتاج اور معذور لوگ بھی شامل ہیں۔

پھر یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ نیکیاں کرنے والے مومنوں کے اعمال ذریعہ نجات بنیں گے۔ قرآن حکیم میں کئی جگہ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ نیک اعمال کرنے والے مومن مرد ہوں یا مومن عورتیں ہوں' جنت میں جگہ پائیں گے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر مسلم بھی ایسے بہت سے نیک کام کرتے ہیں جس میں خلق خدا کا بھلا مقصود ہوتا ہے مثلاً دھرم شالے کھولتے ہیں' دان دیتے ہیں' ہسپتال بناتے ہیں اور کئی فلاحی اداروں کی مالی امداد کرتے ہیں۔ پاکستان میں کئی نام سامنے آتے ہیں مثلاً سر گنگا رام اور گلاب دیوی' ایسے لوگوں کی نیکیوں کا اجر اسی جہاں میں دے دیا جائے گا۔ چونکہ یہ ایمان والے نہیں ہیں' ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں کہ آخرت میں جزائے خیر کے لیے ایمان کی شرط لگی ہوئی ہے۔ ایمان بالعمل صالح آخرت میں اجر کے لیے مقبول قرار دیئے گئے ہیں۔

ایک اچھی اسلامی ریاست میں روٹی' کپڑا اور مکان مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ بیواؤں اور یتیموں کی اعانت بیت المال سے کی جانی چاہیے۔ اہل ایمان کی جماعتوں کو بھی ان فلاحی کاموں میں حصہ لینا چاہیے۔

Marfat.com

اللہ نے ایمان والوں اور عمل صالح کرنے والوں کی مزید دو صفات بیان فرمائی ہیں' جو حقوق العباد کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو صبر اور خلق خدا پر رحم کی تلقین۔ صبر اور رحم اہل ایمان کا خاصہ ہے۔ سورہ العصر (۳) میں فرمایا ہے کہ خسارے سے بچنے والے لوگ ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے اور حق اور صبر کی تلقین کرنے والے ہوں گے۔

یہاں صبر سے مراد صبر ایمان کے راستے میں استقامت ہے۔ ایمان والے متقی کی زندگی ہر لحہ امتحان میں گزرتی ہے۔ برائیوں سے بچنے اور اطاعت اور سپردگی کے لیے صبر ایک مؤثر ہتھیار ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں آزمائشوں سے نبرد آزما ہونے' جہاد اور ہجرت میں ثابت قدمی کے لیے صبر ایک ڈھال ہے۔ مومن نہ صرف خود صابر ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتا ہے کہ ایک صابر اور طاقت ور جماعت پیدا ہو جائے۔

دوسری بات جس کی تلقین فرمائی ہے وہ رحم ہے۔ متقی مومن شقی القلب نہیں ہو سکتا کہ یہ اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ حضور نبی کریم کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا الانبیاء (۱۰۷) **وما ارسلنک الا رحمة اللعلمین** ☆ یہ رحمت کا ہی انداز تھا کہ فتح مکہ والے دن حضورؐ نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ہند کو بھی معاف فرما دیا۔ رحم کے بارے میں حضورؐ نبی کریم کے کئی ارشادات عالیہ ہیں۔ ارشاد گرامی ہے ''اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا'' (بروایت حضرت جریر بن عبد اللہؓ مسلم بخاری)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا! ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور ہمارے بڑے کی توقیر نہ کرے۔''

حضرت عباسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ''تین قسم کے آدمی جنتی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو ہر رشتہ دار اور ہر مسلمان کے لیے رحیم اور رقیق القلب ہو۔'' یہ رحم محبت اور ہمدردی کا جذبہ ہی ہے کہ مومن آپس میں ایک جسم کی مانند ہو جاتے ہیں کہ جس کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی خاطر مضطرب ہو جاتا ہے۔ سورہ الحجرات (۱۱'۱۲) میں طعنہ دینے اور غیبت سے منع فرمایا ہے کہ معاشرے کے سکون کو برباد کرنے والی غیر اخلاقی باتیں ہیں۔ سورہ الھمزہ (۱'۲'۳'۴) میں ایسی ہی باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ارشاد ہے **ویل لکل** ....**فی**

Marfat.com

الحطمۃ☆ ترجمہ ''تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ پھینک دیا جائے گا۔

یہ بداخلاق لوگوں کے کردار کی ایک جھلک ہے جو معاشرے کی فضا کو متعفن کر دیتے ہیں، دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں، طعنہ زنی کرتے ہیں اور دوسروں کے عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ عیب جوئی اور چغل خوری، لگائی بجھائی کرتے ہیں اور بی جمالوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ فتنہ فساد اور پھوٹ ڈالتے ہیں۔ کسی کے حسب نسب پر چوٹ کرتے ہیں اور کسی کی مفلسی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کسی کی اصلاح کی خاطر اس کے عیوب بھلے انداز میں بتائے جائیں تو کارِ خیر ہے۔

پھر معاشرے میں ایسے بخیل لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مال جمع کرتے اور گن گن کر رکھتے ہیں اور ہمہ وقت اس میں اضافے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ مال کی ہوس میں اس درجہ مبتلا ہو جاتے ہیں کہ نہ ان کو موت یاد رہتی ہے نہ آخرت کا خیال آتا ہے اور یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ مال ان کو حیات جاوداں بخشے گا۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جاسکیں گے سوائے اپنے اعمال کے۔ ان کو اپنے رب کے سامنے حساب دینا ہوگا کہ کن ذرائع سے حاصل کی، اللہ کی راہ میں کتنا خرچ کیا۔ جو مال و دولت حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو اور صحیح طریقے سے خرچ کی گئی ہو، تو یہ انسان کے لیے نجات کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو ذریعہ عذاب بن جاتی ہے۔

بخیل لوگوں کو یہ وعید سنائی گئی ہے کہ ردی مال کی طرح، بے وقعت چیز کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی جہنم کی آگ میں پھینک دیئے جائیں گے۔ طعنہ دینے والے، چغل خور اور بخیل لوگوں کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؒ ادھم نے کسی شخص کو نصیحت فرمائی کہ ''جو کھلی ہے اسے بند کر دے اور جو بند ہے اسے کھول دے۔'' اس شخص نے کہا کہ مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آئی۔ انہوں نے فرمایا کہ اپنی زبان کو بند کر دے یعنی بری باتیں کرنے سے روک دے، زبان کی حفاظت کر اور صدقہ خیرات کیلئے اپنی مٹھی کھول دے۔ یہ دونوں ہی بندے کی نجات کا ذریعہ بن جائیں گی۔

Marfat.com

غیر اخلاقی رویے:

کچھ غیر اخلاقی رویوں کی بات سورہ الماعون میں کی گئی ہے۔ یہ رویے یوم حساب پر یقین نہ رکھنے والوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں اور کمزور ایمان والے مسلمان بھی ان کمزوریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔اس آیت میں فرمایا ارءیت الذی..................ویمنعون الماعون ☆

ترجمہ "کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا اور سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔ پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز میں غفلت برتتے ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں اور معمولی برتنے کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے انکار کرتے ہیں۔"

اس آیت میں ناپسندیدہ اعمال کا ذکر کیا گیا ہے یہ مومن کی شان کے خلاف ہیں اور اگر ایسے اعمال کسی مومن سے سرزد ہو جائیں جو آخرت کی تکذیب نہیں کرتا وہ بھی مذموم ہے مگر اس کے لیے معافی کی گنجائش ہے اور جہنم کی وعید نہیں ہے۔

سوالیہ انداز میں آخرت کو جھٹلانے والوں کا کردار بیان کر دیا گیا ہے۔ یعنی کہ روز آخرت کے جھٹلانے والوں کے بارے میں غور کرو کہ یہ کون لوگ ہیں اور انکی عادات اور خصلتوں کا جائزہ لو تا کہ آخرت پر ایمان لانے کی اہمیت واضح ہو جائے۔ یہ اعمال قبیحہ جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے یہ ہیں:

۱)۔ یتیم سے بدسلوکی اور حقارت سے پیش آنا

۲)۔ استطاعت کے باوجود مسکین اور محتاج کو کھانا نہ دینا اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب نہ دینا

۳)۔ نماز ادا کرنے میں غفلت برتنا اور ریا کاری کرنا

۴)۔ روزمرہ استعمال ہونیوالی چیزیں ضرورت کے تحت اپنے ہمسائے یا ضرورت مند کو نہ دینا

ان اعمال میں حقوق العباد کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور حقوق اللہ کا ذکر بعد میں آیا ہے۔ حقوق العباد باعتبار الزم ہونے کے حقوق اللہ پر مقدم ہیں اور حقوق اللہ باعتبار اعظم ہونے کے حقوق العباد پر مقدم ہیں۔

Marfat.com

یتیم کو دھکے دینا بمعنی اس کا مارنے اور توہین کے ہیں۔ یتیم کا معاشرے پر حق ہے اس کی پرورش کا بندوبست کرنا قریبی رشتہ داروں اور پھر دوسرے لوگوں کے لیے لازمی ہے۔ بد اخلاق لوگ یتیم کی مدد کرنے کی بجائے اسے دھتکار دیتے ہیں' توہین آمیز سلوک کرتے ہیں اور جائیداد وغیرہ میں اس کا حق مارنے سے گریز نہیں کرتے۔ بعض اوقات قریبی رشتہ دار یتیم کو گھر رکھ لیتے ہیں تو نوکر کی حیثیت سے۔ بے بس اور بے یار و مددگار یتیم کی عزت نفس تار تار کر دیتے ہیں اور یہ عمل اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔

قاضی ابوالحسن الماردی نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں ایک واقع لکھا ہے۔ کہ ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا۔ وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے۔ اس نے التجا کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اسے کچھ دے دے' مگر اس ظالم نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور وہ کھڑے کھڑے آخر مایوس ہو کر پلٹ آیا۔ قریش کے سرداروں نے از راہ شرارت اس سے کہا کہ محمدؐ کے پاس جا کر شکایت کر کہ وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تیرا مال دلوا دیں گے۔ بچہ بیچارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضورؐ سے کیا تعلق ہے اور یہ بدبخت کس غرض کے لیے یہ مشورہ دے رہے ہیں۔ بچہ سیدھا حضورؐ کے پاس پہنچا اور اپنا حال آپؐ سے بیان کیا۔ آپؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپؐ کو دیکھ کر اس نے آپؐ کا استقبال کیا اور جب آپؐ نے فرمایا کہ اس بچے کا حق اسے دے دو تو فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر اسے دے دیا۔

قریش کے لوگ جنہوں نے یہ مشورہ بدنیتی سے دیا تھا' یہ صورت حال دیکھ کر حیران رہ گئے' ابوجہل کے پاس آئے اور طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمدؐ کے دائیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا، اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی۔ یہ واقع اس بات کا غماض ہے کہ اس زمانے میں معزز قبیلے کے سردار یتیموں اور بے آسرا لوگوں کے ساتھ کیسا ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔ دوسری طرف حضورؐ کی بلند اخلاقی اور رعب تھا کہ بدترین دشمن بھی آپ کے سامنے انکار کی جرات نہ کر سکا۔ (ت ج ٦ ص ۴۸۲)

Marfat.com

دوسری بد اخلاقی اور بد اعمالی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ مسکینوں کو نہ صرف خود کھانا نہ کھلانا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس بات پر نہیں اکساتے اور صاحب استطاعت ہوتے ہوئے بھی رذیلانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ دوسرے کی بھوک کا احساس نہیں کرتے' اس پر رحم نہیں کھاتے۔

تیسری بات کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ منافقین نماز میں غفلت برتتے ہیں یہ دل سے ایمان نہیں لاتے مگر بظاہر مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہتے ہیں۔ دکھاوے اور ریا کاری کے لیے نماز ادا کرتے ہیں۔ ساھون سے یہی مراد ہے کہ وہ نماز قائم نہیں کرتے۔ جب مسلمانوں کے ساتھ ہوتے تو دکھاوے کی نماز پڑھ لیتے۔ نماز بے دلی اور بے توجہی سے پڑھتے جیسے بیگار ٹال رہے ہوں۔ نماز کا وقت ہو جانے پر آخری وقت میں پڑھتے ہیں اور پوری طرح اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ سورہ النساء (۱۴۲) میں بھی منافقین کی نماز کے بارے میں ایسے ہی رویے کا ذکر کیا گیا ہے۔ **ان المنافقین .... الا قلیلاً** ☆ ترجمہ ''اور جب وہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے اٹھتے ہیں' لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔''

ھم عن صلا تھم ساھون سے مراد نماز میں غفلت برتنا ہے' نماز میں بھولنا نہیں ہے' بھول ہر مسلمان سے ہو جاتی ہے' نماز میں درمیان ادھر ادھر ہو جاتا ہے مگر مومن پھر اللہ کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔

یہاں آخری چیز جو بد اعمالی کی غماز ہے یہ کہ معمولی ضرورت کی چیزیں ایک دوسرے کو دینے سے اجتناب ہے۔ مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ حضرت علیؓ 'ابن عمر' حسن بصری وغیرہ کے قول کے مطابق اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔ حضرت تھانویؒ نے تو اس کا ترجمہ بھی یہی کیا ہے' جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے' (یعنی منافقین)۔ اور حضرت ابن عباسؓ 'ابن مسعودؓ اور بہت سے دوسرے اصحاب کا قول ہے کہ اس سے مراد عام استعمال کی اشیاء جو ضرورت کے تحت ایک دوسرے کو مستعار دی جاتی ہیں۔ مثلاً کوئی برتن' یا پیاز' لہسن' کلہاڑی' قینچی وغیرہ جو ایک دوسرے سے کچھ وقت کے لیے مانگ لی جاتی ہیں۔

ابن حاتمؒ کے مطابق اس کا اعلیٰ مرتبہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ مرتبہ دوسری چیزیں ہیں۔ ماعون چھوٹی اور قلیل چیز کو کہتے ہیں جس سے دوسروں کو کچھ فائدہ پہنچایا جا سکے۔ زکوٰۃ بھی مال کا

Marfat.com

تھوڑا حصہ ہے۔

دراصل یہاں مراد اس تنگ دستی اور بداخلاقی سے ہے کہ دوسروں کے فائدے کے لیے معمولی چیز کی قربانی بھی دینا گوارا نہیں کرتے۔

معاشرتی آداب کے حوالے سے مذکورہ بالا آیات کے علاوہ قرآن الحکیم میں دیگر مقامات پر بھی اخلاقیات کا درس دیا گیا ہے اور خود حضورؐ کا اسوۂ حسنہ ہر مسلمان کے لیے کھلی کتاب ہے۔ اچھا اخلاق مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے اور یہی چیز دوسروں کو متاثر کرتی رہی ہے۔ ان تعلیمات سے دور ہٹ کر صرف معیارِ زندگی کو اونچا کرنا' بدامنی' بداخلاقی اور خود غرضی جیسے رویہ کو فروغ دینا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

رکن پنجم

رسول کامل کی امتیازی شان و حرمت

باب اول

رسول کامل کی امتیازی شان

ہر خطے کیلئے راہبر:

سلسلہ نبوت و رسالت تخلیق آدمؑ سے شروع ہو کر حضور نبی پاک پر ختم ہوا۔ آدمؑ پہلے انسان اور پہلے نبی تھے۔ اس کے بعد حضرت نوحؑ جن کو آدم ثانی کہا جاتا ہے، پہلے رسول تھے۔ پھر اس کاروان نبوت و رسالت کا سفر جاری رہا اور حضورؐ خاتم النبیین کی حیثیت سے مبعوث ہوئے۔ شرف انسانیت اور رسالت کا نقطۂ عروج آپ کی ذات اقدس سے منسوب ہے۔

قطعی طور پر یہ تعین نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا میں کتنے نبی اور رسول آئے مگر یہ بات قرآن الحکیم میں کئی مقامات پر واضح کر دی گئی ہے کہ انبیاء اور رُسل صرف وہی نہیں جن کا ذکر اس عظیم مصحف میں ہے بلکہ ہر خطے کے لیے راہبر بھیجا گیا۔ سورہ المومن جو حٰم سے شروع ہونے والی سورتوں میں پہلی سورہ ہے آیہ ۷۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ولقد ارسلنا رسلاً.................. هنالک المبطلون ☆ ترجمہ "اے نبیؐ تم سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو بتائے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔ کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر خود کوئی نشانی لے آتا۔ پھر جب اللہ کا حکم آ گیا تو حق کے مطابق فیصلہ کر دیا گیا اور اس وقت غلط کار لوگ خسارے میں پڑ گئے۔"

یہی مضمون سورہ النساء (۱۶۴) کے پہلے حصے میں آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ورسلاً قد .... کم نقصص علیک ☆ ترجمہ "ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا"۔

ان آیات میں یہ بات بیان فرما دی ہے کہ بعض رسولوں کا ذکر قرآن الحکیم میں ہے اور

Marfat.com

بعض ایسے بھی ہیں جن کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا۔ اللہ نے ہر خطے کے لیے راہبر بھیجا کہ اتمام حجت ہو سکے اور ان حشر کفر کرنے والوں کے پاس یہ عذر نہ ہو کہ ہمارے پاس کوئی ہدایت دینے والا نہیں آیا تھا۔ سورہ الملک (۶۷:۸،۹) میں روز حشر' جواب دہی کے وقت' جب کفار و مشرکین کو جہنم میں لے جایا جائے گا تو داروغہ' جہنم ان سے یہ سوال کرے گا اذا القوا فیھا .... الا فی ضلل کبیر

☆ ترجمہ "جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا چیخنا چلانا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی۔ جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کا داروغہ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ہدایت دینے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں ضرور ہمارے پاس ہدایت دینے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہا کہ خدا نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی' تم بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہو"۔

اس طرح کفار اور مشرکین خود اعتراف کریں گے کہ ہمارے پاس ہدایت دینے والا آیا تھا مگر ہم نے اسے کی ایک نہ سنی اور اگر اس کی باتوں پر دھیان دیا ہوتا تو ہم آج اس جگہ یعنی جہنم میں نہ ہوتے۔"

اگرچہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کل کتنے انبیاء اور رسول آئے ہیں مگر روایات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انبیاء کی تعداد سوا لاکھ ہے۔ ان میں جو رسول ہوئے ان کی تعداد ۳۱۳ ہے۔ (رسول کامل از ڈاکٹر اسرار احمد ص ۱۰)۔ نبوت عام ہے اور رسالت ایک منصب ہے جیسے اساتذہ تو سارے ہوتے ہیں مگر بعض پروفیسر کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ قرآن الحکیم میں جن رسولوں کا ذکر متعدد سورتوں میں بار بار آیا ہے وہ حضرت نوحؑ' حضرت ہودؑ' حضرت صالحؑ' حضرت ابراہیمؑ' حضرت لوطؑ' حضرت شعیبؑ' حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ حضورؐ نبی کریم خاتم الانبیاء ہوئے جن پر دین اسلام' اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا' مکمل ہوا اور سلسلہء نبوت ختم ہوا۔

ایمان کا تقاضا سارے نبیوں پر ایمان لانا ہے اور ان کا احترام ملحوظ رکھنا ہے۔ حضورؐ کا پیغام رسالت قرآن کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے اور اس کی عملی صورت سیرت النبیؐ ہے۔ حضور سے محبت اور عشق کا تقاضا اتباع رسولؐ ہے اور اتباع بغیر حرمت کے ممکن نہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضورؐ کی حرمت قائم کی ہے۔ حضورؐ کی تکریم اور تحریم کے بارے میں جو آیات مبارکہ نازل ہوئی ہیں ان کو دو حصوں میں بیان کیا جا سکتا ہے' پہلے حصے میں وہ آیات جن میں اللہ نے خود حضورؐ کی حرمت نہایت حسین انداز میں بیان فرمائی ہے۔ ان کا ذکر پہلے کیا جائے گا اور بعد میں ان آیات کی تفسیر بیان کی جائے گی جن میں مسلمانوں کو اس سلسلے میں ہدایات فرمائی گئی ہیں۔

حضورؐ کی آفاقی دعوت حق:

اللہ تبارک تعالیٰ نے حضورؐ کو رسالت کے منصب کے بلند ترین مقام پر فائز فرمایا۔ یہ آپ کی نبوت کی امتیازی شان ہے۔ آپ کی دعوت حق ہر زمانے اور ہر علاقے کے لیے' یعنی آفاقی ہے، سارے جہانوں کے لیے رسول رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ اللہ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو کتاب اور علم وحکمت کی باتیں سکھائے کہ لوگ اعمال پاکیزہ کے خوگر ہو جائیں۔

آپ کی بعثت کا مقصد سورہ آل عمران (۱۶۴) میں بیان فرما دیا گیا ہے۔ **لقد من الله ....لفی ضلل مبین** ☆ ترجمہ ''درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے' ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

حضورؐ کو قوم قریش سے ہی نبوت کے لیے چنا گیا۔ آپ کا کام دعوت حق دینا' قرآن کی آیات کی تلاوت اور ان میں علم وحکمت کی باتوں پر روشنی ڈالنا' خود قرآن کی عملی تفسیر بننا' اور لوگوں کو کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کے نور سے آشنا کرنا تھا۔ قرآن آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے اور علوم کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ حضورؐ محسن انسانیت ہیں اور راہ ہدایت کا وسیلہ۔

اسی مضمون کی آیت تقریباً انہیں الفاظ میں سورہ البقرہ (۱۲۹) میں دعائے ابراہیمؑ کی

Marfat.com

صورت میں آئی ہے۔اور پھر دعا کا جواب البقرہ (۱۵۱) میں آیا ہے۔

سورہ الجمعہ ۲ میں بھی یہی مضمون ہے۔

سورہ البقرہ میں دعائے خلیل کا ذکر یوں آیا ہے ربنا و ابعث ....انت العزیز الحکیم ☆ ترجمہ ''اے ہمارے رب ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات (پڑھ کر) سنائے' ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے' تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔'' آیہ ۱۲۹

حضورؐ کی بعثت دعائے خلیل کا جواب ہے۔قرآن الحکیم کی تعلیم صرف محض لفظی ترجمہ تک محدود نہ رہے بلکہ اس میں حکمت کی باتوں کی تعلیم دینا آپ کا مقصد حیات تھا' تاکہ قرآنی تعلیمات کی بدولت لوگوں کی زندگیوں کو سنوار کر اور اخلاق حسنہ' انصاف پر مبنی' برائیوں سے ممکنہ حد تک پاک معاشرے کی عمارت کھڑی کی جا سکے۔

اس دعا کا جواب البقرہ (۱۵۱'۱۵۲) میں یوں دیا گیا ہے کما ارسلنا فیکم ....ولا تکفرون ☆ ترجمہ ''میں نے تمہارے درمیان خود تم میں سے رسول بھیجا' جو تمہیں میری آیات سناتا ہے' تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے' (پاکیزہ کرتا ہے) تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔لہذا تم مجھے یاد رکھو (میرا ذکر کرو) میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو' کفران نعمت نہ کرو۔''

اور سورہ الجمعہ (۲) میں تقریباً یہی بات دوہرائی گئی ہے۔ ھو الذی بعث ....لفی ضلل مبین ☆ ترجمہ ''وہی (اللّٰہ) ہے جس نے امیوں کے اندر خود انہی میں سے رسول اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے' ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

مذکورہ بالا آیات میں ان چار مقامات پر حضورؐ نبی کریم کی بعثت کو بنی آدم پر احسان اور بڑی نعمت گردانا گیا ہے جس سے پورا پورا فیض حاصل کرنا ہے۔ان آیات میں حضورؐ کی بعثت کے مقصد کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱) اپنی ہی قوم میں سے حضورؐ کو رسالت کے لیے منتخب کیا گیا' اُمّی قوم کا اُمّی رسول

Marfat.com

۲) جو اللہ کی آیات کی تلاوت فرماتا ہے

۳) اور ان ہدایات سے آگاہ کرتا ہے جس پر عمل کر کے لوگوں کی زندگیاں سنور جائیں‘ پاکیزہ ہو جائیں اور یہ دنیا بھی ان کے لیے جنت بن جائے۔

۴) پھر کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے تا کہ لوگ گمراہی کے اندھیروں سے نکل سکیں۔

صرف دوسروں کو زبانی کلامی تعلیم نہیں دیتا بلکہ خود قول و فعل سے اپنی زندگی کو لوگوں کے لیے نمونہ بناتا ہے تا کہ لوگوں کے لیے عمل کی راہیں کھل جائیں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ دین قابل عمل نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے جو بھی‘ جہاں بھی نبی اور رسول بھیجے وہ انہی کی قوم میں سے تھے‘ انہی کی زبان بولتے تھے تا کہ اپنے لوگوں کو سمجھا سکیں اور پیغام حق دوسروں تک پہنچا سکیں۔ حضورؐ قوم قریش میں سے تھے۔ آپؐ اُمّی تھے‘ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب نبیوں اور رسولوں سے زیادہ علم عطا فرمایا۔

آپؐ کی بعثت کا مقصد:

(۱)۔ تلاوت آیات:

قرآن کی تلاوت صحیح تلفظ کے ساتھ و حفاظت فرض اور اہم عبادت ہے۔ قرآن الحکیم کے جس طرح معانی مقصود ہیں اسی طرح الفاظ بھی مقصود ہیں‘ گویا قرآن نام ہے الفاظ اور معانی کا۔ اگر معانی قرآن کو الفاظ قرآن کے علاوہ دوسرے الفاظ یعنی دوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن نہیں کہلاتا۔ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے اور قرآن کے الفاظ کی تلاوت اور ان کی حفاظت اور ان کو ٹھیک لب و لہجہ میں پڑھنا فرض ہے اور معانی اور اس کی تعلیمات کو سمجھنا بھی فرض ہے۔ حضورؐ تلاوت قرآن خوش الحانی سے فرماتے تھے جو دلوں پر اثر انداز ہوتا تھا۔ آج بھی خوش الحان قاری دلوں کو مسخر کر دیتے ہیں۔

قرآن الحکیم کا معانی کے بغیر تلاوت کرنا بھی موجب ثواب ہے۔

Marfat.com

(۲)۔ تعلیم قرآن:

حضورؐ کے بلاواسطہ شاگرد اور مخاطب خاص وہ حضرات تھے جن کی مادری زبان عربی تھی۔ ان کے سامنے قرآن کی تلاوت بظاہر ان کی تعلیم کے لیے کافی تھی مگر قرآن فہمی کے لیے محض عربی زبان کا جان لینا کافی نہیں بلکہ رسولؐ اللہ کی تعلیمات کی ضرورت ہے۔ جس طرح دوسرے علوم و فنون کی تعلیم کے لیے محض کتابیں پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ بغیر معلم اور استاد کے نہ کوئی ڈاکٹر' انجینئر' نہ درزی نہ لوہار بن سکتا ہے۔

تعلیم رسولؐ ہی قرآنی تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہاں عام استاد کافی نہیں بلکہ صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی قرآن کا علم بخشا اور یہ صرف حضورؐ نبی کریم کی ذات اقدس ہے۔ حضورؐ قرآن کی تلاوت فرماتے' اس کے معنی اور احکامات کی شرح بیان فرماتے اور حکمت اور دانائی کی باتیں سمجھاتے۔ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے معلم بنا کر بھیجا۔ صحابہ کرام کی جماعت ہمہ وقت آپؐ سے قرآنی تعلیم سے بہرہ ور ہوتی تھی اور اس طرح یہ علم آئندہ نسلوں کو منتقل ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

(۳)۔ تزکیہ نفس:

تزکیہ سے مراد ظاہری اور باطنی نجاسات سے پاک کرنا ہے۔ ظاہری نجاست سے عام مسلمان واقف ہیں مگر باطنی نجاست سے زیادہ متعارف نہیں جو شرک' کفر' غلط عقائد' تکبر' بغض' حسد اور ہوس زر ہیں۔ حضورؐ نبی کریم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ایمان والوں کو تزکیہ نفس کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے آپ کی تقلید میں اس میں کمال حاصل کیا۔ یہ وہ خوش بخت لوگ تھے جن کو حضورؐ جیسے مربی کے زیر نظر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ہر زمانے میں تزکیہ نفس کی تعلیم کا فریضہ علماء و بزرگان دین ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ اسی طرح کسی شیخ کامل کی تربیت اگر میسر آجائے تو قرآن و سنت پر عمل کرنے کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔

شیخ کامل کی تقلید بھی بعض لوگوں کے لیے گمراہ کن ہو جاتی ہے جب شیخ کو قبلۂ مقصود بنا لیا جائے۔ اس کے برعکس دوسری گمراہی کہ صرف کتاب اللہ کو کافی سمجھنا' ہر علماء دین یا مشائخ کی

Marfat.com

احتیاج نہ رکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ابتداء ایک کتاب اور رسولؐ سے ہوئی اور ان دونوں کے امتزاج نے یعنی قرآن اور قرآن کی عملی تفسیر سے ایک اعلیٰ مثالی معاشرہ قائم ہوا۔ قرآن الحکیم میں بھی فرمادیا گیا ہے کہ ایمان والے صادقین کے ساتھ رہیں گے۔ (سورہ التوبہ ۱۱۹)

حضورؐ نبی کریم کے ارشاد کے مطابق آپؐ نے اپنے بعد قرآن وسنت اور اہل بیت چھوڑے تاکہ مومنین گمراہ نہ ہوں (اہل بیت وسیع معانی میں) پھر آپؐ نے خلفائے راشدین کا طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی اور پھر ہر زمانے میں اللہ والے علماء کرام اور اولیاء کرام کے ذریعے معلمی کا یہ فریضہ ادا کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

حضورؐ کی رسالت کی امتیازی شان:

مسند احمد کی ایک حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''میں اللہ کے نزدیک خاتم النبین اس وقت تھا جب کہ آدمؑ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا اور میں آپ لوگوں کو اپنے معاملہ کی ابتداء بتلاتا ہوں کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا' حضرت عیسیٰؑ کی بشارت (الصف ۶' مبشرا' برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد) اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں۔'' حضورؐ کی والدہ ماجدہ نے دوران حمل خواب دیکھا تھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اٹھے۔ (م ج ا ص ۳۳۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی امتیازی شان بیان فرمائی ہے اور ان کو مختلف القابات سے نوازا۔ حضرت آدمؑ صفی اللہ' حضرت نوحؑ نجیع اللہ' حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ' حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ' حضرت عیسیٰؑ روح اللہ اور حضورؐ نبی کریم رسول اللہ کہلائے گئے۔ تاریخ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ ایک مرکزی حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ کو خلیل اللہ کا خطاب دیا گیا اور امام الناس کا منصب عطا ہوا۔ البقرہ (۱۲۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا و اذا بتلی ابراھیم ربہ ....عھدی اظلمین ☆ ترجمہ ''اور یاد کرو جب ابراہیمؑ کو رب نے چند باتوں سے آزمایا اور وہ ان میں پورا اترا تو اس نے کہا (اللہ نے کہا) میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا

Marfat.com

ہوں۔ابراہیمؑ نے عرض کیا اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اس نے کہا' میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔'' حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ' ابوالانبیا اور امام الناس ٹھہرائے گئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے سلسلہء نبوت آگے بڑھتا چلا گیا۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے بنی اسرائیل کے نبیوں کا سلسلہ چلا اور حضرت عیسیٰؑ پر ختم ہوا۔ پھر تقریباً چھ سو برس کا وقفہ آیا' جس دوران پورے کرہ ارض پر کوئی نبی مبعوث نہ ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے نبی آخر زمان' حضرت محمدؐ کی بعثت ہوئی۔ حضورؐ کی امتیازی شان ہے کہ آپ کو رسول اللہ کہا گیا۔

قرآن الکریم میں حضورؐ کا اسم مبارک چار مرتبہ آیا ہے۔ آل عمران (۱۴۴) الاحزاب (۴۰) محمد (۲) اور سورہ الفتح (۲۹)۔ ان میں سے سوائے سورہ محمدؐ کے باقی تینوں میں حضورؐ کو رسول اللہ کہا گیا ہے۔ سورہ الفتح میں تو محمد رسول اللہ کہہ کر خطاب فرمایا گیا ہے۔ قرآن الحکیم میں اور بھی صفات سے نوازا گیا ہے۔ آپ کو شاہداً' مبشراً و نذیراً' (الاحزاب و الفتح) رحمت اللعالمین (الانبیاء ۱۰۷) خاتم النبین (الاحزاب ۴۰) محمد' احمد' مذکر' بشیر' سراج منیر' داعی الی الحق' رؤف' رحیم (التوبہ ۱۲۸) امین' ھادی' طٰہٰ' یاسین' مزمل' مدثر' منذر' نبی شہید گردانا گیا۔

آپؐ کی رسالت کی خصوصی شان آپ کا آفاقی پیغام حق ہے۔ آپ سے پہلے مبعوث ہونے والے نبیوں کی دعوت حق صرف اپنی قوم کے لیے تھی۔ جس میں وہ مبعوث ہوئے۔ حضورؐ ساری بنی نوع کے لیے دعوت حق لے کر آئے۔ دعوت کا آغاز یا ایھا الناس سے کیا۔ البقرہ (۲۱) میں فرمایا گیا۔ یا ایھا الناس .... لعلکم تتقون ☆ ترجمہ'' اے بنی نوع انسان' اپنے رب کی بندگی اور پرستش کرو' جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

اور پھر سورہ سبا (۲۸) میں بھی یہ بتا دیا گیا ہے کہ حضورؐ کو پوری نوع انسانی کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ وما ارسلنک الا .... لا یعلمون ☆ ترجمہ'' (اے محمدؐ) ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر پوری نوع انسانی کیلئے بشیر و نذیر بنا کر مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔'

اور سورہ الانبیاء (۱۰۷) میں خطاب فرمایا وما ارسلنک الا رحمت اللعالمین ☆ ترجمہ '' (اور اے محمدؐ) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔''

Marfat.com

حضورؐ کو رسول بالھدا کہہ کر انبیاء و رسل کی جماعت میں آپؐ کا امتیازی مقام واضح فرمادیا ہے۔ وھو الذی ارسل.............. و کفی باللہ شھیداً (الفتح ۲۸) ☆ ترجمہ ''وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الھدا کے ساتھ اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اس کو سارے کے سارے ادیان پر اور کافی ہے اللہ بطور گواہ''۔

آپ پوری نوع انسانی کے لیے نبی الھدا اور باعث رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کی صفات مبارکہ آپ کی حیات مبارکہ میں بار بار دیکھنے کو ملیں۔

فتح مکہ کے موقع پر کفار مکہ پر اس رحمت کا پرتو جو پڑا تو دل مٹھی میں آ گئے۔ ایسا نظارہ فلک نے نہ کبھی دیکھا نہ دیکھے گا۔ آپؐ نے کسی سے انتقام نہ لیا بلکہ رحمت للعالمین کا پورا پورا حق ادا فرمایا۔ عظمت اس بات میں ہے کہ بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوئے معاف کر دے۔ طائف کے سفر میں اہل طائف نے حضورؐ سرور کائنات سے بدسلوکی کی۔ آپؐ اور زید بن حارثہؓ زخمی ہو گئے۔ آپ کے نعلین مبارک خون سے تر ہو گئے۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے بڑی عاجزی سے دعا فرمائی اور پناہ اور رضاء الٰہی مانگی۔ حضورؐ نے باغ میں پناہ لی۔ باغ کے مالک نے انگور کے کچھ خوشے آپ کو پیش کیے۔ آپ غمزدہ واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ جبریل امینؑ جلوہ افروز ہوئے اور بتایا کہ اللہ نے سن لیا اور دیکھ لیا کہ تم نے جو کچھ کہا اور جو سلوک تمہارے ساتھ ان لوگوں نے کیا۔ اب یہ پہاڑوں کے فرشتے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھیجا ہے کہ آپ جو حکم کریں یہ تعمیل کریں گے۔ ملک الجبل نے کہا کہ آپ حکم دیں ان کے دونوں طرف جو پہاڑ ہیں ان کو ملا کر ان تمام گستاخ' بے ادب لوگوں کو پیس ڈالوں۔ آپؐ اس امتحان میں بھی کامیاب ہوئے اور ایسا کرنے سے روک دیا اور آپؐ نے ان کے لیے اور آئندہ نسل کے لیے دعا فرمائی۔ ان مواقع پر آپ کی رحمت للعالمینی کے بے مثال مظاہر سامنے آئے۔

آپؐ خاتم النبین ہوئے۔ آپؐ پر نہ صرف سلسلہء نبوت ختم ہو گیا بلکہ دین اسلام کی تکمیل بھی فرمادی' جو اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا' مکمل ہو گیا اور جس کے بعد اور کسی ہدایت کی حاجت نہیں رہی۔ حضورؐ نبی کریم کی اور امتیازی شان یہ ہے کہ آپؐ کے صحیفے کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لے لیا۔ قرآن الحکیم سے پہلے نازل ہونے والے صحفیوں میں سے کوئی بھی اپنی اصلی حالت

Marfat.com

میں محفوظ نہ رہ سکا۔ سورہ الحجر (۹) میں اللّٰہ پاک نے اس بات کا ذکر فرمایا ہے۔ انا نحن ....لحافظون ☆ ترجمہ ''ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

پھر سورہ البروج (۲۱،۲۲) میں اس کی تائید فرمائی گئی ہے۔ بل هو قرآن مجید ☆ فی لوح محفوظ ☆ ترجمہ ''بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے، اس لوح میں جو محفوظ ہے۔''

چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی قرآن میں تحریف کی ہر کوشش ناکام بنا دی گئی ہے اور آج تک یہ آخری مقدس صحیفہ کسی زیر زبر کی تبدیلی کے بغیر محفوظ ہے۔ البتہ فرقہ بندی کی وجہ سے ہم نے اس سادہ، خوبصورت اور خوب سیرت دین میں پیچیدیاں پیدا کر دی ہیں، اس سے دین کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا مگر ہم نے اپنی ہی صورت بگاڑ لی ہے اور دوسری اقوام کے لیے اپنے اسلاف کی طرح، نمونہ بننے کی بجائے تنقید کا نشانہ بن رہے ہیں۔

قرآن الحکیم میں الاحزاب (۷) میں میثاق الانبیاء کا ذکر آیا ہے، یہاں حضورؐ نبی کریم کا ذکر مبارک سب سے پہلے آیا ہے۔ فرمایا و اذا اخذنا .... میثاقاً غلیظاً ☆ ترجمہ ''(اے نبیؐ) یاد رکھو اس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے، تم سے بھی، نوح اور ابرہیمؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم سے بھی، سب سے ہم پختہ عہد لے چکے ہیں۔'' حضورؐ کے ذکر کو مقدم رکھا گیا گو کہ آپ کی بعثت سب سے بعد میں ہوئی۔

یہ عہد انبیاءؑ سے نبوت اور رسالت کے فرائض انجام دینے اور باہم ایک دوسرے کی تصدیق اور مدد کرنے کا عہد تھا۔ یہ میثاق انبیاء بھی ازل سے اسی وقت لیا گیا جبکہ عام مخلوق سے الست بربکم (الاعراف ۱۷۲) کا عہد لیا گیا۔

پیغمبروں سے اللّٰہ کے حکم کی تعمیل کا عہد لیا گیا، خود اطاعت کریں اور دوسروں سے کروائیں۔ ایسے ہی دوسرے میثاق کا ذکر الشوریٰ (۱۳)، آل عمران (۱۸۷)، البقرہ (۸۳)، الاعراف (۱۶۹، ۱۷۰)، المائدہ (۷) میں ہے۔ ان سب میں وحی کا بلا چوں چراں اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

Marfat.com

حضورؐ کی تحریم میں اللہ کی نظر میں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمدؐ رسول اللہ کی تحریم میں کئی قرآنی آیات نازل فرمائیں۔

آل عمران (۳۱) میں اللہ کی محبت کو حضورؐ کی پیروی سے مشروط کر دیا۔ فرمایا "قل .... غفور رحیم ☆ ترجمہ" (اے نبیؐ) لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری تمام خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے اور رحیم ہے۔"

محبوب کبریا کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ عشق رسولؐ اور محبت رسولؐ کے دعوے داروں کے لیے اک کسوٹی مقرر کر دی گئی ہے۔ محبت رسولؐ کا تقاضا ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے کہ نبیؐ کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہتے۔ حضورؐ کی اتباع سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اللہ کی محبت حاصل کرنے کا یہی وسیلہ ہے۔ زبانی کلامی محبت رسولؐ کے دعوے عمل کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ حضورؐ نے قرآن الحکیم کی تفسیر اپنے عمل سے واضح فرمائی اور آپؐ کی سیرت طیبہ ہی کو نمونہ بنا کر، ہمیں اپنی راہیں متعین کرنی ہیں۔ اللہ کا رسولؐ راضی تو اللہ راضی۔ یہی کسوٹی ہے جس سے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو سکتی ہے۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "جس نے محمدؐ کا اتباع کیا اس نے درحقیقت اللہ کا اتباع کیا اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی" (م ج ۲ ص ۵۵)

ایمان کی تعریف بھی یہی ہے حضورؐ نے فرمایا کہ "ایمان میری محبت کا نام ہے" اور ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک حضورؐ سے محبت اپنی اولاد، مال اور جان سے زیادہ نہ ہو۔ یعنی آپؐ کی اطاعت میں ان سب چیزوں کی قربانی دینے سے دریغ نہ کریں۔

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہ ہوگا جب تک کہ اس کے دل میں اپنے والد اور اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو جائے۔" (اللؤلؤ والمرجان ص ۴۸)

اسی طرح سورہ النساء (۸۰) میں رسولؐ اللہ کی اطاعت کو دراصل اللہ کی اطاعت کہا

Marfat.com

گیا ہے۔ **من یُطع الرسول .... علیھم حفیظاً** ☆ ترجمہ ''وہ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی اور جو منہ موڑ گیا تو بہرحال ہم نے تمہیں ان لوگوں پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا'' حضورؐ کا کام لوگوں تک اللہ کے احکامات پہنچانا ہے۔ اس کے بعد بھی وہ کفر کریں تو یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے اور آپ سے اس بارے میں باز پرس نہ ہوگی۔

حضورؐ اللہ کی ہدایات کے امین ہونے کی حیثیت سے پیغام حق لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ ان ہدایات پر عمل کرنا یا نہ کرنا اختیاری عمل ہے۔ جو اطاعت گزار ہوگا فلاح پائے گا اور جو منہ موڑے تو حضورؐ نبی کریم کو غم کھانے کی ضرورت نہیں۔

سورہ النساء (۶۹) میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کرنے والوں کے درجات بلند فرمائے ہیں **ومن یطع اللہ .... رفیقاً** ☆ ترجمہ ''وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے' یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء صالحین۔ کیسے اچھے رفیق ہیں جو کسی کو میسر آئیں۔''

یقین محکم کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کی پیروی کرنے والوں کی راہیں روشن اور انجام بخیر ہوتا ہے۔ ایسے ایمان والے اپنی دنیا کی زندگی کو دین کے تابع کر لیتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تصویر بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگ جنت کے مختلف درجات میں جگہ پائیں گے۔ اول درجہ کے لوگ انبیاء کے ساتھ جنت کے اعلیٰ مقامات میں جگہ پائیں گے۔ دوسرے درجے کے لوگ صدیقین اور تیسرے درجہ کے لوگ شہداء اور چوتھے درجے کے حضرات صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرنے والے معزز اور مقبول ہوں گے اور اپنے اعمال کے حساب سے اور اللہ کے فضل سے جنت کے مختلف درجات میں رہیں گے۔ نیک محبت اور نیک اعمال کا انجام بھی بھلا ہوگا۔

یہ آیت مبارکہ ایک واقعہ کی بنا پر نازل ہوئی جس کو امام تفسیر حافظ ابن کثیرؒ نے متعدد اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابی نبیؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ میرے دل میں آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے' اپنی بیوی سے بھی' اپنی اولاد سے بھی۔ بعض اوقات گھر میں بے چین

Marfat.com

رہتا ہوں یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کر لوں تب سکون ملتا ہے۔ اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ کی وفات ہو جائے اور مجھے بھی موت آ جائے گی تو میں جانتا ہوں کہ آپؐ جنت میں انبیاءؑ کے ساتھ درجات عالیہ میں ہوں گے اور مجھے اوّل تو یہ معلوم نہیں کہ میں جنت میں پہنچوں گا بھی یا نہیں' اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپؐ سے نیچے ہوگا' میں وہاں آپؐ کی زیارت نہ کر سکوں گا تو مجھے کیسے صبر آئے گا؟''

حضورؐ نبی کریم نے سن کر کوئی جواب نہ دیا' یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ حضورؐ نے بشارت دی کہ جنت میں تمام درجات کے لوگوں کو باہم ملاقات اور مجالست کے مواقع ہوں گے۔ (م ج ۲ ص ۴۶۸)

صحیح مسلم میں ہے کہ کعب بن اسلمیؓ نے آنحضرتؐ کے لیے وضو کا پانی' مسواک وغیرہ لا کر رکھی تو حضورؐ نے خوش ہو کر فرمایا' مانگو کیا چاہتے ہو؟ کعب اسلمیؓ نے عرض کیا' میں جنت میں آپ کی صحبت چاہتا ہوں۔' آپؐ نے فرمایا کچھ اور؟ تو انہوں نے عرض کیا' اور کچھ نہیں'۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ تم جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو اس میں تم میری مدد کرو کہ کثرت سے سجدہ کیا کرو یعنی نوافل کی کثرت کرو۔

حضورؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری' محبت اور عشق کے ساتھ' جنت کی کنجی ہے۔ جنت میں آپؐ کی رفاقت کسی رنگ و نسل' زبان یا عمر پر موقوف نہیں۔ کالے گورے' عربی عجمی' بوڑھے جوان' عورت مرد سب اپنے اعمال اور اللہ کے فضل کی بنا پر جنت میں جگہ پائیں گے۔ مومن کتنے ہی متقی ہوں پھر بھی اللہ کے فضل کی بنا پر ہی جنت میں پہنچ پائیں گے۔ حضورؐ نبی کریم کے فرمان کے مطابق قیامت میں بعض آدمی اتنا عمل اور حسنات لے کر آئیں گے کہ اگر ان کو پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو پہاڑ بھی ان کے بوجھ کا متحمل نہ ہو سکے' لیکن اس کے مقابلہ میں جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں آتی ہیں اور ان سے موازنہ کیا جاتا ہے تو انسان کا عمل ان کے مقابلے میں ختم ہو جاتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت سے نوازیں۔

مفسرین کی رائے میں' اس آیت کی رو سے مؤمنین کو چار قسموں میں تقسیم کر کے درجہ بندی فرما دی ہے۔ ایمان والوں کو عملی جدوجہد سے یہ مقام حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔ ان

Marfat.com

مقامات میں نبوت کسی جدوجہد سے حاصل نہیں ہوسکتی‘ البتہ متقی اور صالح‘ اللہ کے فضل سے‘ ان کی معیت حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ ان درجات میں سب سے پہلا درجہ ہے۔

دوسرا درجہ صدیقین کا ہے جو نہایت راست باز اور حق پرستی میں کمال کے درجہ پر فائز ہوں۔ یہ حق کا ساتھ بغیر شک وشبہ دینے والے، اور حق کے خلاف ہر چیز کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے ہوں۔ صحابہ کرامؓ کا مثالی کردار ان کو اس درجہ پر فائز کر گیا۔ صحابہ کرامؓ کی سب سے بڑی خوبی جناب رسالت مآبؐ کی ممکنہ حد تک مکمل اطاعت اور احترام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر اور کون کرسکتا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ حضور کی اطاعت میں سب سے آگے تھے تو افضل الصحابہ اور صدیق کا لقب پایا۔ حضورؐ کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کہتے۔ واقعہ معراج کا سن کر فرمایا کہ اگر میرے رسولؐ نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے اور اسی بنا پر آپ کو صدیق کا لقب عطا ہوا۔

ابوجہل پہلے ابوحکم تھا یعنی دانا کے لقب سے مشہور تھا۔ حضورؐ پر ایمان لانے سے انکار کیا اور نافرمانی کی۔ ابوجہل ہوا اور قیامت تک ابوجہل ہی کہلائے گا۔

پھر حضورؐ کی نافرمانی کرنے والے ان مومنوں کی مثال ہے جو غزوۂ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ خالص مومن تھے مگر اپنی کاہلی کی وجہ سے نہ کہ بدنیتی کی وجہ سے‘ جنگ میں شرکت کے لیے نہ جاسکے۔ ان تین صحابہ سے حضورؐ ناراض تھے۔ سب صحابہؓ نے ان کا مقاطعہ کردیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا۔ جب اللہ کی طرف سے معافی آئی تو حضورؐ نے خود ان کی رسیاں کھولیں (سورہ التوبہ ۱۱۸)۔ اس مثال سے واضح ہوجاتا ہے کہ صحابہ کرام حضورؐ کی اطاعت کے بارے میں کتنے حساس تھے۔

تیسرا درجہ شہداء کا ہے۔ شہید کے معنے گواہ کے ہیں۔ یہ اپنی ساری زندگی عملی طور پر حق کی گواہی دینے میں گزار دیتے ہیں اور جان دے کر ثابت کردیتے ہیں کہ وہ جس چیز پر ایمان لائے‘ اس کو حق سچ مانا اور اتنا عزیز رکھا کہ اس کی خاطر اپنی جان بھی نذر کردی۔

چوتھا درجہ صالحین کا ہے‘ جو اپنے عقائد‘ نیت اور اعمال میں صراط مستقیم پر قائم رہیں اور نیکوکاروں کی زندگی گزاریں۔

Marfat.com

یہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرنے والوں کی امتیازی شان ہے۔ نبی پاکؐ کی اطاعت' اللہ کی اطاعت ہے۔ کیا شان رسالت ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی پیروی کا حکم ساتھ ساتھ دیا ہے۔ اس کے برعکس حضورؐ کی نافرمانی کرنے والوں سے اللہ راضی نہیں ہوتا اور کفر کرنے والوں کے لیے عذاب کی وعید ہے۔ سورہ النساء (۱۱۵) میں کفر کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ومن یشاقق الرسول.........وساءت مصیراً ☆ ترجمہ "مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حالیکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو تو ہم اس کو اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔"

حضورؐ کی نسبت:

حضورؐ نبی کریم' خلاصہء کائنات' افضل الانبیاء' انسان کامل' خاتم النبیین' نبی امّی کا رشتہ مومنوں کے ساتھ ایسا نہیں جیسے دوسرے لوگوں کے ساتھ ہے بلکہ یہ رشتہ اتم درجہ محبت یعنی عشق رسول' ادب اور احترام کا ہے۔ حضورؐ کا مسلمانوں کے ساتھ اور مسلمانوں کا حضورؐ سے رشتے کی نوعیت تمام انسانوں کے باہمی تعلقات سے بالاتر ہے۔ اہل ایمان کے لیے حضورؐ کی نسبت تمام نسبتوں سے ارفع ہے۔ سورہ الاحزاب (٦) میں اللہ نے اہل ایمان کیلئے ترجیحات قائم کر دیں۔ فرمایا النبی اولیٰ.........فی الکتب مسطوراً ☆ ترجمہ "بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں مگر کتاب اللہ کی رو سے عام مومنین و مہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ حق دار ہیں' البتہ اپنے رفیقوں کے ساتھ تم کوئی بھلائی (کرنا چاہو تو) کر سکتے ہو' یہ حکم کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔"

حضورؐ سے تعلق ہر تعلق سے ممتاز اور مقدم ہے' اپنی ذات' ماں باپ' بیوی بچوں سے بڑھ کر ہے۔ اپنا نفس' والدین اہل و عیال کی محبت انسان کو غلط راہ پر ڈال سکتی ہے' گمراہ کر سکتی ہے مگر حضورؐ کی تعلیمات' حضورؐ کا اتباع' دین و دنیا میں فلاح پانے کا وسیلہ ہے۔ آپ کا ہر حکم مسلمانوں

Marfat.com

پر واجب ہے یہاں تک کہ آپؐ کے حکم کے خلاف والدین کا بھی حکم ماننا جائز نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: یعنی کوئی مومن ایسا نہیں جس کے لیے میں دنیا اور آخرت میں سارے انسانوں سے زیادہ اولیٰ اور اقرب نہ ہوں۔" اگر تمہارا دل چاہے تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو۔"

حضورؐ نبی کریم ہر مومن مسلمان پر ساری دنیا سے زیادہ شفیق ہیں ایمان حضورؐ کی محبت کا نام ہے۔ اللہ نے حضورؐ کے احترام کے ساتھ آپ کی بیویوں کے ساتھ بھی مومنوں کا روحانی رشتہ قائم کر دیا گیا ہے۔ اور انہیں مومنین کی ماؤں کا درجہ دیا ہے۔ حضورؐ کی بیویاں اس طرح ان پر حرام ہیں جس طرح ان کی حقیقی مائیں حرام ہیں۔ آپؐ کی ازواج مطہرات کی تعظیم و تکریم مسلمانوں پر واجب ہے ان سے کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ باقی دوسرے احکامات میں وہ ماں کی طرح نہیں ہیں۔ ان کے لیے اپنے حقیقی محرموں کے سوا باقی سب مسلمانوں سے پردہ واجب تھا۔ ان کی صاحبزادیاں مسلمانوں کی ماں جائی بہنیں نہ تھی کہ ان کا نکاح مسلمانوں میں سے کسی کے ساتھ ممنوع نہ تھا۔ اس روحانی رشتہ کی بناء پر کوئی مسلمان ان کی میراث میں حق دار نہ تھا۔ ازواج مطہرات کی شان میں کوئی ادنیٰ سی بے ادبی بھی حرام ہے کہ وہ اُمت کی مائیں ہیں اور اس لیے بھی کہ ایسا کرنے سے حضورؐ کو ایذا پہنچے گی جو ایک فعل حرام ہے۔

مسلمانوں کے ایک گروہ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد کو مرکز دین بنا ڈالا اور جب انہوں نے بہت سے صحابہ کرامؓ کے ساتھ حضرت عائشہؓ صدیقہ کو بھی طعن و تشنیع کا حدف بنایا تو یہ آیت ان کی راہ میں حائل ہوگئی۔ ہر شخص کو اس آیت کی رو سے حضرت عائشہؓ صدیقہ کو دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ 'ماں' تسلیم کرنا پڑا۔ (ت ج ۴ ص ۸۲)

اس گروہ نے اس مشکل کے حل کے لیے ایک عجیب و غریب بات گھڑ لی کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اختیار دے دیا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں آپ کی زوجیت پر باقی رکھیں اور جسے چاہیں آپ کی طرف سے فارغ کر دیں۔ یہ بات من گھڑت اور سراسر قرآن کے خلاف جاتی ہے۔ سورہ الاحزاب (۲۸، ۲۹) میں ازواج مطہرات کے نان نفقے میں اضافہ کا مطالبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے اپنی بیویوں کو دو چیزوں کے

Marfat.com

درمیان ایک کو اختیار کرنے کو کہا گیا۔ یعنی دنیا اور اس کی زینت یا اللہ اور اس کے رسولؐ اور آخرت۔ پہلی صورت میں حضورؐ نے فرمایا آؤ میں تمہیں کچھ دے کر رخصت کردوں اور اگر اس کے برعکس میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے۔

اس وقت حضورؐ کی زوجیت میں چار بیویاں تھیں' حضرت سودہؓ 'حضرت عائشہؓ 'حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ۔ ان سب نے اللہ اور رسول اور آخرت کو پسند کرلیا۔ اور حضورؐ کو ان کو طلاق دینے کا اختیار باقی نہ رہا۔ کجا یہ کہ حضورؐ کے وصال کے بعد یہ اختیار کسی اور کو منتقل کردیا جاتا۔

پھر سورہ الاحزاب (۵۳) میں اس امر کی مزید وضاحت فرمادی کہ حضورؐ کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح حرام قرار دے دیا گیا۔

مذکورہ بالا آیات میں پہلے مسلمانوں کا حضورؐ اور آپؐ کی ازواج مطہرات سے تعلق خاص بیان فرمایا ہے پھر مسلمانوں کے آپس کے تعلقات میں ترجیحات قائم کردیں۔ رشتہ داروں کے حقوق کو افضلیت دی ہے۔ میراث کے قانون میں بھی قریب تر' رشتہ داروں کو اولیت دینا لازم قرار دے دیا گیا' صدقہ' فرضی یعنی زکوٰۃ اور نفلی' اور خیرات پہلے اپنے مستحق رشتہ داروں سے شروع کرنا ہے اور پھر اس حلقے کے باہر دوسری مدوں میں تقسیم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ مستحق بہن بھائی سب سے پہلے آتے ہیں۔

مکہ سے ہجرت کے بعد مہاجرین سخت مالی تنگی کا شکار تھے۔ حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان دینی برادری کا تعلق قائم فرمادیا۔ جسے اخوۃ کہا جاتا ہے۔ انصار نے بھی اپنی ہر چیز میں مہاجر بھائیوں کو حصہ دار بنایا۔ اس سے یہ خدشہ پیدا ہوگیا تھا کہ بعد میں آنے والے دور میں مہاجر وراثت میں حصہ دار تو نہیں ہوجائیں گے۔ اس آیت نے یہ معاملہ صاف طور پر بیان کردیا ہے۔ البتہ کوئی شخص کسی رفیق کی مدد کرنا چاہے تو ہدیے' تحفے یا وصیت کے ذریعہ ایسا کرسکتا ہے۔

حضورؐ پر درود بھیجنے کا حکم اور اس کی فضیلت:

اللہ نے اپنے نبی ذی شان کے درجات بلند فرمائے اور پہلے خود اور اس کے فرشتوں

Marfat.com

نے نبیؐ پاک پر درود بھیجا اور مومنوں کو بھی اس عمل کی تاکید فرمائی۔ سورہ الاحزاب (۵۶) میں فرمایا
ان اللہ وملکتہ .... وسلموا تسلیماً ☆ ترجمہ "اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے
ہیں (رحمت بھیجتے ہیں) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو۔"

درود اللہ کی طرف سے' فرشتوں کی طرف سے اور مومنوں کی طرف سے' حضورؐ کا خصوصی اعزاز ہے۔ حضورؐ نبی کریم کے شرف اور عظمت کو اتنا بلند فرمادیا کہ اللہ اور اس کے فرشتے حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں' اور اس میں اللہ نے مومنوں کو بھی شریک عمل فرما کر احسان عظیم فرمایا کہ عام مسلمان بھی اس کی برکات سے فیض یاب ہو سکیں۔

لفظ صلوٰۃ کے معنی رحمت' دعا' مدح وثنا ہے۔ اللہ کی طرف سے اپنے نبی پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ آپؐ پر بے حد مہربان ہے' آپ کی تعریف فرماتا ہے' آپؐ کے کام میں برکت دیتا ہے' آپؐ کا نام بلند فرماتا ہے اور آپؐ پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا ہے۔ ملائکہ کی طرف سے حضورؐ پر صلوٰۃ فرشتوں کی غایت درجہ کی محبت کا اظہار ہے اور آپ کے حق میں دعا کرنا ہے کہ اللہ آپکے درجات بلند فرمائے۔ دین کو سربلند کرے اور فروغ بخشے اور آپ کو مقام محمود تک پہنچائے۔ (ت ج ۴ ص ۱۲۳) عام مسلمین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا' مدح وثناء کا مجموعہ ہے۔

اس آیت کے نزول کے زمانے میں حضورؐ کے خلاف کفار اور مشرکین کی مہم زوروں پر تھی تاکہ آپؐ کی ذات پر کیچڑ اچھال کر آپ کے اثر ورسوخ کو ختم کیا جاسکے اور اسلام کے فروغ کو روکا جاسکے۔ اللہ نے یہ آیت نازل فرما کر آپ کی عظمت اور مرتبے کو ساری مخلوق سے بلند فرمادیا۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کفار اور مشرکین کی ناپاک کوششوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو دنیا بھر میں پھیلا دیا۔ اپنی کتاب کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے لے لی اور آپ کا مقام تمام خلائق سے بلند فرما دیا اور آخرت میں آپ کو مقام محمود' یعنی مقام شفاعت عطا فرمایا۔ جہاں کسی پیغمبر اور فرشتے کو شفاعت کی مجال نہ ہوگی۔ یہ مقام محمود صرف حضورؐ نبی کریم کے لیے مخصوص ہے۔

مومنوں کی طرف سے درود بھیجنا اس عظیم احسان کا حق ادا کرنا ہے جس کی بدولت ہدایت اور روشنی ملی۔ یعنی مومن اللہ کے حضور یہ دعا کرتا ہے کہ "رب دو جہاں جس طرح تیرے

Marfat.com

نبیؐ نے ہم پر بے پایاں احسانات فرمائے ہیں' تو بھی ان پر بے حد و حساب رحمت فرما' اُن کا رتبہ دنیا میں بھی بلند فرمایا اور آخرت میں بھی' انہیں تمام مقربین سے بڑھ کر تقرب عطا فرما۔ اللھم اسی لیے فرمایا کہ اُمتی کی کیا ہستی ہے کہ وہ حضورؐ کے لیے دعا کرے۔ البتہ حق تعالیٰ سے درخواست کی جا سکتی ہے لہذا اہل ایمان کو صلوا علیه کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے گرویدہ ہو جاؤ' ان کی مدح ثنا کرو اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی درخواست کرو۔

پھر سلموا تسلیما کا حکم فرمایا ہے۔ سلام لفظ کے دو معنی ہیں' ایک ہر طرح کی آفات و نقائص سے محفوظ رہنا یعنی کہ سلامتی' دوسرے صلح اور عدم مخالفت۔ حضورؐ نبی کریم کے حق میں یہ کلمات کہنے کا مطلب ہے کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی درخواست (حق تعالیٰ سے) کرو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح نبیؐ پاک کا ساتھ دو' مخالفت سے پرہیز کرو اور ان کے سچے اور مکمل فرمانبردار بن کر جیو۔

۵ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت کعب بن عجرہؓ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسولؐ اللہ سے عرض کیا کہ اس آیت میں دو چیزوں کا حکم ہے' صلوٰۃ و سلام۔ سلام کا طریقہ تو معلوم ہو چکا ہے یعنی نماز میں اسلام علیک ایھا النبی کہتے ہیں' صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجئے۔ اس کے جواب میں حضورؐ نے درود ابراہیمی سکھایا۔ اس درود میں' مختلف مواقع پر منقول' الفاظ میں معمولی الفاظ کا فرق ہے۔ کسی میں محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ ازواجه و ذریته بھی شامل ہیں۔ (م ج ۷ ص ۲۲۳)

نبی پاک کا بتایا ہوا درود نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ اللھم .... انک حمید مجید ☆ یہ الفاظ حضورؐ سے منقول ہیں' زیادہ بابرکت اور زیادہ ثواب کا موجب ہیں۔ اس درود کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱)۔ حضورؐ نبی کریم کے فرمان کے مطابق درود بھیجنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اللہ سے دعا کرو کہ اے اللہ تو محمدؐ پر درود بھیج۔ نبی پاک نے ہمیں یہ بتایا کہ تم مجھ پر صلوٰۃ کا حق ادا کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکتے۔ اور ہم حضورؐ کے مراتب بلند نہیں کر سکتے' اللہ ہی کر سکتا ہے' ہم آپ پر رحمت نہیں بھیج سکتے' اللہ ہی یہ کر سکتا ہے اور حضورؐ نبی پاک کی

Marfat.com

محبت اور عقیدت بھی ہمارے دل میں اللہ کی مدد سے ہی جاگزیں ہوسکتی ہے۔ بندہ اللہ کے حضور اپنی کم مائگی کا اعتراف کرتا ہے کہ درود بھیجنا میرے بس کی بات نہیں، تو ہی میری طرف سے اس حق کو ادا کر۔

۲) حضورؐ کی شان کریمی نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ اس دعا کو صرف اپنے لیے مختص فرمالیں، بلکہ اپنی آل اور ازواج اور ذریت کو بھی شامل فرمالیا۔ آل کے وسیع تر معنی میں، حضورؐ نبی کریم کے خاندان والوں کے علاوہ سب لوگ آ جاتے ہیں جو آپؐ کے پیروکار اور آپؐ کے طریقہ پر چلے۔ اور ہر وہ شخص جو آپ کے طریقہ پر نہ ہو آل سے خارج ہے، چاہے وہ خاندان رسالت سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ البتہ خاندان رسالت کے وہ افراد بدرجہء اولیٰ آل محمدؐ ہیں جو آپ سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کے پیرو بھی ہیں۔ قرآن الحکیم میں ۱۴ مقامات پر آل فرعون کا ذکر ہے اور اس میں وہ سب شامل ہیں جو فرعون کے ساتھی، پیروکار، مددگار اور حضرت موسیٰ کی مخالفت کرنے والے تھے۔

۳) درود شریف میں یہ دعا بھی مانگی جارہی ہے کہ جس مہربانی اور برکت کی استدعا کی جارہی ہے وہ ایسی ہو جیسے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل کے لیے اللہ نے مرحمت فرمائی تھی۔ اس لیے کہ نبوت اور وحی کے ماننے والے چاہے وہ مسلمان ہوں، عیسائی ہوں یا یہودی ہوں، حضرت ابراہیمؑ کی پیشوائی پر متفق ہیں۔ یعنی اس دعا میں یہ مانگا گیا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے پیروکاروں کا مرجع بنایا ہے اسی طرح مجھے (حضورؐ کو) بھی بنا۔

صلوٰۃ وسلام کا طریقہ اور برکات:

حضورؐ پر درود وسلام بھیجنا سنت اسلام ہے۔ قعدہ نماز میں تو قیامت تک صلوٰۃ وسلام اسی طرح کہنا ہے یعنی السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و بر کاته اور قعدہ کے آخر میں اللھم صلی .... انک حمید مجید مسنون ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تشہد کے

Marfat.com

بعد صلوٰۃ علی النبی پڑھنا فرض ہے اور اگر کوئی شخص نہ پڑھے تو نماز نہ ہوگی۔ صحابہ کرامؓ میں اکثر کا مسلک یہی ہے اور امام احمدؒ بن حنبل نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

خارج از نماز جب حضورؐ سے مخاطب ہوں' جیسا کہ آپ کے عہد مبارک میں' وہاں تو وہی الفاظ الصلوٰۃ و السلام علیک اختیار کیے جاتے رہے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد روضہ اقدس کے سامنے جب سلام عرض کیا جائے تو اس میں بھی یہی کہنا مسنون ہے۔ اس کے علاوہ جہاں غائبانہ صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے تو صیغہ غائب استعمال کرنا ثابت ہے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم یہ زمان ومکان کی قید کا مسئلہ ہے اور اس میں اختلاف ہے واللہ اعلم۔

درود شریف کی فضیلت' اس کا موجب اجر و ثواب ہونا اور اس کا ایک بڑی نیکی ہونا' تو اس پر ساری اُمت متفق ہے۔ ہر ایمان والے کے لیے درود ایک پیمانہ ہے جس سے حضورؐ سے تعلق کی گہرائی اور آپ کے احسانات کی قدر شناسی ناپی جاسکتی ہے۔

حضورؐ نبی کریم کے ارشاد کے مطابق درود بھیجنے والے پر ملائکہ درود بھیجتے ہیں۔ فرمایا

"جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے ملائکہ اس پر درود بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے' اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کردیئے جاتے ہیں۔"

اور فرمایا کہ

"قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا۔"

جب حضورؐ کا ذکر مبارک آئے تو درود پڑھنا واجب ہوجاتا ہے۔ اگر کسی محفل میں بار بار ذکر آئے تو ہر مرتبہ درود بھیجے اور جب آپ کا اسم مبارک لکھا جائے تو درود لکھنا واجب ہے۔

حضورؐ کا نام سن کر درود نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا یعنی کہ

"ذلیل ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔"

(م ج ۷ ص ۲۲۴) (ت ج ۴ ص ۱۲۸)

Marfat.com

درود شریف کے فضائل بے شمار ہیں۔ درود پڑھنا دنیا و آخرت کے لیے باعث برکت و رحمت ہے۔ کثرت سے درود پڑھنے والوں کو خواب میں حضورؐ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ جس محفل میں پڑھا جائے' اس مجلس کو فرشتے اپنی رحمت کے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ درود پاک پڑھنے والا اپنے آپ کو حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ رحمت اللعالمین' صاحب لولاک کائنات کی کلی ہیں اور جو دانہ کلی سے لگ گیا وہ چکی کے پاٹوں کی زد میں نہیں آتا' وہ گردش زمانہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے' فرماتے ہیں "میں نے نماز پڑھی' حالانکہ رسول اللہ اور حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ تشریف فرما تھے۔ جب نماز پڑھ چکا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی' پھر میں نے نبی کریمؐ پر درود پاک پڑھ کر دعا کی تو حضورؐ نے فرمایا "مانگ تجھے عطا کیا جائے' تو مانگ تجھے عطا کیا جائے۔" (رواہ الترمذی' مشکوٰۃ شریف ص ۸۷)

صلی اللہ علیہ و الہ وسلم اکثریت کے مسلک کے مطابق درود صرف حضورؐ اور حضورؐ کی آل کے لیے کہا جاتا ہے۔ دوسرے انبیاء اور رسل کے علیہ السلام کہنا ہے۔ البتہ بزرگان' صحابہ کرامؓ کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عنہا کہتے ہیں۔ دیگر بزرگان دین اور علماء کرام کے لیے رحمتہ اللہ علیہ پڑھا اور لکھا جاتا ہے' عام مسلمانوں کی دعا کرنا کافی ہے۔

حضورؐ کے ذکر کی بلندی:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول کے درجات بلند فرما کر حضورؐ کو عظیم المرتبت بنا دیا۔ سورہ الم نشرح آیت ۴ میں فرمایا ورفعنا لک ذکرک ☆ ترجمہ "اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔"

یہ سورت قرآن کی ان سورتوں میں سے ہے جن میں حضورؐ پر انعامات الٰہیہ اور آپ کی عظمت شان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس سورت میں خاص نعمتوں کا ذکر ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائیں۔ یہاں رب کریم کی تین نعمتوں کا ذکر ہے۔

Marfat.com

(۱) شرح صدر۔ نبوت سے سرفراز کرنے کے بعد حضورؐ کو حوصلہ اور ہمت' اولوالعزمی' وسعت قلب فرمائی تا کہ آپؐ کامل اطمینان قلب سے نبوت کی عظیم ذمہ داریوں سے عہدہ براہو سکیں۔ آپ کو سب انسانوں' نبیوں اور رسولوں سے زیادہ علم و حکمت عطا فرمائی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس بارگراں کے بوجھ کو' جو آپ کی کمر توڑ دے رہا تھا' بوجھ نہ رہنے دیا۔ معاشرے میں بداخلاقی' بے حیائی اور ظلم کا بازار گرم تھا۔ آپؐ یہ حالت دیکھ کر کڑھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ہدایت کا راستہ کھول دیا تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ توحید' رسالت اور آخرت پر ایمان ہی انسانی زندگی کے بگاڑ کا طریاق ہے۔ شرح صدر سے آپ کا حوصلہ اتنا بلند فرما دیا کہ آپ کو سب مشکلات آسان نظر آنے لگیں۔

(۳) آپؐ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا گیا۔ اس بلندی ذکر کے تین مراحل ہیں:
پہلے مرحلے میں کفار کے کارن آپ کا ذکر مکہ کی حدود سے نکل کر دنیا بھر میں پھیلنا شروع ہوا۔ یہ رفع ذکر کی خوشخبری اس وقت سنائی گئی جب آپؐ کے مخالفین کا زور تھا۔ آپ کو ہر طرح کی ایذا رسانی سے گریز نہ کیا جاتا۔ کفار نے آپ کو زک پہنچانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حج کے موقع پر زائرین کو' جو تمام عرب سے شہر مکہ میں آتے تھے' آپؐ سے ملنے سے روک دیا جائے۔ یہ لوگ حاجیوں کو خبردار کرتے کہ یہاں ایک خطرناک شخص محمدؐ نامی ہے جو لوگوں پر ایسا جادو کرتا ہے کہ خاندانوں میں تفرقہ پڑ جاتا ہے اور کچھ لوگ اس کی باتوں میں آ کر اپنے آبائی دین یعنی بت پرستی کو چھوڑ کر نیا دین قبول کر لیتے ہیں۔ حج کے دنوں کے علاوہ بھی وہ عام زائرین کے ذہنوں میں یہی بات ڈالنے کی کوشش کرتے۔ اصل مقصد حضورؐ کو بدنام کرنا اور اسلام کا راستہ روکنا تھا۔ مگر اس کا نتیجہ الٹا نکلا۔ اس طرح لوگوں میں تجسس پیدا ہوتا اور وہ جاننے کی کوشش کرتے کہ یہ کون شخص ہے۔ اس طرح جس کو حضورؐ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہوتا وہ آپؐ کے بارے میں اور آپؐ کے دین کے بارے میں جاننا چاہتا۔ اس طرح ہجرت سے پہلے ہی دور دور سے آنے والے قبائل میں اسلام متعارف ہوتا چلا گیا اور کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں کسی نہ کسی فرد نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔

Marfat.com

دوسرا مرحلہ ہجرت کے ساتھ شروع ہوا۔ مدینہ میں اسلامی ریاست کا قیام جس کی بنیاد توحید' رسالت' آخرت پر رکھی گئی اور مقصود زہد' تقویٰ معاشرتی انصاف' پر مبنی معاشرے کا قیام تھا۔ مشرکین و کفار کی حد درجہ دشمنی کے باوجود مدینہ میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جو فخر انسانیت بن گئی۔ حضورؐ کے اسوۂ حسنہ نے عرب کے مخالفین سے اپنا لوہا منوالیا اور فتح مکہ کے بعد عرب کا گوشہ گوشہ کلمہء شہادت سے گونج اٹھا۔

تیسرا مرحلہ خلافت راشدہ کے دور سے شروع ہوا۔ دین اسلام عرب سے نکل کر دوسرے ممالک میں پھیل گیا۔ آج ہر ملک اور ہر بستی میں اذان کی آواز سنائی دیتی ہے اور دن میں پانچ مرتبہ کروڑوں لوگ اللہ کی واحدنیت اور حضورؐ کے رسول ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ہر نماز میں آپؐ پر درود بھیجا جاتا ہے۔ جمعہ کا خطبہ آپؐ کے ذکر خیر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ دینی اجتماعتوں میں آپ کی سیرت پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ ایسا رفع ذکر کسی اور نبی یا انسان کے لیے رائج نہیں ہوا۔

حدیث مبارکہ ہے کہ ابوسعید خدریؓ کی روایت کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ میرا رب اور آپ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمہارا رفع ذکر کیا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا۔'' (ت ج ۶ ص ۳۸۲)

کلمہء طیبہ میں بھی اللہ اور اس کے رسول کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے اور درمیان میں و بھی نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ کی اطاعت اور حضورؐ کی اطاعت کا ساتھ ساتھ حکم ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب دوم

حرمت رسولؐ ۔ اُمت کے لیے ہدایات

حضورؐ کو متوجہ کرنے کا احسن طریقہ:

مسلمانوں کے لیے حرمت رسولؐ کے بارے میں بلاواسطہ اور بالواسطہ حضورؐ کی حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن الحکیم میں بڑی واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ یاایھا الذین آمنوا سے شروع ہونے والی متعدد آیات میں حضورؐ کا احترام اور ادب کی پابندی مسلمانوں پر لازم کردی گئی ہے کہ حضورؐ کی محبت کے تقاضے پورے کیے جاسکیں۔ حضورؐ نبی پاک کے احترام کے پیش نظر مسلمانوں کے قول و فعل سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہونی چاہیے جس میں انجانے پن میں بھی کوئی بے ادبی کا شائبہ ہو۔

سورہ البقرہ (۱۰۴) میں فرمان الٰہی ہے۔ یاایھا الذین آمنوا.........عذاب علیم ☆ (ترجمہ) ''اے ایمان والو راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو اور توجہ سے بات سنو اور کافروں کے لیے تو دردناک عذاب ہے۔'' حضورؐ نبی پاک کی حرمت کے بارے میں یاایھا الذین آمنوا سے شروع ہونے والی یہ پہلی آیت ہے۔

حضورؐ نبی پاک کے مخالفین خاص طور پر یہودی' آپؐ کی بے ادبی اور توہین کا کوئی موقع ہاتھ سے ضائع نہ کرتے۔ حضورؐ کی محافل میں بدنیتی سے بیٹھتے۔ بظاہر مؤدب نظر آتے مگر دل میں خبث ہوتا۔ وہ لفظوں کو توڑ موڑ کر ادا کرتے اور ایسے معنی پہناتے جس سے حضورؐ کی توہین کا پہلو نکل سکتا ہو۔ جب نبی پاک گفت گو فرماتے اور اس دوران انہیں کوئی بات سمجھنے کے لیے آپؐ سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش آتی تو راعنا کہتے۔ یہ ذومعنی لفظ بولتے جس کے عربی زبان میں یہ معنی ہوئے کہ ذرا توقف فرمایئے' ذرا ہمیں بات سمجھ لینے دیجیے۔ مگر عبرانی زبان میں یہ بددعا کے لیے کہا جاتا اور یہودی جب راعنا کہتے تو ان کا مقصد بددعا کا ہی ہوتا کہ ''سن تو بہرا ہو جائے''۔ پھر کبھی زبان کو موڑ کر راعینا کہتے یعنی اے ہمارے چرواہے۔

Marfat.com

بعض مسلمان یہودیوں کی اس بدنیتی سے بے خبر راعنا کہہ کر حضورؐ سے کچھ عرض کرتے۔ اس سے یہودیوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ہم تو ان کے نبی کو خفیہ طور پر دل ہی دل میں برا کہتے ہیں مگر اب اعلانیہ برا کہنے کا موقع آ گیا ہے کہ مسلمان بھی یہی کہتے ہیں اور یہودی آپس میں بیٹھ کر اپنی اس چال پر خوش ہوتے۔ مگر اللہ رب العزت کو مومنوں کی زبان سے حضورؐ کی شان میں 'انجانے پن میں' بھی کوئی بے ادبی گوارا نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر مومنوں کو راعنا کہنے سے منع فرما دیا۔ اس لیے مسلمانوں کو راعنا کی بجائے قولو انظرنا کہنے کو کہا گیا اور ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ جب تم حضورؐ نبی پاک کی محفل میں بیٹھو تو حضورؐ کی بات غور سے اور پورے دھیان سے سنو' کہ تمہیں انظرنا کہنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔

بیان القرآن (ج ۱' ص ۵۷) میں رقم ہے کہ یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی کہ جناب رسولؐ اللہ کے حضور آ کر راعنا سے آپ کو خطاب کرتے جس کا معانی عبرانی زبان میں برے ہیں اور وہ اسی نیت سے کہتے کہ عربی میں اس کے معنی بہت اچھے ہیں' کہ ہماری مصلحت کی رعایت کیجئے۔ عربی ان کی اس شرارت کو نہ سمجھ سکے اور اس کے اچھے معنے کے قصد سے بعض مسلمان بھی حضورؐ کو اسی کلمہ سے خطاب کرنے لگے۔ اس سے ان کی شرارتوں کو گنجائش ملی۔ اس گنجائش کو قطع کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو راعنا کہنے سے منع فرما دیا اور انظرنا' کہہ کر خطاب کرنے کا حکم دیا اور اس حکم کو اچھی طرح سن رکھو تا کہ بار دگر یہ کہنے کی ضرورت نہ رہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر (ج ۱ ص ۲۴۶) میں اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے
''مسلمانوں (پیغمبر اسلام کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہو تو ان منکرین حق کی طرح) یہ نہ کہو کہ راعنا (جو مشتبہ اور ذومعنی رکھنے والا لفظ ہے بلکہ) کہو انظرنا' ہماری طرف التفات کیجئے اور پھر وہ جو کچھ بھی کہیں اسے جی لگا کر سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ باقی یہ رہے منکرین حق' تو یاد رکھو انہیں (پاداش عمل میں) دردناک عذاب ملنے والا ہے۔''

اس سے یہ بات متشرح ہے کہ اگر کسی جائز فعل سے بھی غلط فہمی کا امکان ہو' تو اسے ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ اس سلسلہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ

''بیت اللہ کی تعمیر میں جو قریش نے زمانہء جاہلیت میں کی تھی اس میں کئی چیزیں بناء

Marfat.com

ابراہیمی کے خلاف کردی ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ اس کو منہدم کر کے از سر نو بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دوں، لیکن اس سے ناواقف عوام میں، فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لیے بالفعل ایسا نہیں کرتا" ایسے احکامات کو اصول فقہ کی اصطلاح میں 'سدّ ذرائع' سے تعبیر کیا جاتا ہے جو بھی فقہا کے نزدیک معتبر ہے۔ (قرطبی) (م ج ۱ ص ۲۸۱)

حضورؐ کے گھر اور اہل خانہ کی حرمت:

سورہ الاحزاب (۵۳) میں مسلمانوں کو نبی پاکؐ کے گھر کی حرمت اور آپ کے اہل خانہ کی حرمت کے آداب سکھائے ہیں۔ **یایها الذین آمنوا.........عندالله عظیماً** ☆ (ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو نبی کے گھر میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ، باتیں کرنے میں نہ لگ جاؤ۔ تمہاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ تمہارے لیے ہرگز جائز نہیں کہ اللہ اور رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو، یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ تم خواہ کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ کو ہر بات کا علم ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں جو احکامات دیئے گئے ہیں ان کا تعلق حضورؐ کے ادب و احترام سے ہے اور مسلمانوں کے معاشرتی آداب سے بھی ہے اور ان کی ابتداء حضورؐ کی جائے رہائش اور آپ کی ازواج مطہرات سے کی گئی ہے۔ ایمان والوں کو درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں:

۱) نبیؐ پاک کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت

۲) بغیر بلائے کھانے کا وقت تاک کر نہ جانے کی ہدایت

۳) حضورؐ کی ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگنی ہو تو اوٹ کے پیچھے سے مانگو کہ یہی دلوں

Marfat.com

کی پاکیزگی کے لیے بہتر ہے۔

۴) حضورؐ کی بیویوں سے' جو امہات المومنین ٹھہرادی گئی ہیں' حضورؐ کے وصال کے بعد نکاح ناجائز قرار دے دیا گیا ہے اور اس کو بڑا گناہ گردانا گیا ہے۔

پھر یہ فرمادیا کہ تم جو کچھ بھی کرو اللہ سے نہیں چھپا سکتے کہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے اور ان احکامات کی خلاف ورزی حضورؐ کے لیے تکلیف کا باعث بن سکتی ہے جو رب تعالیٰ کو گوارا نہیں۔

پہلے حکم میں حضورؐ کے اہل خانہ کی حرمت قائم کی گئی ہے۔ اس کے بعد سورہ النور (۲۷) میں مسلمانوں کی ایک دوسرے کے گھروں میں جانے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔

زمانہء جاہلیت میں عرب باشندے ایک دوسرے کے گھروں میں بے تکلف چلے جاتے تھے۔ یہ لوگ گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت کے پابند نہ تھے اور اندر جا کر پوچھتے کہ صاحب خانہ گھر پر ہے کہ نہیں' اس سے گھر کی حرمت مجروح ہوتی تھی اور گھر کی خواتین کی بے پردگی ہوتی تھی اور اس سے کئی خرابیاں جنم لیتی تھیں۔ اللہ نے کسی کے گھر جانے کا مہذب طریقہ سکھایا اور ابتداء نبیؐ پاک کے گھر داخل ہونے کے آداب سے فرمائی۔ بعد میں سورہ النور میں دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے لیے تفصیلاً ہدایات فرمادیں۔

حضورؐ نبی پاک سے بلا اجازت آپؐ کے گھروں' جو آپ کی ازواج مطہرات کے حجروں پر مشتمل تھے' میں جانے سے منع فرمادیا اور اجازت نہ ملنے پر واپس لوٹ آنے کا حکم دیا ہے۔

دوسرا حکم دعوت طعام اور مہمان کے آداب سے متعلق ہے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی ہے کہ حضورؐ کے ہاں کھانے کا وقت تاک کر نہ پہنچ جائیں جس سے گھر والوں کو مشکل کا سامنا ہو۔ یہ حکم نبیؐ پاک کے گھر کے لیے مختص نہیں تھا بلکہ عام مسلمانوں کے لیے بھی یہی قائدہ اپنانے کا حکم فرمایا ہے۔

اس حکم کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تم کو جب حضورؐ کے گھر دعوت پر بلایا جائے تو وقت سے پہلے پہنچ کر گھر میں براجمان نہ ہو جاؤ کہ گھر والے مصروف ہوتے ہیں اور کھانے کا اہتمام کر رہے ہوتے ہیں اور اس سے ان کو زحمت ہوتی ہے۔ اور پھر کھانے کے بعد اپنے گھروں کو رخصت ہو جاؤ' زیادہ دیر تک نہ بیٹھو۔ ناشائستہ لوگ اپنی عادت کے مطابق کھانے کے بعد باتوں میں

Marfat.com

مشغول ہو جاتے، جس سے حضورؐ کو تنگی محسوس ہوتی۔ عام مسلمانوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

یہ آیت مبارکہ حضرت زینبؓ کے ولیمے کے روز نازل ہوئی۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت زینبؓ کے نکاح کے بعد ولیمے کی دعوت دی تھی۔ عام لوگ کھانا کھا کر رخصت ہو گئے مگر دو تین حضرات بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ حضورؐ تنگ آ کر اٹھے اور ازواج مطہرات کے پاس چکر لگا کر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ حضرات اب بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؐ پلٹ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں جا بیٹھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں تب آپؐ حضرت زینب کے مکان میں تشریف لائے۔ اس پر اللہ کی طرف سے یہ تنبیہ فرمائی گئی۔

عام حالات میں بھی کھانے کے بعد مہمانوں کا دیر تک بیٹھے رہنا میزبان کے لیے باعث تکلیف ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں مہمانی کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اس واقع سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ نے مہمانوں کے اکرام اور خاطر داری کا بڑا اہتمام فرمایا اور مہمانوں کو جانے کے لیے نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے خود مہمانوں کو یہ آداب سکھانے کا بندوبست کیا۔

تیسرا حکم پردہ سے متعلق ہے۔ بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اس آیت کے نزول سے پہلے کئی بار بارگاہ رسالت میں عرض کر چکے تھے کہ یا رسولؐ اللہ آپ کے ہاں بھلے اور برے سب ہی قسم کے لوگ آتے ہیں، کاش اپنی ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دے دیتے لیکن حضورؐ اس سلسلے میں فیصلہ کرنے میں خود مختار نہ تھے، آپؐ وحی کے منتظر تھے۔ آخر اللہ کا یہ حکم آ گیا کہ ازواج مطہرات کا کسی سے سامنا نہ ہو، ان سے کوئی چیز مانگنے کے لیے اوٹ کے پیچھے سے مانگو۔ اس آیت کے نزول کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے گئے۔ یہ حکم عام مسلمانوں کے لیے بھی رائج ہے اس طریقہ سے دل کسی آلائش سے پاک رہتے ہیں۔ اسکے بعد ان محرم لوگوں کا ذکر فرما دیا جن سے ازواج مطہرات کا پردہ نہیں تھا۔

چوتھا حکم بھی ازواج مطہرات کے احترام کی خاطر نازل ہوا۔ اللہ نے ہر اس فعل کو حرام قرار دیا ہے جو حضورؐ کے لیے باعث تکلیف ہو۔ یہاں اسی لیے یہ حکم دیا گیا کہ آپؐ کی ازواج مطہرات سے آپؐ کے بعد از وصال، کسی کا نکاح حلال نہیں۔ یہ حکم خاص نبی پاکؐ کی بیویوں کے

Marfat.com

بارے میں نازل ہوا۔ عام مسلمانوں کی بیواؤں سے نکاح جائز ہے۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ "آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی زندہ شوہر گھر سے غائب ہو اسی لیے آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوئی اور آپ کی ازواج مطہرات کا حال عام شوہروں کی بیواؤں سے مختلف ہے۔" (م ج ۷ ص ۲۰۳)

ازواج مطہرات کو امت کی مائیں قرار دیا گیا اور کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (الاحزاب ۶)

یہاں پر بات ختم ہو جاتی ہے کہ ازواج مطہرات کی حرمت اور تکریم اللہ کی طرف سے کی گئی اور کسی توجیہ کی تلاش کے بغیر یہ حکم مانا گیا کہ مسلمانی تو نام ہی فرمانبرداری کا ہے۔

حضورؐ کا احترام وادب:

حضورؐ کے احترام و ادب کے بارے میں سورہ الحجرات کی پہلی پانچ آیات میں مسلمانوں کو مزید تعلیم دی گئی تا کہ اہل ایمان اس سلسلے میں معمولی لغزش سے بھی بچے رہیں۔

فرمایا آیت (۱) میں یایھا الذین آمنوا.........سمیع علیمٌ ☆ (ترجمہ) "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔"

آیت (۲، ۳) یایھا الذین آمنوا.........اجر عظیم ☆ (ترجمہ) "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات نہ کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو، جو لوگ رسولؐ خدا کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ در حقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ رکھا ہے، ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔"

آیت (۴، ۵) میں فرمایا ان الذین ینادونک.........غفور الرحیم ☆ ترجمہ

Marfat.com

"(اے نبیؐ) جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں' ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمہارے برآمد ہونے تک صبر کرتے تو انہی کے لیے بہتر تھا۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔"

پہلے فرمان میں اللہ کے رسولؐ کے آگے پیش قدمی نہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جب ایمان لے آئے ہو تو اللہ کے رسول کے تابع رہو' مقدم نہ ہو۔ کسی اجتماعی اور انفرادی یا اجتماعی معاملہ میں کسی قول و فعل میں حضورؐ کی رائے اور فیصلے کے سامنے کسی مومن کو الگ فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

اس فرمان الٰہی میں کسی بھی رائے میں اپنی رائے کو رسولؐ سے مقدم نہیں رکھنا ہے۔ ہر معاملہ میں جہاں اللہ اور رسولؐ کے فیصلے واضح طور پر قرآن اور حدیث میں آ چکے ہیں' کسی مومن کو خود سے کوئی الگ فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اہل ایمان کو اپنی رائے دینے کا اختیار نہیں۔ جیسے آج کل قرآنی تعلیمات سے بے بہرہ لوگ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں' کہ رجم کی سزا ظلم ہے' اور موت کی سزا منسوخ کر دینی چاہیے۔

اس حکم کا اطلاق انفرادی اور اجتماعی معاملات پر یکساں ہوتا ہے۔ اسلامی آئین بناتے وقت اور قانون سازی میں یہ بنیادی اصول سامنے رکھنا ہے۔ اجتہاد صرف ان مسائل کے بارے میں کیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں قرآن میں واضح حکم نہیں ہے۔

مستند حدیث کے حوالے سے روایت ہے کہ جب حضورؐ نبی پاک حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم عدالت بنا کر بھیج رہے تھے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز کے مطابق فیصلے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا' کتاب اللہ کے مطابق۔ آپؐ نے پوچھا اگر کتاب اللہ میں کسی معاملے کا حکم نہ ملے تو کس چیز کی طرف رجوع کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا' سنت رسولؐ اللہ کی طرف۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس میں کچھ نہ ملے؟ انہوں نے عرض کیا پھر میں خود اجتہاد کروں گا۔ اس پر حضورؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو وہ طریقہ اختیار کرنے کی توفیق بخشی جو اس کے رسول کو پسند ہے' کتاب اللہ اور سنت کو اپنے اجتہاد پر مقدم رکھتا ہے۔ (ت ج ۵ ص ۷۱)

اسلامی قوانین کا اولین ماخذ' اللہ کی کتاب' اسکے بعد پھر حضورؐ کی سنت مبارکہ' پھر اجتہاد'

Marfat.com

قرآن اور سنت کی روشنی میں۔ یہ کام علمائے دین کا ہے کہ کسی مسئلہ پر جو کسی دور میں درپیش ہو اور جس کی مثل نہ ملتی ہو اجتہادی فیصلہ دیں۔ ایسا کرنے والوں کے لیے بڑا اجر ہے۔ اگر کہیں غلطی بھی ہو جائے، مگر نیک نیتی سے دی گئی رائے کا بھی ثواب ہے۔

اس آیت کے دوسرے مطلب بھی ہیں۔ حضورؐ کی مجلس میں کسی سوال کے جواب کا انتظار کرو، جب تک حضورؐ خود اس کا جواب نہ دیں یا حضورؐ کسی کو جواب دینے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ اس کے علاوہ اگر آپ چل رہے ہوں تو صحابہؓ آپؐ کے پیچھے چلیں۔ حضورؐ سے قدم آگے نہ بڑھائیں۔ اس کے علاوہ کھانے کی مجلس میں آپؐ سے پہلے کھانا شروع نہ کریں۔ البتہ ہنگامی حالات میں، سفر یا جنگ میں حضورؐ خود کسی کو آگے بھیجنا چاہیں تو پیش قدمی جائز ہے۔

اس سلسلہ میں ایک واقع بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن ابو دردؓ کو حضورؐ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ سے آگے چل رہے ہیں تو آپؐ نے تنبیہہ فرمائی کہ ''کیا تم ایسے شخص کے آگے چل رہے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے بہتر ہے'' اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع وغروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکرؓ سے بہتر و افضل ہو۔''

علمائے دین، مشائخ کے احترام کے لیے انہی احکامات کا اطلاق ہوتا ہے۔ نیز مرشد، استاد اور بزرگ لوگوں کے لیے بھی آداب ملحوظ رکھنا ہیں۔

پھر دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ آداب مجلس نبوی کو ملحوظ خاطر رکھنا ہے۔ حضورؐ کے سامنے اپنی آواز بلند کرنا گستاخی قرار دیا گیا ہے۔ آپؐ سے خطاب کرتے ہوئے یہ نہ بھولیں کہ وہ کسی عام شخص سے بات کر رہے ہیں، بلکہ رسولؐ اللہ سے مخاطب ہیں۔ عام لوگوں سے گفت گو اور آپؐ کے ساتھ بات کرنے میں نمایاں فرق رکھنا ہے۔ یہ حکم اس وقت کے لوگوں کے لیے تھا مگر بعد میں اس پر عمل درآمد اس طرح کیا جاتا ہے کہ کسی محفل میں جب حضورؐ کا ذکر عالی ہو رہا ہو یا کوئی حدیث بیان کی جا رہی ہو، تو خاموشی سے ادب واحترام کے ساتھ سنیں۔ حضورؐ کا اسم مبارک آئے تو درود بھیجیں۔

اسی طرح لوگوں کو اپنے بزرگوں سے گفت گو میں بھی ادب کا پہلو ملحوظ رکھنا ہے۔ گفت گو کا لہجہ اور الفاظ ایسے نہ ہونے چاہئیں جو دوستوں کی محفل میں ہوتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرامؓ بہت محتاط ہو گئے اور ان کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول

Marfat.com

اللہ 'اللہ کی قسم ہے کہ اب مرتے دم تک اس طرح بولوں گا جیسے کسی سے سرگوشی کرتا ہو اور حضرت عمرؓ اتنے آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔ حضرت بن قیس طبعی طور پر بلند آواز تھے یہ آیت سن کر وہ بہت ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹا لیا۔

روضہ اقدس کے سامنے بھی بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ممنوع ہے اور بے ادبی اور گستاخی میں شمار ہوتا ہے۔ حضورؐ کی تعظیم وتکریم آپؐ کے وصال کے بعد بھی ایسی ہی واجب ہے۔ جب کسی محفل میں آپؐ کا ذکر خیر آئے تو خاموشی سے سننا ہے اور آپؐ کا اسم مبارک آئے تو درود بھیجنا ہے۔ اسی طرح اکابرین اور بزرگان کی محفل میں آداب ملحوظ رکھنا ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے واضح احکامات فرما کر مسلمانوں کو بے خبری میں حضورؐ کی بے ادبی کرنے سے بچالیا ہے کہ ان کے اعمال ضائع نہ ہوں۔ تقدم علی النبی اور رفع الصوت ایسی معصیت ٹھہریں کہ جس سے اعمال صالح کی توفیق سلب ہو جانے کا احتمال ہے۔ حضورؐ نبی پاک کے ادب واحترام کا پورا پورا خیال رکھنے والوں کے لیے اللہ نے اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

تیسری ہدایت حضور کو حجروں کے باہر کھڑے ہو کر' بے عقل اکھڑ لوگوں کی طرح پکارنے سے متعلق ہے۔ حضورؐ کی مصروفیات ہمہ جہت تھیں۔ رسالت کے فرائض' معاشرتی اور گھریلو مسائل کے پیش نظر آپ کو بھی کچھ وقت آرام کے لیے درکار ہوتا تھا۔ صحابہ کرامؓ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے اور آپؐ سے ملاقات کے لیے اس وقت تشریف لاتے جب حضورؐ باہر تشریف فرما ہوں اور کسی شدید ضرورت کے تحت بھی آپ کو باہر تشریف لانے کی زحمت نہ دیتے اور باہر بیٹھ کر حضورؐ کے برآمد ہونے کا انتظار کرتے۔ صحابہ اور تابعین نے علماء اور مشائخ کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو ان کے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز دینے یا دروازہ پر دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازے کے باہر بیٹھ کر انتظار کرتا' جب تک وہ خود باہر تشریف لائیں۔ (م ج ۷ ص ۱۰۳)

حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جا کر دستک نہیں دی' بلکہ اس کا انتظار کیا کہ وہ خود ہی باہر تشریف لائیں۔

اس کے برعکس اکھڑ بدو لوگوں کو اس کی کوئی تربیت نہ ملی تھی۔ وقت بے وقت حضورؐ نبی

Marfat.com

پاک سے ملاقات کے لیے آ جاتے۔ ان کا تصور یہ تھا کہ دعوت الی اللہ اور اصلاح خلق کا کام کرنے والوں کو کسی وقت آرام کرنے کا حق نہیں ہے۔ ایسے لوگ آپؐ کے کسی خادم کے ذریعے بھی اندر اطلاع کی زحمت نہ کرتے اور اُمہات المومنین کے حجروں کا چکر کاٹ کر باہر ہی سے آپؐ کو پکارتے تھے جو حضورؐ کی ناگواری کا باعث بنتا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں راہنمائی فرمائی اور ایسی ناشائستہ حرکت سے باز رہنے کا حکم فرمایا۔

اس آیت کی شان نزول ایک واقع ہے۔ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ جو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مدینہ پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا جب حضورؐ کسی حجرہ میں آرام فرما رہے تھے۔ انہوں نے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا کہ ''باہر تشریف لائیں''۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کی رو سے یہ فرمان جاری ہوا کہ حضورؐ سے ملاقات کرنے والوں کو باہر بیٹھ کر انتظار کرنا ہے اور اس کا انتظار کریں جب آپ باہر تشریف لائیں اور خود آپ کی طرف متوجہ ہوں اور اس بات کا امکان ہے کہ آپؐ اپنی کسی ضرورت کے تحت باہر نکلے ہوں۔

اللہ بڑا درگزر کرنے والا ہے۔ مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اس حکم سے پہلے جو ہو چکا ہو چکا، یعنی اس کی معافی ہے مگر آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے۔ حضورؐ نبی پاک کے بلانے کو کسی عام آدمی کا بلانا نہ سمجھا جانا چاہیے اور نہ محفل سے آپ کی اجازت سے اٹھ کر چل دیں کہ یہ خلاف ادب اور گستاخی ہے۔ اس ضمن میں سورہ النور (۶۲) میں واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ فرمایا

انما المومنون ....غفور رحیم ☆ ترجمہ ''مومن اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسولؐ کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔ جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور اس کے اصول کے ماننے والے ہیں، پس جب وہ کسی کام کی اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو اجازت دے دیا کرو اور ایسے لوگوں کے حق میں دعائے مغفرت کیا کرو۔ اللہ یقیناً غفور الرحیم ہے۔''

اس آیت میں منافقین کے طرز عمل کی مذمت فرمائی ہے جو بظاہر بدنامی سے بچنے کی خاطر یا اپنے کسی فائدے کی خاطر آپؐ کے بلانے پر حاضر تو ہو جاتے مگر بلا اجازت چپکے سے کھسک جاتے، اس طرح وہ سوئے ادب کے مرتکب ہوتے اور جماعت کے نظم و نسق میں بھی رخنہ

Marfat.com

ڈالتے۔ مسلمانوں کو اجتماعی مقصد کو انفرادی ضرورت پر ترجیح دینا سکھایا ہے اور بغیر حضوؐر کی اجازت کے اجتماع سے کنارہ کش نہ ہونے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس آیت میں جو ہدایات دی گئی ہیں' ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱) جب حضوؐر نبی پاک لوگوں کو اجتماعی مقصد' جہاد وغیرہ' کے لیے جمع کریں' حالت جنگ یا حالت امن ہو' تو پھر آپ کی مجلس سے حضوؐر کی اجازت کے بغیر واپس نہ آئیں۔ جب کوئی ایسی ضرورت پیش آئے کہ جانا ضروری ہے تو اس صورت میں حضوؐر سے اجازت کی درخواست کریں اور اجازت ملنے پر جائیں۔

۲) اللہ نے حضوؐر سے فرمایا کہ جب اجازت مانگی جائے تو آپ پر موقوف ہے کہ آپ صورت حال کے پیش نظر اجازت دیں یا نہ دیں۔

۳) اگر حضوؐر مناسب سمجھیں تو اجازت مرحمت فرمائیں ورنہ مومن کو' بصورت دیگر' اس سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ ایسے مؤدب اور حکم کی تعمیل کرنے والوں کے حق میں حضوؐر کو مغفرت کی دعا کے لیے فرمایا ہے۔

یہ آیت مبارکہ غزوۂ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی۔ نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ منافقین اوّل تو آنے میں سستی کرتے اور پھر آ کر تھوڑا سا کام کر کے چپکے سے غائب ہو جاتے۔ اس کے برعکس مومنین کسی مجبوری کے تحت' حضوؐر سے اجازت لے کر جاتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حضوؐر کی مجلس کوئی عام مجلس نہیں اور اس مجلس سے آپؐ کی اجازت کے بغیر اٹھنا حرام قرار دے دیا گیا جبکہ وہ کسی خاص ضرورت کے تحت بلائے گئے ہوں یعنی خندق کھودنے کے لیے۔

اجازت طلب کرنے میں حقیقی ضرورت کا لاحق ہونا ضروری ہے اور محض بہانہ سازی کا دخل نہ ہو۔ اجازت لے کر جانے والوں کے حق میں حضوؐر کو مغفرت کی دعا فرمانے کو کہا گیا ہے۔ یعنی اگر انہوں نے (مومنین میں سے کسی نے) معمولی بات پر بہانہ بازی کر کے اجازت طلب کی ہے تو اللہ انہیں معاف کرے کہ اصل نیتوں کا جاننے والا اللہ ہی ہے۔

فقہاء کے نزدیک حضوؐر کے بعد یہ حکم مسلمانوں کے امیر' امام اور حاکم وقت کی مجالس کے

Marfat.com

لیے بھی ہے اور اس کی تعمیل واجب ہے۔ ایسی مجالس جن میں قومی مسائل پر غور و فکر کرنا مقصود ہو' شرکت کرنا واجب ہے اور بغیر اشد ضرورت کے بغیر اجازت مجلس سے اُٹھ جانا ناپسندیدہ فعل ہے۔

اسی مضمون کے تسلسل میں آیت ۶۳ کا مضمون ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت فرمائی ہے کہ نبیؐ کے بلانے کو ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ فرمایا لا تجعلوا ....عذاب الیم ☆ ترجمہ "مسلمانو اپنے درمیان رسولؐ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا بلانا نہ سمجھ بیٹھو' اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے سٹک جاتے ہیں۔ رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔"

لفظ دعا کے معنی بلانے کے ہیں۔ دعا الرسولؐ کا مطلب حضورؐ کا بلانا یا حضورؐ کو بلانا بھی ہوسکتا ہے۔ تیسرا مطلب دعا کرنا ہے۔

پہلے مطلب کی رو سے مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ حضورؐ کا بلاوا کسی اہم مشاورت کے لیے کسی عام آدمی کا بلاوا نہ سمجھو' جس کو تم ٹال سکنے کی آزادی رکھتے ہو۔ اس میں ذرا سی کاہلی اور تنگی تمہارے ایمان کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ رسولؐ اللہ کو پکارنا عام آدمیوں کے ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح نہیں ہونا چاہیے۔ عام طور پر لوگ ایک دوسرے کو نام لے کر بلند آواز سے پکارتے ہیں۔ مگر حضورؐ کا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھنا ہے اور بلانے کے لیے یا رسولؐ اللہ کہنا ہے یا یا نبیؐ اللہ۔ حضورؐ کی توقیر مسلمانوں پر واجب ہے اور بے ادبی سے بچنا ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ حضورؐ کی دعا کو عام آدمی کی دعا نہ سمجھو۔ اگر حضورؐ خوش ہو کر تم میں سے کسی کو دعا دیں تو اس سے بڑی نعمت اور خوش بختی اور کیا ہوسکتی ہے۔

یہاں' بعد کے مضمون کی مناسبت سے پہلا مطلب ہی درست ہے۔ منافقین حضورؐ کے بلانے پر اجتماع میں آ جاتے تھے' نادلی کے ساتھ' اور چپکے سے' چھپ چھپا کر کھسک جاتے تھے۔ انہیں کے لیے فرمایا گیا ہے کہ یہ سراسر محفل کے آداب کے خلاف ہے خاص طور پر جب کہ یہ حضورؐ کی مجلس ہو۔ یہ بے ادبی اور حکم کی خلاف ورزی ہے۔ جس کی پاداش میں یہ لوگ دردناک عذاب

Marfat.com

سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

حضورؐ سے تخلیہ میں بات کرنے کا صدقہ:

اکثر لوگوں کو حضورؐ سے کسی مسئلے کے بارے میں تخلیہ میں بات کرنے کی ضرورت ہوتی' اس سے حضورؐ کے آرام میں اور کام میں خلل پڑنے کا احتمال رہتا۔ پھر تخلیہ میں بات کرنے کا ایک ضابطہ قائم کیا گیا مگر مومنوں کی تکلیف اور تنگی کے پیش نظر خود ہی اس میں ترمیم فرمادی۔ سورہ المجادلہ (۱۲'۱۳) میں فرمایا یایھا الذین آمنوا.......... علیم ☆ (ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم رسول سے تخلیہ میں بات کرو تو بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور پاکیزہ ہے البتہ اگر تم صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اللہ غفور الرحیم ہے۔ کیا تم ڈر گئے اس بات سے کہ تخلیہ میں گفت گو کرنے سے پہلے تمہیں صدقات دینے ہوں گے؟ اچھا تم اگر ایسا نہ کر سکو اور اللہ نے تم کو اس سے معاف کر دیا۔ تو نماز قائم کرتے رہو' زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔"

ان آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو یہ ہدایت فرمائی کہ حضورؐ نبی کریم سے علیحدگی میں بات کرنا ہو تو پہلے کچھ صدقہ دو۔ اس حکم کی شان نزول یہ ہے کہ لوگ حضورؐ سے بہت زیادہ باتیں' موقع بے موقع' پوچھنے لگ گئے تھے۔ حضورؐ اپنی شان کریمی سے کسی کو منع نہ فرماتے۔ کچھ لوگ ایسے معاملات میں بھی علیحدگی میں بات کرنے کی درخواست کرتے جن میں الگ بات کرنا ضروری نہ ہوتا۔ یہ لوگ دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے کے لیے بھی ایسا کرتے تھے۔ اس سے مدینہ میں ایسی افواہیں پھیلنے لگیں جس میں شیطان علیحدگی میں کی گئی باتوں کے بعد لوگوں کے کان میں یہ وسوسہ ڈال دیتا کہ فلاں قبیلہ فلاں قبیلہ پر حملہ آور ہونے والا ہے اور منافقین یہ کہنے لگتے کہ محمدؐ کانوں کے کچے ہیں۔

دوسری قباحت یہ تھی کہ اس طرح حضورؐ کے آرام میں خلل پڑتا۔ آپؐ کی مصروف زندگی میں آپ کو اپنے گھر میں کچھ وقت آرام کے لیے درکار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبیؐ پاک سے یہ بوجھ ہٹا لیا تاکہ بہت سے لوگ علیحدگی میں بات کرنے سے باز رہنے لگیں۔ اس میں دوسرا فائدہ یہ بھی تھا کہ صدقہ فقراء کو دے دیا جانا ٹھہرا۔

Marfat.com

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضوؐر نے مجھ سے پوچھا کہ کتنا صدقہ مقرر کیا جائے؟ کیا ایک دینار؟ میں نے عرض کیا یہ لوگوں کی قدرت سے زیادہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا نصف دینار؟ میں نے عرض کیا کہ لوگ اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتے۔ فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا بس ایک جو برابر سونا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کی آیت ایسی آیت ہے جس پر سوائے میرے کسی نے عمل نہیں کیا۔ حکم آتے ہی میں نے صدقہ پیش کیا اور ایک سوال پوچھا۔ چونکہ صحابہ کرامؓ کو اس حکم کے بجالانے میں تنگی پیش آئی' اس لیے یہ حکم جلد ہی منسوخ ہو گیا۔ مختلف روایات کے مطابق یہ حکم کم از کم ایک دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن رہا۔

اگرچہ یہ حکم منسوخ ہو گیا مگر مسلمانوں کو اس کا حاصل مطلب سمجھ آ گیا اور آئندہ اس معاملے میں احتیاط برتنے لگے اور منافقین کو بھی تنبیہ ہو گئی کہ اگر وہ ایسا کریں گے جو مسلمانوں کے طرز عمل کے خلاف ہے تو ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے نبیؐ پاک کی حرمت و ادب کے بارے میں فرامین جاری فرما کر احسان فرمایا کہ کہیں انجانے میں صحابہ کرامؓ حضوؐر کی شان میں گستاخی نہ کر بیٹھیں۔ احترام کے یہ ضابطے ہر دور کے مسلمانوں کے لیے' ایمان کا لازمی جز ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی حرمت رسولؐ:

صحابہ کرامؓ نے اپنے قول و فعل سے حضوؐر کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری' ادب و احترام کا بدرجہء اتم خیال رکھا۔ ان کا یہ طرز عمل کئی مواقع پر سامنے آیا۔ ایک واقع صلح حدیبیہ کے وقت بھی قریش کو محو حیرت میں ڈالنے کے لیے کافی تھا۔

حضوؐر نبی کریم اپنے ۱۴سو ساتھیوں کے ساتھ ۶ ہجری' ذی القعدہ' عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سب احرام باندھے ہوئے تھے۔ قربانی کے لیے ۷۰ اونٹ ساتھ تھے جن کی گردنوں میں ھدی کی علامت کے طور پر قلاوے ڈالے گئے تھے۔ عرب کے قائدے

Marfat.com

کے مطابق سب کے پاس صرف ایک ایک تلوار تھی۔ اس کے علاوہ کوئی جنگی سامان نہ تھا۔ ہر طرح سے یہ صاف ظاہر تھا کہ یہ لوگ اللہ کے گھر کے طواف کا ارادہ رکھتے ہیں۔

قریش نے سوچا کہ اگر ہم اتنے بڑے قافلہ کو مکہ میں داخل ہونے دیں گے تو ہماری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس لیے آپ کا راستہ روکنے کے لیے خالد بن ولید' جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے، کو دو سو سواروں کے ساتھ بھیجا اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ مسلمان عمرے کا بہانہ بنا کر دراصل لڑنے کی نیت سے آئے ہیں۔ حضورؐ جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ غسقان پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ قریش کا دستہ آپ کا راستہ روکنے کے لیے پہنچ گیا ہے تو راستہ بدل کر نہایت دشوار گزار راستہ سے ہوتے ہوئے حدیبیہ کے مقام پر پہنچے۔ یہ مقام اس جگہ واقع ہے جہاں سے حدود حرم شروع ہوتی ہے۔ یہ مکہ سے ۱۳ میل کے فاصلے پر ہے اور اب شمسی کہلاتا ہے۔

بنی خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقہ کو چند ساتھیوں کے ساتھ حضورؐ کے پاس بھیجا کہ حالات دیکھ کر آئے اور سرداروں کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرین حرم کا راستہ نہ روکیں۔ یہ وہ مہینہ تھا جب زیارت کعبہ کے لیے کسی کو نہ روکا جاتا تھا۔ بدیل نے جو حالات دیکھے وہ واپس جا کر بیان کر دیئے کہ یہ لوگ جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہیں۔

پھر قریش نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے عروہ بن سعود ثقفی کو بھیجا۔ اس نے حضورؐ کو اس بات پر قائل کرنا چاہا کہ آپ مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے باز رہیں۔ حضورؐ نبی کریم نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو پہلے بدیل کو دے چکے تھے کہ ہم اللہ کی تعظیم والے بن کر عمرہ کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔ عروہ صحابہ کرامؓ کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے کہ اگر رسولؐ اللہ نے تھوکا بھی تو صحابہ نے اس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں پر مل لیا' اور جب آپؐ وضو کرتے تو وضو کے گرنے والے پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور پانی اپنے جسموں اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں اور جب آپ گفت گو فرماتے تو سب خاموشی سے سنتے۔ عروہ نے واپس جا کر قریش کے سرداروں سے یہ حال بیان کیا کہ میں بڑے بڑے شاہی درباروں' قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس جا چکا ہوں' خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا جس کی قوم اس پر اس طرح فدا ہو جیسے صحاب محمدؐ ان پر فدا ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے تم ان کی بات مان لو۔ اب تم سوچ لو کہ تمہارا مقابلہ کس

Marfat.com

سے ہے۔(م ج ۸ص ۵۶)(ت ج ۵ص ۳۷)

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ حضورؐ جب حجامت بنواتے تو موئے مبارک زمین پر نہ گرنے دیتے' سنبھال کر لے جاتے۔ حضرت ام سلمہؓ نے حضورؐ کے چند موئے مبارک چاندی کی ڈبیہ میں تبرکاً محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ صحابہ میں سے کسی کو کوئی تکلیف یا بیماری لاحق ہوتی تو پانی سے بھرا پیالہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ وہ موئے مبارک کو ڈبیہ سے نکال کر پانی میں ہلا دیتیں اس کی برکت سے تکلیف دور ہو جاتی۔ یہ حضرت ام سلمہؓ کی گہری اور والہانہ عقیدت' جو ان کو حضورؐ کی ذات اقدس سے تھی' کا عکس تھا۔(ازواج مطہرات' حافظ افروغ احمد' ج ۲ص ۳۴)

حضرت ام حبیبہؓ کے گھر ان کے والد ۱۵ سال بعد آئے۔ صحن میں ایک چارپائی پر صاف ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ باپ نے اس پر بیٹھنا چاہا۔ بیٹی نے بڑھ کر فوراً بستر لپیٹ دیا۔ باپ نے پوچھا ''کیا اس بستر پر میرا بیٹھنا تجھے گوارا نہیں؟ بیٹی نے کہا ہاں مجھے گوارا نہیں کہ توحید کے درس دینے والے مقدس پیغمبرؐ کے پاک' بابرکت بستر پر ایک مشرک بیٹھ کر اپنی شرک کی گندگی سے داغدار کرنے کی جرات کرے۔ باپ اپنی بیٹی کی باتیں سن کر غصے سے برافروختہ ہو کر یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا' تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی ہے۔'' اپنی بیٹی کے گھر آنے والا یہ باپ' مکہ کا سردار' مادی جاہ جلال اور احتشام والا' ابوسفیان تھا۔(ازواج مطہرات' حافظ افروغ احمد' ج ۲ص ۳۴)

حضورؐ نبی پاک نے حجتہ الوداع کے موقع پر' عقیدت مندوں کو موئے مبارک عطا فرمائے تھے جو لوگوں نے تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑے تھے۔ زیادہ تر موئے مبارک حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کے ہاتھ آئے تھے۔ حضرت انس بنؓ مالک کے پاس بھی موئے مبارک تھے۔ ان کے پاس دو اور چیزیں بھی تھیں' نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ جو چاندی کے تاروں سے جوڑا گیا تھا۔ ذوالفقار جو حضرت علیؓ کے پاس تھی' ان کے بعد ان کے خاندان میں یادگار رہی۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی بن حسینؓ کے ہاتھ آئی۔

حضرت عائشہؓ کے پاس وہ کپڑے تھے جن میں آپؐ نے انتقال فرمایا۔ خاتم (مہر) اور عصائے مبارک جن کا احادیث میں ذکر ہے' پہلے حضرت ابوبکرؓ' پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ

Marfat.com

کے قبضہ میں آئے لیکن ان ہی کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع ہو گئیں۔ انگوٹھی تو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے ایک کنویں میں گر گئی۔ (سیرت النبی شبلی نعمانیؒ 'سلمانؒ ندوی ج ۲ ص ۱۱۷)

حضورؐ نبی کریم کے احترام کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے منسوب اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر حضورؐ کا احترام کرنے والا شاید ہی کوئی ہو۔

موجودہ دور میں سید احمدؒ رضا بریلوی کے بارے میں ایک روایت ہے کہ وہ بچپن سے عاشق رسولؐ تھے۔ جب مدرسہ میں پڑھتے تھے تو ایک دن استاد نے ان سے پوچھا کہ ہمارے نبیؐ کا کیا اسم مبارک ہے؟ سید احمدؒ خاموش رہے۔ استاد کو غصہ آیا تو بہت مارا کہ نالائق تم کو ابھی اتنا بھی یاد نہیں ہوا۔ جب آدھی چھٹی ہوئی تو سیدھے بھاگ کر باہر نکلے اور وضو کیا۔ جب بعد میں استاد نے وہی سوال کیا تو حضورؐ کا اسم مبارک بتا دیا۔ استاد نے کہا کہ صبح تمہیں کیا ہوا تھا کہ اتنی پٹائی کے بعد بھی تم نہیں بولے۔ سید صاحبؒ نے جواب دیا کہ اس وقت میں وضو سے نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی پاک کی حرمت کا اتنا خیال فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو آپؐ سے میل جول' بات چیت اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے کے آداب کے بارے میں قرآن الحکیم میں واضح فرامین جاری فرمائے ہیں' مبادا کہ انجانے میں صحابہ کرامؓ کوئی گستاخی نہ کر بیٹھیں۔

توہین رسالت:

ایمان والوں کے لیے خدا اور اس کے رسولؐ کے ہر حکم کی پیروی لازمی ہے۔ جہاں اور گناہوں کے لیے حد مقرر کر دی گئی' توہین رسالت کی سزا سزائے موت بطور حد مقرر ہے۔ جس میں کمی بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ قرآن الحکیم کے حوالے سے رسالت مآب کی توہین کے مرتکب کی سزا موت ہے۔ (الاحزاب ۵۷' التوبہ ۶۱' ۶۳' ۶۵' ۶۶)۔ ان آیات کی تفسیر میں ابن تیمیہ کے مطابق ''جو کوئی اللہ اور رسولؐ کی توہین کرتا ہے وہ مرتد ہو جاتا ہے۔'' اور مرتد کی سزا گردن اڑا دینا ہے۔

الانفال ۱۲' ۱۳ میں کفر کرنے والوں کی گردنوں پر وار کرنے اور ان کے ہر ہر پور پر

Marfat.com

ضرب لگانے کا حکم دیا گیا ہے' یہ اس لیے کہ انہوں نے رسول کی مخالفت کی۔ اللہ اور رسول کی مخالفت کرنے والے کو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ اللہ کی مخالفت کی اس سزا کا مطلب شریعت الٰہی کا نفاذ ہے۔ حضورؐ نبی پاک کی دو حیثیتیں ہیں ایک محمدؐ بن عبداللہ اور ایک محمد رسول اللہ' یہ شریعت اور رحمت کا منفرد امتزاج ہے۔ حضورؐ نے اپنی ذاتی حیثیت میں کسی سے انتقام نہیں لیا مگر رسول اللہ کی حیثیت سے اللہ نے خود سزا مقرر کردی۔

دربارِ رسالت کے فیصلے:

(۱) بروایت ابن عباسؓ سے سنن داؤد میں ایک نابینا نے اپنی بیوی کو جو اس کے دو بیٹوں کی ماں تھی' آپ کی ہجو کرنے پر چھرا گھونپ کر مار ڈالا۔ مقدمہ دربار رسالت میں پیش ہوا۔ حضورؐ نبی کریم نے ساری روئیداد سننے کے بعد تمام لوگوں کو حاضر عدالت ہونے کا حکم فرمایا۔ آپؐ نے سب کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ "جس شخص نے یہ جرم کیا ہے کھڑا ہو جائے۔" وہ نابینا شخص پیش ہو گیا اور اقرار جرم کیا اور وجہ قتل بھی عرض کردی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "دیکھو گواہ رہو اس کا خون رائیگاں ہو گیا" یعنی قصاص یا دیت کا مطالبہ باقی نہیں رہا کیوں کہ وہ واجب القتل ہو گئی تھی۔ (ن رق ت' ص ۱۰۴)

(۲) حضورؐ نبی کریم کے کسی فیصلے کے بعد دوسرے سے فیصلہ کی درخواست بھی توہین رسالت کے ذیل میں آتی ہے۔ ایک منافق نے حضورؐ کے بعد حضرت عمرؓ سے دوبارہ فیصلہ کی درخواست کی' تو اسے اہانت رسولؐ کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔ معاملہ عدالت نبویؐ میں پیش ہوا تو اس کی سماعت کے بعد سورہ النساء کی آیت ۶۵ کے نزول سے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی عدالت الٰہی سے توثیق ہو گئی اور انہیں رسالت مآب سے فاروق (حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا) کے ذیشان خطاب سے نوازا۔

(۳) جابر بن عبداللہؓ انصاری سے روایت ہے کہ حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا "تم میں سے کون کعب بن اشرف کی خبر لے گا' اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔" یہ سن کر محمد بن مسلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ کیا آپ کو یہ منظور ہے کہ میں اسے ختم کردوں"۔ فرمایا "ہاں اجازت ہے"۔ کعب بن اشرف یہودی سردار تھا اور اسلام اور حضورؐ کا

Marfat.com

بدترین دشمن تھا۔ اس کا قتل ہجرت کے پچیسویں مہینے ۱۴ ربیع الاول کو ہوا۔ یہ بدبخت حضورؐ اور صحابہؓ کی ہجو کرتا تھا اور آپ کا مذاق اڑاتا تھا۔ محمد بنؓ مسلمہ انصاری نے اسے جہنم واصل کر دیا۔

دربار رسالت کے اور بھی کئی واقعات ہیں جن میں اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والوں کو موت کی سزا دی گئی۔ آپ نے کبھی بھی حقوق اللہ کو بطور سزا معاف نہیں کیا۔ گستاخی رسولؐ کا جرم مطلقاً حقوق اللہ سے متعلق ہے۔ آپ نے کوئی حکم اپنی ذات کی خاطر نہیں دیا' دین اور ملت کی حفاظت کے لیے دیا۔

دورِ خلافت کے فیصلے:

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں دو گانے والی عورتوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ دونوں کے خلاف حضورؐ کی شان میں گستاخی اور ہجو کا الزام تھا۔ شہادت سے جرم ثابت ہونے پر انہیں سزا دی گئی۔ دونوں کے ہاتھ کاٹ دیئے اور ان کے دانت توڑ دیئے کہ آئندہ وہ ایسی بدآموزی سے باز رہیں۔ جناب صدیق اکبرؓ کو جب اس سزا کا پتہ چلا تو مہاجرین امیہ (صوبائی عدالت کے سربراہ) کو تحریر فرمایا یعنی کہ اگر تم یہ کارروائی نہ کر چکے ہوتے تو میں تمہیں حکم دیتا کہ انہیں سزائے موت دی جائے کیونکہ انبیاء کے خلاف ارتکاب جرم کی سزا عام جرم کی سزا کے برابر نہیں ہوتی۔ آپؓ نے حاکم عدالت کو ہدایت کی کہ وہ اس بارے میں آئندہ احتیاط کرے۔

(۲) حضرت ابوبکر کے عہد میں ایک شخص نے آپؓ سے گستاخی کی' جس پر ایک شخص نے اس گستاخ کا سر قلم کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "رب ذوالجلال کی قسم یہ مرتبہ محمد رسولؐ اللہ کے بعد کسی کو حاصل نہیں کہ اس سے گستاخی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے خواہ خلیفہء وقت ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) خلافت صدیقی کے عہد میں مانعین زکوٰۃ اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں نے سر اٹھایا جو اسلامی مملکت کے استحکام کے لیے سخت خطرہ کا باعث تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کے خلاف جہاد فرمایا اور ایسے فتنے کی جڑ کاٹ دی۔ عہد فاروقی اور دور حیدری اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے

Marfat.com

دورِ خلافت میں شاتمِ رسول کی سزائے موت برقرار رکھی۔ بعد کے ہر دور میں اس پر عمل ہوا۔

امام جعفرؒ نے بھی اس بارے میں فرمایا اس سے پہلے کہ یہ خبر امام تک پہنچائی جائے نزدیک ترین افراد، جو اس تک رسائی حال کر سکیں، اسے قتل کر دیں"۔

خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے مسئلہ پوچھا کہ گستاخِ رسول کی سزا کیا کوڑے مارنا کافی ہے؟ اس پر حضرت امام مالکؒ نے فرمایا، اے امیر المومنین گستاخِ رسول گستاخی کے بعد بھی زندہ رہے تو پھر امت کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔ رسول اللہ کے گستاخ کو فی الفور گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے (نوائے وقت ۴ فروری ۲۰۱۱ء بحوالہ سید ریاض حسین شاہ)

تمام آئمہ فقہ، امام جعفرؒ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد حنبلؒ، امام داؤدؒ، امام تیمیہؒ اور ان کے سارے صاحبِ علم و فضل شاگرد اس سزا پر بطور حد متفق ہیں اور کسی صورت بھی اس کی توبہ قابلِ قبول نہ ہوگی۔

عالمگیری دور میں بھی جو فقہ مدون ہوئی فتاویٰ عالمگیری کے نام سے آج بھی موجود ہے۔ مغلیہ دور (۱۷۰۷۔۱۷۵۹ء) ہی میں حقیقت رائے باگہ کا واقع پیش آیا۔ یہ سیالکوٹ کے ہندو کھتری کا اکلوتا بیٹا تھا۔ حقیقت رائے نے حضرت محمدؐ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کی شان میں گستاخانہ اور نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لیے لاہور بھیجا گیا جہاں عدالت نے اسے موت کی سزا سنائی۔ ہندو اس وقت کے گورنر زکریا خان کے پاس گئے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے مگر زکریا خان نے کوئی سفارش نہ سنی اور سزائے موت پر نظر ثانی کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا موت کی سزا پر عمل درآمد ہو گیا۔ ہندوؤں نے اس کا سوگ منایا اور اس کی مڑھی، قائم کی جواب خواجہ کوٹ سعید میں باوے دی مڑھی کہلاتی ہے۔ اس مقام پر ہندوؤں نے اس کی موت کے دن بسنت کا میلہ لگانا شروع کیا جو اب بھی منایا جاتا ہے۔ اس طرح گستاخِ رسولؐ کو ہیرو بنا دیا۔ پاکستان میں زیادہ تر عوام اس حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ پاکستان میں بسنت کے لوگ تفریح خیال کرتے ہیں اور حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ اس میں کئی جانوں کا زیاں ہوتا ہے۔ اگر پتنگ بازی ہی کرنی ہے تو پارکوں میں جا کر صرف دن کے وقت کی جا سکتی ہے اور قواعد و ضوابط کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ جاپان میں پتنگ بازی اس طرح کی جاتی

Marfat.com

ہے اور پتنگ ان کی ٹیکنالوجی کا مظہر ہوتا ہے۔

مسلمانوں نے ہر دور میں ناموس رسولؐ کے لیے جان وقلم سے جہاد کیا ہے۔ مومن کے لیے احترام رسولؐ کے ضابطے گو عہد رسالت میں جاری ہوئے مگر ہر دور کے لیے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ حضورؐ نبی کریم کے بارے میں بدگوئی کرنے والا' آپ کی ازواج مطہرات اور آل کے بارے میں بدزبانی کرنے والا' تضحیک کرنے والا اور آپ کی شان میں کمی کرنے والا کافر ہے اور واجب القتل ہے۔ ایسے شخص کے خلاف زبان سے' قلم سے اور تلوار سے جہاد کرنا ہے۔ مولانا ظفر علیؒ نے حضورؐ کی حرمت کو ایک خوبصورت شعر میں ڈھال دیا ہے۔

میں جب تک کٹ مروں نہ خواجہ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

بیسویں صدی کے شہیدان رسالت:

غازی علم الدین:۔ یہ انگریزوں کے دور حکومت کی بات ہے۔ ہندوؤں کی تشدد پسند تحریک آریہ سماجی والوں نے ایک کتاب ''رنگیلا رسول' نے نام سے شائع کی جس میں حضورؐ اور ازواج مطہرات کے بارے میں توہین آمیز کلمات تھے جو مسلمانوں کے لیے دل آزاری کا باعث بنے۔ اس کتاب کے خلاف دو طرح کا ردعمل سامنے آیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قلمی جہاد کتاب 'مقدس رسولؐ' لکھ کر کیا۔ دوسرا جہاد غازی علم الدین نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے کیا۔ غازی علم الدین نے ناشر کتاب کی گردن اڑا دی۔ چونکہ حکومت غیر مسلموں کی تھی' اس پر قتل کا مقدمہ بنا اور ۳۱ نومبر ۱۹۲۹ء کو پھانسی کی سزا پا کر شہادت کا رتبہ پایا۔ غازی علم الدین کا مقدمہ محمد علی جناح (قائداعظم) نے لڑا۔ اس موقع پر علامہ اقبالؒ نے ایک تاریخی جملہ فرمایا ''ترکھان دا پتر بازی لے گیا'' غازی علم دین ایک نجار کا بیٹا تھا۔

نقص امن کے اندیشہ کے پیش نظر حکومت نے اس شہید کی لاش خاموشی سے جیل کے احاطہ میں دفن کر دی۔ مسلمانوں نے بڑا احتجاج کیا' ہر شہر میں ہڑتالیں ہوئیں اور جلوس نکالے گئے

Marfat.com

جس میں اکابرین ملت علامہ اقبال' سر محمد شفیع' جناب محسن شاہ اور دیگر قائدین نے گورنر سے اس شہید کی میت مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ کچھ دن بعد یہ مطالبہ پورا کر دیا گیا اور میت جیل کے قبرستان سے نکال کر میانی صاحب کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ مسجد وزیر خان کے خطیب مولانا شمس الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا ظفر علی خان نے اس وقت کہا ''کاش یہ شہادت مجھے نصیب ہوتی۔''

غازی عبدالقیوم :۔ عبدالقیوم کا تعلق ضلع ہزارہ کے ایک غریب خاندان سے تھا۔ ایک دن محلہ کی مسجد کے امام نے بتایا کہ ایک خبیث ہندو' نتھو رام نے آنحضورؐ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ نتھو رام آریہ سماجی تھا۔ اس نے (تاریخ اسلام) History of Islam کتاب لکھی جس میں نبی پاکؐ کے بارے میں گستاخانہ اور توہین آمیز کلمات تحریر کیئے۔ مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ ملزم کے خلاف فوج داری مقدمہ قائم ہوا اور ایک سال قید اور جرمانہ کی سزا ہوئی۔

مارچ ۱۹۳۴ء میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل کے نتیجے میں اس کی عبوری ضمانت منظور کر لی گئی۔ جب مقدمے کی پیشی کے لیے نتھو رام کمرہ عدالت میں داخل ہوا' عبدالقیوم نے تیز خنجر اسکے پیٹ میں گھونپ دیا اور اس خیال سے کہ کہیں یہ بچ نہ پائے' ایک اور وار کر کے اس کی شہ رگ کاٹ دی اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ عبدالقیوم گرفتار ہو گیا تو ایک انگریز جج نے اس سے کہا'' آخر تو نے اسے مار دیا' اس بھری عدالت میں اس طرح واردات کی جرات کیسے ہوئی؟'' تو اُس نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''تم اپنے بادشاہ کی توہین برداشت نہیں کر سکتے' ہم اپنے دین اور دنیا کے شہنشاہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کیسے معاف کر دیتے؟''۔ عبدالقیوم کو موت کی سزا سنادی گئی' اس عاشق رسول کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکلا اور میوہ شاہ کے قبرستان میں سپرد خاک ہوا۔

تحریک ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت:

یہود و نصاریٰ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور ہمہ وقت مسلمانوں کی دل آزاری کے لیے کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتے رہتے ہیں۔ مسلمان بہت کچھ برداشت کر سکتے ہیں مگر

Marfat.com

اپنے نبیؐ اور آپؐ کے گھرانے کے بارے میں کسی قسم کی ناپسندیدہ بات برداشت نہیں کر سکتے۔
امت مسلمہ کے خلاف کھلی سازش مختلف صورتوں میں سامنے آتی رہی اور آ رہی ہے کبھی سلمان رشدی کی کتاب ''شیطانی آیات'' یا توہین آمیز خاکوں کی صورت میں۔ ایسی کتابیں مقدس ہستیوں کی اہانت اور توہین رسالت کی خباثت سے بھری ہوئی ہیں۔ اس لیے 'ورلڈ اسوسیشن آف مسلم جیورسٹ' کا خصوصی اجلاس منعقد کیا گیا جس میں پاکستان اور دوسرے ممالک کے معروف قانون دان اور اسلامی اسکالرز نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں یہ قرارداد پیش کی گئی کہ ملک میں توہین رسالت کی سزا موت مقرر کی جائے۔ یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔

صدر ضیاء الحق نے علماء کنونشن میں یہ اعلان کیا کہ رسول کریمؐ انکے صحابہ کرام اور دیگر مقدس ہستیوں کے متعلق گستاخانہ تحریر و تقریر کی حوصلہ شکنی کے لیے قانون بنایا جائے۔ مگر اس میں تاخیر ہوگئی۔ پھر ۱۹۸۴ء میں اس سلسلے میں شریعت پٹیشن دائر کی' اس کی سماعت وفاقی شریعت کورٹ میں ہوئی۔ وکلاء اور تمام مکاتب فکر نے یک زبان اس مطالبہ توہین رسالت کی سزائے موت کی تائید کی۔ ہیومن رائٹس کی چیئر پرسن عاصمہ جہانگیر نے ایک سیمینار میں حضورؐ نبی کے بارے میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کیے' جس کا نوٹس آپا نثار فاطمہ نے لیا۔

چونکہ عدالتوں کے چکر میں اس قانون کے نفاذ میں تاخیر کا خدشہ تھا اس لیے قانون توہین رسالت' قانون ساز اسمبلی میں منظور کرانا طے پایا۔ یہ بل آپا نثار فاطمہ نے قومی اسمبلی میں پیش کیا اور بالآخر یہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں پارلیمنٹ سے متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اس قانون میں توہین رسالت کی سزا موت کے ساتھ اس کی متبادل سزا عمر قید بھی رکھ دی گئی جو اجماع امت کے حوالے سے درست نہ تھا۔ پھر ۱۹۹۰ء میں توہین رسالت کی سزا صرف سزائے موت' بطور حد وفاقی شرعی عدالت نے منظور کر لی۔ اس میں دوسرے انبیاء کرام کی توہین بھی شامل ہے۔ یہ سزا قرآنی آیات' عہد رسالت کے فیصلے' عہد خلافت اور بعد کے ادوار کے فیصلوں کے عین مطابق ہے۔ اس سزا میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔ دراصل تو قانون توہین رسالت تو حضورؐ کے عہد مبارک میں از روئے قرآن موجود تھا۔ مگر غیر مسلموں کے دور میں اس کا نفاذ نہیں ہو سکا۔ اب جبکہ قیام پاکستان کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ حکومت کی باگ ڈور آئی تو اس کے نفاذ کے قانون بنانے کی

Marfat.com

ضرورت پیش آئی۔اس ضمن میں غور طلب بات یہ ہے کہ اس جھوٹ کے دور میں محض دشمنی کی خاطر بھی توہین رسالت کا الزام لگائے جانے کا امکان ہے۔اس کا سد باب اس طرح سے کیا جاسکتا ہے:۔

۱) سنی سنائی بات پر ردعمل ظاہر نہ کرے۔اگر راوی نے خود ایسی بات سنی ہو تو معاملہ عدالت میں لے جائے چونکہ اب یہ سزا پاکستان میں از روئے قانون مقرر کردی گئی ہے اس لیے معاملہ بلاواسطہ اپنے ہاتھوں میں نہ لے۔ایسا صرف ایسے ملکوں میں واجب ہے جہاں توہین رسالت کا قانون موجود نہیں ہے۔برطانیہ کے عہد حکومت میں جن لوگوں نے ایسے ملعونوں کو کیفر کردار تک پہنچایا حق بجانب تھے۔

۲) جھوٹا الزام لگانے والوں پر حد قذف جاری کی جائے۔

۳۔ اگر جبراً گستاخی رسول کا مرتکب ہوا ہو تو فیصلہ عدالت پر چھوڑ دیں کہ جان بچانے کی خاطر لحم خنزیر کھانے کی بھی گنجائش ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

رکن ششم

فلاح مسلمین

باب اول

اطاعت وفرمانبرداری

سورہ النساء(۵۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یایھا الذین آمنوا............احسن تاویلاً☆ (ترجمہ)''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہو' پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو' اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقہ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں چار بنیادی باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ کی بندگی' رسول اللہ کی اطاعت' صاحب امر کی اطاعت اور نزع کی صورت میں قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلہ کرو اور اگر وہاں سے کوئی حکم نہ ملے تو قرآن اور سنت کی روشنی میں قیاس کر کے رجوع کیا جائے یعنی اجتہاد کیا جائے۔

اللہ کی اطاعت:

یہ اسلامی نظام کی اولین دفعہ ہے جو اسلام کے مذہبی' تمدنی اور سیاسی نظام کے قیام کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔

ایک مسلمان اپنے ایمان کی رو سے اللہ کا مطیع اور بندہ ہے۔ اس پر سب سے پہلے اللہ کی وفاداری اور اطاعت فرض اولین ہے۔ باقی وفاداریاں بغیر اللہ کی اطاعت کے قابل قبول نہیں۔ اللہ جو احکم الحاکمین ہے اس کی تابعداری ہی نظام کائنات کا محور ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کی اطاعت کرتی ہے۔ شجر و حجر' شمس و قمر اور دیگر مخلوق اسی کے حکم کے تحت اپنا اپنا کام کرتے

Marfat.com

ہیں، یہی ان کی بندگی ہے۔

سورہ النحل (۴۹) میں فرمایا وللہ یسجد.........لایستکبرون ☆ ترجمہ ”زمین و آسمان میں جس قدر جاندار مخلوقات ہیں اور جتنے ملائک ہیں سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں وہ ہرگز سرکشی نہیں کرتے۔“

اسی طرح سورہ الانبیاء (۱۹، ۲۰) میں فرمایا کہ ولہ من فی السموات...... یفترون ☆ ترجمہ ”زمین وآسمان میں جو مخلوق بھی ہے اللہ کی ہے اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ نہ اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اس کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں اور نہ ملول ہوتے ہیں شب و روز اللہ کی تسبیح کرتے ہیں دم نہیں لیتے۔“

ان آیات مبارکہ میں یہ بتایا جارہا ہے کہ خدا کی خدائی میں کوئی اور شریک نہیں ہے۔ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ فرشتے، جن کو مشرکین اللہ کی اولاد سمجھ کر ان کی پرستش کرنے لگے تھے، سب اپنے خالق کی بندگی بلا تکان برضا و رغبت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر اللہ کی کائنات کے بنانے اور اس کا نظام چلانے میں اور کوئی شریک ہوتا تو دو یا اس سے زیادہ خداؤں کی مٹھ بھیڑ میں کائنات کا نظام درہم برہم ہوجاتا کہ بیک وقت ایک سے زیادہ خداؤں کا حکم کیونکر بجالایا جاسکتا۔ اللہ کی تابعداری غیروں کی تابعداری سے نجات دیتی ہے۔

سورہ الذاریات (۵۶) میں اسی بات کو دوسرے پیرائے میں دوہرایا گیا ہے۔ فرمایا وما خلقت الجن ....یعبدون ☆ ترجمہ ”میں نے جنوں اور انسانوں کو سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔“

پیدا کرنے والے خدائے واحد کے سوا کسی کا یہ حق نہیں کہ اس کی بندگی کی جائے۔ یہاں جنوں اور انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے جن کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ اللہ کی بندگی سے روگردانی کرکے کسی اور کی بندگی کرسکتے ہیں۔ دوسری مخلوق کے دائرہ اختیار میں ہی نہیں کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی تابعداری کرنے لگیں۔

Marfat.com

یہاں عبادت کا لفظ وسیع تر معنی میں استعمال ہوا ہے' یعنی اللہ کی پرستش' اطاعت' فرمانبرداری' نیاز مندی ہے۔ اور یہ سب اللہ کے دین کی پیروی کے ضمن میں فرمایا گیا ہے۔ کسی بندے کے بنائے ہوئے دین کی پیروی کا تصور کوئی مسلمان جو اللہ اور روز جزا پر یقین رکھتا ہو نہیں کر سکتا۔

اللہ کی اطاعت ان کے احکامات' جس کا حکم رب کریم نے قرآن میں فرمایا' کی پیروی ہے۔ جیسے شرک سے اجتناب' اللہ وحدہٗ کی عبادت' آخرت اور قیامت پر یقین' حضورؐ کے نبی آخر ہونے پر ایمان' فرائض نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کی ادائیگی۔ قرآن نظریاتی کلام ہے اور اس پر عمل درآمد کی صورت حضورؐ کی سیرت طیبہ ہے کہ

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اللہ کے رسول کی اطاعت:

دوسری بات جس کا حکم دیا گیا ہے وہ اللہ کے رسولؐ کی اطاعت جو دراصل اللہ کی ہی اطاعت اور فرمانبرداری ہے کہ نبیؐ اپنی طرف سے کوئی بات نہ فرماتے بلکہ جو وحی نازل ہوتی جوں کی توں لوگوں تک پہنچا دی جاتی۔ اللہ کے احکامات پر عملدرآمد خود نبیؐ پاک کے اسوۂ حسنہ کے ذریعے امت تک پہنچا۔ حضورؐ نے دین اسلام امت تک پہنچانے اور فرامین پر عمل فرمانے کا فریضہ ادا فرمایا۔ وہی اطاعت مستند ہے جو رسولؐ کی اتباع میں ہو۔ حضورؐ نبی کریم سے منہ موڑنا اللہ سے بغاوت ہے۔ قرآن الحکیم میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسولؐ اللہ کی اطاعت کا حکم مستقلاً موجود ہے۔

سورہ آل عمران (۳۱'۳۲) میں فرمایا گیا ہے ان کنتم تحبون .... الکفرین ☆ ترجمہ "اے نبیؐ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ ان سے کہہ دیجئے' اللہ اور رسولؐ کی اطاعت قبول کر لو' پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں۔"

Marfat.com

آیت ۳۱ میں اللہ سے محبت حضورؐ نبی کریم کی پیروی سے مشروط ہے۔ اللہ حضورؐ کی اطاعت کرنے والوں سے راضی ہوتا ہے اور ایسے مومنوں سے محبت فرماتا ہے جو حضورؐ کی اطاعت کریں جو دراصل اللہ کے فرامین پر کاربند ہونا ہے۔ اسی فرمانبرداری کے صلے میں مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ اگلی آیت ۳۲ میں نافرمانوں کے بارے میں فرمایا ہے جو اللہ کے رسول کی اطاعت نہیں کرتے وہ اللہ کی محبت کے حلقے سے باہر رہ جاتے ہیں۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ اسی وقت قبول ہوسکتا ہے جب وہ حضورؐ کی اتباع کا اہتمام کرے اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بنائے۔

ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ ''جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی'' اور یہی بات قرآن میں پوری وضاحت کے ساتھ آئی ہے۔ (ت ج ۱ص ۳۶۳)

سورہ محمد (۳۳'۳۴) میں رب تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو عمل خیر کی قبولیت سے منسلک فرمایا ہے۔ فرمایا **یایھا الذین آمنوا .... یغفر اللہ ولھم** ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ اور جو لوگ کافر ہوئے اور خدا کے راستے سے روکتے رہے پھر کافر ہی مر گئے' خدا ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔''

اعمال کے نفع بخش ہونے کی ایک ہی کسوٹی ہے اور یہ اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری ہے۔ اطاعت سے منحرف ہونے والوں کا کوئی عمل عمل خیر نہیں رہتا اور وہ اجر کے مستحق نہیں ٹھہرتے۔

سورہ الانفال (۲۰'۱۲) میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ساتھ ساتھ حکم فرمایا ہے۔ فرمان الٰہی ہے **یایھا الذین آمنوا .... لایسمعون** ☆ (ترجمہ) ''اے ایمان لانے والو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد اس سے سرتابی نہ کرو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔''

پھر اسی سورہ الانفال کی آیت ۲۴ میں فرمایا **یایھا الذین آمنوا .... الیہ تحشرون** ☆ (ترجمہ) ''اے ایمان لانے والو اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جبکہ

Marfat.com

رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے' اور جان رکھو اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے۔''

اطاعت کے لیے دو عقیدوں پر پکا رہنا ہے جو انسان کو بدعملی اور نافرمانی سے بچانے کے لیے نسخہ کیمیاء ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تمہارے دلوں کے بھید سے واقف ہے۔ جو بھی کام جس نیت سے کیا جائے اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں اور پھر یہ معاملہ صرف اس دنیا تک محدود نہیں آخرت میں بھی اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور یوم حساب سے بچ کر کہیں نہیں جا سکیں گے۔ ان دو عقائد پر یقین محکم کے بعد انسان بڑی حد تک نافرمانی سے بچ سکتا ہے۔ البتہ شیطان ہر وقت تاک میں رہتا ہے کہ بندے کو کس طریقے سے بہکایا جائے۔

اُولِی الاَمر کی اطاعت:

اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کے بعد تیسری اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر واجب ہے وہ اُولِی الاَمر منکم کی ہے۔ اس میں سربراہ مملکت جو ملکی نظام چلاتے ہیں، سیاسی لیڈر' علمائے کرام' قاضی یا جج' سردار اور شیوخ شامل ہیں۔ یعنی کہ جن کے ہاتھوں میں کسی چیز کا نظام اور انتظام ہے۔

جو بھی مسلمانوں میں کسی حیثیت سے صاحب امر ہے' وہ اطاعت کا مستحق ہے۔ اگر اطاعت نہ کی جائے تو معاشرے میں انتشار اور اجتماعی زندگی میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر صاحب اقتدار صاحب امر نہیں ہو سکتا۔ اس کے اندر کچھ صفات کا ہونا ضروری ہے۔

صاحب امر خود مسلمان ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرنے والا ہو۔ ان دونوں شرائط کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت لازمی کر دی گئی ہے جب تک وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند رہے۔

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے بارے میں فرمایا (آیت ۱۵۹) **فبما رحمۃ من اللہ .... یحب المتوکلین** ☆ ترجمہ ''اے پیغمبر یہ اللہ کی بڑی رحمت

Marfat.com

ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردو پیش سے چھٹ جاتے' ان کے قصور معاف کرو' ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو' پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو' اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں صاحب امر کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ حضورؐ نبی پاک کی اولی الامر کی حیثیت سے اہم صفات کا ذکر فرما کر مسلمانوں کے لیے صاحب امر کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ صفات ذیل میں درج ہیں۔

۱) نرم مزاج

۲) درگزر کرنے والا' معاف کرنے والا

۳) دعائے مغفرت کرنے والا

۴) دین و دنیا کے کاموں میں صحابہ سے مشورہ کرنے والا

۵) خدا پر بھروسہ کرنے والا

سورہ الحج (۴۱) میں بھی اللہ نے اولی الامر کے بارے میں فرمایا ہے الذین ان...... ...... عاقبة الامور ☆ ترجمہ ''جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے' معروف کا حکم دیں گے' منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

ان آیات میں مسلمان فرمانروا کو اللہ کا نظام قائم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی بجائے خود نماز کی پابندی کریں اور نماز باجماعت کا اہتمام کریں' دولت کی ہوس سے نکلنے کے لئے زکوٰۃ کا نظام قائم کریں۔ جن باتوں سے روکا گیا ہے ان سے خود بھی رکیں اور اپنے عوام کے لیے اس ضمن میں احکامات جاری کریں۔

اس آیت میں مسلمان حاکموں کی خصوصیات کے بنیادی جوہر بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ اولی الامر کا خدا کا فرمانبردار ہونا لازمی ہے۔ حکمران کا عادل ہونا اسلام کے نظام عدل قائم کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور عادل ہونے کیلئے جن قاعدوں کو پیش نظر رکھنا ہے وہ یہ ہیں:

Marfat.com

۱) دوسروں کے لیے وہ چیز پسند کرے جو اسے اپنے لیے پسند ہو۔ خود اگر دوزخ میں جانا پسند نہیں کرتا تو اس کا اہتمام کرے کہ اس کی رعایا بھی ایسے کاموں سے بچے جو دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔

۲) حاجت مندوں کو حقیر نہ جانے' جب تک کسی ایک بھی مسلمان کی حاجت روائی باقی ہو نفلی عبادت میں بھی مشغول نہ ہو کیونکہ مسلمان کی حاجت روائی کو نفلی نماز پر فضیلت حاصل ہے (نسخہء کیمیا ص ۵۲۵)

مسلمان عادل حکمران اپنی رعایا کے ہر فرد (مومن ہو کہ کافر) کی حاجت روائی کا ذمہ دار ہے۔

۳) قناعت اور صبر کو اپنا شعار بنائے۔ اپنی پوشاک اور غذا پر اتنا نہ خرچ کرے کہ بے جا اصراف میں لکھا جائے۔

۴) رعایا کے ساتھ (یعنی عوام کے ساتھ) نرمی سے پیش آئے کہ اللہ قیامت کے دن اس سے نرمی فرمائیں گے۔

۵) رعایا کو خوش رکھے۔ حضور نبیؐ پاک نے فرمایا کہ "اے لوگو بہترین حاکم وہ ہے جو تمہیں عزیز رکھے اور تم اسے عزیز رکھو اور بدترین وہ ہے جو تمہارا دشمن ہو اور تمہیں اس سے دشمنی ہو اور تمہاری طرف سے اس پر لعنت ہوتی رہے اور اس کی طرف سے تم پر"۔

۶) حاکم کو کسی ایسے شخص کی رضامندی حاصل نہیں کرنی چاہیے جو شریعت کی مخالفت سے ہی راضی ہوتا ہو یعنی جو حق تعالیٰ کی ناخوشیوں کے عوض لوگوں کی خوشنودی کا طالب ہو۔

۷) حاکم اپنے آپ کو خادم سمجھے کہ فرمانروائی بڑا کٹھن اور صبر آزما کام ہے۔ خلفائے راشدین اپنی ذمہ داریوں کے پیش نظر خلیفہ مقرر کیے جانے پر روتے تھے کہ اتنی بڑی ذمہ داری کیسے نبھائیں گے۔

آج کل کے حکمرانوں کا جائزہ لیں تو شاید ہی کوئی ان میں سے اوپر درج کی گئی صفات میں ایک دو کا بھی حامل نظر آئے۔ یہ ہوس اور اقتدار میں مبتلا اور اپنی حاکمیت کو قائم رکھنے کے لیے ہر اصول کو روند ڈالتے ہیں جو ان کے راستے کی رکاوٹ بنے۔

Marfat.com

خلفائے راشدین اولی الامر کی روشن مثالیں ہیں۔ اس عہد کی بالخصوص حضرت عمرؓ فاروق کے عہد کی کئی مثالیں ہیں۔ ان خلفاء نے خوف خدا کو ملحوظ رکھا اور اپنا سارا سکھ چین عوام کی خاطر قربان کر دیا اور ایسا عادلانہ نظام رائج کیا جس کی مثال ملنا محال ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں حضرت عمرو بنؓ عاص' گورنر مصر' کے فرزند نے ایک قبطی (سیاہ رنگ مقامی عرب باشندہ) کو بے وجہ مارا' آپ نے اس قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں اسے سزا دلوائی اور عمرؓ بن عاص کے بیٹے سے کہا "تم لوگوں نے انسانوں کو غلام کب سے بنالیا' ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا" یہ فقرہ انسانی حقوق کا شاہکار ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کی عظمت اور طور حکمرانی کا آئینہ دار ہے۔ ہمارے آج کل کے دور میں مسلمان حکمران ذہنی غلام ہیں' اپنی تاریخ سے سبق سیکھنے کی بجائے مغربی دانشوروں کا حوالہ دیتے نہیں تھکتے۔

خلفائے راشدین کے پاس ساز و سامان حکمرانی میں سے' آج کل کے مقابلے میں' کچھ بھی نہ تھا سوائے اپنی عملی نمونے اور نظام عدل کے۔ خلفیہ دوئم کے پاس سوائے ایک دُرّے کے کچھ نہ تھا۔ آپ کے پاس بزرجمہر نے اپنا سفیر بھیجا۔ جب وہ شہر پیغمبر مدینہ المنورہ پہنچا تو نہ کوئی شاہی محل دکھائی دیا' نہ کوئی دربار' نہ شاہانہ شان و شوکت۔ سفیر نے لوگوں سے پوچھا تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں ہے' بلکہ ہم اسے امیر کہتے ہیں۔ ڈھونڈنے پر سفیر کو حضرت عمرؓ اس حالت میں ملے کہ زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور دُرّہ سرہانے دھرا ہے۔ سفیر یہ حال دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ جس کے نام سے آج دنیا بھر کے بادشاہ کانپ کانپ جاتے ہیں اس کی یہ حالت ہے۔ سفیر دفعتاً بولا' اے عظیم انسان تو نے انصاف کیا جبھی تو یوں چین سے محو استراحت ہے اور ایک بادشاہ ہمارا ہے کہ ہمیشہ جور و ستم کرتا ہے اور ہمیشہ ہراساں رہتا ہے۔ تمہارا دین بلاشبہ دین حق ہے اور اگر میں ایک سفیر کی حیثیت سے نہ آیا ہوتا تو اسی وقت مسلمان ہو جاتا۔ اس کے بعد جب اپنی نجی حیثیت سے آؤں گا تو مسلمان ہو کر رہوں گا۔

موجودہ دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی مسلمان حکمران بے جا اصراف سے

Marfat.com

بچ سکتے ہیں اور عدل قائم کر سکتے ہیں۔

۸) حکمرانوں کو علماء کی صحبت سے مستفید ہونا چاہیے' یعنی ایسے سچے عالم دین جو اس کی خوشامد کی بجائے اسے انصاف وعدل کا مشورہ دیں۔

۹) حکمران خود ظلم سے کنارہ کش ہوں اور دوسروں کو بھی ظلم سے روکیں کیونکہ ان کے مظالم کی پرسش بھی حاکم سے ہوگی۔

۱۰) اولی الامر پر تکبر کا غلبہ نہیں ہونا چاہیے کہ انسان متکبر ہو کر غصہ میں آ جاتا ہے اور غصہ انتقام کی طرف لے جاتا ہے۔ صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے۔

مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے بعد مذکورہ بالا صفات رکھنے والے کی اطاعت کرنی چاہیے۔ اگر حاکم کسی غیر شرعی بات کا حکم دیتا ہے تو پھر اس کی بات نہ ماننی چاہیے۔ حاکم جب خود ہی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت سے باہر ہو جائے تو اس کے خلاف جدوجہد کرنا درست ہے۔

سورہ الممتحنہ (۱۲) میں **و لا یعصینک فی معروف** میں دو اہم نکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ نبی کی اطاعت پر بھی معروف کی شرط لگا دی ہے' حالانکہ حضورؐ کے بارے میں کسی ادنیٰ شبہ کی گنجائش نہیں کہ آپ کسی منکر کا حکم فرما سکتے ہیں۔ دوسری بات جو اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ جب اللہ کے رسولؐ کی اطاعت معروف کے ساتھ مشروط ہے تو کسی دوسرے کا یہ مقام کہاں کہ اس کی اطاعت غیر مشروط ہو جائے۔ ایسے حاکم جو امر بالمعروف کے دائرے سے باہر ہو جائیں' اطاعت کے مستحق نہیں رہتے۔

النساء کی آیت ۵۹ میں چوتھی بات جو فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نزاع کی صورت میں فیصلہ قرآن وسنت اور فقہی فتاویٰ کی روشنی میں کیا جائے اور گر اس طرح مسئلہ حل نہ ہو تو اجتہاد کیا جائے۔ موجودہ دور میں کئی مسائل نے سر ابھارا ہے' جس کے لیے نئے فقہی حل تلاش کرنا ہے۔ یہ کام صحیح العقیدہ علمائے دین ہی کر سکتے ہیں۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کے پابند ہیں۔ یہ دراصل ایک اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ نزاعی معاملوں میں

Marfat.com

فقہی انداز میں جو فیصلہ آئے اسے قبول کرنے کے پابند ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اطاعت اور فرمانبرداری اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت اور احتساب آخرت کے خوف سے کرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ آخرت کے احتساب پر یقین ہی دنیاوی زندگی کا رخ صحیح سمت کی طرف موڑ دیتا ہے۔

قرآن الحکیم میں حق تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے والوں کو اجر عظیم کی بشارت دی ہے۔ النساء ۶۹ میں اللہ کا فرمان ہے کہ ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (روز حشر) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل فرمایا یعنی انبیاء، صدیق اور شہید اور نیک لوگ، اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔''

☆☆☆

Marfat.com

باب دوم

ثابت قدمی

دشمن کے مقابلہ کے لیئے تیار رہنے کا حکم:

سورہ آل عمران کی آخری آیت (۲۰۰) میں رب رحیم نے عامۃ المسلمین کو بہتر طریقے سے زندگی گزارنے کے لیے صبر اور پامردی دکھانے کا فرمایا ہے۔ فرمایا **یایھا الذین آمنوا.........تفلحون** ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' صبر سے کام لو' باطل پرستوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ' حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کا ترجمہ یوں فرمایا ہے کہ ''اے اہل ایمان (کفار کے مقابلے میں) ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور (مورچوں پر) جمے رہو اور خدا سے ڈرو کہ مراد حاصل کرو۔''

مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے ''اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔''

تینوں تراجم کے معنی میں کوئی فرق نہیں۔ اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو بہتر طریقے سے زندگی گزارنے کے لیے صبر' ثابت قدمی اور تقویٰ اختیار کرنے کو کامیابی کی کلید قرار دیا ہے۔

پہلا حکم صبر کا دیا گیا ہے۔ اس میں صبر علی اطاعت یعنی اللہ اور رسولؐ کے احکامات کی پابندی کرنا اور اس پر نفس کو جمائے رکھنا ہے چاہے یہ کتنا دشوار ہی کیوں نہ لگے۔ دوسرا صبر یہ ہے کہ نہی عن المنکر سے اپنے نفس کو روکنا ہے اور تیسرا صبر مصائب اور آلام کی گھڑی میں حد سے زیادہ پریشان نہ ہونا ہے اور یہ یاد رکھنا ہے کہ اچھا اور برا وقت اللہ کی طرف سے مومن کی آزمائش ہے۔

دوسرا حکم **صابروا** کا دیا ہے۔ یہاں مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا مراد ہے۔ نفس کی پیروی سے باز رہنا اور بدنیتوں کا خاتمہ کرنا مقصود ہے۔

Marfat.com

تیسرا حکم رابطوا کا دیا گیا ہے۔ ربط سے مراد باندھنا ہے۔ یعنی اپنے گھوڑوں کو جنگی ساز و سامان کے ساتھ تیار رکھنا ہے تاکہ سرحدوں کی حفاظت ہو سکے اور دشمن وار کرنے کی جرات نہ کر سکے اور اگر ایسی صورت حال پیش آ بھی جائے تو منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔

رابطو کے دوسرے معنی بھی لیے گئے ہیں۔ نماز با جماعت کی ایسی پابندی کہ ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار رہے۔ یہ بھی اللہ سے مسلسل رابطہ اور برائیوں کے خلاف جنگ ہے اور دین کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا اہتمام ہے۔

حالت امن میں حفظ ماتقدم کی خاطر اور دشمن کے حملے کے خطرے کے پیش نظر تیار رہنا ہے کہ سرحدوں کی حفاظت اسلامی ملک کا اہم فریضہ ہے۔ آج کل کے حالات میں جدید اسلحہ سے لیس افواج کو تیار رہنا ہے۔ یہ تیاری صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب قیامت تک ملتا رہے گا۔ حضرت ابن کعبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی کمزور سرحد کی حفاظت اخلاص کے ساتھ ایک دن، رمضان کے علاوہ، دوسرے دنوں میں، کرنے کا ثواب سو سال کے مسلسل روزوں اور شب بیداری سے افضل ہے اور رمضان میں ایک دن کا رباط ایک ہزار سال کے صیام و قیام سے افضل و اعلیٰ ہے۔ (م ج ۲، صفحہ ۲۷۶)

صبر و استقامت اور ربط کے بعد ایمان والوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ تقویٰ تمام اعمال کی روح ہے۔ تقویٰ پر مقبولیت کا دارومدار ہے۔ جو اعمال حسنہ اللہ کی رضا کے لیے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی مکمل تابعداری کی خاطر کیے جائیں، وہی دین و دنیا کی فلاح کا موجب ہوتے ہیں کہ مومن کی دنیا بھی دین کے تابع ہے۔ دنیاوی زندگی ہی آخرت کی کھیتی ہے۔ مومن کے عشق کی معراج یہی ہے کہ دین کی حفاظت کی خاطر لڑتے ہوئے اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی جان فی سبیل اللہ قربان کر دے۔

یہ احکامات ہر زمانے کے مسلمانوں کی فلاح کے لیے لازم ہیں کہ یہ صفات مومن کو ایسا پر عزم، ثابت قدم، مرد آہن بنا دیتے ہیں کہ پھر وہ دنیاوی مصلحتوں کی خاطر اپنے فرائض سے منہ نہیں موڑتا۔

Marfat.com

مومنوں کو پورے کا پورا اسلام میں داخل ہونے کی ہدایت:

یایھا الذین آمنوا.........عزیز حکیم ☆البقرہ آیت ۲۰۸، ۲۰۹ فرمایا

(ترجمہ) ''اے ایمان والوتم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جو صاف صاف ہدایت تمہارے پاس آ چکی ہیں' اگر ان کو پالینے کے بعد پھر تم نے لغزش کھائی تو خوب جان رکھو اللہ سب پر غالب اور حکیم اور دانا ہے۔''

ایمان والوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اسلام کے سارے احکامات بغیر کسی پس و پیش کے قبول کرو۔ اسلام نام ہے ایک مکمل ضابطہ حیات کا جو قرآن وسنت میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اسلام مسلمانوں کی فکر ونظر' ایمان اور عقائد' عبادات' معاشرت و معیشت' معاملات' کاروبار و تجارت' حدود و قیود' سزا و جزا' سیاست' یعنی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق راہبری کرتا ہے۔ مومن کو ظاہری اور باطنی اعمال اسلام کے تابع کرنا اور روز حساب کی فکر کرنا ہے۔

اسلام مکمل تابعداری کا تقاضا کرتا ہے۔ دین حنیف کے احکامات اختیاری نہیں ہیں' ایمان لانے کے بعد کلمہ طیبہ کی رو سے ہر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سانچے میں زندگی کو ڈھالنا ہے۔ فرقان یعنی قرآن الحکیم نے صراط مستقیم اور کجی والے راستے صاف صاف متعین فرما دیئے ہیں۔ اللہ کے احکامات کو اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کے لیے ماننا ہے اور نافرمانی سے بچنا ہے۔ جس امر کی اسلام نے رعایت نہیں دی' اس پر عمل کرنا گمراہی میں پڑنا ہے اور گمراہی کا راستہ شیطان کا راستہ ہے جو دلوں میں وسوسے ڈال کر بہکاتا ہے۔

تفسیر عبداللہ بن عباسؓ ج ۱ ص ۱۲۴' ۱۲۵ میں رقم ہے کہ حضرت عبداللہ بنؓ سلام اور ثعلبہؓ ابن یامین' اسد بنؓ کعب' سعیدؓ بن عمرو اور قیس بنؓ زید جو ایمان لانے سے پہلے اہل کتاب میں سے تھے' ان سب حضرات نے رسول اللہؐ سے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ہفتہ کے دن کی ہم تعظیم کرتے ہیں ہمیں اس کی تعظیم کی اجازت دیجئے۔ اس پر یہ آیت مبارکہ اتری کہ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

حضرت عبدؓاللہ بن سلام پہلے علماء یہود میں سے تھے۔ اس مذہب میں' یعنی شریعت

Marfat.com

موسوی میں یوم سبت معظم تھا اور اونٹ کا گوشت کھانا حرام سمجھتے تھے۔ ان اصحاب کو بعد اسلام یہ خیال ہوا کہ شریعت موسویہ میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدؐیہ میں فرض نہیں۔ اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا اور شریعت محمدؐیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں، سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت کھانا باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کردیں تو شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے گی اور شریعت محمدؐیہ کی بھی خلاف ورزی نہ ہوگی۔ اسی خیال کی اصلاح کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ (م ج ا ص ۴۹۸)

اسلام ایک مکمل دین ہے اور جو عمل از روئے اسلام قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ صاف صاف حکم نازل ہو جانے کے بعد پھر لغزش کھائی تو اللہ تعالیٰ سزا دینے پر قادر ہے۔

اسلام کی پیروی میں کسی دوسرے مذہب کے کسی عمل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام کے آنے کے بعد اسلام کے سوا کوئی اور روشنی عند اللہ قبول نہ ہوگی۔ سورہ آل عمران (آیت ۱۹) میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک صرف دین اسلام ہے اور سوہ المائدہ (۳) میں فرمایا کہ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی اور اور تمہارے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور نوع انسانی کا اصل دین ہر دور میں اسلام ہی تھا۔ دوسرے مذاہب میں اس کی بگڑی ہوئی صورت نظر آتی ہے۔ تمام انبیاء کا دین اسلام تھا۔ قرآن الحکیم میں پہلے نازل ہونے والے صحیفوں کے کچھ احکامات سمو لیے گئے ہیں اور کچھ منسوخ فرما دیے گئے اور کچھ نئے شامل کر کے دین کو ایک مکمل نصاب حیات بنا دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو تنبیہہ فرمائی گئی ہے کہ دین کو تم اپنی پسند کا دین نہ بنالو۔ اسلام کے بنیادی ارکان اور محکمات میں کسی قسم میں تحریف کی گنجائش نہیں۔ البتہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے کہ جہاں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جو آج کل کے دور کی پیداوار ہو تو اہل فکر علمائے دین قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا حل نکالیں۔ اجتہاد کرنے والوں کے لیے بڑا اجر ہے، اگر اس میں غلطی بھی ہو جائے تو بھی کوشش کرنے کا اجر باقی رہے گا۔

Marfat.com

اسلامی ممالک کی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے آئین شریعت کے تابع کر کے قوانین بنائیں۔ اسلام میں آسانیاں ہیں اور سادگی ہے۔ بے جا رسوم و رواج سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔ مثلاً پاکستان میں جہیز کی رسم ایک مصیبت بن گیا ہے۔ یہ سراسر غیر اسلامی رسم ہے۔ محدود آمدنی والا شخص اس کا بندوبست کرنے کے لیے ناجائز ذرائع آمدنی میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

مغرب والوں نے اسلام کی اچھی باتیں لے لی ہیں اور مسلمان مغرب کی روشن خیالی' بے راہ روی اور اخلاقی قیود سے آزاد زندگی کو ترقی کا ضامن خیال کرتے ہیں حالانکہ مسلمانوں نے سب سے زیادہ ترقی اسی دور میں کی جب اسلامی شعار کا دامن تھامے رکھا۔

زیادہ تر مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی دین کی روح سے خالی ہے۔ ان پڑھ طبقہ دین سے ناواقف ہے اور پڑھے لکھے مگر دین سے ناواقف لوگ اسلام کو آج کل کے دور میں ناقابل نفاذ خیال کرتے ہیں' ایسے لوگوں کی تعلیم ہی ادھوری ہے۔ دنیاوی اور دینی تعلیم دونوں فکر و نظر کی وسعت کے لیے لازمی ہیں۔

کچھ سال پہلے پاکستان میں دیت کے مسئلے پر بڑا شور و غوغا ہوا۔ کچھ پڑھی لکھی' عورتوں نے جلوس نکالا کہ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں آدھی کیوں ہے؟ یہ اس بات سے بے بہرہ تھیں کہ عورت کی دیت آدمی کو ملتی ہے جبکہ مرد کی دیت' جو عورت سے دوگنا ہے' بیوہ عورت کو ملتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس میں یہ حکمت رکھی ہے اور ہم کہ اپنی ناقص عقل کے بل بوتے پر اللہ کے قانون کو بدلنے کی فکر میں ہیں۔

ہمیں بے شمار مثالیں ایسی ملتی ہیں جہاں ہم عملاً دین کی پیروی کرتے نظر نہیں آتے۔ روزمرہ کی زندگی میں بہت سی باتیں ایسی کر جاتے ہیں جو مسلمانوں کو زیب نہیں دیتیں۔ مگر ہم کو احساس تک نہیں ہوتا۔ ارتداد کی سزا دین اسلام میں گردن زدنی ہے۔ حضرت سیدنا صدیقؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کیخلاف جہاد کیا۔ حضورؐ کے بعد نبوت کے کئی دعوے دار پیدا ہوگئے، اُن کے خلاف بھی جہاد کیا گیا۔ ختم نبوت سے ارتداد کرنے والے فرقے کو از روئے قرآن بھی یہی سزا ہے' جو دی نہیں گئی کیونکہ جب یہ فتنہ اٹھا تو انگریزوں کی حکومت تھی جو اس فتنہ کی سرپرست تھی۔ اسلامی احکامات کی مکمل پیروی کی کوشش ہی مومن کا شعار ہے۔

Marfat.com

دین پر قائم رہنے کی ہدایت:

دین پر قائم رہنے کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی بار مختلف مواقع پر ہدایات دی ہیں۔ سورہ آل عمران (۱۰۰'۱۰۱) میں فرمایا **یایھا الذین آمنوا.........مستقیم** ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مان لی تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ تمہارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جارہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا۔''

پھر آل عمران (۱۰۲ تا ۱۰۵) میں اللہ کے دین پر قائم رہنے والا اپنے پر احسان کرتا ہے کہ اس سے اللہ مومنوں کو اپنی برکتوں اور رحمتوں سے نوازتا ہے۔ فرمایا **یایھا الذین آمنوا.........لھم عذاب عظیم** ☆ (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے' اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے' اللہ نے تم کو بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے' شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔

''تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں' بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں کو روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں وہی فلاح پائیں گے۔ کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایت پانے کے بعد پھر اختلاف میں مبتلا ہو گئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس کی سخت سزا پائیں گے۔''

پہلی بات جو ان آیات مبارکہ میں فرمائی ہے وہ ایمان والوں کو خبردار کیا ہے کہ اہل کتاب کی سازشوں سے باخبر رہیں جو ہر وقت دین میں کجی کی تلاش میں رہتے ہیں' اسلام کی راہ

Marfat.com

روکنے اور ایمان والوں کو بدگمان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اہل کتاب خود تو اللہ کی راہ پر نہیں آتے اور جو اللہ کی بات مانتا ہے اس کا راستہ روکتے ہیں اور دین میں عیب ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ اس طرح یہ دو گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے اہل علم اچھی طرح جانتے تھے کہ حضورؐ کی بعثت ہوگی مگر وہ ان پیش گوئیوں کو اپنے لوگوں سے چھپاتے تھے مبادا کہ ان کی سرداری، ان کی شان و شوکت، دولت و ثروت اور جتھہ داری اس سے متاثر ہو جائے۔ پھر ان کو حضورؐ کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پڑیگا، اور جاہلیت کی تمام باتوں کو خیر باد کہنا پڑے گا۔ آیات ۱۰۰ اور ۱۰۱ میں اہل کتاب کی انہیں چالوں کی طرف اشارہ ہے کہ کہیں اہل ایمان ان کی باتوں میں آ کر پھر کفر کرنے لگیں۔ فروغ اسلام پہ یہودی حسد کی آگ میں جلتے رہتے اور ہمہ وقت سازشوں میں مصروف رہتے۔ قبیلہ اوس وخزرج کے درمیان زمانہء جاہلیت سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کی برکتوں سے آپس میں دوستی ہوگئی۔

ایک یہودی شماس بن قیس مسلمانوں سے بہت کینہ رکھتا تھا، اس نے مجلس میں انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کو ایک جگہ مجتمع اور متفق دیکھا تو حسد سے بے چین ہو گیا اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر کرنے لگا۔ آخر یہ تجویز کی کہ ایک شخص سے کہا کہ ان قبیلوں میں اسلام سے پہلے جو ایک بڑی جنگ عرصہء دراز تک رہ چکی ہے اور اسکے متعلق فریقین کے فخر یہ اشعار ہیں، وہ اشعار ان کی مجلس میں پڑھ دیئے جائیں۔

اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ مسلمانوں کی مجلس میں جا کر بیٹھے اور جنگ بعاث کا ذکر چھیڑے اور فریقین کے فخر یہ اشعار مجلس میں پڑھے۔ چنانچہ اشعار کا پڑھنا تھا کہ ایک آگ سی بھڑک اٹھی یہاں تک کہ دونوں قبیلے لڑائی کے لیے تیار ہو گئے اور لڑائی کے لیے موقع اور وقت بھی مقرر ہو گیا۔ اس چیز کی خبر نبی پاک تک پہنچی۔ آپؐ ان کے پاس تشریف لائے اور نصیحت کر کے آپس میں صلح کرا دی۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اندھیر ہے میرے ہوتے ہوئے اور پھر مسلمان ہونے اور باہم متفق اور مانوس ہونے کے بعد یہ کیا جہالت ہے کہ تم اس کفر کی حالت کی طرف عود کرنا چاہتے ہو۔ ان سب حضرات نے حضورؐ کی باتیں بسر و چشم سنیں اور اطاعت اور

Marfat.com

فرمانبرداری میں اپنی گردنیں جھکا دیں۔ سب متنبہ ہوئے اور سمجھے کہ یہ شیطانی حرکت تھی اور ایک دوسرے کے گلے ملے اور رو رو کر توبہ کی۔ یہ واقعہ اس آیت کی شان نزول ہے۔

یہود و نصاریٰ کی سازشیں حضورؐ کے دور رسالت سے لیکر آج تک جاری ہیں اور یہی حربہ استعمال کیا جارہا ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کر دیا جائے۔ آیات ۱۰۲ تا ۱۰۵ میں رب العزت نے مسلمانوں کو ناقابل تسخیر جماعت بنانے کے لیے اہم اصول بتادیئے ہیں۔ اول تقویٰ' دوسرا اتفاق واتحاد اور تیسرا تفریق سے بچنا۔

پہلا تقویٰ ایسا تقویٰ جیسا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔ تقویٰ کے بارے میں قرآن الحکیم میں تقریباً ۱۶۰ مرتبہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ مختلف مواقع پر مسلمانوں کو پرہیز گاری اختیار کرنے کو کہا گیا ہے یعنی اللہ کی ناراضگی سے بچنا ہے کہ عذاب الٰہی سے بچے رہیں۔ ایمان تقویٰ کی بنیاد ہے اس لیے ایمان والوں سے ہی تقویٰ اختیار کرنے کو کہا گیا ہے۔ تقویٰ کے معنی بچنے اور اجتناب کرنے کے ہیں' یعنی خدا خوفی' اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام' خدا پرستی اور مکمل تابعداری کے ہیں۔ یہاں تقویٰ کے اعلیٰ درجہ کا تقاضا کیا گیا ہے۔ کفر و شرک سے بچنا یعنی کلمہ طیبہ کی عملی تفسیر بننا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو پیش نظر رکھنا ہے اور حق کی بات کہنا' عدل وانصاف پر قائم رہنا بغیر کسی کی پاسداری کے حسب استطاعت اپنے دامن کو نافرمانی کی کانٹوں بھری جھاڑی سے بچا کے رکھنا ہے۔

ارتداد کے بارے میں التوبہ (۹۸) میں زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھنے والوں کا بیان ہے۔ اس آیت کے دو سال بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا گیا۔ سورہ الاحزاب میں ختم نبوت کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ اس سے ارتداد کرنے والوں یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کے خلاف بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں جہاد کیا گیا کہ یہ فتنہ مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ پر ضرب کاری لگاتا تھا۔ قادیانی فرقہ بھی بیسویں صدی میں یہی فتنہ لیکر آیا تھا اور اس کے پیچھے بھی یہود و نصاریٰ کا ہاتھ تھا۔ اسی بنا پر اس فرقہ کو اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔

تقویٰ زندگی کے ہر شعبے میں اعتقاد' عبادات' معاشرتی' معاشی اور قانونی معاملات

Marfat.com

میں اختیار کرنا ہے۔ البقرہ (۲۱۷) میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے راستے سے روکنا ایسا فتنہ ہے جو جنگ سے بھی بدتر ہے اور کفار کا بس چلے تو تم سے لڑے جائیں گے حتیٰ کہ تم کو اپنے دین سے پھیر لیں گے اور جو کوئی دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں مر جائے گا اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

تقویٰ مکمل پرہیزگاری اور اطاعت زندگی بھر کے لیے ہے۔ یعنی کہ تمہیں موت بھی آ جائے تو اسلام کی حالت میں آئے کہ دین سے پھر جانے والوں کا انجام عبرتناک ہے۔ شیطان اور انسان کا اپنا نفس ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کس طرح مومن کو صراط خیر سے ہٹا دے۔ بعض اوقات انسان ساری زندگی نیک اعمال کرتے گزار دیتا ہے اور آخر میں کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے کہ سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ایسی گھڑی سے ڈرتے رہنا ہے اور استغفار کرتے رہنا ہے' اللہ درگزر کرنے والا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے "اللہ تعالیٰ کی اس طرح اطاعت کرو کہ پھر اس کی نافرمانی نہ ہوا' اور ایسا شکر کرو کہ پھر ناشکری نہ ہو اور اس طرح یاد کرو کہ کبھی اس سے غافل نہ ہو' عبادت اور توحید کے اقرار کے بعد اس پر خلوص کے ساتھ جمے رہو۔" (جلد اول ص ۲۰۸)

اہل تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم ہے۔ سورہ آل عمران (۱۴۔۱۵) میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ دنیا کی آسائشیں چند روزہ ہیں مگر اللہ کے پاس پرہیزگاروں کے لیے جنت کی وعید ہے جہاں اہل جنت کی ہر خواہش پوری کی جائیگی۔ یہی مضمون آل عمران (۱۹۵) میں دوہرایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد آیات میں پرہیزگاروں کو نیک انجام کی بشارت دی گئی ہے۔ اسی طرح النساء کی آیت ۱۲۹ میں ازدواجی زندگی میں تقویٰ کا اصول ناانصافی سے بچنے کے لیے مددگار ہونے کا ذکر ہے۔ التوبہ (۱۰۹) میں فرمایا کہ جس نے عمارت کی بنیاد تقویٰ پر رکھی وہ بہتر انسان گردانا گیا ہے اور جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک کھوکھلی وادی کے کنارے پر اٹھائی وہ اسے لیکر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری کہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

سورہ النحل میں (۳۱'۳۲) متقیوں کے لیے دائمی قیام کی جنتوں کا وعدہ فرمایا گیا ہے

Marfat.com

اور جب متقیوں کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام ہو تم پر جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے۔

سورہ مریم (۸۵) میں فرمایا یوم نحشر و المتقین الی الرحمن وفداً ☆ ترجمہ ''وہ دن آنے والا ہے جب متقی لوگوں کو ہم مہمانوں کی طرح رحمان کے حضور پیش کریں گے۔''

سورہ الاحزاب (۱) میں حضورؐ کو اللہ سے ڈرنے اور کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ کسی حالت میں کفار اور منافقین کے ساتھ دین کے معاملے میں سمجھوتہ تقویٰ کے منافی ہے۔

سورہ الحجرات میں اللہ کے رسولؐ کے احترام کے بارے میں بہت سی ہدایات دی گئی ہیں۔ ایمان تقویٰ کی بنیاد ہے اور اللہ کے رسول کے احترام سے خالی دل تقویٰ سے خالی ہوتا ہے۔ پرہیزگاروں کے لیے قرآن الحکیم ایک نصیحت ہے (الحاقہ ۴۸) یعنی قرآن الحکیم کے فرمودات پر عمل کر کے ہی انسان متقی ہو سکتا ہے۔ متقی لوگوں کے اعمال حسنہ دنیاوی اور اخروی فلاح کے ضامن ہیں۔

اتفاق و اتحاد کی برکات:

مسلمانوں کو آپس میں متفق اور متحد ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اتفاق اور اتحاد کا گر بتا دیا ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اتحاد کی برکتوں پر سب کو اتفاق ہے۔ اللہ کی رسی سے مراد دین حق ہے جو قرآن کی صورت میں نبی پاکؐ پر نازل ہوا۔ حبل سے مراد ذریعہ یا وسیلہ ہے۔ یہ وہ رشتہ ہے جو ایک طرف ایمان والوں اور اللہ کے درمیان ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کو ایک جماعت بنا دیتا ہے۔ یہ رب العالمین کا عطا کردہ نظام حیات ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی فلاح کا لائحہ عمل واضح کر دیا گیا ہے۔ یہ نظام انسانی دماغوں کی پیداوار نہیں ہے جس پر سب کا متفق ہونا اور متحد ہونا مشکل ہو۔ موسوی اسلام کے خدوخال تورات میں اور عیسوی نظام انجیل میں' اصل صورت میں موجود تھے (تحریف سے پہلے)۔ حضورؐ خاتم الانبیاء جو اللہ کا آخری اور مکمل پیام قرآن کی صورت میں لائے' کے سوا کوئی نظام اللہ کے نزدیک مقبول نہیں۔ یہ

Marfat.com

بنی نوع انس وجن کے لیے تا قیامت بلاتحریف قائم رہنے والا نظام ہے۔ قرآن ہی مسلمانوں کا آئین ہے قرآن ہی حضورؐ کا دائمی معجزہ ہے۔ فہم قرآن اور تفسیر قرآن میں فروعی اختلاف ہوسکتا ہے جیسے کہ چاروں فقہہ کے درمیان اور پانچویں فقہہ کے درمیان ہے۔

امام جعفرؒ 'امام مالکؒ 'امام شافعیؒ 'امام ابوحنیفہؒ اور امام حنبلؒ نے اپنے فکرو تدبر سے قرآن اور سنت کی روشنی میں مختلف ادوار میں' مختلف حالات میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل تلاش کیا اور فتوے دیئے جس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم فقہی تقلید میں اتنے آگے نکل جائیں کہ دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیں۔

مسائل کے حل کے لیے مسلمانوں کو ان سب سے فائدہ اٹھانا ہے اور دور حاضر میں اہل فکر و نظر پر نئی فقہہ کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے یعنی کہ اجتہاد کے ذریعے مسائل کا حل تلاش کریں۔

اجتہاد کے بارے میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے کہے گئے ارشادات ہمیشہ ہماری راہبری کرتے رہیں گے۔ معاذ بن جبلؓ انصاری صحابی تھے۔ یہ ان نوعمر صحابہ میں شامل ہیں جنہوں نے صفہ کی درسگاہ میں تربیت پائی۔ بیعت العقبہ کے موقع پر لگ بھگ اکیس سال کی عمر میں انہوں نے اسلام قبول کیا' جنگ بدر اور عہد نبوی کے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ جب اہل یمن نے اسلام قبول کرلیا تو سرکارؐ مدینہ نے حضرت معاذؓ کو یہاں کا امیر مقرر فرمادیا۔ آپ کی سرکاری ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ یہاں کے لوگوں کو قرآن حکیم کی تعلیم دیں اور دین کی تربیت دیں۔ جب حضرت معاذؓ یمن روانہ ہونے لگے تو باتوں باتوں میں اللہ کے رسولؐ نے پوچھا کہ وہاں پہنچ کر مقدمات کے فیصلے کس طرح کروگے؟ معاذؓ نے عرض کیا کہ قرآن کے مطابق۔ ارشاد ہوا کوئی حل نہ ہوسکے تو تب؟ عرض کیا آپ کی سنت کے مطابق۔ سوال ہوا اگر حل اس میں بھی نہ ہو تو پھر؟ گزارش کی گئی قیاس کروں گا۔ سرور کونینؐ نے جواب میں شکر ادا کیا کہ اللہ نے رسول کے پیامبر کو توفیق نیک عطا فرمائی۔

آج مسلمانوں میں باہمی نااتفاقی کی جہاں اور وجوہات ہیں' یہ سب سے بڑی وجہ بن گئی ہے جو ملت اسلامیہ کے لیے زہر قاتل ہے۔ مسلمانوں کو اپنی فکری وحدت کے لیے قرآن

Marfat.com

الحکیم کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔ دین کی آبیاری کرنی ہے۔ ساری جغرافیائی' نسلی اور لسانی اختلافات سے بالاتر ہوکر' دین متین پر چل کر ہی مسلمان سر بلند ہو سکتے ہیں ورنہ گروہ بندی اور فرقہ پرستی میں بٹ کر ہم جہت کھو بیٹھیں گے اور دنیا اور آخرت دونوں کی رسوائیاں ہمارا مقدر بن جائیں گی (بلکہ بن چکی ہیں)۔ سورہ الانعام (۱۵۹) میں اس بارے میں سخت وعید سنائی گئی ہے۔ فرمایا ''دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والوں سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔''

حضرت معاذ ؓ قرآن' حدیث اور کئی علوم میں طاق تھے۔ عہد نبوی میں چوٹی کے علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے قرآن الحکیم کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا۔ بہترین طالب علم اور بہترین معلم تھے۔ آپ کے درس کی بڑی شہرت تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے متاثر ہوکر فرمایا معاذؓ جیسا شخص پیدا کرنے سے عورتیں قاصر ہیں۔ حضرت عمرؓ بستر مرگ پر تھے تو کسی نے سوال کیا آپ کے بعد کسے مسلمانوں کا امیر بنائیں؟ امیر المومنینؓ نے بڑی حسرت سے فرمایا اگر معاذؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو مسلمانوں کا امیر بنا دیتا' اللہ پوچھتا تو عرض کرتا تیرے حبیب سے ان کی تعریف سنی تھی۔

اتفاق اور اتحاد قائم کرنے اور فرقہ بندی سے بچنے کا علاج رب العزت نے خود ہی بتا دیا ہے۔ کہیں ایسا مہربان اور اتنا کریم مالک ہے کہ وہ بندوں کو غلط راستے سے بچنے کے لیے ایک نسخہ کیمیا عطا فرمائے۔ اس رحیم کریم مالک نے فرمایا کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ کیلی سے جو لگ گیا وہ بچ گیا۔ اللہ کے نزدیک مومن ایک قوم ہے اور کافر دوسری۔ التغابن (۲) سورہ یٰسین میں اللہ نے قرآن کی قسم کھائی ہے۔ فرمایا ''قسم ہے قرآن الحکیم کی جو حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ (اے محمدؐ) بیشک تم پیغمبروں میں سے ہو اور سیدھے راستے پر ہو (یہ قرآن) غالب اور مہربان نے نازل کیا ہے۔ آیہ ا تا ۵

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یاد دلایا ہے کہ دین حق کی برکتوں سے ہم نے تم کو بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں تم لوگوں کی آپس میں دشمنیاں تھیں' پھر تمہارے قلوب میں محبت ڈال دی۔ اس کا اشارہ جاہلیت کے زمانہ میں قبیلوں کے درمیان دشمنی کی طرف ہے۔ بات بات پر لڑائیاں اور شب و روز کے کشت وخون سے زندگی بے سکون ہو چکی تھی۔ اسلام کے باعث ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ایک اخوت کے رشتے میں بندھ کر بھائی بھائی ہو گئے۔

Marfat.com

دشمنیوں اور قتل و غارت کی حالت یوں بیان فرمائی گئی کہ جیسے دوزخ کے کنارے پر ہوں یعنی ان کے لیے یہ دنیا بھی جہنم کی طرح تکلیف دہ ہوگئی تھی اور ان کے بداعمال ان کو کشاں کشاں دوزخ' آخرت کی سزا کی طرف لے جارہے تھے۔ اللہ نے جو محبت اسلام کی وجہ سے ان کے دلوں میں ڈال دی وہ رحمت خداوندی ہے۔ اس محبت اور اخوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ میں مہاجر و انصار آپس میں شیر و شکر ہوگئے اور انصار نے کمال قربانی کی مثالیں قائم کیں۔ اپنی ہر چیز حضورؐ کے ارشاد کے مطابق بانٹ دی۔ کفار و مشرکین نے دیکھا کہ انسانیت نئے سانچے میں ڈھل گئی ہے اور ایک صالح معاشرہ کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ یہ اسلام کی برکتوں کی کھلی دلیل بن گئی۔ اس کے باوجود لوگ راہ راست پر نہیں آتے تو ان کی ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

اللہ اور رسولؐ کی مکمل فرمانبرداری سے ہی صالح اور پر سکون معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔ اسلام کے سنہری اصول ہر دور' ہر علاقے کے لیے قابل عمل ہیں۔ یہ دین اپنی فطرت میں عالمی ہے۔ یہ روشن دین ہے۔ آل عمران (۱۱۰) میں فرمایا کہ "تم سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئیں تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ انمیں بعض ایمان والے بھی ہیں، مگر ان میں اکثر نافرمان ہیں۔

علماء کی جماعت:

تبلیغ اسلام کے فریضے کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کرتی رہے۔ یہ علمائے دین کی جماعت ہو جو خود باعمل ہو۔ تبلیغ مسلمانوں کے لیے اور غیر مسلموں کے لیے ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کے لیے پیغام حق کی یاددہانی ہوتی رہے اور غیر مسلموں کے لیے دعوت حق کا اہتمام ہو جائے اور اتمام حجت ہو جائے۔ درپیش مسائل کے لیے مسلمانوں کا علماء کی جماعت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ

Marfat.com

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے ساتھ تم سب پر بھی اپنا عذاب بھیج دے اس وقت تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔" (م ج ا ص ۱۴۷)

ایک اور حدیث میں نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"یعنی تم میں سے جو شخص کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھے تو اس کو چاہیے اپنے ہاتھ اور قوت سے اس کو روکے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل میں اس فعل کو برا سمجھے اور یہ ادنیٰ درجہ کا ایمان ہے۔"

سورہ العصر میں بھی یہی بات فرمائی گئی ہے کہ آخرت کے خسارہ سے صرف وہی لوگ محفوظ ہیں جو خود بھی ایمان لائے اور عمل صالح کے پابند رہے اور دوسروں کو بھی عقائد صحیحہ اور اعمال صالح کی ہدایت کرتے رہے۔

اللہ کے دین پر قائم رہنے کی یہی صورت ہے۔ نیکی کی طرف رغبت دلانے اور برائی سے روکنے کا فریضہ ہر فرد اور علماء کی جماعت پر عائد ہوتا ہے تا کہ معاشرے کی اصلاح میں اپنا اپنا حصہ ڈالیں۔ اللہ کا دین قائم رہنے کے لیے یہ رسی ٹوٹ نہیں سکتی۔

علماء کی یہ جماعت دعوت حق کا اہتمام' اپنی زبان اور عمل سے کرے گی اور جہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو اس کا پہلا کام اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنا ہے اور اپنی علمی اور عملی استعداد سے اقوام عالم کی تربیت کی ذمہ داری پوری کرنا ہے۔ سب سے پہلی جماعت جس نے یہ فریضہ نبھایا وہ صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ لیکر اٹھی اور قلیل عرصہ میں دور دور تک پیغام حق پہنچایا۔ اس کے بعد دوسرے اہل علم اور مبلغین کی جماعت ہے جو عوام الناس کو قرآن الحکیم کے احکامات سے روشناس کراتی رہی ہے اور کرا رہی ہے اور یہ لوگ دنیا اور آخرت میں بامراد ہونگے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ **لا تفرقوا** یعنی واضح دین کے اصولوں سے اختلاف اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتا ہے جو قوموں کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اس میں فقہی اور اجتہادی اختلافات شامل نہیں۔ اجتہادی اختلاف حضورؐ کے زمانہ میں شروع ہوا۔ یہ مسائل کے حل کرنے میں رہنما ثابت ہوتا ہے۔ اجتہاد کار خیر ہے اور نیک نیتی سے اگر اس میں غلطی بھی ہو جائے تو بھی

Marfat.com

ثواب ہے اور صحیح ہو تو دوہرا ثواب ہے۔ اجتہاد صرف ان مسائل میں کیا جا سکتا ہے جن کے متعلق قرآن اور حدیث میں کوئی فیصلہ موجود نہ ہو اور صرف وہی لوگ اجتہاد کر سکتے ہیں جو دین کا مکمل فہم اور بصیرت رکھتے ہوں۔ ہر شخص اس کا اہل نہیں کہ منصوصات شریعہ میں رائے زنی کرے۔

معمولی فروعی اختلاف پر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا دینا کوئی اسلام نہیں۔ مثلاً سورہ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا مقتدیوں پر فرض ہے کہ نہیں اور اس بنا پر ایک دوسرے کو تارک نماز کر دیا جانا یا اس قسم کے دوسرے اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے پر گمراہی کا فتویٰ کسی امام نے نہیں لگایا۔ یہ سب صاحب علم ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔

نافرمانی کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا ہے اور یہی تقویٰ کا تقاضا ہے۔ ایمان والے متقی لوگوں کے چہرے روز حشر رحمت الٰہی سے چمکتے ہوں گے اور ایمان لا کر دین سے پھر جانے والے اور کفر کرنے والے روسیاہ ہونگے اور عذاب ان کا مقدر ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

رکن ہفتم

مومنوں پر اللہ کے احسانات اور بعثت رسول ﷺ

باب اول

مومنوں پر اللہ کے احسانات

خدائے بزرگ و برتر اپنی مخلوق پر ہر لحہ احسان فرماتا رہتا ہے۔ جن و بشر، مومن کافر و مشرک سبھی پر اللہ کریم کے بے بہا احسانات ہیں مگر اس کا شکرادا کرنے کا حق کماحقه ادانہیں کیا جاتا۔ سورہ الرحمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور احسانات کا ذکر فرما کر بار بار فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت اور احسان سے منہ موڑتے رہو گے یعنی تاکیداً فرمادیا ہے کہ اللہ کی شکرگزاری بندے پر لازم ہے۔

اس باب میں مومنوں پر اللہ کے خاص احسانات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ کا سب سے بڑا احسان، ہجرت کے وقت اللہ کی مدد اور حضور ﷺ کی دلجوئی کا احسان اور مختلف محاذوں پر مسلمانوں کی غیبی امداد کا احسان۔

دولت ایمان

سورہ المائدہ ۷، میں فرمایا **واذکروا نعمة الله .... علیم م بذات الصدور O** ترجمہ ''اللہ نے تم کو جو نعمت عطا کی ہے اس کا خیال رکھو (یعنی یاد رکھو) اور پختہ عہد و پیمان کو نہ بھولو جو اس نے تم سے لیا ہے، یعنی تمہارا یہ قول کہ ''ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی''۔ اللہ سے ڈرو، اللہ دلوں کے راز تک جانتا ہے۔'' جب کوئی کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو مسلمان اعلان کرتا ہے کہ وہ اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی رو سے ہر حکم الٰہی اور سنت رسول پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ ہر مومن مسلمان کا یہ قول ہے ''کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی''۔ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری یعنی احکام شریعہ کی پابندی کی توفیق اللہ کا بڑا احسان اور انعام ہے۔ یہی صراط خیر ہے جو مومن کے لیے مشعل راہ ہے۔ اور اس کی زندگی کی راہوں کو منور کرتی ہے۔ یعنی کہ مسلمان ہونا ہی اللہ کا عظیم احسان ہے ورنہ ابوجہل جیسے لوگوں کو یہ توفیق نہیں ہوئی۔

سورہ المائدہ ۱۱، میں فرمایا **یاایها الذین آمنوا .... فلیتوکل المومنون O**

Marfat.com

ترجمہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے (حال ہی میں) تم پر کیا ہے، جبکہ ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا ارادہ کرلیا تھا مگر اللہ نے ان کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دیئے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، ایمان رکھنے والوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔''

مذکورہ بالا آیت میں اللہ کے احسان کو یاد رکھنے کا کہ کر یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ جو اللہ سے کیئے ہوئے عہد و میثاق کی پابندی کرتے ہیں اللہ انہیں دنیا اور آخرت میں سربلندی اور درجات عالیہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ وہ ہر موقع پر دشمن کے مقابلے میں ان کی مدد فرماتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں مشرکین اور کفار کی ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو یہ لوگ اسلام کا راستہ روکنے کے لیے کرتے رہتے تھے اور ذہنی، جسمانی اور روحانی ایذا رسانی سے باز نہ آتے تھے۔ مگر اللہ کی مہربانی سے دشمنوں کے ہاتھ روک لیے جاتے تھے۔ کفار اور مشرکین کو اپنے جھوٹے اعتقاد خطرے میں نظر آتے تھے اور اس پر قائم رہنے کے لیے وہ دین حنیف کو مٹانے کی فکر میں رہتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی جان کے درپے رہتے کہ آپ کے ختم ہو جانے کے بعد یہ دین بھی مٹ جائے گا مگر اللہ کی مدد اور کرم سے دشمنوں کے منصوبے خاک میں ملا دیئے جاتے مگر یہ لوگ اپنی آتش انتقام میں اور بھڑک اٹھتے اور پھر سر جوڑ کر کوئی نیا منصوبہ بنانے لگتے۔ اللہ نے ان کو یہ سزا دے رکھی تھی (اور اب بھی یہی حال ہے) کہ ہمہ وقت وہ شیطانی منصوبہ بندی میں اپنا ذہن الجھائے رکھتے تھے اور اپنا وقت اور مال برباد کرتے رہتے تھے۔

ایسے بہت سے واقعات ہیں جہاں اللہ نے غیب سے حضور ﷺ اور مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ اس آیت میں کچھ خاص واقعات کی طرف اشارہ ہے جو مختلف تفاسیر کے حوالے سے سامنے آئے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس کی تفسیر (جلد اول صفحہ ۳۳۱۔۳۳۲) میں رقم ہے، ''ابن جریر نے عکرمہ اور یزید بن ابی زیاد سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نکلے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوفؓ تھے حتیٰ کہ کعب بن اشرف اور بنی نضیر کے یہودیوں کے پاس پہنچے اور ان لوگوں سے دیت کے بارے میں کچھ مدد کی ضرورت تھی۔ یہ بدبخت یہودی بولے آپ بیٹھو ہم آپ کو کھانا کھلاتے ہیں اور جس ضرورت کے لیے آپ آئے ہیں اسے بھی پورا کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ بیٹھ گئے تو حی بن اخطب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس موقع سے زیادہ اچھا موقع کوئی نہ ملے گا، العیاذ باللہ آپ رسول پر پتھر پھینک کر قتل کر دو اور پھر ہمیشہ کی تکلیف ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ بہت بڑا پتھر پھینکنے

Marfat.com

کے لیے لے کر آئے مگر اللہ نے اس پتھر کو ان کے ہاتھوں میں روکے رکھا یہاں تک کہ جبریل امین علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ کو اس جگہ سے اٹھالیا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی اس انعام کو بھی یاد کرو جو تم پر حال ہی میں ہوا ہے، جب ایک قوم تم پر دست درازی کی فکر میں تھی۔ عبداللہؓ بن ابی بکر، عاصمؒ بن عمیر بن قتادہ، مجاہدؒ، عبداللہؒ بن کثیر اور ابو مالک سے یہی روایت منقول ہے۔

معارف القرآن ج ۳ ص ۵۷ میں اس آیت کے نزول کے بارے میں میں مسند عبدالرزاق میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے "کہ کسی جہاد میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ایک منزل پر قیام پذیر ہوئے۔ صحابہ کرام مختلف حصوں میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر آرام کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ تن تنہا ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے اور اپنے ہتھیار درخت پر لٹکا دیئے۔ دشمنوں میں سے ایک گاؤں والا (دیہاتی) موقع غنیمت جان کر جھپٹا اور آتے ہی رسول اللہ ﷺ کی تلوار پر قبضہ کر لیا اور آپ ﷺ پر تلوار کھینچ کر بولا کہ آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے بے دھڑک فرمایا کہ "اللہ عزوجل"۔ گاؤں والے نے پھر وہی دہرایا۔ آپ ﷺ نے پھر ایسی بے فکری کے ساتھ فرمایا "اللہ عزوجل"۔ دو تین مرتبہ اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی، یہاں تک کہ غیبی قدرت کے رعب سے مجبور ہو کر اس نے تلوار کو میان میں داخل کر کے رکھ دیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بلا کر یہ واقعہ سنایا۔ یہ گاؤں والا ابھی تک آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا، آپ نے اسے کچھ نہیں کہا۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ نبی کریم کی ہر موقع پر حفاظت فرما کر مومنوں پر احسان عظیم فرمایا۔ المائدہ (۱۱) کے آخر میں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اللہ پر توکل کا حکم فرمایا کر یہ واضح کر دیا کہ یہ انعام خداوندی اور نصرت غیبی سے حضور ﷺ کی حفاظت کا اصل موجب ایمان والوں کی فرمانبرداری اور اطاعت ہے۔ یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے والے اور اللہ پر بھروسہ کرنے والے مومنوں کو مشکل وقت میں اللہ تنہا نہیں چھوڑتا۔ مزید برآں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی صرف ظاہری ساز و سامان کی مرہون منت نہیں، تقویٰ اور توکل بھی مومن کے بڑے ہتھیار ہیں۔

قرآن الکریم میں متعدد بار، اللہ کے احسانات جو مومنوں پر کیے، کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً کئی جنگوں میں اللہ کی غیبی مدد، کفار اور مشرکین کی سازشوں کی ناکامیوں میں خدا کی مدد، ہجرت

Marfat.com

کے وقت حضورﷺ کا بحفاظت مدینہ پہنچنا اور حضورﷺ کی دشمنوں کی چالوں سے آگاہی سے متعلق قرآن میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ایسے واقعات، مکی اور مدنی، دونوں ادوار میں پیش آئے۔

مخالفوں کو ڈر لگا رہتا تھا کہ اللہ اپنی کسی سورت کے نزول سے کہیں، حضورﷺ کو مخالفانہ چالوں سے آگاہ نہ کردے۔سورہ التوبہ (۶۴) میں فرمایا گیا ہے **یحذر المنفقون........ ماتحذرون** O ترجمہ ''یہ منافق ڈر رہے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دلوں کے بھید کھول کر رکھ دے۔اے نبیﷺ ان سے کہو'' اور مذاق اڑاؤ، اللہ اس چیز کو کھول دینے والا ہے جس کے کھل جانے سے تم ڈرتے ہو''۔

غیبی اطلاع (وحی کے ذریعے) کے بارے میں دشمنان دین خوف میں مبتلا رہتے تھے۔ان کو پکا یقین تھا کہ کوئی فوق الفطری ذریعہ معلومات ضرور ہے جس سے حضورﷺ کو ان کی سازشوں اور نفاق کے بارے میں مطلع کر دیا جاتا ہے۔جنگ تبوک کے زمانہ میں یہ لوگ اپنی مجلسوں میں حضورﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے کہ لو دیکھو یہ رومیوں سے لڑنے جارہے ہیں۔ یہ باتیں وہ مسلمانوں کو جہاد کی تیاری دلجمعی سے کرنے سے روکنے کے لیے کرتے۔حضورﷺ کو وحی کے ذریعہ سازشوں سے آگاہ کر دیا جاتا۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر کچھ منافقین نے آپ کے قتل کی سازش کی تھی۔حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی مطلع فرما کر حضورﷺ کو اس راستے سے ہٹا دیا جہاں منافقین اس گھناؤنے کام کے لیے جمع ہوئے تھے۔ایسے لوگوں کے لیے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

حٰم السجدہ (۲۶، ۲۷، ۲۸) میں فرمایا گیا ہے۔**و قال الذین کفروا .... بایٰتنا یجحدون** O ترجمہ ''یہ منکرین حق کہتے ہیں کہ ''اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ پڑھا جائے تو اس میں خلل ڈالو شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ''۔ان کافروں کو ہم سخت عذاب کا مزا چکھا کر رہیں گے اور جو بدترین حرکات یہ کرتے ہیں ان کا پورا پورا بدلہ انہیں دیں گے۔وہ دوزخ ہے اللہ کے دشمنوں کو بدلے میں ملے گی، اس میں ہمیشہ کے لیے انکا گھر ہوگا، یہ ہے سزا اس جرم کی کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے۔''

اسی طرح سورہ الاحزاب میں بھی اللہ اور رسولﷺ کو اذیت دینے والوں کے لیے سخت تکلیف دہ، رسوا کن عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔آیت ۵۷، میں فرمایا **ان الذین** ....

Marfat.com

...... عذابا مھینا O ترجمہ ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔''

یہاں اذیت سے مراد دو چیزیں ہیں۔ ایک اللہ کی نافرمانی اور کفر و شرک کا مرتکب ہونا، اور دوسرے اللہ کے رسول ﷺ کو، جسمانی، روحانی، معاشی اور معاشرتی تکالیف پہنچائی جانا۔ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی، مخالفت، طعن و تشنیع خدا کی نافرمانی ہے۔ مکہ والوں نے حضور ﷺ کا معاشی مقاطع کر کے ہر طرح کی اذیت پہنچائی۔ حضور ﷺ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔ یہ لوگ اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔ بعد میں اللہ کی پکڑ آئی اور ان کو جنگوں میں پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب مکہ میں قحط پڑا تو ان لوگوں نے حضور ﷺ سے ہی دعا کی استدعا کی۔

مکہ اور اس کے قرب و جوار میں نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن کر دی گئیں۔ مسلمان نہایت مظلومی اور بے بسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہجرت کا وقت قریب آ گیا تھا۔ ایسے کڑے وقت میں آپ ﷺ اور مسلمانوں کو اپنا گھر بار، رشتہ دار اور دیگر تعلقات ختم کر کے ہجرت پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے دعا سکھائی۔

سورہ بنی اسرائیل (۸۰) میں اس دعا کی تلقین فرمائی۔ فرمایا و قل رب ادخلنی .... سلطنا نصیرا O ترجمہ ''اور دعا کرو کہ پروردگار مجھے جہاں بھی لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکالے سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا۔'' یعنی کسی حال میں صداقت کا پہلو نہیں چھوڑنا۔ اس دعا میں اقتدار کے حصول کی دعا بھی مانگی۔ اقتدار سے مطلب کہ اللہ خود کسی خطے کی حکمرانی عطا فرمائے یا کسی حکومت کو آپ کا مددگار بنا دے۔ یہ اقتدار کوئی دنیا کی شہنشاہی نہ تھی بلکہ اللہ کے دین کو نافذ کرنے کے لیے طاقت کی ضرورت کے لیے تھا۔ مکہ میں مسلمان کفار میں گھرے ہوئے تھے اور اللہ کے کسی حکم کی تعمیل ان کا انفرادی فعل تھا۔ دین اسلام کا اجتماعی تصور اس وقت تک نہ پورا ہو سکتا تھا جب تک کوئی اسلامی ریاست قائم نہ ہو جاتی۔ مکہ میں اللہ کے قانون کا نفاذ ممکن نہ تھا۔ قرآن الحکیم ہدایت نامہ ہے، نظریاتی دعوت حق ہے، وعظ و تذکیر ہے۔ قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لیے طاقت یعنی حکومت درکار ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے یعنی ''اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کرتا ہے جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتا۔'' اسلام کے سارے

Marfat.com

معاشرتی، معاشی، عائلی اور سیاسی نظام اور دیگر معاملات کے لیے حکومت کی خواہش کرنا جائز اور ضروری ہے۔ طاقت کی یہ طلب دنیا کے لیے نہیں بلکہ خدا پرستی کے لیے ہے۔ صرف وعظ و نصیحت سے کام نہیں چلتا۔ اقامت دین اور نفاذ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کیلئے اقتدار کی کوشش کرنا جائز اور مطلوب ہے۔ تاریخ نے پھر دیکھا کہ مدینہ کی ریاست قائم ہو جانے کے بعد شریعت اسلامی کا نفاذ ممکن ہوا۔ (ت ج ۲ ص ۲۳۸)

اس دعائیہ آیت سے پہلی والی آیت (۷۹) میں نماز پنجگانہ اور نماز تہجد، یعنی فرض نمازوں سے زائد نماز کی تلقین فرمائی گئی ہے اور پھر حضور ﷺ کو آخرت میں مقام محمود پر فائز کرنے کی بشارت دی ہے۔ کفار کی ایذاؤں سے نجات کے لیے ہجرت مدینہ کی تدبیر کے بارے میں فرمایا اور پھر اگلی آیت میں فتح مکہ کی بشارت سنائی گئی۔ نماز دشمنوں کے مکروہ عزائم اور مصیبت کا سامنا صبر و استقلال سے کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔

دعا میں صدق سے داخل اور خارج ہونے کی استدعا ہے۔ یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہو۔ داخل ہونے کی جگہ سے مراد مدینۃ المنورہ اور خارج ہونے کی جگہ مکہ ہے۔ یہ سچے دل سے اللہ کی رضا جوئی کے ساتھ ہو کہ گھر بار، عزیز و اقارب کی محبت اس میں کسی الجھاؤ کا باعث نہ بنے۔ یہاں مدینہ میں داخل ہونے کا ذکر پہلے فرما کر یہ بتانا مقصود ہے کہ ہجرت کا اصل مقصد اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک مامن اور مرکز تلاش کرنا ہے۔ اسی دعا کا اثر تھا کہ ہجرت کے سفر کے دوران حضور ﷺ کا تعاقب کرنے والے دشمن آپ تک نہ پہنچ پائے۔ یہ دعا ہر مسلمان کے لیے باعث رحمت ہے۔

کفار اور مشرکین کو مسلمانوں کے ہجرت کرنے کی بھنک پڑ گئی تھی یثرب (مدینہ کا پرانا نام) میں اسلام کی روشنی پہنچنی شروع ہو گئی تھی۔ نبوت کے بارھویں سال ۷۵ نفوس کا وفد حضور ﷺ کو رات کی تاریکی میں ملا اور آپ کو اور آپ کے پیروں کو مدینہ میں جگہ دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ وہ آپ کو خدا کے نائب کی حیثیت سے نہ کہ پناہ گزیں کی حیثیت سے، بلا رہے تھے۔ قریش کو اس بیعت عقبہ کی خبر ہو گئی تو ان کو یقین ہو گیا کہ مدینہ میں مسلمان ریاست کا قیام ہمارے لیے خطرہ کا باعث بن جائے گا۔ اس کا سد باب کرنے کے لیے قریش نے اپنی مجلس شوریٰ منعقد کی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ بنی ہاشم کے سوا تمام قریش کے خاندانوں سے ایک ایک آدمی چھانٹا جائے اور یہ سب

Marfat.com

مل کر حضورﷺ کا کام تمام کردیں۔اس صورت میں مسلمان صرف خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور انتقامی کارروائی نہ ہو سکے گی۔لیکن اللہ نے اپنے نبی کی حفاظت فرمائی۔حضورﷺ ہجرت کی رات اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سلا کر حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ساتھ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر مکہ سے سلامتی کے ساتھ نکل آئے اور راستے میں غار ثور میں پناہ لی۔آپ کے تعقب میں سوار اور پیادے بھیجے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان کی دسترس سے محفوظ رکھا۔تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک پہنچ گئے مگر مکڑی کا جالا غار کے منہ پر لگا دیکھ کر واپس لوٹ گئے کہ اگر کوئی غار کے اندر گیا ہوتا تو یہ جالا لگا نہ رہتا۔ایسے ہی لمحہ میں حضرت صدیق اکبرؓ خوف سے سہم رہے تھے کہ کہیں سرور دو عالمﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔حضورﷺ کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔اسی موقع پر قرآن میں فرمایا گیا لاتحذن ان اللہ معنا یعنی تم غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

سورہ التوبہ (۴۰) میں اسی صورت حال کا ذکر فرمایا گیا ہے۔فرمایا الاتنصروہ .... عزیز حکیم O ترجمہ ''تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں،اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا تھا جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا،جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا،جب وہ دونوں غار میں تھے،جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ ''غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل فرمایا اور اس کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے،اللہ بڑا زبردست اور دانا وبینا ہے۔''

ہجرت کی رات حضورﷺ کے قتل کی سازش کا ذکر سورہ الانفال (۳۰) میں بھی کیا گیا ہے۔فرمایا واذیمکربک .... الماکرین O ترجمہ ''وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکرین حق ترے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں۔وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔''

اوپر بیان کیے گئے واقعات میں اللہ کے احسانات کا ذکر ہے جو اس نے دین کے قائم کرنے کے لیے اپنے برگزیدہ بندے،نبی کریمﷺ اور مسلمانوں پر کیے۔مزید احسانات کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

اللہ کا رسول ﷺ کسی کی مدد کا محتاج نہیں کہ اللہ براہ راست غیب سے آپ کی مدد فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا آپ ﷺ کے قلب مبارک پر تسلی نازل فرمائی۔ خدائی لشکروں سے اللہ نے آپ کی مدد فرمائی اور حق کا بول بالا کیا۔ اللہ نے ایسی مدد کفار کے مقابلے میں جہاد کے وقت غزوات میں فرمائی۔ جنگ بدر، جنگ احزاب اور جنگ حنین میں اللہ نے مومنوں کی مدد فرمائی، قرآن الحکیم میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

جنگ بدر میں اللہ کے احسانات

جنگ بدر ۱۷ رمضان المبارک کو میدان بدر میں لڑی گئی۔ اس دفاعی جنگ میں مہاجرین اور انصاری مسلمانوں نے حصہ لیا۔ اس سے قبل کفار اور مسلمانوں کے درمیان جو چھڑپیں ہوتی رہیں، حضور ﷺ نے مقابلے کے لیے صرف مہاجرین مسلمانوں کو بھیجا تاکہ یہ کشمکش صرف قریش تک محدود رہے۔ کفار اور مشرکین اہل مدینہ کو تنگ کرتے رہے تھے اور ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔

حضور ﷺ، تجارتی شاہراہ، جو مدینہ سے بحر احمر کے ساحل تک جاتی تھی، کو محفوظ بنانا چاہتے تھے۔ اس غرض سے آپ ﷺ نے اس شاہراہ کے متصل قبائل کو گفت و شنید کے ذریعے اپنا حلیف یا غیر جانبدار بنالیا۔ قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ جس کے ساتھ ۵۰ ہزار اشرفی کا مال تھا اسی شاہراہ پر اس مقام پر پہنچا جو مدینہ کی زد میں تھا۔ اس قافلے کے محافظ صرف ۴۰ افراد تھے۔ کفار کو خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان اس قافلہ پر چھاپہ نہ ماردیں۔ قافلہ کے سردار نے ایک آدمی کو مکہ دوڑایا کہ وہاں سے مدد لے آئے۔ اس شخص نے اس زمانہ کی خاص رسم کے مطابق خطرہ کا اعلان کرنے کے لیے اپنی اونٹنی کے ناک کان کاٹ دیئے اور اپنے کپڑے آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالے اور کجاوہ کو الٹا کر کے اونٹنی کی پشت پر رکھ دیا۔ اس شخص نے اس حالت میں مکہ پہنچ کر قریش سے کہا کہ ''اپنے قافلے کی خبر لو، محمد ﷺ اپنے آدمی لے کر اس قافلے کے درپے ہے۔'' اس پر سارے مکہ میں ہیجان برپا ہو گیا اور قریش کے تمام بڑے سردار جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ ایک ہزار جنگجو جن میں ۶۰۰ زرہ پوش تھے اور ایک سو سواروں کا رسالہ شامل تھا، لڑنے کے لیے تیار کیا گیا۔ ان کا ارادہ صرف اپنے تجارتی قافلے کو بچانا نہ تھا بلکہ اس بہانے مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر نوزائدہ اسلامی ریاست کو ختم کرنا تھا تاکہ اسلام کی جڑیں کاٹ دیں اور اس دین کے پھیلنے کا جو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اس کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔

حضور ﷺ کو ان حالات کا ادراک تھا۔ آپ ﷺ نے خیال فرمایا کہ اب فیصلے کی

Marfat.com

گھڑی آن پہنچی ہے۔ کفار اور مشرکین کے ناپاک عزائم کا مقابلہ کرنا مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہو گیا ہے۔ یہ ہجرت کا دوسرا سال تھا اور مسلمان بے سروسامان تھے۔ مدینہ میں منافقین اور دشمنان دین کا گروہ خاصا طاقتور ہو گیا تھا۔

حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو جمع فرمایا اور سارے حالات سے ان کو آگاہ فرمایا کہ ''ایک طرف تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف سے قریش کا لشکر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے، بتاؤ کہ آپ کس کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں'' ایک بڑے گروہ نے قافلہ پر حملہ آور ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ حضور ﷺ کے پیش نظر مسلمانوں کا مستقبل تھا۔ آپ نے دوبارہ وہی سوال دوہرایا اس پر مہاجرین نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے ساتھ ہیں جہاں آپ جانے کا حکم فرمائیں ہم جائیں گے اور ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ ''تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں''۔ انصار نے بھی اسی فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مشورہ کی سنت قائم فرمادی۔

سورہ الانفال (۷،۸) میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات فرمائی ہے۔ فرمایا **واذا یعدکم اللہ .... ولو کرہ المجرمون** O ترجمہ ''اور یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔ تم چاہتے ہو کہ کمزور گروہ تمہیں ملے، مگر اللہ کا ارادہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے، خواہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

مسلمانوں نے حضور ﷺ کی قیادت میں لشکر کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مسلمانوں کی فوج صرف ۳۱۳ افراد پر مشتمل تھی۔ ان کے پاس بہت کم جنگی سامان تھا جو چند گھوڑے، ۷۰ اونٹ اور ۶۰ زرہوں پر مشتمل تھا۔ مگر ان کا رسول ﷺ ان کے ساتھ تھا، اور اللہ پر بھروسہ اور خالص ایمان ان کا اسلحہ تھا۔ بدر کے میدان کا انتخاب فرمایا گیا۔ بظاہر مسلمانوں کو یہ مقابلہ موت کی منہ میں جانے کے مترادف تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ سورہ الانفال (۹ تا ۱۳) میں اللہ کے اس احسان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ فرمایا **اذ تستغیثون ربکم .... شدید العقاب** O ترجمہ ''اور وہ موقع جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔ جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے درپے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتا دی کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔''

Marfat.com

''اور وہ وقت جبکہ اللہ نے اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان اور بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تا کہ تمہیں پاک کرے اور تم کو شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست سے دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعے سے تمہارے قدم جمائے اور وہ وقت جب تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں، پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ، یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے اللہ اس کے لیے نہایت سخت گیر ہے۔''

ان آیات مبارکہ میں اللہ کے احسانات کا ذکر ہے جو اس پہلی کفر اور ایمان کی جنگ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرمائے کہ حق کا بول بالا ہو۔ مشکل گھڑی میں اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فریاد کا ذکر کیا ہے جب حضور ﷺ نے خدا کے آگے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نہایت عاجزی سے عرض گزارا۔

> ''خدایا یہ ہیں قریش، اپنے سامان غرور کے ساتھ آئے ہیں تا کہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں۔ خدایا بس آ جائے تیری مدد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، اے خدا اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔''

اس معرکہ میں جو ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری میں ہوا، اللہ نے حضور ﷺ کی دعا کے جواب میں مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

دوسری طرف مکہ سے روانہ ہوتے وقت ابوجہل نے کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا مانگی کہ ''خدایا دونوں گروہوں میں سے جو بہتر اور برسر حق ہو اسے فتح عطا کر اور برسر ظلم ہو اسے رسوا کر۔'' چنانچہ اس کی منہ مانگی دعا حرف بحرف پوری ہوئی۔

مسلمانوں پر جو احسانات فرمائے گئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) پہلا انعام اور احسان یہ تھا کہ کم جنگی ساز و سامان کے باوجود مسلمانوں کو جہاد کے لیے حوصلہ بخشا اور ارادے کو تقویت عطا فرمائی۔

(۲) قبولیت دعا کی صورت میں اللہ نے احسان فرمایا۔

(۳) فرشتوں کی مدد کا وعدہ پورا فرمایا۔ جو فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لیے بھیجے ان کو خطاب کر کے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی

Marfat.com

کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہوں، سوتم کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کی پور پور پر ضرب لگاؤ۔ ان ملائکہ کے قتال کی عینی شہادتیں صحابہ کرامؓ سے احادیث میں منقول ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان پر بھارت کے اچانک حملہ کے موقع پر ہماری افواج نے ایمانی قوت سے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس دوران مورچوں میں لڑنے والوں اور ہوابازوں کے کئی تاثرات سامنے آئے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے پاکستانی افواج کی مدد فرمائی۔

(۴) چوتھا انعام نیند کی صورت میں عطا فرمایا۔ کفار کے لشکر نے پہلے پہنچ کر بہتر مقام پر پڑاؤ ڈال لیا۔ جب مسلمانوں کا لشکر بدر کے میدان میں پہنچا تو حضورﷺ نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ حضرت حباب بن منذرؓ کو یہ مقام نامناسب معلوم ہوا۔ انہوں نے حضورﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہﷺ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے یہ اللہ کے حکم سے ہے یا آپ کی رائے ہے۔ اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا یہ حکم خداوندی نہیں ہے۔ تب حضرت حباب بن منذرؓ نے ایک بہتر مقام جہاں پانی بافراط مل سکتا تھا، پر قبضہ کرنے کی گزارش کی۔ حضورﷺ نے مشورہ قبول فرما کر وہاں پڑاؤ فرمایا اور ایک حوض بنا کر پانی کا ذخیرہ فرمایا۔ بدر کے اس مقام پر جہاں مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا وہ بالائی حصہ اور ریتلا تھا جس پر چلنا دشوار تھا۔ مسلمانوں کے ذہن پریشان تھے اور شیطانی وسوسے پریشان کن تھے۔ اس پریشانی سے نجات دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک خاص قسم کی نیند مسلط فرمائی اور بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوئی بھی مسلمان باقی نہ رہا جو سو نہ گیا ہو۔ اس طرح مسلمانوں کی تکان اور پریشانی دور ہوگئی اور وہ تازہ دم ہو گئے۔ (غزوہ احد میں بھی اس طرح کا واقع پیش آیا) صرف رسول اللہﷺ تمام رات بیدار رہے اور یاد الٰہی میں مشغول رہے۔ آپ کو صرف اونگھ آئی مگر فوراً بیدار ہو کر فتح کی خوشخبری سنائی اور قریش کی قتل گاہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ فلاں فلاں کی قتل گاہ ہے۔ سفیان ثوریؒ نے بروایت عبداللہؓ بن مسعود نقل کیا ہے کہ جنگ کی حالت میں نیند اللہ کی طرف سے امن اور اطمینان کی نشانی ہے اور نماز میں نیند شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ (م ج ۴ ص ۱۹۶)

(۵) پانچویں عنایت بارش کی صورت میں ہوئی جس سے ریت جم گئی اور مسلمانوں کے لیے

Marfat.com

قدم جمانے آسان ہو گئے۔ کفار کا لشکر نشیب کی جانب تھا اور بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گئی اور چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ مسلمانوں کو پانی وافر مقدار میں دستیاب ہو گیا۔ بارش کا تیسرا فائدہ رب تعالیٰ کے فرمان کے مطابق مسلمانوں کے دلوں کو شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست سے پاک فرمانا تھا۔

(۶) چھٹے انعام کا ذکر سورہ الانفال (۱۷) میں فرمایا گیا ہے۔ فرمایا **فلم یقتلوھم .... سمیع العلیم** O ترجمہ ''کہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا، تو یہ اس لیے تھا کہ اللہ مومنوں کو بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے اور اللہ یقیناً سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

یہاں اس واقعہ کا ذکر ہے جو معرکہ بدر میں دو بدو لڑائی کے وقت پیش آیا۔ اس وقت حضورﷺ نے مٹھی بھر ریت لے کر کفار کی جانب پھینکی اور مسلمانوں کو یکبارگی حملہ کرنے کا اشارہ دیا۔ یہاں یہ کہنا مقصود ہے کہ اللہ مومنوں کے ہاتھوں سے کام کرواتا ہے اور مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر الانفال (۴۳، ۴۴) میں فرمایا ہے۔ فرمایا **اذیریکھم .... ترجع الامور** O ترجمہ ''اور یاد کرو وہ وقت جبکہ اے نبیﷺ خدا ان کو تمہارے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اگر کہیں وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملہ میں جھگڑا شروع کر دیتے لیکن اللہ ہی نے تمہیں بچا لیا، یقیناً وہ سینوں کا حال جانتا ہے۔ اور یاد کرو جب کہ مقابلے کے وقت خدا نے تم لوگوں کی نگاہوں میں دشمن کو تھوڑا دکھایا اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے پیش کیا، تاکہ جو بات ہونی تھی! سے اللہ ظہور میں لے آئے اور آخرکار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔'' دشمن کی تعداد کم دکھا کر مسلمانوں کا حوصلہ بڑھایا گیا اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے دکھایا کہ وہ میدان نہ چھوڑ جائیں۔

Marfat.com

جنگ احد میں اللہ کے احسانات

جنگ بدر کے ایک سال بعد جنگ احد کا واقع پیش آیا۔ یہ جنگ احد کے مقام پر، جو مدینہ سے تقریباً ۴ میل کے فاصلے پر ہے، لڑی گئی۔ کفار اور مشرکین جنگ بدر کی شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ مشرکین بڑی تیاری کے ساتھ میدان میں آئے۔ وہ تین ہزار سپاہی، تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے اور دیگر جنگی سامان کے ساتھ احد کے پہاڑ کے قریب اترے۔ اسلامی لشکر میں ایک ہزار افراد تھے مگر منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مدینہ واپس چلا گیا مگر اللہ تعالیٰ انکا مددگار تھا۔

آل عمران (۱۲۲، ۱۲۳) میں فرمایا اذھمت طائفتٰن ....

.... تشکرون O ترجمہ "یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔"

آیت ۱۲۲ میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کی طرف اشارہ ہے جو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے واپس جانے سے پست ہمت ہو گئے تھے۔ آیت ۱۲۳ میں مسلمانوں کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ اللہ ہی تمہارا مددگار ہے اور جنگ بدر میں بھی جب تم دشمن کے مقابلے میں بہت کمزور تھے اللہ نے تم پر احسان فرمایا اور تمہاری مدد کی اور اب بھی اللہ تم کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔

حضور ﷺ نے اپنے ۷۰۰ لشکر کی تنظیم نہایت فراست سے فرمائی۔ تیر اندازوں کے ایک گروہ کو ایک پہاڑی پر متعین کیا اور انہیں تلقین فرمائی کہ کسی حالت میں بھی اس جگہ کو نہ چھوڑنا۔

اللہ نے آیات ۱۲۴۔۱۲۵ میں مسلمانوں کو مزید تسلی فرمائی ہے۔ فرمایا اذ تقول .... مسومین O ترجمہ "یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے۔ بے شک اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ آئیں گے اسی آن تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔"

جنگ کا آغاز ہوا اور مسلمان بے جگری سے لڑے اور ان کا پلہ بھاری رہا یہاں تک کہ

Marfat.com

مشرکین کا پرچم اٹھانے والا بھی کوئی نہ رہا۔ حضرت حمزہؓ کا شہید ہونا مسلمانوں کے لیے بڑا نقصان تھا مگر اس کے باوجود ان کی ہمت پست نہ ہوئی۔ آخر مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ تیر انداز اس کو جنگ کی فتح خیال کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف راغب ہو گئے۔ دشمن نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خالد بن ولید کی سربراہی میں پیچھے سے حملہ کر دیا۔ یہ اتنا اچانک تھا کہ مسلمان اپنی جان بچانے کے لیے میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ آل عمران (۱۵۳ تا ۱۵۵) میں یہی صورت حال بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا اذ تصعدون ....

غفور حلیم O ترجمہ ''یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش نہ تھا اور رسول ﷺ تمہارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔ اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیئے تاکہ آئندہ کے لیے تمہیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔''

''اس غم کے بعد اللہ نے تم میں سے بعض لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے۔ مگر ایک دوسرا گروہ جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلاف حق تھے۔ یہ لوگ اب یہ کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟'' ان سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں'' دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ ''اگر قیادت کے اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔'' ان سے کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔'' اور یہ معاملہ جو پیش آیا، یہ اس لیے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اسے آزما لے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔''

''تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے ان کی اس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے تھے، اللہ نے انہیں معاف کر دیا، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جنگ احد میں جو حالات ہوئے، ان کو بیان فرمایا گیا ہے۔

Marfat.com

پہلے مرحلے میں جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں رہا مگر ایک لغزش کی وجہ سے مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف لپک پڑے۔ یہ حکم عدولی تھی۔ حضور ﷺ کے گرد خونریز جنگ ہونے لگی۔ اور حضور ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے سات صحابہ ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ اسی موقع پر یہ بات کفار میں مشہور ہو گئی کہ حضور ﷺ بھی اس معرکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر اکثر صحابہ کی ہمتیں چھوٹ گئیں۔ اس حالت میں منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ چلو عبداللہ بن ابی کے پاس چلیں تاکہ وہ ہمارے لیے ابو سفیان سے امان لے دے۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر محمد ﷺ خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے، چلو اب دین آبائی کی طرف لوٹ چلیں۔ باری تعالیٰ نے انہیں باتوں کا جواب آل عمران (۱۴۴) میں فرمادیا **وما محمد الا .... شاکرین** O ترجمہ ''محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور بھی رسول گزرے ہیں پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تم تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ البتہ جو شکر گزار بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا'' یعنی اگر تمہاری حق پرستی محض محمد ﷺ کی ذات سے وابستہ ہے اور اسلام اتنا بے بنیاد ہے کہ محمد ﷺ کے رخصت ہوتے ہی تم اس کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے جس سے نکل کر تم آئے تھے تو اللہ کو تمہارے دین کی کوئی حاجت نہیں۔

اللہ نے مسلمانوں کی لغزشوں سے درگزر فرما کر انہیں معاف فرمادیا اور حضور ﷺ کو بھی معاف فرمانے کو کہا۔ آل عمران ۱۵۵ میں فرمایا **ان الذین .... غفور حلیم** O ترجمہ ''تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے، ان کی اس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے تھے، اللہ نے انہیں معاف کر دیا، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے''

اس جنگ کے شروع میں عارضی شکست کے بعد مشرکین بڑی آسانی سے مدینہ پر دھاوا بول سکتے تھے مگر رحمت باری نے مشرکوں کے دل میں ایسا خوف طاری کر دیا کہ وہ واپس مکہ چلے گئے۔ فرمایا (آل عمران ۱۵۱) **سنلقی فی قلوب الذین............ مثوی الظلمین** O ترجمہ ''ہم انکے دلوں میں رعب ڈال دینگے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور انکا ٹھکانہ دوزخ

Marfat.com

ہے اور ظالموں کا بہت برا ٹھکانہ ہے"۔

اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے بڑا اسبق یہ ہے کہ اپنے کمانڈر (یہاں مراد حضور ﷺ ہیں) کی نافرمانی اور مال کی محبت یعنی دنیاوی غرض کی وجہ سے مسلمانوں کو کتنا نقصان اٹھانا پڑا۔ اللہ نے احسان فرمایا اور انہیں معاف فرما کر فتح سے ہمکنار کیا۔ خالص دین کی خاطر جہاد کرنے والے کے سامنے اللہ کی خوشنودی کے علاوہ اور کوئی حدف نہیں ہوتا۔

بقول علامہ اقبالؒ

شہادت ہے مطلوب مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

جنگ احزاب میں مومنوں پر اللہ کے احسان

جنگ احزاب میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرما کر احسان فرمایا۔ الاحزاب آیت ۹، ۱۰، ۱۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یایھا الذین آمنو .... زلزالا شدیداO ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے تم پر کیا ہے۔ جب لشکر تم پر چڑھ آئے، تو ہم نے ان پر سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ اللہ وہ سب دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے۔ جب وہ اوپر اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے"

جنگ احزاب ۵ ہجری میں پیش آئی۔ اس میں مسلمانوں پر اللہ کے انعامات اور رسول اللہ ﷺ کے معجزات کا ذکر ہے۔ جنگ احد میں (۳ ہجری) حضور ﷺ کے مقرر کردہ تیر اندازوں کا جگہ سے ہٹ جانے کی غلطی سے مسلمانوں کو وقتی طور پر ہزیمت اٹھانی پڑی جس سے دشمنان دین کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ اس سوچ کا شکار ہو گئے کہ ہم سب مل کر مسلمانوں سے جنگ کریں اور ان کا قلع قمع کر دیں۔

جنگ چھیڑنے کے لیے یہ لوگ مسلسل بد عہدیاں اور سازشیں کرنے لگے۔ انہوں نے تبلیغی وفود کو قتل کیا، ایک وفد چھ اور دوسرا چالیس مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ کئی قبائل نے مل کر مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر لیں۔ حضور ﷺ دشمنان دین کی سازشوں سے باخبر تھے۔ آپ ﷺ نے بنی اسد، بنی النضیر اور بنی غطفان سے باری باری نمٹا جس سے ان کے حوصلے پست ہوئے اور ان کو یہ

Marfat.com

معلوم ہوگیا کہ ہم اکیلے اکیلے مسلمانوں سے نہیں لڑ سکتے اور ہمیں مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ہے۔
حضور ﷺ کے جانثار آپ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عزم کیئے ہوئے ہیں۔
جنگ احزاب جنگ خندق بھی کہلاتی ہے۔سارے قبائل نے آپس میں معاہدہ کرلیا، جس میں یہودی اور قریش کے قبائل شامل تھے کہ سب مل کر مدینہ پر حملہ آور ہونگے۔اہل کتاب کے ۲۰ اور قریش کے ۵۰ سردار مسجد حرام میں بیت اللہ کی دیواروں سے چمٹ کر یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جب تک ایک آدمی بھی زندہ رہے گا ہم محمد ﷺ کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے۔
قریش کا لشکر ۴ ہزار جوانوں، تین سو گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹ پر مشتمل تھا اور قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔ پھر اس لشکر میں دوسرے قبائل کے افراد بھی شامل ہو گئے اور لشکر کی مجموعی تعداد دس یا بارہ ہزار تک ہوگئی۔
حضور ﷺ کو دشمنوں کے متحدہ محاذ کی اطلاع ملی تو حضور ﷺ کی زبان مبارک پر **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** کا کلمہ آیا یعنی ہمیں اللہ کافی ہے اور ہمارا بہتر کارساز ہے۔
حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے اکابرین کو جمع کیا اور صورت حال کے بارے میں مشورہ مانگا۔اس سے ایک تو مشورے کی سنت جاری رکھنا مطلوب تھا، دوسرا مومنوں کے دلوں میں اتحاد اور تعاون کے جذبے کو فروغ دینا تھا۔اس مجلس شوریٰ میں اپنے مادی وسائل کا جائزہ لیا گیا اور حکمت عملی پر غور کیا گیا۔حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ فارس میں شہروں پر دشمن کا حملہ روکنے کے لیے خندق کھودی جاتی تھی، اس وقت بھی یہی دفاعی حکمت عملی اختیار کی جائے۔
حضور ﷺ نے مشورہ قبول فرمایا۔ یہ خندق مدینہ کے شمال اور مغرب میں کھودی گئی۔ مشرق میں پہاڑی علاقہ تھا جہاں حملہ کا خطرہ نہ تھا۔جنوب مشرق میں قبیلہ بنی قریظہ کے یہودی آباد تھے جن سے مسلمانوں کا حلیفانہ معاہدہ تھا، اس لیے اس جانب سے بھی حملہ کا خطرہ نہ تھا۔ یہ خندق ساڑھے تین میل لمبی اور خاصی چوڑی اور گہری تھی جسے عبور کرنا آسان نہ تھا۔حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کی جماعت کو دس دس افراد کے گروہوں میں تقسیم کردیا۔ ہر گروہ کے ذمے ۴۰ گز خندق کھودنا آئی۔حضرت سلمانؓ فارسی کے جو حصہ خندق کھودنے کا آیا، اس میں ایک بڑی چٹان نکل آئی۔کوشش کرنے کے باوجود چٹان نہ ٹوٹ سکی بلکہ اوزار ٹوٹ گئے۔حضرت سلمانؓ فارسی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسئلہ حل فرمانے کی درخواست کی۔ نبی پاک ﷺ خود بھی

Marfat.com

اپنے حصے کی خندق کی کھدائی فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ حضرت سلمانؓ فارسی کے ساتھ موقع پر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے چٹان پر ضرب لگائی اور اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور ساتھ ہی پتھر سے روشنی پھوٹی۔ اسی طرح دوسری اور تیسری ضرب سے باقی چٹان بھی ٹوٹ گئی اور ہر بار روشنی نکلی۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا کہ یہ آئندہ عظیم الشان فتوحات کی بشارتیں دی گئی ہیں، یعنی مسلمان یمن و کسریٰ اور رومیوں کے شہر فتح کریں گے۔

منافقین نے اپنی روش کے مطابق اس بات کا مذاق اڑایا کہ خود تو اپنی حفاظت کے لیے خندق کھود رہے ہیں اور اتنے اونچے اونچے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مذاق کے جواب میں آل عمران کی آیت ۲۶، نازل فرمائی۔ فرمایا قل اللھم ....
کل شیء قدیر O ترجمہ "کہو خدایا ملک کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

منافقین اور جن کے دلوں میں روگ تھا انہوں نے مسلمانوں میں بددلی پھیلانے کی کوشش کی۔ الاحزاب (۱۲) میں اسی صورت حال کا ذکر ہے۔ فرمایا و اذ یقول .... الا فرارًا O ترجمہ "یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے" یہ لوگ اتنے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے بارے میں بدزبانی کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ اس وقت ایمان والوں کے لیے بڑی کڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔

خندق کی کھدائی کے دوران ایک اور معجزہ پیش آیا۔ حضرت جابرؓ نے محسوس کیا کہ حضور ﷺ بھوک سے متاثر ہو رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی اہلیہ سے کھانا تیار کرنے کو کہا۔ گھر میں ایک بکری کا بچہ تھا جسے ذبح کر کے گوشت تیار کیا گیا اور صرف تین سیر جو (ایک صاع) کے آٹے کی روٹی پکائی۔ اہلیہ کو بڑی فکر تھی کہ کھانا بہت کم ہے اور کھانے والے زیادہ ہیں، اگر ہو سکے تو حضور ﷺ کو تنہا بلا لیں۔ حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ کو صورتحال بتائی مگر نبی پاک ﷺ نے پورے لشکر میں اعلان فرما دیا چلو جابرؓ کے گھر دعوت ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کھانا

Marfat.com

تقسیم فرمایا۔ پورے لشکر نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بھی کھانے میں کمی نظر نہ آئی، نہ گوشت میں نہ روٹیوں میں۔

چھ روز میں خندق مکمل ہوئی اور احزاب کا لشکر آ پہنچا۔ بڑے لشکر کو دیکھ کر مخلصین مومنین کا ایمان اور اطاعت زیادہ ہوگئی۔ الاحزاب میں اسی کیفیت کا ذکر ہے۔ فرمایا و لما را المومنون .... ایماناً و تسلیماً O الاحزاب (۲۲) ترجمہ "اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ "یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی' اور اس چیز نے ان کے ایمان اور فرمانبرداری کو زیادہ کر دیا۔"

خندق سے شہر مدینہ کا حفاظتی حصار کسی حد تک ہو گیا تھا۔ صرف جنوب مشرق میں بنو قریظہ کی طرف خندق نہ کھودی گئی کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کا حلیفانہ معاہدہ تھا۔ احزاب میں شامل قبیلوں نے بنو قریظہ کو معاہدہ توڑنے کے لیے کہا مگر انہوں نے پہلے تو ایسا کرنے سے انکار کر دیا مگر بعد میں احزاب کے غیرت دلانے اور سبز باغ دکھانے پر بنو قریظہ عہد شکنی پر آمادہ ہو گئے۔ حضور ﷺ کو اس عہد شکنی کا بہت صدمہ ہوا۔ اور ساتھ ہی جنوب مشرق سے سرحد غیر محفوظ ہوگئی۔ بنو قریظہ چونکہ مدینہ کے اندر تھے، انہوں نے حملہ آوروں کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ اور پر سے اور نیچے سے، فوق کی جانب سے مراد بنو قریظہ اور اسفل سے آنے والے احزاب ہیں۔ یعنی دشمن اندر بھی تھا یعنی بنو قریظہ اور باہر باقی احزاب کے لشکر تھے۔ اس آن مومن آزمائے گئے اور سخت ترین طور پر ہلائے گئے۔ اس کے برعکس منافقین کا گروہ حضور ﷺ نبی کریم سے اجازت مانگنے آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، ہمیں گھر جانے دیا جائے حالانکہ یہ محض بہانہ تھا، وہ صرف جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔

حضور ﷺ نے جنگی مصلحت اور چال کے تحت قاصد کے ذریعہ قبیلہ غطفان کو مدینہ کا ایک تہائی پھل دینے کی پیشکش کی اگر یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں۔ معاہدہ پر دستخط ہونے سے پہلے حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ کفر کی حالت میں ان لوگوں کو ہمارے باغات کے پھلوں کا ایک دانہ کی طمع رکھنے کی ہمت نہ تھی، آج ہم سب خدائے واحد کے پرستار ہیں، ہمیں ان کی مصالحت کی حاجت نہیں، اللہ تعلیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے۔ لہٰذا یہ معاہدہ نہ کیا گیا۔

Marfat.com

دونوں طرف تیراندازی کا سلسلہ جاری ہوا۔ مسلمان اور ان کے اہل وعیال مدینہ میں محصور تھے۔ حضور ﷺ تین روز مسلسل مسلمانوں کی فتح کے لیے دعا فرماتے رہے، جو قبول ہوئی۔ اللہ کی مدد اس طرح آئی کہ ایک نومسلم نعیم احمد مسعود نے حضور ﷺ سے اسلام کی کچھ خدمت کرنے کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ نعیم احمد بنوقریظہ اور غطفان کے درمیان جنگی حکمت کے طور پر، پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہوگیا۔

پھر دوسری آسمانی افتاد شدید برفانی آندھی کی صورت میں آئی اور احزاب کے خیمے اکھڑ گئے اور ہر چیز بکھر گئی۔ احزاب کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پھر اللہ نے فرشتوں کو بھیج کر باطنی طور پر دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اب ان لوگوں کے پاس میدان چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ ابوسفیان نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ سب لوگ میدان سے نکل گئے۔ مدینہ کا یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ کے بعد ختم ہوا۔

حضور ﷺ اور مسلمانوں نے ہتھیار کھولے ہی تھے کہ اچانک جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو اللہ کا حکم سنایا۔ ''آپ لوگوں نے ہتھیار کھول دیئے ہیں مگر فرشتوں نے ہتھیار نہیں کھولے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ پر حملہ کریں۔

بنوقریظہ کا معرکہ بھی سر ہوا اور بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ غزوہ احزاب میں مسلمان کڑی آزمائش سے گزرے۔ منافقین نے مسلمانوں کو ہر طرح سے بددل کرنے کی کوشش کی اور انکا نفاق کھل کر سامنے آگیا۔ مسلمانوں کے لیے حضور ﷺ کے اقوال اور افعال سب کی اقتدا کا حکم ہے۔ اور یہی اسوۂ حسنہ ہے۔ الاحزاب (۲۱) لقد کان .... کثیراO ترجمہ ''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔'' ان اعمال میں کچھ واجب اور کچھ مستحب ہیں۔ جس کام کا کرنا یا چھوڑنا بدرجہ وجوب ثابت ہو اس کا اتباع واجب ہے اور چھوڑنا بلا عذر شرعی گناہ ہے۔ اور جس کام کا کرنا یا چھوڑنا بدرجہ استحباب ثابت ہو اس کی خلاف ورزی گناہ نہ قرار دی جائے گی۔

یہاں اسوہ حسنہ کا ذکر ان لوگوں کو سبق سکھانے کے لیے کیا گیا جنہوں نے منافقت، موقع پرستی اور اپنی جان بچانے کے لیے عافیت کوشی سے کام لیا۔ ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مسلمان کو اس رسول ﷺ کی جو کوئی عام لیڈر نہیں ہے، جو خود آرام طلبی کا شکار ہو اور اپنی حفاظت کو مقدم رکھے اور خطرے کے وقت محاذ سے بھاگ جانے کی فکر میں ہو، مکمل پیروی کرنی چاہیے۔ حضور ﷺ نے تو اس جنگ میں ہر موقع پر صحابہ کرامؓ کے برابر مشقت اٹھائی، بھوک، پیاس، تھکن اور سردی میں ایک ادنیٰ مسلمان کی طرح حصہ لیا۔ آپ کے اہل وعیال بھی اسی طرح خطرے میں

Marfat.com

تھے جس طرح دوسرے مسلمانوں کے بال بچے تھے، اوران کی حفاظت کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے بھی وہی قربانیاں دیں جنکی توقع مسلمانوں سے کی جاتی تھی۔ اسوہ حسنہ کے بارے میں اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف اسی لحاظ سے حضور ﷺ کی زندگی ایک نمونہ ہے بلکہ اس کا تقاضا ہے کہ مسلمان ہر معاملہ میں آپ کی حیات مبارکہ کو مشعل راہ بنائیں۔

جنگ حنین میں اللہ کے احسانات

اللہ تعالیٰ کے احسانات بے شمار ہیں، اگر بندہ چاہے بھی تو کسی ایک احسان اور نعمت کا شکرانہ کبھی کما حقہ ادا نہیں کرسکتا۔ اسلام کے اولین دور میں اللہ نے مومنوں کی مختصر جماعت کی ہر مشکل وقت میں اعانت فرمائی۔ جنگ بدر، جنگ احزاب میں ان احسانات کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ اسی طرح جنگ حنین میں بھی اللہ نے اپنی عظیم احسان کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست سے بچالیا۔

سورہ التوبہ میں اس جنگ کے بارے آیات ۲۵، ۲۶، ۲۷ میں ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا لقد نصر کم .... غفور لرحیم O ترجمہ ''خدا نے بہت سے موقعوں پر تم کو مدد دی ہے اور حنین کے دن جب تم کو اپنی کثرت پر غرہ تھا (فخر تھا) تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور اپنی زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر پھر گئے۔ پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے سکینت اپنے رسول ﷺ اور مومنوں پر اور (تمہاری مدد کو فرشتوں کے لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے (آسمان سے اتارے) اور کافروں کو عذاب دیا اور یہی سزا ہے منکروں کی۔ پھر خدا جس پر چاہے مہربانی سے توجہ فرمائے (توبہ نصیب کرے) اور خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

اس جنگ کا پس منظر کچھ یوں ہے۔ سورہ التوبہ کی پہلی آیت میں برات کا اعلان فرمایا گیا۔ یہ برات مسلمانوں اور دوسرے قبائل کے درمیان معاہدات ختم کرنے کا اعلان تھا۔ صلح حدیبیہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ دوسرے قبائل میں سے جس کا جی چاہے وہ قریش کا حلیف اور ساتھی بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ رسول اللہ ﷺ کا حلیف بن کر آپ کا ساتھ دے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے حضور نبی کریم ﷺ کا حلیف بننے کا فیصلہ کیا اور قبیلہ بنی بکر نے قریش کا حلیف بننا پسند کیا۔ اس معاہدے کی رو سے دس سال تک نہ باہمی جنگ ہوگی نہ جنگ کرنے والوں کو کسی جانب

Marfat.com

سے کسی قسم کی مدد دی جائے گی اور جو قبیلہ کسی فریق کا حلیف ہے اس پر حملہ کرنا یا حملہ آور کی مدد کرنا معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی۔ یہ معاہدہ ۶ ھ میں ہوا۔ اس کے پانچ چھ ماہ بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ پر رات کے وقت حملہ کر دیا۔ قریش نے بنو بکر کی ہتھیاروں اور نوجوانوں سے مدد کی۔ اس واقعہ کے مطابق معاہدہ صلح ٹوٹ گیا۔ حضور ﷺ نبی پاک کو اس کی اطلاع ملی۔ مسلمانوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قریش کو خطرے کا احساس ہوا تو تجدید معاہدہ کی کوشش کی۔ حضور ﷺ نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی۔ رمضان ۸ ھ میں بغیر کسی بڑی جنگ کے مکہ فتح ہو گیا۔ صرف چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں۔

فتح مکہ کا دن دریائے رحمت جوش میں تھا۔ رحمت اللعالمین نے، بجز معدودے چند افراد کے، سب کو جان و مال کی امان دے کر اپنے اسوہ حسنہ کی ایسی مثال قائم کی جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اعلان برات میں اعلیٰ اخلاقی قدروں کو نظر انداز نہ کیا گیا۔ یہ اعلان ۹ ھ کے حج کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے میدان عرفات اور منیٰ میں کرایا گیا کہ سب کو خبر ہو جائے۔ یہ فرما کر تسلی دی کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

فتح مکہ کے بعد جب قریش نے حضور ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو عرب کے ایک جنگ جو قبیلے ہوازن کی ایک شاخ جو طائف کے رہنے والے تھے، میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے اپنے قبیلے کی سب شاخوں کو جمع کر کے مسلمانوں کی طرف سے خطرے کا احساس دلایا اور کہا کہ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی قوت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ اس لیے ہمیں مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے پہلے ان پر حملہ کر دینا چاہیے۔ قبیلہ ہوازن کی دو شاخوں، قبیلہ بنو کعب اور بنو کلاب نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا ''اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا محمد ﷺ کے خلاف جمع ہو جائے تو وہ ان سب پر غالب آئیں گے، ہم خدائی طاقت کے خلاف جنگ نہیں کر سکتے'' (م ج ۴ ص ۳۴۴)

اس مہم کا سربراہ مالک بن عوف تھے جو بعد میں ایمان لے آئے۔ کفار کا لشکر ۲۴ یا ۲۸ ہزار نفوس پر مشتمل تھا، جن میں ان کے اہل وعیال بھی شامل تھے۔ یہ لوگ اہل وعیال اور مال متع ساتھ اس لیے لے کر چلے کہ میدان جنگ سے بھاگنے کا امکان کم از کم ہو۔ ایک اندازے کے مطابق ان میں لڑنے والے افراد کی تعداد صرف چار ہزار کے قریب تھی۔

حضور ﷺ کو ان کی جنگی تیاریوں کی خبر ملی تو ان کے مقابلے کا عزم فرما لیا گیا۔ امام زہریؒ کی روایت کے مطابق مسلمانوں کا لشکر ۱۴ ہزار صحابہ پر مشتمل تھا۔ مسلمانوں کے پاس اسلحہ کی

Marfat.com

کی تھی، اس لیے قریش سے کچھ جنگی سامان عاریت کے طور پر حاصل کیا گیا۔ یہ چودہ ہزار مجاہدین کا لشکر جہاد کیلئے نکلا۔ ان کے علاوہ کافی تعداد مکہ کے لوگوں کی، جو صرف تماشائی تھی، ساتھ ہو لی۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اگر موقع مل جائے تو حضور ﷺ سے جنگ بدر کا انتقام لے سکیں۔ مقام حنین پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ دشمن کا سارا قبیلہ معہ ساز و سامان اور اہل وعیال اور مال متع کے ساتھ مقابلے پر آ گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "پرواہ نہ کرو، یہ سارا مال ومتع مسلمانوں کو مال غنیمت کی صورت میں ہاتھ آئے گا۔" (م ج ۴ ص ۳۴۷)

ادھر مالک بن عوف اپنے لوگوں سے یہ کہتا پھرتا کہ "محمد ﷺ کو اب تک کسی بہادر، تجربہ کار قوم سے واسطہ نہیں پڑا، مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا ہے۔ اب ان کو پتہ لگے گا، تم لوگ صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی، بچے اور مال ہو اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو، اور سب مل کر یکبارگی حلہ بول دو"

مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا جس میں ۱۴ ہزار سپاہی تھے اور جنگی سامان پہلے سے زیادہ تھا۔ پہلی جنگوں میں سپاہیوں کی کم تعداد اور جنگی سامان کی کمی کے باوجود مسلمان فتح یاب ہوئے۔ حنین کے موقع پر بعض مسلمانوں کی زبان سے ایسے کلمات نکلے کہ "آج تو ممکن نہیں کہ ہم مغلوب ہو جائیں، آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا" امام بیہقیؒ نے دلائل میں ربیع بن انس سے روایت کیا ہے کہ حنین کے دن ایک شخص نے کہا کہ ہم کسی سے مغلوب نہیں ہونگے۔ حضور ﷺ کو یہ بات ناگوار گزری، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن عباس ج ۱ ص ۵۱۱) (التوبہ ۲۵)۔

اللہ تعالیٰ کو یہی چیز ناپسند تھی کہ صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں کو اس معرکہ کے شروع میں ہزیمت اٹھانی پڑی۔ کفار نے اپنی منصوبہ بندی کے مطابق یکبارگی حلہ بولا اور پھر گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستے بھی جنگ میں شامل ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے، صرف حضور ﷺ اپنی سواری پر آگے بڑھتے رہے۔ حضور کے ساتھ صرف تین سو صحابہ کرام تھے۔ حضور ﷺ نے یہ صورت حال دیکھ حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ "وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی اور سورہ بقرہ والے حضرات

Marfat.com

کہاں ہیں اور وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہیے کہ وہ واپس آئیں اور رسول اللہ ﷺ یہاں ہیں۔" (م ج ۴ ص ۳۴۷)۔ یہ آواز سن کر بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور لوٹ کر بڑی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صورت میں مدد فرمائی۔ ان کا کمانڈر مالک بن عوف سب کچھ چھوڑ کر بھاگ لیا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا پھر باقی فوج بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ ان کے ۷۰ سردار مارے گئے۔

مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان کے بال بچوں پر کسی قسم کی سختی کرنے سے منع فرمایا۔ مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا جو چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی (جو چار من کے برابر ہے) پر مشتمل تھا۔ ان آیات مبارکہ میں مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ تمہیں اپنی کثرت پر غرور آ گیا تھا مگر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ نے حضور ﷺ پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل فرمائی اور فرشتوں سے، جو تمہیں دکھائی نہ دیتے تھے، مدد فرمائی۔ یہ فرشتے عام لوگوں کو دکھائی نہ دیئے مگر کچھ افراد سے فرشتوں کے لشکر کا دیکھنا منقول ہے۔

کفار کے لیے شکست بذات خود ایک بڑی دنیاوی سزا ٹھہری اور جو اس کے بعد بھی اپنے کفر و پر قائم رہے ان کے لیے آخرت میں بھی عذاب ہے۔ توبہ کرنے والے اور ایمان لانے والوں کے لیے اللہ کی رحمت اور مغفرت کی وعید ہے۔

اس معرکہ کے بعد بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ سے اپنے قیدی اور مال غنیمت واپس کرنے کی درخواست کی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لشکر اسلام مال غنیمت کا حقدار ہے۔ اپنے قیدی واپس لے لو یا مال غنیمت یہ لوگ قیدی واپس لینے پر راضی ہو گئے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے اس بارے میں مشورہ فرمایا، سب نے بہ یک آواز خوش دلی سے قیدی واپس کر دینے پر رضامندی ظاہر کر دی۔

اس جنگ سے مسلمانوں کے لیے کئی احکامات اور فوائد سامنے آئے۔

(۱) مسلمانوں کو کسی بھی موقع پر اپنی جمعیت اور طاقت پر غرہ نہ ہونا چاہیے۔ بے سرو سامانی ہو یا فوج کی کثیر تعداد اور جنگی سامان ہو، مومن کی نظر اللہ کی نصرت پر رہنی چاہیے، کہ اللہ کے فضل اور مدد کے بغیر کوئی جنگ نہیں جیتی جا سکتی۔ اللہ پر مکمل بھروسہ اور اعتماد ہی فتح و نصرت سے ہمکنار کرتا ہے۔ جنگ بدر میں دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کے

Marfat.com

پاس فوج کی تعداد اور سامان حرب بہت ہی کم تھا۔ مگر اللہ پر کامل ایمان ہی ان کا سب سے بڑا اسلحہ تھا۔ اللہ نے ان کی غیبی امداد فرمائی اور مسلمان فتح سے ہمکنار ہوئے۔ اس کے برعکس جنگ حنین میں مسلمانوں کی زبان سے بڑے بول نکل گئے جو حضور ﷺ اور اللہ کو ناپسند ہوئے۔ مسلمانوں کو جنگ کے پہلے مرحلہ میں نقصان اٹھانا پڑا مگر بعد میں حضور ﷺ کی استقامت اور اللہ کی غیبی مدد سے مسلمان فتح یاب ہوئے۔

(۲) جنگ کے لیے عاریتاً لیا ہوا سامان حسب وعدہ واپس کر دیا گیا۔ یہ بھی ایک سبق دیا گیا کہ وعدہ نبھانا ہے اور مستعار چیزیں ان کے مالکوں کو لوٹانی ہیں۔

(۳) اس موقع پر حضور ﷺ نے اجتماعی اور انفرادی رائے کی سنت قائم رکھی۔

☆☆☆

Marfat.com

باب دوم

بعثت رسول۔ مومنوں پر اللہ کا احسان

اللہ تعلیٰ نے مخلوق پر بشمول اشرف المخلوقات احسانات کی بارش فرما دی۔ قرآن الحکیم میں اس کا ذکر متعدد مواقع پر کیا گیا ہے۔ ساری نعمتیں عطا فرما کر انسان کو بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دیا بلکہ انبیاء اور رسل بھیجے تا کہ وہ اپنی اس مختصر حیات ارضی میں اپنی زندگی اللہ کے دیئے ہوئے احکامات کے مطابق گزارے، ایک اللہ کی بندگی کرے اور اپنے رب کا شکر گزار ہو۔ سب انبیاء اور رسل کے آخر میں حضور نبی پاک ﷺ کی بعثت فرمائی۔ یہ رحمت، نعمت اور احسان خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے کریم کا جواب تھا۔ سورہ البقرہ (۱۲۸، ۱۲۹) میں اس دعا کا ذکر، جو کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے مانگی تھی، یوں فرمایا گیا ہے **ربنا و اجعلنا** .... **انت عزیز الحکیم** O ترجمہ ''اے رب ہم دونوں کو اپنا (مطیع و فرمانبردار) مطیع بنا (یعنی مجھے اور میرے بیٹے اسمٰعیل کو) اور ہماری نسل سے ایسی قوم اٹھا جو تیری فرمانبردار ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے، تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔''

حضور نبی پاک ﷺ کا ظہور دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا جواب ہے اور حضور نبی پاک ﷺ ایک انسان کامل، امام الانبیاء اور خاتم النبیین کے روپ میں انسانوں کی راہبری کے لیے مشعل نور بن کر آئے اور ایک عالمگیر صراط خیر کا نسخہء کیمیا ساتھ لائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنے اور اپنے بیٹے کے لیے اطاعت گزار ہونے کی دعا مانگی اور اپنی اولاد میں ایک معلم جماعت کی استدعا فرمائی۔ حج کے مناسک سکھائے جانے کی درخواست کی۔ پھر حضور ﷺ کی بعثت کی دعا فرمائی۔ آئندہ نسل کی دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کی دعا مانگی اور یہ رسول ﷺ اپنی اولاد میں سے ہونے کی دعا کی کہ یہ شرف و سعادت اپنی ہی

Marfat.com

نسل کو حاصل ہو۔ اللہ کریم نے یہ دعا قبول فرمالی۔

حضورﷺ کو نبی آخر بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔ مسند احمدؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ ''میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین اس وقت تھا جبکہ آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، بلکہ ان کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا اور میں آپ لوگوں کو اپنے معاملے کی ابتدا بتاتا ہوں کہ میں اپنے باپ حضرات ابراہیم علیہ السلام، کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں'' حضورﷺ کی والدہ ماجدہ نے حالت حمل میں یہ خواب دیکھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اٹھے۔ (م ج ا ص ۳۳۱)

حضورﷺ کی بعثت کا مقصد

البقرہ کی آیت ۱۵۱ میں بھی حضورﷺ کی بعثت اور اس کا مقصد اسی طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ **کما ارسلنا .... مالم تکونوا تعلمون O** ترجمہ ''میں نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسولﷺ بھیجا جو تمہیں میری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے''

سورہ آل عمران (۱۶۴) میں حضورﷺ کی بعثت کو مومنوں پر احسان قرار دیا ہے فرمایا **لقد من اللہ .... ضلل مبین O** ترجمہ ''درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے ''درمیان'' خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے''

یہی مضمون سورہ الجمعہ (۲،۳) میں دوہرایا گیا ہے۔ **ھو الذی .... و ھو العزیز الحکیم O** ترجمہ ''وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہیں میں سے اٹھایا، جو انہیں آیات سناتا ہے، ان کی زندگیاں سنوارتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور (اس رسول کی بعثت) ان دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔''

Marfat.com

مذکورہ بالا ان چاروں آیات میں حضورﷺ کی صفات وفرائض منصبی بیان فرمائی گئی ہے۔ ہر جگہ تھوڑی سی عبارت بدلی ہوئی ہے تاکہ آپ کی بعثت کی غرض وغایت کا کوئی پہلو نظر انداز نہ ہونے پائے۔

البقرہ میں اہل عرب کو بتانا مقصود ہے کہ جس کو تم زحمت سمجھ رہے ہو وہ ایک بڑی نعمت ہے، جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی۔ حضورﷺ نبی پاک کی صفات کو بیان فرمایا گیا ہے کہ مسلمان حضورﷺ کی قدر پہچانیں اور اس نعمت عظمیٰ کی شکرگزاری کریں۔ سورہ آل عمران میں منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کو یہ احساس دلانے کے لیے حضورﷺ کی صفات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو مبعوث فرما کر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور نادانی سے اس کی قدر نہیں کرتے۔

سورہ الجمعہ میں حضورﷺ کی بعثت کا مقصد دوہرایا گیا ہے۔ یہ وہی کام ہے جو پہلے نبی بھی کرتے آئے ہیں۔ یہاں یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ حضورﷺ کی رسالت صرف قوم عرب تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ دعوت حق آفاقی ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے بھی نور ہدایت ہے۔

سورہ الدخان (۴،۵،۶) میں لیلۃ المبارکہ کا ذکر فرما کر بتایا گیا ہے **فیھا یفرق ...... السمیع العلیم** O ترجمہ ''یہ وہ رات تھی جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے، ہم ایک رسول بھیجنے والے تھے تیرے رب کی رحمت کے طور پر، یقیناً وہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں حضورﷺ کی بعثت کو رحمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سورہ التوبہ (۱۲۸،۱۲۹) میں حضورﷺ نبی پاک کو امت کا غم خوار اور شفیق اور مہربان کے القاب سے نوازا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **لقد جاء کم ...... و ھو رب العرش العظیم** O ترجمہ ''دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر گراں گزرتا ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔ اب اگر یہ لوگ تم سے منہ پھیرتے ہیں تو اے نبی ان سے کہہ دو کہ میرے لیے کافی ہے مجھ کو اللہ، کوئی معبود نہیں مگر وہ، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی مالک ہے عرش عظیم کا''۔

Marfat.com

مذکورہ بالا آیات میں حضورﷺ کی صفات اور بعثت کا مقصد واضح کر دیا گیا ہے۔

پہلا مقصد۔ تلاوت قرآن

حضورﷺ نبی کریم کے پہلے شاگرد وہ لوگ تھے جو عربی زبان سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ ان کی تعلیم کے لیے ترجمہ اور تفسیر کی ضرورت نہ تھی مگر تلاوت اور تعلیم کو علیحدہ علیحدہ مقصد قرار دے کر یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ حضورﷺ کے فرائض منصبی میں تلاوت آیات کو جداگانہ حیثیت دی گئی۔ گو کہ قرآن الکریم کا اصل مقصد اس کی تعلیمات کو سمجھنا اور سمجھانا ہے اور اس کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر عمل کرنا ہے، اسی طرح اس کی صحیح تلفظ کے ساتھ، تلاوت بھی عبادت اور ثواب عظیم ہے۔ اگر صرف معانی قرآن کو کسی دوسری زبان میں لکھا جائے تو قرآن کہلانے کا مستحق نہیں۔ قرآن الکریم کا صرف ترجمہ بلا متن قرآن کے لکھنے اور چھاپنے کو ممنوع فرمایا ہے کہ یہ قرآن نہیں کہلا سکتا۔

حضورﷺ اور صحابہ کرامؓ جو معانی قرآن کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے، انہوں نے محض معانی سمجھنے اور عمل کرنے کو کافی نہ سمجھا اور تلاوت قرآن کو حرز جان بنائے رکھا۔ بعض صحابہ کرامؓ روزانہ ایک قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ بعض دو دن اور اکثر تین دن میں ختم کرتے تھے۔ ہفتہ وار قرآن ختم کرنا امت کا معمول رہا ہے۔ قرآن کی سات منزلیں اسی ہفتہ وار معمول کی علامت ہیں۔ جو مسلمان قرآن کے معنی نہیں سمجھتے ان کو بھی اس کی تلاوت کا ثواب ملے گا۔

دوسرا مقصد تعلیم القرآن

تعلیم القرآن ایک جداگانہ فرض ہے۔ اس کے لیے صرف عربی زبان کا جان لینا کافی نہیں ہے بلکہ حضورﷺ کی تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔ کسی بھی مضمون کی کتاب پڑھ لینے سے کوئی ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بن سکتا، بلکہ اس کے لیے معلم کی ضرورت رہتی ہے۔ کلام الٰہی کی معلم صرف وہی ہستی ہو سکتی ہے جس پر وحی کے ذریعے قرآن نازل فرمایا۔ حضورﷺ نبی کریم کو معلم بنا کر بھیجا کہ قرآنی احکامات کی تشریح اور حکمت کی تعلیم دیں اور پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب سکھائیں۔ حضورﷺ نبی کریم نے قرآن پر عمل پیرا ہو کر سنت قائم فرمائی۔

Marfat.com

تیسرا مقصد تزکیۂ نفس

پاکیزگی سے مراد باطنی اور ظاہری پاکیزگی ہے باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اعتقاد فاسدہ، یعنی شرک و کفر، تکبر، بغض وحسد، مال کی محبت اور حب دنیا سے اپنے آپ کو پاک کرنا ہے۔ظاہری تزکیہ لباس، بدن کی صفائی اور طہارت ہے۔ یہ کمال علمی اور فکری سطح سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کسی مربی کے زیر نظر اس کی تربیت حاصل نہ کی جائے۔ حضو ﷺ نبی پاک کے زیر سایہ یہ کمال صحابہ کرامؓ نے حاصل کیا اور ان کی مثال سامنے رکھ کر متاخرین نے بھی تزکیہ نفس کی منازل طے کیں۔ بعد کے آنے والے دور میں اولیاء اللہ نے یہی مقام حاصل کیا کہ اپنے زیر سایہ عقیدت مندوں کو قرآنی احکامات کی عملی تربیت دیں۔

قرآن تعلیمات کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نبیوں اور رسولوں کو عملی نمونہ بنا کر بھیجا کہ ہدایت، تربیت اور تزکیہ نفس کے لیے صرف کتاب کا پڑھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ معلم کا ہونا لازمی ہے۔قرآن الحکیم کے نصاب کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنے کے لیے حضو ﷺ کا اسوہ حسنہ مشعل راہ ہے جو ہمہ وقت مسلمانوں کی راہبری کے لیے ہمہ وقت موجود ہے۔

حدیث مبارک ہے کہ:

''اے لوگو میں تمہارے لیے اپنے بعد دو چیزیں چھوڑتا ہوں، ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہنا تو تم گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری میری اولاد اور اہل بیت'' (ترمذی، م ج اص ۳۳۷)

اور صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضو ﷺ نے فرمایا:

''یعنی میرے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کا اتباع کرو''

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ حضو ﷺ نے فرمایا:

''میرے طریقہ کو اختیار کرو اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو''

قرآن اور تعلیمات رسول پر عمل تا قیامت فرض و لازم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور حضو ﷺ نبی کریم کی تعلیمات بھی احادیث صحیحہ کی مستند کتابوں میں محفوظ ہیں۔

Marfat.com

عمل کی توفیق تعلیم و تربیت اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ جو خوش نصیب حضرات حضورﷺ کے زیر سایہ رہے ان کا ظاہری اور باطنی تزکیہ ہو گیا اور ایک ایسی جماعت صحابہ کرامؓ کی تیار ہوئی جن کے سامنے دنیا کے سارے فلسفے ہیچ ہو گئے۔ انکا تعلق مع اللہ اور اعتماد علی اللہ ایسا تھا کہ وہ نئے پیکروں میں ڈھل گئے۔ حضورﷺ کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا۔ بقول علامہ اقبالؒ

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل میں فولاد ہے مومن

یہی وجہ تھی کہ جس طرف وہ چلتے تھے فتح نصرت ان کے قدم چومتی تھی، اور اسی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں حضورﷺ نبی پاک کی حیات مبارکہ میں ہی ایک مثالی معاشرہ وجود میں آیا اور پھر خلفائے راشدین کے ادوار میں یہی چلن اپنایا گیا۔

آج کل مسلمان ممالک میں ایک معتدل، متوازن نظام تعلیم کی بڑی ضرورت ہے۔ کہیں دنیاوی علوم پر سارا زور لگایا جا رہا ہے اور کہیں دینی مدارس میں صرف دینی تعلیم ہی دی جاتی ہے۔ متوازن نظام تعلیم میں دنیاوی علوم اور دینوی تعلیم دونوں ضروری ہیں کہ جسم و روح کی پرورش ہو سکے۔ اگر نصاب کی کتابوں میں سیرت النبی کو ہر سطح پر شامل کر لیا جائے تو ہمیں کسی دوسرے فلسفۂ حیات کی احتیاج نہیں رہے گی۔

ہمارے معاشرے میں مغربی اقوام کی ناپسندیدہ چال چلن کی جھلکیاں تو دیکھنے میں آتی ہیں البتہ ان کی اچھی اقدار، جو انہوں نے ہمارے اسلاف سے سیکھی ہیں، کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ وقت کی قدر، اللہ اور بندوں کا شکر گزار ہونا، کسی کے گھر بغیر اجازت داخل نہ ہونا، عدل و انصاف قائم کرنا، اور صلہ رحمی ہماری اقدار ہیں اور عین اسوہ حسنہ ہیں۔ اور انہیں میں ہمارے مسائل کا حل ہے۔ ان تعلیمات سے دور ہو کر ہم نے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ عالم اسلام اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر ہی قعر ذلت سے نکل سکتا ہے۔

حضورﷺ پر ایمان لانے اور حق کی دعوت قبول کرنے میں ہی انسانیت کی دین و دنیا کی فلاح ہے۔ رب کریم نے تمام انسانوں کو مخاطب فرما کر کہا (النساء ۱۷۰) یایھا الناس .... علیماً حکیماO ترجمہ ''اے لوگو یہ رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آ گیا ہے، ایمان لے آؤ، تمہارے لیے یہی بہتر ہے اور انکار کرتے ہو تو جان لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے اور اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔''

اللہ نے آفاقی دعوت کا انتظام حضورﷺ کے وسیلے سے فرمایا۔ وہی اللہ پرستش کے

Marfat.com

قابل ہے جو ہر شے پر قادر ہے اور مالک ومختار ہے۔ یہاں مشرکوں کو بتانا مقصود ہے کہ تمہارے خود ساختہ خدا انہیں کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ یہ خدائی نظام میں شریک ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب فرما کر قرآن کی تعلیمات حضور ﷺ کے ذریعے پہنچائیں جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

رکن ہشتم

شیطان کی دشمنی اور اس سے بچنے کے نسخے

باب اول

شیطان کی دشمنی

شیطان انسان کا کھلا دشمن

قرآن الحکیم میں شیطان کو بلاواسطہ اور بلواسطہ انسان کو کھلا دشمن قرار دیا ہے۔ شیطان کے لغوی معنی سرکش، نافرمانبردار کے ہیں۔ ابلیس اور شیطان ایک ہی ہیں۔ ابلیس وہ جو مایوس ہو گیا ہو اور رحمان کے بندوں کو ورغلا کر سرکشی کی مہم جاری رکھے ہوئے ہے۔ شیطان اور رحمان کی راہیں بالکل فرق ہیں۔ انسان کو بہکانے میں جہاں شیطان کا کردار ہے وہاں اس کے نفس امارہ کا بھی حصہ ہے۔ شیطان کی سرکشی کا سبب بھی یہی نفس امارہ تھا۔ گھمنڈ اور اپنی بڑائی کا تکبر اللہ کی فرمانبرداری میں حائل ہو گیا۔

یاایھا الذین آمنوا سے شروع ہونے والی آیات، جن میں شیطان کی پیروی سے منع فرمایا گیا ہے، دو ہیں۔ البقرہ ۲۰۸ اور النور ۲۱۔ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن الحکیم میں مختلف مواقع پر اس کے بہکانے کے طریقے بیان فرما دیئے ہیں تاکہ انسان آگاہ رہے اور یہ رب رحمان کا احسان ہے کہ ہم اپنے اس ازلی دشمن سے بچنے کا اہتمام کریں۔

قرآن الحکیم میں شیطان کا ذکر بلاواسطہ کم و بیش ۷۵ مرتبہ اور بالواسطہ ۷ مرتبہ فرمایا ہے۔ ۶۸ مرتبہ شیطان اور ۷ مرتبہ ابلیس کہہ کر اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ قریب قریب سات مرتبہ شیطان کو کھلا دشمن قرار دیا ہے۔ شیطان ہر برے کام کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ شیطان زبردستی

Marfat.com

کسی سے ایسا کام نہیں کرواتا بلکہ دلوں میں وسوسہ ڈال دیتا ہے اور جب کسی چیز کے بارے میں شک کا بیج بو دیا جائے تو کمزور انسان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ شیطان کا طریقہ واردات ہر دفعہ مختلف ہوتا ہے اور اس کا زور میل رکھنے والے دلوں اور منافقوں پر خوب چلتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس کے نیک اور مخلص بندوں پر اس کا وار خالی جاتا ہے اور اگر کبھی ایسے لوگ لغزش کا شکار ہو بھی جائیں تو رب کریم ﷺ کی رحمت سے وہ جلد اس کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

شیطان کا سب سے پہلا وار

سب سے پہلا وار اس نے آدم علیہ السلام پر کیا۔ خالق کائنات نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے فرمائی اور اس میں اپنی روح پھونک کر ایک جیتا جاگتا، باشعور انسان کو زندگی بخشی، حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر اللہ کی کتاب میں ۲۵ مرتبہ آیا ہے اسے اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرمایا۔ سورہ بنی اسرائیل (۷۰) میں فرمایا ولقد کرمنا بنی آدم .... تفضیلاً O ترجمہ ''اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور انہیں بحر و بر میں سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا اور انہیں اپنی کثیر مخلوقات پر بڑی فضیلت دی۔''

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اشیاء کا علم عطا فرما کر برتری عطا فرمائی۔ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سارے فرشتے سجدہ بجا لائے مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ ابلیس کو اپنی تخلیق پر گھمنڈ تھا اور اسی تکبر اور نافرمانی کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا مگر قیامت تک انسانوں کو بہکانے کی مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی اور ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا زور نہ چلے گا۔ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کا واقع، سورہ البقرہ ۳۴، سورہ الاعراف ۱۱، سورہ الحجر ۳۰، ۳۱، سورہ الکہف ۵۰، سورہ بنی اسرائیل ۶۱، سورہ ص ۷۲، ۷۳، اور سورہ طٰہٰ ۱۱۶ میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور اماں حوا کو جنت میں آباد کیا مگر ایک شجر ممنوعہ کا پھل کھانے سے منع فرما دیا مگر شیطان کے دھوکے میں آ کر ان سے لغزش ہوئی اور ممنوع شجر کا پھل کھا

Marfat.com

لیا۔اپنی لغزش کا احساس ہوتے ہی نادم ہوئے۔رب کریم نے اپنی کمال مہربانی سے ان کو توبہ کی دعا سکھائی اور توبہ قبول فرما کر جنت سے زمین پر خلیفۃ الارض بنا کر بھیجا۔(دعائے آدم الاعراف ۲۳)قالا ربنا .... من الخاسرین O ترجمہ''دونوں بول اٹھے''اے رب، ہم نے اپنے اوپر ستم کیا،اب اگر تم نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے''الاعراف ۲۷ میں بنی آدم کو شیطان کے فتنے سے آگاہ کیا گیا ہے فرمایا یابنی آدم .... لایومنون O ترجمہ''اے بنی آدم،ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تا کہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے۔وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''

شیطان راہ حق کا دشمن

شیطان کے پیرو انسان بھی شیطان ہیں اور جنوں میں بھی شیطان ہیں،اور ان کو ہر نبی کا دشمن بنایا۔الانعام (۱۱۲) میں رب تعالیٰ نے فرمایا و کذالک جعلنا .... ومایفترون O ترجمہ''اور ہم نے اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے پر خوش آئند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے ہیں۔اگر تمہارے رب کی مشیت یہ ہوتی کہ وہ ایسا نہ کریں تو وہ کبھی نہ کرتے۔پس تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کہ اپنی افترا پردازیاں کرتے رہیں''

حضور ﷺ نبی کریم سے فرمایا جا رہا ہے کہ شیاطین جن وانس سب مل کر بھی تمہارے خلاف مہم جوئی کریں تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ہر زمانے میں جب کوئی پیغمبر دعوت حق لے کر آیا تو تمام شیطانی قوتیں اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی رہیں اور حق کا راستہ روکنے کی کوشش کرتی رہیں۔ہر تدبیر اور ہر چال کو دلفریب دھوکہ کا لبادہ اوڑھا کر لوگوں کو گمراہ

Marfat.com

کیا جاتا رہا ہے۔ دولت، امارت، سرداری، عیاشی اور بندشوں سے آزادی کا چکمہ دیا جاتا رہا جو ہمیشہ حق کی راہ میں بودا ثابت ہوا اور ہوتا رہے گا۔

نبی پاک ﷺ کو بھی شیطان انسانوں نے ہر قسم کا دنیاوی لالچ دینے کی کوشش کی اور مال و دولت، سرداری، بادشاہت اور حسین عورتوں وغیرہ سے راہ حق سے ہٹانے کی سعی کی۔ حضور ﷺ کے چچا ابو طالب کا جب آخری وقت نزدیک آیا تو ان کفار و مشرکین کو فکر لاحق ہوئی کہ ان کی موت کے بعد ہم محمد ﷺ پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔ ان کا ایک وفد ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو ایذا اور تکلیف پہنچا رکھی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو بلا کر سمجھائیں کہ ہمارے بتوں معبودوں کو برا نہ کہیں تو ہم اس پر صلح کر لیں گے کہ وہ اپنے دین پر جس طرح چاہیں عمل کریں، جس کو چاہے معبود بنائیں، ہم ان کو کچھ نہ کہیں گے۔ ابو طالب نے آنحضرت کو بلایا اور سمجھایا۔ آپ نے وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں اور ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیں اور برا نہ کہیں اور ہم آپ کے معبود کو چھوڑ دیں گے اور اس طرح باہمی مخالفت ختم ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں تو کیا تم ایسا کلمہ کہنے کو تیار ہو جاؤ گے جس کے کہنے سے تم سارے عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارے تابع اور باجگزار بن جائیں گے۔ ابو جہل بولا کہ ایسا کلمہ ایک نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں، بتلایئے وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا **لاالہ الا اللہ** ۔ یہ سنتے ہی سب غضب میں آ گئے۔ ابو طالب نے کہا کہ بھتیجے اس کے سوا کوئی اور بات کہو کیونکہ آپ کی قوم اس کلمہ سے گھبرا گئی ہے۔ آپ نے فرمایا چچا جان میں تو اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا کلمہ نہیں کہہ سکتا، اگر وہ آسمان سے آفتاب اتار لائیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دیں جب بھی میں اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا ہرگز نہیں کہوں گا۔ اس پر وہ ناراض ہو کر کہنے لگے کہ یا تو آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز رہیں ورنہ ہم بھی، اس ذات کو، جس کے رسول ہونے کا آپ دعویٰ کرتے ہیں، گالی دیں گے۔ اس پر سورہ الانعام کی آیت ۱۰۸ نازل ہوئی۔ فرمایا **ولاتسبوا** .... **بما کانوا یعلمون** O ترجمہ ''(اے ایمان والو) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت

Marfat.com

کی بناپر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس عمل کو خوش نما بنا دیا ہے، پھر انہیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر آنا ہے، اس وقت وہ انہیں بتا دیگا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔'' اس قرآنی حکم سے مسلمانوں کو معبود باطلہ کے بارے میں سخت کلمہ کہنے کی ممانعت فرما دی ہے۔ قرآن میں بتوں کے بارے میں جو بھی کہا گیا ہے وہ حقیقت کو سمجھانے کے لیے کہا ہے۔ بتوں کی بے حسی، بے شعوری، ان کا اندھا، بہرہ اور گونگا ہونا بیان کرنے سے یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ **ضعف الطالب و المطلوب** یعنی یہ بت بھی کمزور اور ان کے پوجنے یا چاہنے والے بھی کمزور ہیں۔ بتوں کو جہنم کا ایندھن قرار دینے کا مقصد بھی گمراہی کے انجام سے آگاہ کرنا ہے۔ فقہا کے نزدیک اس آیت کا مشرکین کے چڑانے کے لیے بھی تلاوت کرنا ممنوع میں داخل ہے۔ اس آیت کی رو سے مسلمانوں کو بدکلامی کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں ان کو حق کے قریب لانے کی بجائے اور دور کر دیں گے۔

کسی جائز کام کرنے سے فساد کا خطرہ ہو تو اس سے باز رہنا چاہیے۔ بتوں کو رد کرنا، غیرت ایمانی کے تقاضے سے، جائز ہے مگر چونکہ اس سے یہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے جواب میں کفار اور مشرکین رب العزت کی شان میں گستاخی کریں، اس لیے اس جائز کام سے منع فرما دیا گیا ہے۔

حدیث شریف میں اس کی ایک مثال ملتی ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی نہ دے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو کسی شخص سے ممکن ہی نہیں کہ اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ فرمایا کہ ''ہاں انسان خود تو گالی نہیں دیتا لیکن جب وہ کسی دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دے تو اس کے نتیجے میں وہ دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی دے تو اس گالی کا سبب یہ بیٹا بنا تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے خود گالی دی۔''

فساد کے احتمال سے بعض جائز کام ممنوع قرار دیئے گئے ہیں بشرطیکہ وہ اسلام کے مقاصد اور فرض کاموں میں سے نہ ہوں۔ فرائض، واجبات یا سنتیں موکدہ یا شعائر اسلامی کو ادا کرنے سے اگر غلط فہمی یا فساد کا خطرہ ہو تو ان کاموں کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے۔

اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں ابوجہل اور رؤسا قریش کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی

Marfat.com

گفتگو سے یہ تشرح ہوتا ہے کہ قریشی سرداراس پر صلح کرنا چاہتے تھے کہ آپ توحید کی تبلیغ چھوڑ دیں، جس کے جواب مین حضورﷺ نبی پاک نے فرمایا کہ میں یہ کام کسی حال میں بھی نہیں کرسکتا چاہے آفتاب اور مہتاب لاکر میرے ہاتھ پر رکھ دیئے جائیں۔

حضورﷺ نبی کریم کا کام دین پر خود قائم رہنا اور دوسروں تک پیغام حق پہنچانا ہے، پھر بھی اگر وہ ہٹ دھرمی کرنے لگیں تو ان کی فکر میں حضورﷺ کو فکر مند نہ ہونا چاہیے۔

کسی کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں اگر زبردستی ہی بنانا ہوتا تو حق تعالیٰ سے زبردست کون ہے، وہ خود ہی سب کو مسلمان بنا دیتا۔ یہ کفار اور مشرکین معجزوں کے طالب رہتے اور ان کی فرمائش پر اگر فرشتوں سے، مردوں سے گفتگو بھی کرادی جائے جب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ حضورﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن الحکیم ہے، جس کی مثل ایک آیت بھی یہ سب مل کر نہ لا سکے۔ پھر واقع معراج ان لوگوں کے لیے بڑی آزمائش بن گیا۔ یہ لوگ پھر بھی شیطان کی راہ پر چل کر حق کی دشمنی سے باز نہ آئے۔

سورہ الحج (۵۲،۵۳) میں حق تعالیٰ نے حضورﷺ سے خطاب فرمایا ہے۔ فرمایا

وما ارسلنا من .... شقاق بعید O ترجمہ "اے محمدﷺ تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی (جس کے ساتھ یہ معاملہ نہ پیش آیا ہو) جب اس نے تمنا کی شیطان اس کی تمنا میں خلل انداز ہوگیا۔ اس طرح جو کچھ بھی شیطان خلل اندازیاں کرتا ہے، اللہ ان کو مٹا دیتا ہے۔ اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے، اللہ علیم ہے اور حکیم۔ (وہ اس لیے ایسا ہونے دیتا ہے) تاکہ شیطان کی ڈالی ہوئی خرابی کو فتنہ بنا دے، ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں کو (نفاق کا) روگ لگا ہوا ہے اور جن کے دل کھوٹے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ عناد میں بہت دور نکل گئے ہیں۔"

ان آیات میں رسول اور نبی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کو یہ منصب قوم کی اصلاح کے لیے عطا ہوا ہے، خواہ اس کے پاس وحی آتی ہو، خواہ مستقل کتاب اور شریعت دی جائے یا پہلے نبی ہی کی کتاب اور شریعت کی نیابت پر مامور ہو، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات اور اسی کی شریعت کی تبلیغ و تعلیم کے لیے مامور تھے۔

Marfat.com

رسول کا لفظ نبی کی بنسبت خاص ہے۔ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ رسول کا لفظ ان جلیل القدر ہستیوں کے لیے بولا جاتا ہے جن کو عام انبیاء کی بنسبت اہم نصب سپرد کیا گیا ہو اور جن کو مستقل شریعت اور کتاب عطا ہوئی ہو۔

اہم منصب والے کم اور نبی زیادہ ہوئے ہیں۔ ایک حدیث امام احمدؒ نے حضرت ابوامامہؓ نے اور حاکم نے حضرت ابوذرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ۳۱۳ یا ۳۱۵ بتائی اور انبیاء کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی۔ (ت ج ۳ ص ۲۷۱)

اس آیت مبارکہ کے صاف اور سیدھے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی نبی یا رسول تمنا کرتا ہے یعنی اللہ کا کلام پڑھ کر لوگوں کو سناتا ہے تاکہ لوگ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں تو شیطان اس میں رخنے ڈالتا ہے، کفار کے دلوں میں شبہ ڈال دیتا ہے اور کلام اللہ کو عجیب عجیب معنی پہناتا ہے جس کے نتیجے میں کفار اور مشرکین انبیاء سے مجادلہ کرنے لگتے ہیں۔ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کو دور فرما دیتا ہے اور اپنے فرمان کو پختہ کر دیتا ہے۔

شیطان کی فتنہ پردازیاں

شبہ شیطان کی ڈالی ہوئی آزمائش ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو جائے۔ جن کے ذہن بگڑے ہوئے ہیں اور دلوں میں کھوٹ ہے وہ شیطان کی راہ پر چل نکلتے ہیں۔ صاف ذہن کے لوگ حق کی بات پر یقین رکھتے ہیں۔ حق کی دعوت خیر راستی کی راہ پر ڈال دیتی ہے، اسی لیے شیطان اتنا تلملا اٹھتا ہے۔

اس آیت کے نزول کے وقت حضور ﷺ کی دعوت اس مرحلے میں تھی کہ بظاہر آپ ﷺ اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب نہ لگتے تھے۔ کفار اور مشرکین نے مٹھی بھر مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن کر دیں کہ آپ ﷺ ان مسلمانوں کے ساتھ مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حضور کو بتایا گیا کہ ایسا ہر پہلے آنے والے رسول اور نبی کے ساتھ ہوا، مگر آخر فتح حق کی ہوئی۔

Marfat.com

مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ مخالفین کی تکلیف دہ باتوں سے مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ تکذیب کرنے والے بالآخر انجام بد سے نہیں بچ سکتے۔ عذاب فوری طور پر نہیں آتا بلکہ رب تعالیٰ مہلت عطا فرماتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنے میں ۹۱۰ سال کی مہلت دی گئی کہ بعثت کے وقت آپ کی عمر صرف ۴۰ سال تھی۔

ایک غیر مصدقہ روایت نے اس آیت کے سیدھے سادھے مفہوم میں ایسا گھپلا ڈالا کہ دین کی بنیاد ہی خطرے میں ڈال دی۔ اس آیت کی غلط تفسیر شیطانی وسوسوں کا مظہر ہے۔ بعض کتب میں اس واقع کو غرانیق کے نام سے لکھا گیا ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک یہ واقع ثابت نہیں ہے۔ یہ صرف ملحدین کی ایجاد ہے اور شیطان ایسی باتوں کو لے اڑتا ہے کہ دلوں کو حق سے پھیر دے۔

یہ غلط واقع یوں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی تمنا تھی کہ کاش قرآن میں کوئی ایسی آیت نازل ہو جائے جس سے کفار قریش اسلام کی طرف راغب ہو جائیں اور مخالفانہ سرگرمیاں کم ہو جائیں۔ ایک روز حضور ﷺ قریش کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ سورہ نجم نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے اسے پڑھنا شروع کیا، جب اس آیت پر پہنچے جس میں لات منات اور العزیٰ کا ذکر ہے کہ یکا یک آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سجدہ کیا۔ قریش نے کہا اب ہمارا محمد ﷺ سے کوئی اختلاف نہیں کہ خالق اور رزاق تو اللہ ہی ہے مگر ہمارے معبود اللہ کے حضور ہماری شفاعت کریں گے۔ شام کو جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر فرمایا کہ یہ آپ ﷺ نے کیا کیا؟ میں تو یہ دونوں فقرے نہیں لایا تھا۔ اس پر آپ ﷺ سخت رنجیدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۷۳ یا ۷۵ نازل فرمائیں۔ فرمایا و ان کادو لیفتنونک .... علینا نصیرا O ترجمہ ”اے محمد ﷺ ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ لو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہیں تھا کہ اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا جھک جاتے، اگر تم ایسا کرتے تو

Marfat.com

ہم تمہیں دنیا میں دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں دوہرے عذاب کا، پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔"

بنی اسرائیل کی ان آیات کا غلط مطلب اخذ کیا گیا کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے جبکہ یہ آیات واقع معراج کے بعد اتریں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اس فعل پر پانچ چھ سال بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور سورہ الحج کی آیت ۵۲ سورہ بنی اسرائیل کی آیات کے ڈھائی سال بعد نازل ہوئی۔ تب یہ اعلان کیا گیا کہ یہ آمیزش تو القائے شیطانی سے ہوگئی تھی، اللہ نے اسے منسوخ کر دیا ہے اور آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ تم سے پہلے بھی انبیاء کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے۔ اس پر گھبراؤ نہیں۔

سورہ بنی اسرائیل کی ان آیات کا سیدھا سادھا مفہوم ہے۔ ان میں حضور ﷺ کو پیش آنے والے حالات کی طرف اشارہ ہے کہ مکہ میں کفار کی ہر طرح سے یہ کوشش ہوتی کہ کسی نہ کسی طرح ان کے شرک اور جاہلیت کی رسوم سے کچھ نہ کچھ مصالحت فرمالیں اور اس غرض سے ان شیطان نما انسانوں نے آپ ﷺ کو فتنے میں ڈالنے کی ہر کوشش کی۔ لالچ، فریب، دھمکیاں، ایذائیں اور غلط بیانی، ظلم، معاشی دباؤ، یہ سب کچھ کیا مگر حضور ﷺ پر یہ وار کارگر نہ ہوئے۔ اللہ نے تبصرہ فرماتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرمائیں۔

(۱) رسول اور نبی کوئی عام آدمی نہیں اس لیے اگر حضور ﷺ باطل سے سمجھوتہ کر لیتے تو اللہ کی ناراضگی کو دعوت دیتے جو دنیا اور آخرت میں دوہری پکڑ کا موجب بن جاتا۔

(۲) انسان خواہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو خود اپنے بل بوتے پر باطل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جب تک اللہ کی مدد اور توفیق شامل نہ ہو۔ باطل سے ٹکراؤ کی ہمت اور ثبات اللہ کا بخشا ہوا تھا جس کی بدولت آپ ﷺ حق پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔

ان آیات میں نبی یا رسول کے کفار کے فتنے میں مبتلا ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ واقع غرانیق، امام بیہقیؒ، قاضی فیاضؒ، محمد بن اسحٰقؒ، شیخ ابو صفور ماتریدیؒ، اور ابن عربیؒ کی تصریح کے مطابق غیر ثابت، بے سند، اور گھڑا ہوا ہے اور اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ (تفسیر ابن عباسؓ ج ۲ ص ۳۱۳)

جو واقع یا قصہ حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے میل نہ کھاتا ہوا سے رد کر دینا ہی بہتر ہے۔

Marfat.com

اس واقع کے بارے میں حضور ﷺ سے منسوب کلمات اور روایت میں فرق ہے۔ کسی نے روایت کی کہ یہ وحی میں شیطان نے آپ پر القا کرائے۔

کسی نے کہا کہ یہ الفاظ سہواً آپ کی زبان سے نکل گئے۔ کسی نے کہا آپ کو اونگھ آ گئی تھی اور اس حالت میں یہ الفاظ نکلے۔ کسی نے کہا کہ شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر یہ الفاظ کہے۔ یہ سب منقطع روایات ہیں اور رد کر دی گئی ہیں۔ (ت ج ۳ ص ۲۴۰)۔ اللہ تعالیٰ نبیوں اور رسولوں کو شیطان سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نبیوں اور رسولوں کی شیطان اور شیطان نما انسانوں کے شر سے حفاظت

حضرت ایوب علیہ السلام کو بھی آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ صابر اور شاکر رہے اور اللہ نے اپنی رحمت سے ان کو بیماری سے شفا عطا فرمائی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر قرآن الحکیم میں پہلے سورہ النساء (۱۶۳) اور سورہ الانعام (۸۴) اور سورہ انبیاء میں کیا گیا ہے۔ سورہ الانبیاء آیہ ۸۳، ۸۴ میں حضرت ایوب علیہ السلام کے حالات زیادہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ سورہ ص (۴۱، ۴۴) میں حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے جو آپ نے بڑی مضطرب حالت میں مانگی تھی۔ فرمایا **واذکر عبدنا ایوب .... انه اواب O** ترجمہ "اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (بارالٰہی) شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔ (ہم نے حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مار، یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے کے لیے۔ ہم نے اس کے اہل وعیال واپس دیئے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور اپنی طرف سے رحمت کے طور پر، عقل اور فکر رکھنے والوں کے لیے درس کے طور پر۔ اور ہم نے اس سے کہا تنکوں کا مٹھا لے اور اس سے مار، اپنی قسم نہ توڑ، ہم نے اسے صابر پایا، بہترین بندہ، اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا۔"

یہاں شیطان کی ایذا اور تکلیف کا یہ مطلب نہیں کہ شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام کو بیماری میں مبتلا کر رکھا ہے اور مصائب والام میں ڈال دیا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو

Marfat.com

اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ ایک طرف تو بیماری کی شدت، اقربا اور رشتے داروں کا منہ موڑ لینا ہے اور دوسری طرف شیطان اپنے وسوسوں سے مجھے تنگ کر رہا ہے، مجھے مایوس اور ناشکرا بنانا چاہتا ہے کہ صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ شیطان کو صرف وسوسہ اندازی ہی کی طاقت دی گئی ہے، اسے یہ اختیار نہیں کہ اللہ کہ بندگی کرنے والوں کو بیماری میں مبتلا کر دے اور جسمانی تکلیف دے کہ اللہ کے خالص بندے اس کی ناشکری کر بیٹھیں۔

شیطانی وسوسوں کے بارے میں ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ فرشتوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بہت تعریف کی جس پر شیطان کو سخت حسد ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کہ کہ مجھے اس کے جسم اور مال و اولاد پر ایسا تسلط دے، جس سے میں ان کے ساتھ جو چاہوں کروں۔ اللہ تعالیٰ کو بھی حضرت ایوب کی آزمائش مقصود تھی اس لیے شیطان کو ایسا کرنے کی اجازت دے دی۔ مفسرین نے اس قصے کی تردید کی ہے کہ قرآن الحکیم کے فرمودات کے مطابق انبیاء پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا، اس لیے شیطان کو یہ قدرت حاصل نہیں تھی کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کو بیماری میں مبتلا کر سکے جس کی وجہ سے آپ کے عزیز و اقارب اور اہل و عیال آپ سے دور ہو جائیں اور مزید آزمائش کا باعث بنیں۔

یہاں حضرت ایوب علیہ السلام کو شیطان کے رنج و تکلیف پہنچانے سے مراد وہ وسوسے ہیں جو شیطان ان کے دل میں ڈالنے کی کوشش کرتا تھا، جس سے آپ کو بہت تکلیف پہنچتی۔ (م ج ۷ ص ۵۲۱)

حضرت تھانوی نے اس کی بہت اچھی تفسیر بیان کی ہے۔ کہ

''ایک بار شیطان بشکل طبیب حضرت ایوب علیہ السلام کی بی بی کو راستے میں ملا انہوں نے اس کو طبیب سمجھ کر درخواست کی۔ اس نے کہا اس شرط پر کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے ان کو شفا دی اور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا۔ بی بی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا، انہوں نے فرمایا کہ بھلی مانس وہ تو شیطان تھا، میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیدے تو میں تجھے سو قمچیاں ماروں گا۔ آپ کو اس سے سخت رنج پہنچا کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ خاص میری بی بی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہتا ہے جو بظاہراً موجب شرک ہو

Marfat.com

گوتاویل میں شرک نہ ہو(بیان القرآن ۲، ج ۱۰ص ۱۰)

حضرت ایوب علیہ السلام گوازالہ مرض کے لیے پہلے بھی دعا فرماتے تھے مگر اس میں شیطان کا کوئی ذکر نہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی جسمانی بیماری ایسی تھی کہ سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا تھا۔ اس وجہ سے سب اقربا سوائے ان کی بیوی کے، ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اللہ کے حکم سے زمین پر پیر مارتے ہی ایک چشمہ نکل آیا، اس کے پانی پینے اور غسل کرنے سے حضرت ایوب علیہ السلام صحت یاب ہو گئے تو سارا خاندان ان کے پاس لوٹ آیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مزید اولاد عطا فرمائی۔

عقل والوں کے لیے سبق ہے کہ اچھے اور برے دونوں حالات میں صبر و شکر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ رہا قسم کا معاملہ جو حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بی بی کو مارنے کی کھائی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت یاب فرمایا تو ان کو قسم پورا کرنے کی پریشانی لاحق ہوئی کہ قسم پوری کرنے کی صورت میں ایک بے گناہ کو مارنا پڑے گا اور قسم توڑنے سے گنہگار ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے، ان کی بی بی کے لیے جس نے ان کی بہت خدمت کی تھی، خاص رعایت فرمائی کہ ایک جھاڑ ولو جس کے ۱۰۰ تنکے ہوں تو ایک ہی ضرب لگانے سے ۱۰۰ قمچوں کی شرط پوری ہو جائے گی۔

اس رعایت سے مخصوص حالات میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک زانی پر حد جاری فرمائی وہ بیمار اور لاغر تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک ٹہنا کھجور کا لو جس میں سو شاخیں ہوں اور اس سے بیک وقت ایک مار دو۔ حضور ﷺ نے مریض اور ضعیف کے لیے حد جاری کرنے کا یہی طریقہ مقرر فرمایا۔ حد پوری کرنے سے جان لینا مقصود نہیں بلکہ مجرم کو سزا ضرور دینا ہے۔ مجرم کے لیے یہ سزا چاہے کتنی ہلکی کیوں نہ ہو باعث ندامت ہوتی ہے اور سزا کا یہی پہلو خود ایک سزا ہے۔ (ت ج ۴ص ۳۴۱)

آیت ۴۴ میں حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف فرمائی گئی ہے کہ وہ صابر، نیک اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔ آپ کی اس خصلت سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ کے نیک بندے، مصائب اور آلام میں، اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔ بیماری میں علاج معالجہ کرنا جائز ہے۔ مگر اس مقولہ پر کہ ''دوا منجانب طبیب شفا من جانب اللہ'' پر کامل ایمان رکھنا ہے۔ اور

Marfat.com

مصیبت چاہے کتنی بھاری ہی کیوں نہ ہو، دوسرے کے آستانوں پر ہاتھ پھیلانا، شیطان کی راہ پر چلنا ہے۔ البتہ دعا کے لیے آپ دوسروں کو کہہ سکتے ہیں کہ دعا اللہ ہی سے مانگی ہے۔

شیطان سے پناہ مانگنا

شیطان بندوں کو اپنے وسوسوں کے جال میں پھسلانے کی کوشش مسلسل کرتا رہتا ہے اور اللہ اپنے مخلص بندوں کو اس کے چنگل سے چھڑوانے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال دیتا ہے۔ گو کہ انبیاء کرام کو، اللہ اپنی رحمت اور فضل سے، شیطان کے تسلط سے محفوظ فرماتا ہے مگر پھر بھی انہیں شیطان سے پناہ مانگنے کو کہا گیا ہے۔ المومنون (۹۷، ۹۸) میں حضور نبی کریم ﷺ سے دعا فرمانے کو کہا گیا ہے۔ فرمایا وقل رب اعوذبک ...... ان یحضرون O ترجمہ'' (اے محمد ﷺ) اور کہو (دعا کرو) کہ اے پروردگار میں شیطانوں کی اکسائیوں (وسوسوں) سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے پروردگار میں تو اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آموجود ہوں۔''

حضرت عبداللہؓ بن عباس نے تفسیر ج ۲ ص ۳۳۶ میں اس آیات میں حضور ﷺ کو شیطان کے ایسے وسوسوں سے، جن سے انسان سے خلاف مصلحت کام سرزد ہو جائے، پناہ مانگنے کی دعا فرمانے کو کہا گیا ہے۔ اور یہ کہ شیطان میرے پاس آئیں خواہ تلاوت قرآن کریم کے وقت یا موت کے وقت۔

قرآن الکریم کی ان آیات میں ایک جامع دعا سکھائی گئی ہے۔ شیطان کے مکروشر سے بچنے کے لیے حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اس دعا کی تلقین فرمائی ہے تا کہ غصہ اور غیظ وغضب کی حالت میں جبکہ انسان کو اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا اور شیطان کے دباؤ میں آجاتا ہے، اس سے محفوظ رہیں۔ شیطان کے ہر حربے سے بچنے کی یہ مجرب دعا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''شیطان تمہارے ہر کام میں، ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کا وسوسہ ڈالتا رہتا ہے'' اس سے پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی۔ (م ج ٦ ص ۳۳۰)

Marfat.com

شیطان نماز میں، قرآن کی تلاوت میں رب تعالیٰ سے دھیان ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ وعظ و نصیحت میں اشتعال انگیزی کی طرف راغب کرتا ہے۔ غصہ کی حالت میں وہ آپ کو غلط کام کرنے کی طرف راغب کرتا ہے۔ دعوت حق کا کام ٹھنڈے دل سے ہی ہو سکتا ہے مگر شیطان جو اس کام کو فروغ پاتے نہیں دیکھ سکتا، وہ داعی حق پر حملے پر جوابی حملے کے لیے اکساتا ہے۔ مگر نفس کے پجاری گالی کا جواب گالی سے دے کر فساد کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ آج کل کے فرقہ پرست علماء غیض و غضب میں آ کر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اس طرح فتنہ و فساد اور قتل و غارت کی نوبت آ جاتی ہے۔

شیطان ہر جانب سے حملہ آور ہوتا ہے۔ سورہ الاعراف (۱۶، ۱۷) میں رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قال فبما............ اکثرھم شکرین O ترجمہ "(شیطان بولا) اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا۔ آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔"

اس سورہ مبارکہ میں آیت ۱۱ سے ۲۳ تک شیطان کی سرکشی کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ آدم علیہ السلام کا وسوسہ میں پڑنے، لغزش کے مرتکب ہونے، اور اللہ سے توبہ کے دعائیہ کلمات کا بیان ہے۔ شیطان جب سرکشی پر اترا آیا اور اپنے راندہ درگاہ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی مہلت مانگی جو یوم وقت معلوم تک دے دی گئی۔ یہ مہلت پہلا صور پھونکنے تک ہے کہ جب ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ یوم بعث تو پھر دوبارہ جی اٹھنے کا دن ہے، اگر اس دن تک مہلت دی جاتی تو شیطان اس دن تک زندہ رہتا حالانکہ پہلے صور پھونکنے کے بعد سوائے رب تعالیٰ کی ذات کے کچھ زندہ نہ رہے گا۔

شیطان کو کسی نے سرکشی پر نہیں اکسایا، وہ اپنے نفس کے تکبر کا شکار ہوا، اس کے بدلے اس نے بندوں کو بہکانے کی اجازت مانگ لی اور اس کے نتیجے میں خال خال لوگ ہی اللہ کے خالص بندے ہونگے اور زیادہ تر لوگ ناشکری کرنے والے ہونگے۔ شیطان آگے پیچھے، دائیں بائیں یعنی ہر سمت سے اور ہر پہلو سے گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ

Marfat.com

میں یہ مذکور ہے کہ ''شیطان انسان کے بدن میں داخل ہو کر خون کی رگوں کے ذریعے پورے بدن انسان پر تصرف کرتا ہے'' (م ج ۳ ص ۵۳۹)

اللہ نے شیطان کو وسوسے ڈالنے کی اجازت دے دی لیکن اس کے ساتھ ایک شرط لگا دی یعنی میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار نہ ہوگا، تو صرف اس بات کا مجاز ہوگا کہ لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات اور وسوسے ڈالے، سبز باغ دکھائے، برے کو اچھا کر کے دکھائے، بخیل کو خرچ کرنے سے روکے کہ دولت خرچ کرنے سے اس کا گھاٹا پڑ جائے گا یعنی صدقہ وخیرات دینے سے دولت کم ہو جائے گی، مگر تو ہاتھ پکڑ کر کسی کو زبردستی اپنے راستے پر چلانے کا مجاز نہ ہوگا۔ روز حساب شیطان کی راہ پر چلنے والے جب اسے مورد الزام ٹھہرائیں گے تو شیطان یہی عذر پیش کرے گا کہ میں نے تمہیں اپنی پیروی پر مجبور نہیں کیا، میں نے صرف تمہیں اپنی راہ پر بلایا اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ لہٰذا اب میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں، تم خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔

یوں تو شیطان کو گمراہ کرنے کی اجازت دی گئی مگر اللہ تعالیٰ نے شیطان مردود کو بھی زمین کی دوسری مخلوقات کی طرح زمینی خطے میں مقید کر دیا۔ شیاطین کی رسائی عالم بالا تک نہیں ہے۔ سورہ الحجر (۱۷،۱۸) میں فرمایا گیا ہے وحفظنھامن .... شھاب مبین O ترجمہ ''یہ ہماری کارفرمائی ہے کہ آسمان میں ہم نے بہت سے محفوظ قلعے بنائے، ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کیا اور ہر شیطان مردود سے ان کو محفوظ کر دیا، کوئی شیطان ان میں راہ نہیں پا سکتا الا یہ کہ کچھ سن گن لے لے اور جب وہ سن گن لینے کی کوشش کرتا ہے تو ایک شعلہ روشن اس کا پیچھا کرتا ہے۔''

برج بڑے محل یا قلعہ کو کہتے ہیں۔ قدیم علم ہیئت میں برج کا لفظ ان بارہ منزلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن پر سورج کے مدار کو تقسیم کیا گیا ہے۔ یہاں برج سے مراد عالم بالا کے وہ خطے ہیں، جن میں ہر خطے کے درمیان مستحکم غیر مرئی سرحدیں ہیں۔ سورہ الفرقان آیت ۶۱ میں بھی فرمایا گیا ہے ''بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ (سورج) اور ایک چمکتا ہوا چاند روشن کیا'' آسمان سے مراد فضائے آسمانی ہے جسے خلا کہتے ہیں۔ یعنی یہ خطے قلعہ بند ہیں۔ ہر خطے میں کوئی نہ کوئی روشن سیارہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ خطے ہر مخلوق کی پہنچ

Marfat.com

سے باہر ہیں حتیٰ کہ شیاطین وجن بھی عالم بالا تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ پہلے لوگوں کی عام غلط فہمی دور کرنا مقصود ہے۔ قدیم زمانے سے یہ خیال کیا جاتا رہا کہ شیاطین وجن عالم بالا تک بلکہ ہر جگہ رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور غیب کی خبریں لا سکتے ہیں جن کی مدد سے کاہن، اور عامل وغیرہ غیب دانی کا ڈھونگ رچا کر لوگوں کو لوٹتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول سے پہلے شیاطین اور جنوں کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع نہیں تھا۔ یہ چوروں کی طرح چھپ کر آسمانی وفضا میں جہاں بادل ہوتے ہیں، فرشتوں کی باہمی گفتگو سن لیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث اس کی تائید میں ہے کہ ”فرشتے آسمان سے نیچے جہاں بادل ہوتے ہیں کبھی کسی وقت یہاں اترتے ہیں اور آسمانی باتوں کا باہمی تذکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین اسی فضا آسمانی میں چھپ کر یہ خبریں سنتے ہیں، جن کو شہاب ثاقب کے ذریعے بند کیا گیا۔“ (صحیح بخاری)

سورہ جن (۸، ۹) میں فرمایا **وانا لمسنا السماء .... شھاباً رصدا** O ترجمہ ”اور یہ کہ ہم نے آسمانوں کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ پہرہ داروں سے پٹا پڑا ہے اور شہابوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اور یہ کہ پہلے ہم سن گن لینے کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ پا لیتے تھے مگر اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لئے گھات میں ایک شہاب ثاقب لگا ہوا پاتا ہے۔“

جنوں کو تجسس ہوا کہ آخر زمین پر ایسا کیا معاملہ پیش آنے والا ہے جس کی خبروں کو محفوظ رکھنے کے لیے حفاظتی انتظامات کئے جا رہے ہیں کہ ہم سن گن لینے کی کوشش کریں تو مار بھگائے جاتے ہیں۔ معاملہ یہ ہو سکتا ہے کہ زمین پر کوئی رسول مبعوث ہونے والا ہے یا کوئی عذاب نازل ہونے والا ہے اور منشائے الٰہی یہ ہو کہ ایسا ہونے سے پہلے کہیں جن اس کی بھنک پا کر اپنے دوستوں کو خبردار کر دیں یا جو رسول مبعوث فرمایا جا رہا ہے اس کے پیغامات میں جن وشیاطین کوئی خلل اندازی نہ کر سکیں، اس لیے حفاظتی حصار قائم کر دیئے گئے۔ جنوں کے قول کے مطابق کہ جب ہم نے آسمان میں چوکی پہرے دیکھے اور شہابوں کی بارش کا مشاہدہ کی تو ہمیں تجسس ہوا کہ کونسی صورت پیش آنے والی ہے، اسی تلاش میں ہم نکلے تو ہم نے حیرت انگیز کلام (قرآن الحکیم)

Marfat.com

سنا جو حق کی دعوت لیے ہوئے ہے۔

شہاب ثاقب کے بارے میں بھی کچھ بیان کر دینا لازمی ہے۔ شہاب ثاقب سے مراد شعلہ ہے جن سے شیاطین کو مار بھگایا جاتا ہے جو عالم بالا تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ شعلے ٹوٹے ہوئے تاروں سے پیدا ہوتے ہیں جو زمین کی طرف کھربوں کے حساب سے روزانہ زمین کی بالائی فضا میں داخل ہوتے ہیں اور اپنی تیز رفتاری کے باعث فضا میں رگڑ کی وجہ سے شعلہ بار ہو جاتے ہیں۔ بہت کم شہاب ثاقب زمین تک پہنچ پاتے ہیں، زیادہ تر فضا میں ہی بھسم ہو جاتے ہیں۔ ان شعلوں سے شیاطین کا راستہ روک دیا جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر زمین کی بالائی سرحدوں کو مضبوط حصار سے محفوظ نہ کر دیا ہوتا تو ان ٹوٹے ہوئے تاروں کی بارش سے زمین کا برا حال ہو جاتا۔ اس حصار سے مطلب زمین کی بالائی سطح کا وہ حصہ ہے جہاں پہنچ کر یہ ٹوٹے ہوئے تارے بھسم ہو جاتے ہیں اور بروج سے مراد یہی محفوظ قلعے ہیں جو غیر مرئی ہیں۔

کئی دفعہ آسمان میں ایک شعلہ باریک سی بن کر غائب ہو جاتی ہے اور ہم اسے ستارے ٹوٹنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور لوگ طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگتے ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بروایت ابن عباسؓ خود نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ "آپ ﷺ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرماتھے کہ ستارہ ٹوٹا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ ہونے والا ہے یا کوئی بڑا آدمی مرے گا یا پیدا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لغو خیال ہے، اس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں یہ شعلے شیاطین کو دفع کرنے کے لیے پھینکے جاتے ہیں" (م ج ۵ ص ۲۸۸)

یہ شعلے ستاروں کے حصوں سے زمین کی طرف آتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں یا کوئی اور قسم کے شعلے ہیں مگر مقصد دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ سورہ الصفت (۶، ۷) فرمایا ہے
انا زینا السماء .... مارد O ترجمہ "ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کو زینت سے آراستہ کیا ہے اور ہر شیطان سرکش سے اسے محفوظ کر دیا ہے"

آسمان دنیا سے مراد قریب کا آسمان ہے، جو ہم اپنی آنکھوں سے بغیر کسی دوربین

Marfat.com

کے دیکھ سکتے ہیں۔ سماء کسی متعین چیز کا نام نہیں اس سے مراد عالم بالا ہے جس کے کئی طبقات ہیں، نزدیک اور دور کے آسمان ہیں۔ زمین کی کشش کا ایک حصار ہے اور اسی طرح سب اجرام فلکی کا اپنا کشش ثقل کا دائرہ اور ان کی اپنی مرکز گریز قوت (Centrifugal force) ہے تا کہ یہ اپنے اپنے مدار میں سفر کرتے رہیں۔ شیطان کو عالم بالا تک رسائی نہیں دی گئی اور اس کوشش کرنے میں شعلے اس کے پیچھے لگا دیئے جاتے ہیں۔ سورہ الحجر (۱۷، ۱۸) میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔

سورہ الملک (۵) میں بھی شیطان کو مار بھگانے کا ذکر ہے۔ **ولقد زینا** .... **عذاب السعیر** O ترجمہ "اور ہم نے قریب کے آسمان (آسمان دنیا) کو چراغوں (تاروں) سے زینت دی اور ان کو شیطان کے مار بھگانے کا آلہ بنایا اور ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے"

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے

قرآن الحکیم میں متعدد بار (۷ بار) شیطان کو انسان کا کھلا دشمن قرار دیا ہے۔ کھلا دشمن اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کر کے اس نے اعلانیہ کہا کہ میں تیرے بندوں کو بہکانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دونگا۔ کھلا دشمن قرار دینے والی آیات ذیل میں درج ہیں۔

البقرہ ۱۶۸، الانعام ۱۴۲، سورہ یوسف ۵، سورہ بنی اسرائیل ۵۳، سورہ الفاطر ۶، سورہ یٰسن ۶۰، اور الزخرف ۶۲.

البقرہ میں فرمایا **یاایھا الناس** .... **مالا تعلمون** O

ترجمہ "اے لوگو زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے راستے پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تمہیں بدی اور فحاشی کا حکم دیتا ہے (یعنی دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے ورنہ اس کی حکم دینے کی کیا مجال ہے) اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں (کہ وہ اللہ نے فرمائی ہیں)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خبردار فرمایا ہے کہ شیطان انہیں اللہ کی طرف سے لگائی حرام و حلال کی قیود توڑنے پر اکساتا ہے اور اپنے طور پر جاہلانہ پابندیوں پر قائم رہنے پر مائل کرتا ہے جسے اللہ توڑنا چاہتا ہے۔ یہ جو خود عائد کردہ حرام و حلال کی قیود ہیں یہ اللہ کی طرف سے نہیں لگائی گئیں، ان کو اللہ کی طرف منسوب کرنا افتراء ہے۔ اسی طرح وہ انہیں بدی اور بے حیائی کی طرف راغب کرتا ہے یعنی تمہارے نفس امارہ پر تسلط حاصل کرتا ہے اور آخرت کے بارے میں لوگوں کو بہکاتا ہے کہ آخرت کی جواب دہی پر ایمان برائی سے روکنے کا باعث بنتا ہے۔ یوم حساب سے بے خوف بنا کر انسان کو کھلی چھٹی دیتا ہے کہ یہی زندگی ہے، عیش کرلو، نہ دوبارہ اٹھائے جاؤ گے نہ اعمالوں کا حساب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے حرام وحلال کے بارے میں کھول کر بیان فرمایا ہے۔ مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے تھے اور اس کو رضائے الٰہی اور وسیلہ تقرب الی اللہ بواسطہ شفاعت خیال کرتے تھے۔ ایسے جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے۔ ہندو اب بھی بتوں کے نام پر گائے چھوڑ دیتے ہیں جو آزادانہ گھومتی پھرتی رہتی ہے۔ ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا گناہ خیال کرتے ہیں۔ ویسے ایسی گائے کے علاوہ، وہ اس کا دودھ تو پی لیتے ہیں مگر گوشت نہیں کھاتے۔ گئو ماتا کی پوجا کرتے ہیں۔ جب کوئی ہندو ایمان لے آئے تو گائے کی حرمت کو ختم کرنے کے لیے اسے گائے کا گوشت کھلایا جاتا ہے۔

حضرت سہیل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ نجات تین چیزوں پر منحصر ہے، حلال کھانا، فرائض ادا کرنا اور حضور ﷺ نبی کریم کی سنت پر عمل کرنا۔

الانعام ۱۴۲، میں یہی موضوع ہے۔ فرمایا و من الانعام ...... عدو مبین O ترجمہ "پھر وہی ہے جس نے مویشیوں میں سے وہ جانور بھی پیدا کیے جن سے سواری و بار برداری کا کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو کھانے اور بچھانے کے کام آتے ہیں۔ کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تمہیں بخشی ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

سورہ یوسف (۵۲) میں شیطان کو کسی دوسرے زاویے سے کھلا دشمن کہا گیا ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب سنایا تو جواب میں حضرت یوسف کے باپ حضرت

Marfat.com

یعقوب علیہ السلام نے کہا قال ینبی .... عدو مبین O ترجمہ ''اے میرے بیٹے، اپنا یہ خواب بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں گے، حقیقت یہ ہے کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خواب میں، جو سچا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے آئندہ عروج کی بشارت دی گئی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کو خواب سنانے سے منع فرمایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دس بھائی دوسری ماؤں سے تھے اور اس بات کا خدشہ تھا کہ یہ سوتیلے بھائی جو پہلے ہی حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد کرتے تھے، کہیں ان کو گزند نہ پہنچائیں۔ بعد کی آیات میں یہ ظاہر ہوا کہ حضرت یوسف کے بھائی حضرت یوسف سے حسد کرتے تھے اور باپ پر الزام لگاتے تھے کہ وہ ہم سے اتنی محبت نہیں کرتے جتنی حضرت یوسف علیہ السلام سے کرتے ہیں۔ اسی کمزوری کی بناء پر شیطان نے ان کے بھائیوں کے دلوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کئی تدبیریں سوچیں، مثلاً ہلاک کر دینا یا کنویں میں پھینک دینا۔

ان آیات میں چند مسائل بھی سامنے آتے ہیں۔

(۱) خواب ہر شخص کو نہیں سنانا چاہیے۔ برا خواب دیکھے تو کسی سے نہ کہے بلکہ دو نفل ادا کر کے اس کی برائی سے پناہ مانگیں۔ اچھا خواب بھی ہر کسی نہ سنائے کہ حاسد کے شر سے بچے رہیں۔

(۲) خواب خیر خواہ، ہمدرد اور جو تعبیر کر سکتا ہو، کو سنائیں۔ بعض خواب قضائے معلق کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کوئی صدقہ خیرات یا نوافل ادا کرنے سے مصیبت ٹل جائے گی یا جو اچھا دیکھا اسی طرح ہو جائے گا۔

(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کی ایذا رسانی سے بچانے کے لیے ان کو خواب سنانے سے منع فرما دیا۔ یہ غیبت میں داخل نہیں ہے۔ ایسا خطرے کی آگاہی کی خاطر کیا۔

شیطان انسانوں کے درمیان ہر طریقے سے فساد اور دشمنی پیدا کرنے کی کوشش میں لگا

Marfat.com

رہتا ہے۔سورہ بنی اسرائیل (۵۳) میں فرمایا گیا ہے **وقل لعبادی .... عدوا مبینا** O ترجمہ ''(اے محمد ﷺ) میرے بندوں سے کہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالیں جو بہترین ہو۔ دراصل یہ شیطان ہے جو انسان کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

حضور نبی کریم ﷺ کی وساطت سے اہل ایمان کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ کفار اور مشرکین کے ساتھ گفتگو میں سخت کلامی، مبالغہ آرائی اور بیہودگی سے پرہیز کریں کہ یہ چیزیں اشتعال انگیزی کا باعث بن جاتی ہیں، جس سے دین کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی بلکہ فساد کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مخالفین حق کے ساتھ تحمل اور برداشت کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ غصہ میں غلط باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں اور غصہ حرام ہے۔ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ شیطان تمہیں اکسا رہا ہے تا کہ دعوت حق کا کام بگڑ جائے۔ یوں شیطان تاک میں رہتا ہے کہ وہ دین کے کاموں میں رخنا ڈالے۔ البتہ اگر ضرورت پڑے تو دین کی حفاظت کے لیے جنگ بھی جائز ہے۔

امام قرطبیؒ اس آیت کی شان نزول یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمرؓ کے واقع کے بعد نازل ہوئی۔ کسی نے حضرت عمرؓ کو گالی دی، حضرت عمرؓ نے بھی اس کو سخت جواب دیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ اس سے دو قبیلوں میں جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کا اطلاق مسلمانوں کی باہمی گفتگو پر بھی ہوتا ہے۔ غصے میں انسان ایک سخت بات کا جواب دو سخت باتوں سے دیتا ہے۔ ایک گالی پر دو گالیاں، ایک تھپڑ کا جواب دو تھپڑ سے دیتا ہے۔ شیطان انسان کے دل میں یہ ڈالتا ہے کہ تم بھی کسی سے کم نہیں ہو، کیوں کسی کی زیادتی برداشت کرو۔

شیطان کا طریق واردات دوزخ کی راہ دکھاتا ہی اور انسان کے برے اعمال کو اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ اللہ نے قرآن الحکیم میں شیطان کی دشمنی کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ سورہ فاطر میں (۵ تا ۸) فرمایا گیا ہے **یا ایھا الناس .... بما یصنعون** O ترجمہ ''لوگو اللہ کا وعدہ یقیناً برحق ہے لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔ درحقیقت شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس لیے تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ وہ تو اپنے پیرووں کو اپنی راہ پر بلا رہا ہے کہ وہ دوزخیوں میں شامل

Marfat.com

ہو جائیں۔ جو لوگ کفر کریں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (بھلا کچھ ٹھکانہ ہے اس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔ پس (اے نبی ﷺ) تمہاری جان خواہ مخواہ ان لوگوں کی خاطر غم اور افسوس میں نہ گھلے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ خوب جانتا ہے۔"

یہاں اللہ کے وعدے سے مراد آخرت ہے، جب ہر فرد اللہ کے حضور پیش ہو گا۔ دھوکے سے مراد یہ مغالطہ ڈالنا ہے کہ آخرت سرے سے ہے ہی نہیں، یا اگر ہے بھی تو جو اس دنیا میں عیش کر رہے ہیں وہاں بھی عیش کریں گے۔ بڑے دھوکے باز سے مراد شیطان ہے جو اللہ کے بارے میں انسانوں کو بدگمان کرتا رہتا ہے۔ شیطان اللہ کے بارے میں انسانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرتا رہتا ہے۔ کچھ لوگوں کو یہ باور کراتا ہے اللہ کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں جیسے کہ اشتراکیت کا نقطہ نظر ہے کہ ہر شے کی تخلیق خود بخود کئی قسم کے مادوں سے ہوئی ہے۔ کچھ لوگوں کو شیطان آخرت کے عقیدے سے بے نیاز کر دیتا ہے کہ یہ سب قصے کہانیاں ہیں، کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ کچھ لوگوں کو وحی اور رسالت سے بدگمان کرتا ہے۔ کچھ لوگوں کو اس طرح بہکاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اس لیے گناہوں کی فکر نہ کرو۔

ایک اور دھوکہ جو شیطان لوگوں کو دیتا ہے کہ ان کے برے اعمال کو اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ یعنی مالدار سے کہتا ہے کہ تمہارا مال ہے چاہے شراب اور جوئے میں لٹاؤ، بدکاری میں لٹاؤ کہ یہی زندگی ہے، آخرت کچھ نہیں ہے۔

اللہ نے شیطان کے ان سب وسوسوں سے انسان کو خبردار کر دیا ہے۔ شیطان کے دھوکے میں آنے والے منکرین حق کے لیے عذاب اور مومنین اور نیک کام کرنے والوں کے لیے جزائے خیر کی وعید سنائی ہے۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ انسان رحمان کی راہ سے ہٹ جائے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے۔

آیت ۸ میں جو فرمایا گیا ہے کہ اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے، اسے شیطان کے چنگل سے چھڑا لیتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ کسی پر جبر کرتا ہے۔ طلب حق والے مطلوب ہو

Marfat.com

جاتے ہیں۔ امام بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ اسلام کو عزت اور قوت عطا کر دے، عمر بن خطابؓ کے ذریعے یا ابوجہل کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے حضرت عمرؓ بن خطاب کو ہدایت دے کر اسلام کی عزت اور قوت کا سبب بنا دیا اور ابوجہل اپنی گمراہی میں رہا۔ (مظہری) (م ج ۷ صفحہ ۴۳۱)

سورہ یٰسین شریف میں بھی شیطان کو انسان کو کھلا دشمن کہا گیا ہے۔ آیت ٦٠، ٦١، ٦٢ میں فرمایا **الم عهد اليكم .... تكونو تعقلون** O ترجمہ ''اے آدم کی اولاد کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے؟ مگر اس کے باوجود اس نے تم میں سے ایک گروہ کثیر کو گمراہ کر دیا، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔''

اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی یا بندگی، بمعنی اطاعت اور حکم ماننے کے، سے منع فرما دیا مگر پھر بھی تم میں سے ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے۔ یہ پچھلی قوموں کی گمراہی کی طرف اشارہ ہے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی بات پر کان نہ دھرے اور اس نافرمانی کا وبال عذاب کی صورت میں نازل ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، عاد و ثمود اور فرعون کی قوم کی مثالیں سامنے ہیں۔ شیطان کی پیروی کرنے کا بد انجام جانتے ہوئے بھی حق کا راستہ چھوڑنے اور گمراہی کا راستہ اختیار کرنیوالے کو عذاب جہنم سے دوچار ہونا پڑے گا۔

انسان پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اولوالامر کے سوا کسی دوسرے کی اطاعت جائز نہیں۔ رسول وہی کہتا ہے جو اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ رہے اولوالامر تو ان کی فرمانبرداری مشروط ہے۔ جب وہ ایسے حکم دیتے رہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے تابع ہوں تو حکم ماننا لازم ہے مگر جب وہ اللہ اور رسول کی پیروی سے تصادم کوئی حکم دیں تو ماننا گناہ ہے۔ اس ذیل میں والدین کا وہ حکم بھی آتا ہے جو کسی شرعی حکم کے خلاف ہو۔

سورہ الزخرف (٦٢) میں بھی شیطان کو کھلا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ قرآن الحکیم کا یہ اسلوب ہے کہ ایک بات کو مختلف انداز میں دوہرایا گیا ہے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو

Marfat.com

جائے۔فرمایاولا یصدنکم .... عدو مبین O ترجمہ "اورایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو اس سے (راہ حق) روک دے، کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" اس سے پہلے والی آیت میں قیامت کا ذکر ہے۔ کفار مکہ یوم آخرت کو نہیں مانتے تھے اور یہی چیز ان کے لیے ہر عمل کو جائز بنادیتی تھی کہ کسی کو اعمال کا حساب دینے کے لیے دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا کہ اپنے دفتر عمل کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے جو ذات باری حضرت آدم علیہ السلام کو بن ماں باپ کے اور معجزاتی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا کر سکتی ہے اور ان کو مٹی سے پرندہ بنانے اور مردے کو جلانے کے معجزات عطا کر سکتی ہے اس کے لیے قیامت والے دن دوبارہ زندہ کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس کے لیے ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔ انسان کو قیامت کے وقوع پذیر ہونے میں شک میں نہ پڑنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہارے دلوں میں شک کے بیج کو وسوسوں سے سینچے اور تمہارا قیامت پر یقین متزلزل ہو جائے اور اللہ کے سیدھے راستے سے ہٹا دے، سیدھا راستہ وہی ہے جو نبی پاک ﷺ نے بتایا ہے۔

یوم حساب پر یقین رکھنے والے اللہ کے بندے اعمال کی پرسش کے خوف سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

شیطان کن پر وارد ہوتا ہے؟

شیطان کی کھلی دشمنی سے آگاہ ہونے کے باوجود کچھ لوگ شیطانی کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ شیطان انسان کی کمزوریوں اور کمزور لمحات کی گھات میں رہتا ہے اور خیالات کی رو کو سرکشی کی طرف موڑ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ الشعراء (۲۲۱ تا ۲۲۵) میں بتایا ہے کہ شیطان کن پر اترتا ہے۔ فرمایا ھل انبئکم .... کل واد یھیمون O ترجمہ "لوگو کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن پر اترا کرتے ہیں؟ وہ ہر جعل ساز، بدکار پر اترا کرتے ہیں۔ سنی سنائی باتیں کانوں میں پھونکتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ رہے شعراء تو ان کے پیچھے بھٹکے

Marfat.com

ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ (خیال کی) وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔"

جعل ساز اور بدکار سے مراد یہاں نجومی، دست شناس، کاہن، فال گیر اور عامل ہیں جو لوگوں کو غیب کی باتیں بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ شیاطین یعنی جن اور روحیں ان کے موکل ہیں جن کے ذریعے یہ کام کرواتے ہیں اور اس کو وہ کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ شیاطین کچھ خبریں اپنے پیروکاروں کو پہنچاتے ہیں اور یہ کچھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر لوگوں کو وسوسوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اگر ہم آس پاس نظر ڈالیں تو ایسے جعلی فالگیر اور عامل آپ کو نظر آ جائیں گے جن کے اشتہار دیواروں پر چسپاں دکھائی دیتے ہیں۔ مصیبت میں گرفتار، حالات کے ستائے ہوئے اکثر لوگ ایسے لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ لوگ صدقہ و خیرات کے نام پر کالے بکرے اور کئی دیگر اشیاء کا مطالبہ کرتے ہیں، حاجت مندان کی باتوں میں آ کر گمراہی میں ڈوب جاتے ہیں۔ یہ لوگ فتنہ فساد اور اپنے معمول کے ساتھ فحش حرکتیں کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ یہ مال کی ہوس میں خود بہکے چلے جاتے ہیں اور لوگوں کو بھی بہکاتے ہیں اور شیطان ان کے کان میں پھونکتا ہے کہ تم لوگوں کی بھلائی کر رہے ہو اور یہ کہ یہ لوگ خود تمہارے پاس آتے ہیں، تم زبردستی نہیں بلاتے۔

ایک حدیث مبارکہ میں اس کی تشریح کچھ یوں آئی ہے (ت ج ۳ صفحہ ۵۴۶) صحیح بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ بعض لوگوں نے نبی پاک ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ کچھ نہیں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول ﷺ اللہ بعض اوقات وہ ٹھیک بات بتاتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا وہ ٹھیک بات جو ہوتی ہے اسے کبھی کبھار جن لے اڑتے ہیں اور جا کر اپنے دوست کے کان میں پھونک دیتے ہیں۔ پھر وہ اس کے ساتھ جھوٹ کی بہت سے آمیزش کر کے ایک داستان بنا لیتا ہے۔"

حقیقت ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب دان نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ علم عطا فرماتا ہے۔ سچے خواب میں بھی کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اس میں وقت کا تعین اور وقوع پذیر ہونے کے مواقع اور اسباب کی تشریح نہیں ہوتی۔

Marfat.com

یہاں شاعروں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ شاعروں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اپنے کلام میں حسن و عشق کی باتیں، جنسی جذبات کو ابھارنے والی باتیں کرتے ہیں۔ یہ مبالغہ آرائی میں کمال رکھتے ہیں اور جھوٹ اور ہجو گوئی سے محفلیں سجاتے ہیں۔ ایسے اشعار جو یاد اللہ اور قرآن اور علم نافع پر غالب آ جائیں باجماع امت حرام اور ناجائز ہیں۔ یہ یاد اللہ سے دور لے جاتے ہیں اور شیطان کی راہ ہموار کر دیتے ہیں۔

جب شعراء کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حسان بن ثابتؓ اور کعب بن مالکؓ، جو شعرائے صحابہ میں مشہور ہیں روتے ہوئے سرکار دو عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ خدائے ذوالجلال نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ آیت کے آخری حصہ کو پڑھو۔ مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار بیہودہ غلط مقصد کے لیے نہیں ہوتے، اس لیے تم استثناء میں داخل ہو جو آخر آیت میں مذکورہ ہے۔ جو اشعار حکیمانہ مضامین اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہوں وہ اطاعت اور ثواب میں داخل ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ ایسے اشعار شوق سے سنا کرتے تھے۔ آج کل کے دور میں ایسے کلام کی بڑی مثالیں مسدس حالی، شاہنامہ اسلام، کلام اقبالؒ اور متعدد نعتیہ مجموعے ہیں۔

نیکی اور بدی کے راستے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور حضور ﷺ رسالت مآب کے ذریعے کتاب اللہ میں واضح کر دیئے ہیں مگر منکرین حق، جو شیطان کے چیلے ہیں، اپنے ذاتی مفادات اور انا کی خاطر جاہلیت کے طور طریقے اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایسے منکرین حق کے لیے حق تعالیٰ نے سورہ مریم (۸۴،۸۳) میں فرمایا **الم تر انا .... نعد لهم عدا** O ترجمہ ”کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے منکرین حق پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں، جو انہیں خوب مخالفت پر اُکسا رہے ہیں؟ اچھا تو اب ان پر نزول عذاب کے لیے بیتاب نہ ہو، ہم ان کے دن گن رہے ہیں۔“

حضور ﷺ نبی کریم سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ نے دعوت حق دینے کا حق ادا کر دیا ہے لیکن یہ لوگ ایمان نہیں لائے اور اپنے بدخواہ شیطان کے اکسانے سے اپنے اختیار سے چلے جا رہے ہیں۔ شیطان نے جو مہلت مانگی تھی اس کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ان کی سرکشی کو

Marfat.com

مزید ابھارتا ہے۔ دعوت حق دے کر اتمام محبت پوری کر دی گئی۔ آپ ﷺ نے ان کو مسلسل دعوت حق دے کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اللہ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ جیسے نافرمان اولاد والدین کے سمجھانے کے باوجود راہ راست پر نہیں آتی تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ شیطان ایسے ہی لوگوں کی گھات میں رہتا ہے۔

حضور ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کے شیطان کے بہکاوے میں آنے کا غم نہ کھائیں، اور ان کے عذاب کے بارے میں جلدی نہ کریں، وہ تو عنقریب آنے ہی والا ہے، کیونکہ ہم نے ان کو گنے چنے ایام اور جو مدت دنیا میں رہنے کی دی ہے، وہ بہت جلد پوری ہونے والی ہے اور ہم ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ گن رہے ہیں اور مدت پوری ہونے پر ان پر عذاب آ جائے گا۔ یہ لوگ دنیاوی عیش وعشرت میں مگن ہیں اور آخرت سے بے فکر ہیں مگر یہ مدت عارضی ہے، آخر تو انہیں اپنی بداعمالی کا حساب چکانا ہوگا۔

سورہ الحج (۴،۳) میں بھی شیطان کے پیچھے لگ جانے والوں کو عذاب کی وعید ہے۔ فرمایا و من الناس من .... عذاب السعیر O ترجمہ ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس کے تو نصیب ہی میں لکھا گیا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا اسے وہ گمراہ کر کے چھوڑے گا اور عذاب جہنم کا راستہ دکھائے گا۔''

حضور ﷺ نبی کریم اپنی دعوت حق میں ان سے توحید و آخرت کا اقرار کروانا چاہتے ہیں اور اسی پر وہ حضور ﷺ سے جھگڑتے تھے۔ انکا انکار اللہ کی ہستی اور وجود کے بارے میں نہ تھا۔ وہ اللہ کے قادر مطلق ہونے اور اس کے اختیارات کے بارے میں بحث کرتے تھے اور خدا کے ساتھ دوسری ہستیوں یعنی بتوں اور دیویوں کو بھی کائنات کے کارخانے میں شریک ٹھہراتے تھے۔ آخرت کے عقیدے سے انکار کرتے تھے۔ ان کی ایسی گمراہی شیطان کی راہ ہموار کرنے کا باعث بن جاتی۔ شیطان منکرین کے دلوں میں راسخ کر دیتا ہے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں اور وہی پرانی بات دوہرائی جاتی ہے کہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ جب مرنے کے بعد جسم کیڑوں مکوڑوں کی غذا بن جائے گا اور ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو قیامت کے دن کیسے دوبارہ جیتے جاگتے

Marfat.com

انسان بن کر اپنے رب کے حضور پیش ہونگے۔ اس سے اگلی آیت میں انسان کی مرحلہ وار تخلیق بیان فرمائی گئی ہے۔ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنانے اور نسل انسانی کا سلسلہ نطفہ سے چلا۔ اور پھر ماں کے پیٹ میں مختلف ادوار سے گزرتا ہوا مکمل انسان کی صورت میں دنیا میں آنے کا ذکر ہے۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے مراحل سے گزرتا ہوا اپنی عمر عزیز پوری کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور جو کائنات کا خالق ہے اس کے لیے روز حشر، دوبارہ اٹھانا کوئی مشکل کام نہیں۔

ایک روایت کے مطابق یہ آیت نضر ین بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعلیٰ کے بارے میں بہت جھگڑا کیا کرتا تھا۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور قرآن کو پچھلے لوگوں کے قصے کہا کرتا تھا۔ بعث بعد الموت کا منکر تھا۔ گو یہ آیت ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی۔ مگر اس کا اطلاق سب کے لیے عام ہے۔

شیطان اللہ کی پابندیوں سے نکل جانے والوں کو آسانی سے شکار کر لیتا ہے۔ سورہ الاعراف (۱۷۵) میں فرمایا **واتل علیهم .... من الغوین** O ترجمہ ''اے محمد ﷺ ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا، یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو گیا''

ایک متعین شخص کی مثال دے کر لوگوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ علم کی بدولت یہ شخص حقیقت آشنا اور بلند مرتبہ تھا مگر مال کی حرص اور دنیاوی فائدوں اور آسائشوں سے مغلوب ہو کر اس نے جانتے بوجھتے ہوئے حق کے راستہ سے منہ موڑ لیا۔ شیطان، جو گھات لگائے بیٹھا تھا، نے اسے پست ترین مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ علم، عقل اور حق شناسی کی متاع سے تہی دست ہو گیا۔

اگلی آیت (۱۷۶) میں اس کی تشبیہہ کتے سے دی گئی ہے، جو ہر وقت حرص دنیا میں مبتلا رہتا ہے اور زبان لٹکائے ہانپتا کانپتا پھرتا ہے کہ کہیں کوئی چیز، ہڈی، مردار وغیرہ مل جائے۔ یہ دنیا پرست کے لیے، دنیا کے کتے، کی مثال دی گئی ہے جو صرف ہوس شکم اور فرج میں مبتلا ہو کر اللہ کی آیات کی حدود سے بھاگ نکلا اور دین و دنیا دونوں گنوا دیں۔

مفسرین نے عہد رسالت اور اس سے پہلے کی تاریخ کے حوالے سے مختلف اشخاص

Marfat.com

کے بارے میں قیاس آرائی کی ہے۔ کسی نے بلعم بن عورا کا نام لیا ہے اور کسی نے امیہ بن ابی اور کسی نے ابن الاہب کا نام لیا ہے مگر یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

سب سے زیادہ مشہور جمہور کے نزدیک حضرت ابن مردویہ بحوالہ حضرت ابن عباسؓ۔ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ جب حضرت موسیٰ کو فرعون کی غرقابی کے بعد جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا تو جبارین کو فکر ہوئی کہ حضرت موسیٰ اپنے لشکر کے ساتھ آئے ہیں کہ ہمیں یہاں سے نکال دیں۔ یہ لوگ بلعم کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ حضرت موسیٰ ہمارے مقابلے سے واپس چلے جائیں۔ بلعم نے کہا کہ میں نبی کے خلاف بددعا کیسے کر سکتا ہوں کہ ان کے ساتھ اللہ کے فرشتے ہوتے ہیں۔ ایسا کرنے سے میں دین و دنیا کھو بیٹھوں گا۔ پھر جبارین کے زور دینے پر کہا کہ میں استخارہ کر لوں کہ میں ایسا کر سکتا ہوں کہ نہیں۔ استخارے میں ایسا کرنے سے منع فرما دیا گیا۔ پھر قوم جبارین نے بلعم کو بہت بڑا ہدیہ پیش کیا۔ بلعم نے ہدیہ قبول کر لیا اور بیوی کی رضا جوئی اور مال کی حرص سے مرعوب ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بددعا کرنا شروع کی۔

اس وقت قدرت کا کرشمہ ظاہر ہوا کہ بلعم کی زبان پر بددعا کے الفاظ اپنی قوم کے لیے نکلے تو جبارین کی قوم نے بہت احتجاج کیا۔ بلعم نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بددعا پر میری زبان قادر نہیں، البتہ میں تمہیں وہ ترکیب بتاتا ہوں جس سے تم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ جاؤ۔ تم اپنی حسین لڑکیوں کو بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو، ممکن ہے وہ حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس شیطانی جال میں پھنسنے سے روکا مگر پھر بھی بنی اسرائیل کا ایک بڑا آدمی شیطان کی چال کا شکار ہو گیا۔ اللہ کا قہر طاؤن کی وبا کی صورت میں نازل ہوا۔ جس شخص نے برا کام کیا تھا، اس جوڑے کو بنی اسرائل نے قتل کر کے منظر عام پر ٹانگ دیا' سب لوگوں کو عبرت حاصل ہوئی اور توبہ کی، پھر طاؤن کی وباء رفع ہوئی۔ بلعم کو بھی سزا ملی، اس کی زبان اس کے سینے میں لٹک گئی کہ وہ تورات کے احکامات سے نکل بھاگا تھا۔ اس واقعے میں بہت سے عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔ (م ج ۴ ص ۱۱۹، ۱۲۰)

(۱) اپنے علم وفضل اور زہد و تقویٰ پر ناز نہیں کرنا چاہیے کہ تکبر اللہ کو پسند نہیں۔ حالات

Marfat.com

بدلتے دیر نہیں لگتی۔عزت ذلت میں بدل دی جاتی ہے۔

(۲) مال اور اہل وعیال کی محبت ایک نشہ ہے، جس سے بچنا چاہیے۔

(۳) مفسد، گمراہ اور بدخواہوں کا ہدیہ یا دعوت وغیرہ قبول نہیں کرنا چاہیے کہ ایمان چندروزہ دنیاوی آسائشوں کے بدلے بیچ کر انسان خسارے کا سودا کرتا ہے۔

(۴) بے حیائی اور حرام کاری پوری قوم کو لے ڈوبتی ہے۔

(۵) آیات الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے والوں پر شیطان غالب آ جاتا ہے۔صاحب علم ہو کر اللہ کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے کہ شیطان ایسے لمحوں کی تاک میں رہتا ہے۔ذکر اللہ شیطان کو بھگانے کا موثر ذریعہ ہے۔

ذکر اللہ سے غفلت کے مرتکب لوگ بھی شیطان کا آسان حدف بن جاتے ہیں۔اس ضمن میں سورہ الزخرف (۳۶ تا ۳۹) میں فرمایا گیا ہے ومن یعش .... مشترکون O ترجمہ ”جو شخص رحمان کے ذکر سے تغافل برتا ہے، ہم اس پر شیطان مسلط کردیتے ہیں اور وہ اس کا رفیق بن جاتا ہے۔یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہ راست پر آنے سے روکتے ہیں اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جارہے ہیں۔آخر کار یہ شخص ہمارے ہاں پہنچے گا تو وہ اپنے شیطان سے کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا بعد ہوتا، تو تو بدترین ساتھی نکلا۔اس وقت ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب تم ظلم کر چکے تو آج کی یہ بات تمہارے لیے کچھ بھی نافع نہیں ہے کہ تم اور تمہارے شیاطین عذاب میں مشترک ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے سے مراد اللہ کی نصیحت یعنی قرآن کے احکامات سے روگردانی اور خلاف ورزی کرے، اس کی یاد سے غافل ہو جائے، بری صحبت اختیار کرے۔ایسے لوگوں پر شیاطین مسلط کردیے جاتے ہیں۔یہ ان کو اللہ سے مزید دور کر دیتے ہیں اور نیکیوں سے روک کر برائیوں کی طرف راغب کرتے ہیں۔یہ گمراہ کرنے والے انسان نما شیطان اور شیاطین جنات میں سے بھی ہو سکتے ہیں۔یہ انسان کو غلطی کا احساس نہیں ہونے دیتے اور اس کو دھوکے میں رکھتے ہیں کہ وہ جو کر رہا ہے اچھا کر رہا ہے۔یاد اللہ والے اللہ کے فرمانبردار بندے کے دل میں شیطان گھر نہیں کر سکتا کہ مومن کے دل میں رحمان اور شیطان ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے۔ایسے بھٹکنے

Marfat.com

والے لوگ روز حشر پچھتائیں گے کہ کاش یہ شیطان سے اتنے دور ہوتے جتنا مشرق سے مغرب ہے۔ یہ پچھتاوے کا دن ہوگا اور گمراہ کرنے والے شیاطین کے ساتھ ہی گمراہ ہونے والے بھی عذاب میں شریک ہوں گے۔

ایمان کی کمزوری دنیاوی غرض کے لیے بھی شیاطین کی راہ ہموار کرتی ہے۔ سورہ آل عمران (۱۵۵) میں جنگ احد میں بعض مسلمانوں نے جو کمزوری دکھائی، کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ فرمایا **ان الذین تولوا** .... **غفور حلیم** O ترجمہ "تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے، ان کی اس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے تھے۔ اللہ نے انہیں معاف کر دیا، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے"۔

جنگ احد میں پہلے مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور کفار میدان چھوڑنے لگے تو مسلمان مال غنیمت کی طرف راغب ہو گئے اور یہی رغبت ان کی کمزوری بن گئی اور شیطان نے اس کو اور زیادہ کر دیا، اور جن تیر اندازوں کو حضور ﷺ نبی کریم کے پیچھے کھڑا کیا تھا کہ کسی حالت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں گے، یہ لوگ بھی مال غنیمت کے حصول کے لیے اپنی جگہ چھوڑ گئے۔ جب کفار نے پیچھے سے حملہ کر دیا تو اکثر مسلمان پیٹھ موڑ کر میدان چھوڑنے لگے حضور ﷺ کے متعلق غلط خبر کہ آپ شہید ہو گئے ہیں، نے مسلمانوں کو اور بھی بددل کر دیا۔ حضور ﷺ نے بلند آواز سے اپنی موجودگی کا ثبوت دیا تو پھر لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔

قرآن الحکیم میں شیطان کی فریب دہی کے اور واقعات

واقع افک میں چند مسلمان بھی، شیطان کے بہکاوے میں آ کر، ملوث ہو گئے۔ سورہ النور آیت ۲۱ اس واقع کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ فرمایا **یاایھا الذین آمنوا** .... **سمیع علیم** O ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی جو کوئی کرے گا تو وہ اسے فحش اور بدی کا حکم دے گا۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم

Marfat.com

وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہوسکتا مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

یہ آیت مبارکہ ان آیات میں سے ہے جو واقعہ افک کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔ افواہیں پھیلانا شیطانی کام ہے خاص طور پر کسی کے کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش بعض اوقات فتنہ فساد کا باعث بن جاتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے والوں اور افواہیں پھیلانے والوں کے چند نام ملتے ہیں، عبداللہ بن ابی، زید بن رفاعہ، مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش۔ ان میں سے دو پہلے منافق اور باقی تین مومن تھے جو غلطی اور کمزوری سے اس فتنہ میں ملوث ہو گئے تھے۔ حضور ﷺ نبی کریم کے صبر کا امتحان اور عالی حوصلگی، حضرت ابو بکرؓ اور ان کے خاندان والوں کا طرز عمل مسلمانوں کے لیے درخشاں مثالیں قائم کر گیا۔ اس جھوٹی بات میں ملوث ہونے پر تینوں مومنوں پر حد قذف جاری کی گئی۔ ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اللہ کے خاص فضل وکرم سے، مسلمانوں کو اس واقعہ کے بدترین نتائج سے بچالیا۔ (ت ج ۳، ص ۳۶۵)

ایسی خبروں کا پھیلانا، اور اشاعت بغیر ثبوت کے فتنہ اور بے حیائی پھیلانے کا موجب بن جاتا ہے۔ بدکاری کے اڈے، سفلی جذبات کو ابھارنے والے قصے، اشعار اور گانے، کھیل اور تماشے شیطانی کاموں کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ ان ذرائع کا سدباب کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ یہ راہیں شیطان کی راہیں ہیں جو ہزاروں افراد کو متاثر کرتی ہیں اور ان سے معاشرے کی اجتماعی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر اللہ توبہ کی توفیق نہ دے تو اپنے بل بوتے پر کوئی بھی شخص پاک نہ ہو سکے۔

اللہ کا فرمان کہ وہ جسے چاہے پاک کر دیتا ہے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جانتا ہے کہ کس میں بھلائی کی طلب ہے اور کون برائی کی راہوں پر چل نکلتا ہے۔ اللہ دلوں کے بھید سے واقف ہے اور اللہ تعالیٰ براہ راست اپنے علم کی بنا پر فیصلہ فرماتا ہے۔ جو نادم ہو، طالب ہدایت ہو اسے پاکیزگی بخش دیتا ہے اور جو برائی کے راستے پر آگے ہی آگے چلتا رہے، اللہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے کہ اگر اللہ زبردستی کسی کو نیک بنا دے تو پھر سزا اور جزا کا سارا عمل بے معنی ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

سورہ الانفال (۴۸، ۴۹) میں شیطان کے فریب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں جنگ بدر میں پیش آنے والے واقعات پر تبصرہ اور جنگ سے حاصل ہونے والی عبرتوں اور متعلقہ احکامات کا ذکر ہے۔ یہاں شیطان نے قریش مکہ کو فریب دے کر مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ پر آمادہ اور پھر عین جنگ کے وقت ساتھ چھوڑ کر اپنے آپ کو بری الذمہ ٹھہرانے کا واقع بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا **و اذ زین لهم .... عزیز حکیم O**

ترجمہ ''ذرا وہ وقت یاد کرو جب شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے، میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں تم لوگ نہیں دیکھ سکتے، مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔ جب کہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ لگا ہوا تھا کہہ رہے تھے کہ ان کے دین نے ان کو خبط میں مبتلا کر رکھا ہے، حالانکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو یقیناً اللہ بڑا زبردست اور دانا ہے''

شیطان مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر ورغلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ہیئت بدلنے کی قدرت دی ہے۔ (م ج ۴ ص ۲۵۸) مولانا رومیؒ نے فرمایا کہ

اے بسا ابلیس آدم روئے است   پس بہر دستے نشاید داد دوست

لشکر کفار کو جنگ بدر کے لیے فریب دے کر آمادہ کیا اور جب شکست ہوتی نظر آئی تو اپنے آپ کو بری الذمہ ٹھہرا لیا۔

لشکر کفار مکہ سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بڑی شان سے نکلا۔ زیادہ نفری جو مسلمانوں کے مقابلے میں تین گنا تھی، وافر سامان حرب، وافر سامان عیش و طرب، شراب، گانے بجانے والی لونڈیاں، نے ان کو تکبر میں مبتلا کر دیا۔ یہ باطل پرست حق پرستوں پر غالب آنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ یہ ناپاک مقصد جنگ کے لیے نکلے تھے کہ مٹھی بھر مسلمانوں کو، جو حق کا علم اٹھائے ہوئے ہیں، ختم کر دینا ہے۔ دوسری طرف یہ مٹھی بھر مسلمان نہایت مختصر سامان حرب مگر اللہ کے رسول کے جھنڈے تلے، اللہ پر بھروسہ کرنے والے تھے۔ لشکر کفار جہاں جہاں سے گزرتا اپنی

Marfat.com

ظاہری برتری اور شان وشوکت کا رعب ڈالتا کہ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات راسخ کر دی کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اچھا کر رہے ہو اور آج تم کو کوئی شکست نہیں دے سکتا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ شیطان اپنے خالق کے مقابلے میں کفار سے کندھا ملا کر کھڑا ہو گیا۔

امام ابن جریرؒ نے حضرت عبداللہؓ ابن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ کفار کے لشکر کو بنو بکر جوان کا دشمن تھا، سے خطرہ تھا کہ جب ہم مسلمانوں سے جنگ کے لیے نکلیں تو یہ ہمارے گھروں پر چھاپہ مار دے گا اور ہماری عورتوں اور بچوں کو ظلم کا نشانہ بنا لے گا۔ اس وقت شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ ایک بہادر فوج کا دستہ تھا۔ سراقہ بن مالک اس علاقے کا سردار تھا، جن سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس نے کفار کے لشکر کے نوجوانوں سے خطاب کیا اور ان کو دو طرح کا فریب دیا، ایک یہ کہ تم پر آج کوئی غالب نہیں آ سکتا، تم ہی فتح یاب رہو گے۔ دوسرا یہ کہ بنو بکر کی ذمہ داری میں لیتا ہوں کہ وہ تم پر حملہ آور نہ ہوں، میں تمہارا حامی ہوں۔ قریش مکہ سراقہ بن مالک کے اثر و رسوخ سے واقف تھے اور وہ بے فکر ہو کر جنگ کے لیے نکل پڑے۔ بدر کے مقام پر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو شیطان جو سراقہ کا روپ دھارے ہوئے تھا، پچھلے پاؤں لوٹ گیا۔ اس وقت کفار نے اس سے کہا کہ اے عرب کے سردار تو نے تو ہمیں اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا اور اب میدان جنگ سے اپنے لشکر سمیت کیوں بھاگ رہے ہو۔ اس نے جواب دیا میں تمہارے معاہدے سے بری ہوں کہ میں جو چیز دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتے۔ یعنی مراد وہ فرشتوں کا لشکر جو جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کی قیادت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ شیطان نے کہا مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی قدرت کاملہ اور عذاب سے واقف تھا۔ ابوجہل نے سراقہ (یعنی شیطان) کے بھاگ جانے پر اپنے لشکر کی یہ کہہ کر ہمت بندھائی کہ سراقہ بن مالک نے خفیہ طور پر محمد ﷺ سے سازش کر رکھی تھی۔ جنگ کے بعد جب یہ ہارے ہوئے کفار مکہ واپس آئے تو ان میں سے کسی کی ملاقات سراقہ بن مالک سے ہوئی تو اس نے اس سے شکایت کی کہ تو نے ہمیں دھوکہ دیا تو اس نے کہا میں تمہارے ساتھ گیا ہی نہیں تھا، میں نے تمہاری شکست کی خبر تو لوگوں سے ہی سنی ہے۔

شیطان انسان کو اس خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہی حق پر سمجھنے لگتا

Marfat.com

ہے۔اسی لیے جب قریش کے لشکر کے سردار بیت اللہ کے سامنے یہ دعا کر کے چلے تھے کہ اے اللہ ہم دونوں جماعتوں میں سے جو زیادہ ہدایت پر ہے اس کی مدد فرمائیے۔ دراصل یہ اپنے ہی خلاف دعا مانگ رہے تھے۔

قریش کو مسلمانوں کے لشکر پر ترس آتا تھا کہ یہ مٹھی بھر لوگ ہمارے اتنے بڑے لشکر سے ٹکرانے آ گئے ہیں۔ مسلمان بظاہر ہر طرح سے کمزور نظر آتے تھے مگر وہ ایمان کی قوت سے مالا مال تھے اور ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتے ہیں۔

سورہ الانعام میں بھی شیطان کے گمراہ کرنے کی بات کی گئی ہے۔ آیت (۴۳) میں فرمایا **فلولا اذجاء هم .... ما كانون يعملون** O ترجمہ ''پس جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہ اختیار کی مگر ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کو اطمینان دلا دیا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب کر رہے ہو''

یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اتمام حجت کے لیے ہر قوم کی ہدایت کے لیے آپ ﷺ سے پہلے نبی بھیجے گئے اور ان کا امتحان لیا گیا۔ پہلا امتحان ان کو سختی میں ڈال کر لیا گیا کہ شاید یہ راہ راست پر آ جائیں مگر ایسے نافرمان اللہ کی طرف رجوع نہ ہوئے بلکہ مزید سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ دوسرا امتحان اس طرح لیا گیا کہ ان پر دنیاوی نعمتوں کی بوچھاڑ کر دی کہ شاید یہ لوگ ان نعمتوں کو پا کر اپنے محسن کو پہچاننے لگیں اور شکر گزاری سے اپنے رب کا حق ادا کریں۔ مگر ایسے لوگ سب چیزوں کی فراوانی کو اپنی عقل اور طاقت کا ثمر خیال کرنے لگے۔ اور دنیاوی عیش و عشرت میں ایسے کھو گئے کہ ان کو یوم حساب یاد ہی نہ رہا حتیٰ کہ ان پر اچانک عذاب نازل فرما کر ان کو نیست و نابود کر دیا۔ طوفان نوح علیہ السلام، قوم عاد پر شدید ہوا کا طوفان، قوم ثمود پر خوفناک چنگھاڑ کا عذاب اور قوم لوط کی پوری بستی کا الٹنا اور فرعون کی غرقابی کی مثالیں قرآن الحکیم میں دی گئی ہیں اور ان کے لیے اس دنیا کے عذاب کے علاوہ آخرت کے عذاب کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔ یہ باتیں کفار مکہ کو سنائی جا رہی ہیں کہ تم کو جو دنیاوی نعمتیں میسر ہیں اس لیے نہیں کہ اللہ تم سے راضی ہے بلکہ یہ بہت بڑی آزمائش ہے۔

پہلی آزمائش اللہ کی رحمت تھی کہ شاید بداعمال لوگ جھنجوڑی سے اللہ کی طرف لوٹ

Marfat.com

آئیں اور عاجزی اختیار کریں مگر شیطان نے ان کو راہ راست پر نہ آنے دیا۔ پھر دوسری آزمائش میں بھی وہ اپنے اللہ سے دور ہوتے گئے۔ شیطان ان کو اس فریب میں مبتلا کرتا رہتا ہے کہ پیغمبر کا قول ایک فریب ہے جو تمہیں تمہارے باپ دادا کی روش سے ہٹا دے گا۔ شیطان ان کے دلوں میں راسخ کر دیتا ہے کہ آخرت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مال و دولت، اولاد، سرداری کی برتری ان کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے اور تکبر میں مبتلا لوگ اس خیال میں مارے جاتے ہیں کہ اگر اللہ ہم سے ناراض ہوتا تو ہمیں اس طرح نعمتوں سے مالا مال نہ کرتا۔ یہ لوگ جواب دہی کے تصور سے آزاد ہو کر ہر ظلم، ناانصافی، بدقماشی، خیانت اور بے ایمانی روا رکھتے ہیں۔ پچھلی امتوں کے واقعات اس لیے بیان فرمائے گئے ہیں کہ یہ پچھلی قومیں جو تم سے کئی لحاظ سے قوت میں برتر تھیں' اللہ کی پکڑ سے نہ بچ پائیں تو تم اہل مکہ کیسے بچ پاؤ گے۔

امام تفسیر ابن جریرؒ نے بروایت عبادہ ابنؓ صامت نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جب اللہ کسی قوم کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو دو وصف ان میں پیدا کر دیتے ہیں، ایک ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی، دوسرے عفت اور عصمت یعنی خلاف حق چیزوں کے استعمال سے پرہیز، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک اور برباد کرنا چاہتے ہیں تو ان پر خیانت کے دروازے کھول دیتے ہیں یعنی وہ اپنی خیانتوں اور بداعمالیوں کے باوجود کامیاب نظر آتے ہیں۔'' (م ج ۳،ص ۳۲۲)

سورہ المائدہ کی آیت ۹۰ کی تفسیر پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور آستانے اور پانسے شیطانی کام قرار دیئے ہیں جو معاشرے میں فتنہ، فساد، حسد، ہوس زر کا موجب بنتے ہیں اس لیے ان سے پرہیز کرنے کو فرمایا ہے۔ ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی کر کے شیطان انسانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ قوم سبا بھی گمراہ قوموں میں سے تھی۔ سورہ النمل (۲۴،۲۵) میں فرمایا وجدتھا و قومھا .... وما تعلنون O

ترجمہ ''میں نے دیکھا وہ اور اس کی قوم اللہ کی بجائے سورج کے آگے سجدہ کرتی ہے۔ شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے اور انہیں شاہراہ (یعنی سیدھی راہ) سے روک دیا، اس وجہ سے وہ سیدھا راستہ نہیں پاتے کہ اس خدا کو سجدہ کریں جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا

Marfat.com

ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم لوگ چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو۔"

سورہ النحل میں ملکہ سبا کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ملکہ سبا کے بارے میں اپنے چشم دید حالات بیان کئے اور کہا کہ ملکہ سبا اور اس کی قوم سورج کی پرستش کرتی ہے۔ یہ دنیا پرست قوم مشرک ہے اور یہ اپنی دولت اور زندگی کو زیادہ سے زیادہ شاندار بنانے کی فکر میں لگی رہتی ہے۔ اور کسی چیز پر سنجیدگی سے سوچنے کی حاجت محسوس نہیں کرتی۔ کبھی مذہب، اخلاق اور پاکیزہ نظام حیات کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتی۔ شیطان نے ان کو نفس پرستی میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کو یقین دلا دیا ہے کہ تم جس ڈگر پر چل رہے ہو، یہی درست ہے، اور اسی پر چلتے رہو۔ اور ان کو اللہ کے بارے میں جو کائنات کا خالق اور مالک ہے، بدگمان کرتا رہتا ہے اور اللہ اور بندے کے درمیان فاصلے بڑھانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اور آخرت سے انکار پر اکساتا رہتا ہے۔ اور اچھے اعمال کرنے والوں کے راستے میں گمراہی کے کانٹے بچھاتا رہتا ہے۔

آیت ۲۵ میں بتایا گیا ہے کہ حق کا راستہ تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں، اور اس کی مخلوق اس سجدے کے لائق نہیں ہے۔ اللہ کی ذات سے کوئی شے مخفی نہیں ہے، وہ وسائل کا پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے اور اس کے سوا اور کوئی سجدہ کے لائق نہیں ہے۔

سورہ العنکبوت (۳۸) میں قوم عاد اور ثمود کی ہلاکتوں کا ذکر ہے، جو شیطان کی راہ پر چل پڑے تھے۔ فرمایا **و عاداً و ثمودا .... مستبصرین** O ترجمہ "اور ہم عاد و ثمود کو ہلاک کیا، تم وہ مقامات دیکھ چکے ہو جہاں وہ رہتے تھے، ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے خوشنما بنا دیا اور انہیں راہ راست سے برگشتہ کر دیا۔ حالانکہ وہ ہوش گوش رکھتے تھے۔"

دونوں مذکورہ قومیں اللہ کے غضب کا شکار ہوئیں۔ ان کی ہدایت کے لیے نبی بھیجے گئے مگر انہوں نے ان کو جھٹلایا۔ یہ ہوش مند، بڑے ہنر مند لوگ تھے مگر مال و دولت اور عیش وعشرت کی زندگی نے ان کو اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔ شاندار گھر بناتے، ہر طرح کا ظلم روا رکھتے، ناپ تول میں کمی کرتے، چوری ڈاکہ، راہ زنی سے باز نہ رہتے اور آخرت پر یقین نہ رکھتے تھے۔ شیطان نے انہیں اس راہ کی لذتوں اور منفعتوں کی طرف راغب کئے رکھا۔ انبیاء کے راستہ پر چلنے سے روک

Marfat.com

دیا کہ یہ راستہ اخلاقی ضوابط اور پابندیوں کا راستہ ہے، احتساب کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا غضب ان قوموں پر عذاب کی صورت میں نازل ہوا۔ اللہ کے عذاب کے سامنے ان کے مضبوط، شاندار گھر مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ ناپائیدار ثابت ہوئے۔ یہاں اہل مکہ کو سنایا جا رہا ہے کہ حق کے راستے کے لیے سوچنے سمجھنے کی قوت رکھتے ہوئے بھی اپنی ہٹ دھرمی، انا اور دنیاوی فائدوں کے لیے، شیطان کے پیروکار بنے ہوئے ہو اور یہ کہ تمہارا حشر بھی، ان نافرمان قوموں کی طرح، خراب ہوگا۔ عقل و فکر کی صلاحیتیں تم سے کسی وقت بھی صلب کی جا سکتی ہیں۔

سورہ النساء (۱۱۷ تا ۱۱۹) میں شیطان کے بارے میں تفصیلی بیان آیا ہے۔ فرمایا ان یدعون من دونہ .... خسرانا مبینا O ترجمہ ''وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں وہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے، (وہ اس شیطان کی اطاعت کر رہے ہیں) جس نے اللہ سے کہا تھا میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا، میں انہیں بہکاؤں گا، میں انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا، میں انہیں حکم دونگا اور وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان پھاڑیں گے۔ اور میں انہیں حکم دونگا اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں ردوبدل کریں گے۔''

''اس شیطان کو (جو ملعون ٹھہرا) جس نے اللہ کی بجائے اپنا ولی و سرپرست بنا لیا وہ صریحاً نقصان میں پڑ گیا، وہ ان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے سارے وعدے بجز فریب کے اور کچھ نہیں ہیں''

ان آیات مبارک میں اللہ کریم نے شیطان کے کاموں کی وضاحت فرما دی ہے، کہ وہ کس طرح انسانوں کو صراط مستقیم سے ہٹاتا ہے۔ شیطان نظر سے اوجھل رہ کر کام کرتا ہے۔ غیر اللہ کی پرستش شرک گناہ کبیرہ ہے جس کی اللہ کے ہاں بخشش نہیں (سوائے توبہ کے) اس طرح بالواسطہ انسان شیطان کو معبود بنا لیتا ہے۔

اور بندہ اپنے خالق کا نافرمان ہو جاتا ہے۔ شیطان کا بندوں سے مقرر حصہ لینے کا مطلب ہے کہ وہ ان کے وقت، کوششوں، صلاحیتوں، ان کے مال اور اولاد میں اپنا حصہ لے گا کہ

Marfat.com

وہ ان سب چیزوں کا ایک حصہ اس کی راہ میں خرچ کریں۔ وقت فضول باتوں میں برباد کریں، محنت سے کمایا ہوا مال شیطانی کاموں میں خرچ کریں، اور اولاد کو بہکا کر بھی شیطان اپنا حصہ لے۔

شیطان بندوں کو توہمات میں مبتلا کرتا ہے۔ عرب میں رواج تھا جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی تھی اس کے کان کاٹ کر کسی دیوتا کے نام چھوڑ دیتے اور اس سے کام لینا حرام تصور کرتے۔ اسی طرح وہ دیوتاؤں اور دیویوں کو خوش کرنے کے لیے اس اونٹ کو جس کے نطفے سے ۱۰ بچے ہو جاتے اس کے بھی کان کاٹ کر اپنے جعلی معبودوں کے نام پر دان کر دیتے۔ اس طرح وہ اشیاء کے جائز تصرف سے ہٹ جاتے۔ راہبانیت اختیار کرنا، عمل قوم لوط اور اپریشن کے ذریعے خواجہ سرا بنانا اور اس طرح کے دوسرے فعل بھی شیطان کی شاگردی کے مترادف ہیں۔ شیطان جھوٹی امیدیں، جھوٹے وعدے اور شاندار مستقبل کے سبز باغ دکھاتا ہے۔ یہ کام وہ بالمشافہ نہیں کرتا۔ مثلاً جب جواری ہارتا چلا جاتا ہے تو ہر بار اس کے دل میں یہ ڈالتا ہے کہ اب کی بار تو جیتے گا اور تیرا اگلا پچھلا نقصان پورا ہو جائے گا۔ پھر انسان کے دل میں یہ ڈالتا ہے کہ جو کامیابیاں تمہیں ہو رہی ہیں وہ تمہاری عقل و فکر کا نتیجہ ہیں۔ اس طرح وہ انسان کو تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر آخرت کے انکار پر اکساتا ہے کہ آخرت کی گرفت سے آزاد ہو کر انسان غلط راہوں پر سرپٹ دوڑنے لگتا ہے۔ سرکشی کی یہ راہیں اسے جہنم تک لے جاتی ہیں۔ ان سارے شیطانی فریبوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اللہ نے اپنے بندوں کو ان خطرات سے آگاہ کر کے بندے پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ واضح احکامات سے رحمان اور شیطان کی راہوں کے درمیان حد فاصل قائم کر دی ہے اور پھر اپنی رحمت سے گمراہ انسانوں کے لیے واپس آنے کا راستہ بھی کھلا رکھا ہے۔

سورہ الانعام (۱۲۱) میں بھی یہی موضوع ہے۔ فرمایا **ولا تاکلوا** .... **انکم لمشرکون** O ترجمہ "اور جس جانور کو اللہ کے نام سے ذبح نہ کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ، شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات القا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو۔"

اس آیت کریمہ میں حرام و حلال کے بارے میں اللہ کی بتائی ہوئی حدود سے نکلنے کے

Marfat.com

بارے میں فرمایا گیا ہے۔ منکرین حق ان قیود سے نکلنے کے لیے نبی پاک ﷺ سے طرح طرح کے سوالات کیا کرتے تھے۔ شیاطین گمراہ لوگوں کی تلاش میں رہتا ہے کہ ان کو مزید گمراہ کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ علمائے یہود و جہلائے عرب حضور ﷺ سے جو سوال کرتے تھے انہیں میں سے ایک یہ تھا کہ آخر کیا معاملہ ہے کہ جسے اللہ مارے وہ تو حرام ہو اور جسے ہم ماریں وہ حلال ہو جائے۔ یہ ان کی ٹیڑھی سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔

آج کل بھی کچھ ٹیڑھی ذہنیت والے لوگ یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ خنزیر جن کے ریوڑ پالے جاتے ہیں اور وہ گندی غذا نہیں کھاتے تو کیا وہ بھی حرام ہیں؟ رب العزت بڑی حکمتوں والا ہے اور اس کے ہر حکم، حدود اور قیود میں انسان کی بھلائی مقصود ہے۔ مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ان کج بحثوں کی بات پر کان نہ دھرو اور اگر تم ان کے کہے میں آ گئے تو اعتقادی شرک کے مرتکب تو نہ ہو گے البتہ عملی طور پر مشرک ہو جاؤ گے۔ اللہ کے سوا کسی اور کی اطاعت، جو اللہ کے احکامات کے خلاف ہو، کسی طرح بھی سزاوار نہیں۔ یعنی تم امرونہی کے مالک نہیں بن سکتے۔ اصل اطاعت، بے چوں چراں، اللہ کا حکم ماننا ہے۔ مسلمانوں کو شبہات اور وسوسوں کے پیچھے نہیں بھاگنا ہے۔ معترض کی طرف التفات نہیں کرنا۔ یہ خرافات شیطان کا راستہ کھولتی ہیں۔

حلال جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور ذبح کیا ہوا جانور نجس خون سے پاک ہو جاتا ہے جبکہ مردار کی ساری نجاست اس کے اندر رہتی ہے۔ اللہ کی حکمتوں کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں، بندگی تو خالص اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن الحکیم میں پچھلی نافرمان قوموں کی تباہی کا ذکر کئی سورتوں میں فرمایا تا کہ یہ ذہن نشین ہو جائے کہ ایسی قوموں کو نہ صرف دنیاوی عذاب کا سامنا کرنا پڑا بلکہ آخرت کا عذاب بھی ان کا منتظر ہے۔ سورہ لقمن (۲۱) میں فرمایا **واذا قیل لھم ...... عذاب السعیر** O ترجمہ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی اس چیز کی کرو جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ انہیں کی پیروی کریں گے خواہ شیطان ان کو بھڑکتی ہوئی آگ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا ہو''

Marfat.com

کفار کا ایک گھڑا گھڑایا جواب ہوتا تھا۔ شرک سے منع کرنے، بت پرستی سے منع کرنے اور دوسرے شیطانی کاموں سے باز رہنے کی تلقین پر وہ یہ جواز پیش کرتے تھے کہ یہ تو ہمارا آبائی دین ہے اور ہم اسی کی پیروی کریں گے حالانکہ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کے آباؤ اجداد گمراہ نہیں تھے۔ عقل و فکر کا تقاضا ہے کہ اندھا دھند شیطان کی گمراہ کن راہوں پر چلنے کی بجائے اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں اور دنیا و آخرت میں فلاح پائیں۔

اجنا کا تعمیری پہلو

شیاطین کا لفظ سرکش اور نافرمان اجنا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انکا زیادہ تر ذکر گمراہ کرنے کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ لیکن بعض جن ایمان والے بھی ہوتے ہیں، حافظ قرآن بھی ہوتے ہیں۔ قرآن میں ان کے کردار کا ایک دوسرا پہلو بھی سامنے آیا ہے۔ سورہ الانبیاء (۸۲) میں انکا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلسلے میں آیا ہے۔ و امن الشیطین من .... لھم حفظین O فرمایا ترجمہ ''اور شیاطین میں سے ایسے بہت سے تھے (اس کا تابع بنا دیا تھا) جو اس کے لیے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے سوا دوسرے کام کرتے تھے، ان سب کے نگران ہم ہی تھے۔''

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا، پرندوں اور جانوروں کی بولیاں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی وہاں ان کے لیے بعض جنوں کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ جس کام کا بھی حکم دیں وہ کریں۔ سورہ سبا ۱۲ تا ۱۴ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان معجزات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ و لسلیمان الریح .... فی العذاب المھین O ترجمہ ''اور سلیمان کے لیے ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا، صبح کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی راہ تک اور شام کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی راہ تک۔ ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور ایسے جن اس کے تابع کر دیئے جو اپنے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے۔ ان میں سے جو ہمارے حکم کی سرتابی کرتا

Marfat.com

ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھاتے۔ وہ اس کے لیے بناتے تھے جو کچھ وہ چاہتا، اونچی عمارتیں، تصویریں، بڑے بڑے حوض جیسے لگن اور جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں۔ اے آل داوٗد عمل کرو شکر کے طریقے پر، میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔ پھر جب سلیمان علیہ السلام پر ہم نے موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنوں کو اس کی موت کا پتہ دینے والی کوئی چیز گھن کے سوا نہ تھی جو اس کے عصاء کو کھا رہا تھا۔ اس طرح جب سلیمان علیہ السلام گر پڑا تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ وہ غائب جاننے والے ہوتے تو اس ذلت اور عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔"

ہیکل سلیمانی کی تعمیر بھی جنوں کی مدد سے ہوئی۔ یہ دور دراز سے قیمتی پتھر لا کر اس میں لگاتے تھے۔ (ت ج ۴ ص ۱۷۹ تا ۱۸۸) معجزے کے طور پر جنوں اور شیاطین کو ان کے تابع کر دیا گیا۔

جن آگ سے بنائے گئے ہیں۔ یہ اجسام لطیفہ عقل و شعور رکھتے ہیں۔ اس مخلوق میں جو ایمان قبول نہ کریں اور کفر پر قائم رہیں ان کے لیے شیاطین کا لفظ استعمال ہوتا ہی یعنی سرکش اور نافرمان۔ مومن جن تو ویسے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے فرمانبردار تھے۔ یہاں کفار کے جنات کی تسخیر کا ذکر ہے جو باوجود سرکش ہونے کے حضرت علیمان کے تابع رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر پہرہ لگا دیا کہ وہ کوئی گزند نہ پہنچا سکیں۔

شیطان کو گمراہ کرنے کا اذن

اللہ تعلیٰ نے جہاں شیطان کو اور شیطان نما انسانوں کو، بندوں کو گمراہ کرنے کا اذن دیا ہے وہاں اس کے داوٗ سے بچنے اور روز حشر اس کے رویے کا ذکر فرما کر انسان کی راہنمائی فرمائی ہے۔

سورہ البقرہ (۱۴، ۱۵) میں فرمایا واذا لقوا الذین ....

یعمھون O ترجمہ "جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے مذاق کر رہے ہیں۔ اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے اور ان کی رسی دراز کیے جاتا ہے اور وہ

Marfat.com

اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔''

شیطان کا لفظ جنوں اور انسانوں دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور سیاق و سباق سے بآسانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد جن ہیں یا شیطان صفت انسان۔ اس آیات کریمہ میں یہ اس وقت کے بڑے بڑے منافق تھے۔ یہ ایک طرف اسلام کے مدعی بنتے تھے مگر درون خانہ وہ اپنے کافر سرداروں کے ساتھ تھے۔ ایسے دو چہرے والے لوگ کفار سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ سے مذاق کرتے ہیں جو ان کو بڑا مہنگا پڑتا ہے۔ اللہ ان کو ڈھیل دیتا ہے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ کوئی غلط کام کر رہے ہوتے تو پکڑ آ جاتی۔ مگر جب یہ لوگ کفر میں کامل ہو جاویں اور جرم سنگین ہو جاویں تو اچانک پکڑ لیے جائیں گے۔ اللہ کی اچانک پکڑ ان کے استہزا کا جواب تھا۔

آج کل بھی منافقین کی کمی نہیں جو دل سے ایمان نہیں لاتے مگر ان کو پہچاننا اور منافق قرار دینے کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی یہ بتلا دیتے تھے کہ فلاں شخص منافق ہے۔ دوسرا ذریعہ قول و فعل سے پرکھنے کا ہے۔ جو قول و فعل سے اسلام کے عقائد کی مخالفت یا استہزا یا تحریف کا مرتکب ہونے کے باوجود اسلام کا مدعی بنے تو اسے منافق سمجھا جائیگا۔

امام مالکؒ سے شرح بخاری میں نقل کیا گیا ہے کہ بعد زمانہء نبوت کے نفاق کی یہی صورت ہے جس کو پہچانا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔

شیاطین یا شیطان نما انسان جو شیطان کے چیلے بن جائیں انسانوں کو جادو ٹونے وغیرہ سے بھی بہکاتے ہیں۔ سورہ البقرہ ۱۰۲ میں ایسے شیاطین کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ واتبعوا .... لو کانوا یعلمون O ترجمہ ''اور لگے وہ ان چیزوں کی پیروی کرنے جو شیاطین سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا نام لے کر پیش کیا کرتے تھے، حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے کبھی کفر نہیں کیا۔ کفر کے مرتکب تو شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ پیچھے پڑے اس چیز کے جو بابل میں، دو فرشتوں، ہاروت ماروت پر نازل کی گئی۔ حالانکہ وہ (فرشتے) جب کسی کو تعلیم دیتے تھے تو پہلے صاف طور پر متنبہ کر دیا کرتے تھے کہ دیکھو ہم محض ایک آزمائش ہیں تم کفر میں مبتلا نہ ہو۔ پھر بھی یہ لوگ ان چیزوں کو سیکھتے تھے جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ ظاہر تھا کہ اذن الٰہی کے بغیر اس ذریعے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے مگر اس کے باوجود

Marfat.com

وہ ایسی چیزیں سیکھتے تھے جو خود ان کے لیے نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ تھی اور انہیں خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار بنا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ کتنی بری متاع تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش انہیں معلوم ہوتا''

جب بنی اسرائیل پر اخلاقی اور مادی انحطاط کا دور آیا اور جہالت اور افلاس نے ان کو ذلت کی پستیوں مین دھکیل دیا تو وہ جادو، ٹونے ٹوٹکے، عملیات اور تعویذ گنڈوں کے ذریعے اپنے کام نکالنے کی لت میں گرفتار ہو گئے، تا کہ بغیر مشقت اور جدو جہد سے اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ اس وقت شیاطین (جن وانس) نے انہیں بہکانا شروع کر دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم سلطنت اور حیرت انگیز طاقتیں جادو کی مرحون منت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی براءت فرمادی کہ حضرت سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا۔ یہاں یہ بھی کہنا مقصود ہے کہ جادو کفر ہے۔ جاہل جادو کے اثرات دیکھ کر انبیاء کرام کے معجزات کو بھی جادو سے تعبیر کرتے تھے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو قرار دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے معجزے اور سحر کے اشتباہ کو دور کرنے کے لیے بابل میں دو فرشتے ہاروت، ماروت نامی اس کام کے لیے بھیجے کہ وہ لوگوں کو سحر کی حقیقت سے آگاہ کریں تا کہ وہ جادو کے عمل سے اجتناب کریں۔ وہ لوگوں کو خبر دار کر دیتے کہ ہم تمہارے لیے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں، تم اپنی عاقبت خراب نہ کرو مگر اس کے باجود وہ لوگ ان سے سحر کے عمل سیکھنے کے لیے ان پر ٹوٹ پڑتے رہے۔ سب سے زیادہ مانگ ایسے عملیات یا تعویذوں کی تھی جو میاں بیوی میں نفاق ڈالیں تا کہ وہ دوسرے کی بیوی کو اپنی طرف راغب کر لیں۔ یہ اخلاقی گراوٹ معاشرے کا سکون اور گھروں کی اکائی کو برباد کرنے والی ہے اور مخلوق کی ایذا رسانی کا سبب بنتا ہے۔ جادو سے نقصان وہ کام لیے جاتے ہیں۔ یہ قوت متخیلہ اور دماغ پر اثر ڈالتا ہے۔۔ جسے فرعون کے جادوگروں کے جادو سے رسیاں سانپ نظر آئیں۔ سحر اور معجزے میں فرق ہے گو ظاہری صورت دونوں کی ایک ہے۔ معجزہ بلا واسطہ اسباب طبیعہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے جو متقی اور پاکیزہ اخلاق والے ہوں جیسے انبیاء کرام اور اولیاء کرام۔ اس کے برعکس جادو کا اثر ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو گندے، ناپاک اور اللہ کے نام اور اس کی

Marfat.com

عبادت سے دور رہتے ہیں۔

جادو کا اثر ہر انسان پر ہوسکتا ہے حتیٰ کہ انبیاء بھی اسباب طبیعہ سے متاثر ہوئے۔ سحر سے کفر و شرک، فسق و فجور اختیار کر کے جنات اور شیاطین کو راضی کیا جاتا ہے۔ سحر بابل کا شمار بھی اسی میں ہے۔ چونکہ یہ عمل کفر اعتقادی اور عمل سے خالی نہیں ہوتا اسی لیے اس کا سیکھنا یا سکھانا حرام ہے۔

شیطان کی ہمہ وقت شیطانی کاروائیوں کا ذکر قرآن الحکیم میں بار بار کیا گیا ہے تاکہ انسان اس ازلی دشمن سے ہوشیار رہے۔ سورہ البقرہ (۲۶۹،۲۶۸) میں فرمایا **الشیطٰن یعد کم .... الا اولوا الالباب** O ترجمہ ''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے۔ اللہ بڑا فراخ دست ہے اور دانا ہے، جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے بڑی دولت مل گئی۔ ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانشمند ہیں۔''

شیطان انسان کو ہوس زر میں مبتلا کرتا ہے اور دولت سنبھال کر رکھنے اور جائز اور ناجائز طریقے سے اضافہ کرنے کی فکر ڈال دیتا ہے۔ دولت خرچ کرنے کے بارے میں دوغلی حکمت عملی اختیار کرتا ہے۔ ایک طرف وہ اللہ کی راہ اور بھلائی کے کاموں میں خرچ نہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ کہیں وہ مفلسی کا شکار نہ ہو جائے اور دوسری طرف وہ انسان کو بے ہودہ کاموں میں خرچ کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ مثلاً جواء، شراب اور فحاشی کے کام۔ ان غلط کاموں کے بارے میں وہ یہ یقین دلاتا ہے کہ یہ تمہاری کمائی ہوئی دولت ہے، اسے عیش و آرام کے لیے خرچ کر اور یوم حساب کی کوئی حقیقت نہیں۔ مگر رب تعالیٰ کی ذات بھلائی کے کاموں میں کشادہ راہ اختیار کرنے کو پسند کرتی ہے۔ اپنی ضروریات پر متوسط معیار کے مطابق خرچ کرنے کے بعد دل کھول کر فلاحی کاموں میں خرچ کرنا اپنی دین و دنیا سنوار دیتا ہے۔ یہ دنیاوی زندگی اخروی ابدی حیات کے مقابلے میں نہایت مختصر ہے۔ اور انسان کی عقلمندی اسی میں ہے کہ وہ کچھ زادراہ بنالے۔ جن لوگوں کو اللہ حکمت اور بصیرت عطا فرماتا ہے ان کو خیر کثیر عطا ہوتا ہے۔ مفلسی کے ڈر سے فلاح عامہ کے لیے خرچ نہ کرنے والے وعدہ الٰہی سے اغماض کر کے وعدہ شیطانی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور

Marfat.com

یہ دانش مندی نہیں ہے۔

شیطان شیطان نما انسانوں سے بھی اپنا کام نکالتا ہے۔ سورہ آل عمران (۱۷۵) میں اسی بات کا ذکر ہے۔ **انما ذلکم الشیطٰن .... ان کنتم مومنین O**

ترجمہ "(اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ) وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خوامخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آئندہ تم ان سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا، اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو"

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد ابوسفیان نے مسلمانوں کو آئندہ سال بدر میں پھر مقابلے کے لیے للکارا تھا۔ جب وعدے کا وقت قریب آیا تو مکہ میں قحط پڑا ہوا تھا۔ لہٰذا اپنا بھرم رکھنے کے لیے اس نے ایک چال چلی اور مدینہ کے مسلمانوں میں یہ خبر مشہور کر دی کہ اب کے سال کفار نے زبردست تیاری کی ہے اور لاؤ لشکر اتنا بڑا ہے کہ جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ مقصود اس خبر کا یہ تھا کہ مسلمان خوف زدہ ہو کر مقابلے کیلئے نہ آئیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب مسلمانوں سے بدر چلنے کے لیے کہا تو جواب خاطر خواہ نہ ملا، اس پر حضور ﷺ نے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ اگر کوئی نہ جائے گا تو میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ اس پر ۱۵ سو مجاہدین آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے اور بدر پہنچ گئے۔ ابوسفیان کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ صرف خدا سے ڈرنے والے ہیں مگر اب کچھ بات بنانا پڑی۔ چنانچہ وہ دو ہزار کا لشکر لے کر بدر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ مسافت طے کرنے کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس سال لڑنا مناسب نہیں، اگلے سال آئیں گے۔ کفار کا لشکر واپس لوٹ گیا۔ حضور ﷺ آٹھ روز تک انتظار فرماتے رہے اور کفار کے واپس لوٹ جانے کی خبر کے بعد مدینہ لوٹ آئے۔ بدر کے قیام کے دوران مسلمانوں نے ایک تجارتی قافلہ سے کاروبار کر کے خوب منافع کمایا۔

یہاں ایمان والوں کی یہ صفت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے اسے کسی اور سے ڈرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

اس آیت مبارکہ میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے مشرکین کی زبردست تیاری کی خبر انسانوں میں شیطان کے چیلوں یعنی اس کے اولیاء کا کارنامہ ہے۔ مسلمان صرف حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ لشکر کی بڑی تعداد، توپ و تفنگ سے مرعوب نہیں ہوتا۔

Marfat.com

وہ اپنے سازوسامان پر بھی بھروسہ نہیں کرتا، صرف اللہ سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی نافرمانی نہ ہو جائے۔

اب تک شیطان کی گمراہ کن چالوں کے بارے میں متعدد قرآنی آیات کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھی اللہ نے قران میں متعدد بار مسلمانوں کو شیطان کی کارستانیوں سے آگاہی فرمائی ہے۔ البقرہ ۲۰۸ میں اللہ جل شانہ نے فرمایا یاایھا الذین آمنو .... عدو مبین O ترجمہ ''اے ایمان والو تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم مکمل طور پر تابع اسلام ہو جاؤ۔ اسلام کی پیروی جزوی طور پر نہیں کرنی کہ اس میں اپنی پسند یا ناپسند کا کوئی مقام نہیں۔ اللہ کے ہر حکم میں مسلمانوں کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ پوری زندگی رحمت کے سائے میں گزارنی ہے۔ مومن کی دنیاوی زندگی بھی دین کے تابع ہوتی ہے۔ عقیدہ، علوم، معیشت، معاشرت سب دین کے بڑے دائرے میں ہی رکھتے ہیں۔ مکمل تابعداری، اللہ اور اس کے رسول کی ہی شیطان کی گمراہی کا سدباب ہے۔

سورہ النساء (۳۸) میں شیطان کی رفاقت کو بری رفاقت ٹھہرایا ہے۔ فرمایا والذین ینفقون .... فساء قرینا O ترجمہ ''اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں جو اپنے مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور درحقیقت نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر۔ سچ یہ ہے کہ شیطان جس کا رفیق ہوا اسے بہت بری رفاقت میسر آئی''

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بدوں ریاکاری اللہ کو پسند ہے۔ نام نمود کی خاطر خرچ کرنے، شیطان کی راہ پر چلنے والے اس کے رفیق ہیں۔ شیطان کبھی بھی انسان کی بھلائی کا خواہاں نہیں ہوتا۔ شیطان کی دوستی بڑی مہنگی پڑے گی اور یہ ان کو برے انجام اور دوزخ کی طرف لے جائے گی۔

سورہ الانعام (۱۲۹) میں جنوں کو انسانوں کو بہکانے کے جرم میں ان کو روز حشر سزا سنائی جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ ویوم یحشرھم ...... حکیم علیم O

Marfat.com

ترجمہ ''جس روز اللہ ان سب کو گھیر کر جمع کرے گا اس روز وہ جنوں سے خطاب فرمائے گا، اے گروہ جن (یعنی شیاطین) تم نے نوع انسانی پر خوب ہاتھ صاف کیا۔''

''انسانوں میں جو ان کے رفیق تھے عرض کریں گے پروردگار ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو خوب استعمال کیا ہے اور اب ہم اس وقت پر آ پہنچے ہیں جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر دیا تھا۔ اللہ فرمائے گا اچھا آگ تمہارا ٹھکانہ ہے، اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ اس سے بچیں گے صرف وہی جنہیں اللہ بچانا چاہے گا، بیشک تمہارا رب دانا اور علیم ہے۔''

اس آیت میں شیاطین اور ان کے ساتھیوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔

سورہ الانفال (۱۱) میں شیطان کی ڈالی ہوئی نحوست یعنی خوف اور گھبراہٹ دور کرنے کے لیے اللہ نے غنودگی اور بارش کی صورت میں مسلمانوں پر احسان فرمایا۔ **اذ یغشکم النعاس** .... **و یثبت بہ الاقدامO** ترجمہ ''اور وہ وقت جبکہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان اور بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نحوست دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعے تمہارے قدم جما دے''

یہ جنگ بدر کی رات کا واقع ہے جب اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمائے، غنودگی اور بارش کی صورت میں، غزوہ بدر میں مسلمانوں کے دلوں سے گھبراہٹ اور خوف دور کرنے کے لیے ان پر خاص قسم کی غنودگی طاری کر دی اور وہ تازہ دم ہو گئے۔

دوسری نعمت، مسلمانوں کے لیے بارش کی صورت میں عطا ہوئی جس سے مسلمانوں کو پانی کی کافی مقدار مل گئی جو حوض بنا بنا کر جمع کر لیا گیا۔ پھر بارش سے ریت بھی جم گئی تاکہ قدم اچھی طرح جم سکیں۔ علاوہ ازیں کفار کا لشکر چونکہ نشیب میں تھا، اس لیے وہاں بارش کی بدولت کیچڑ اور پھسلن ہو گئی۔ پھر اس بارش کی وجہ سے وہ شیطانی وسوسے جو بعض کمزور لوگوں کو دشمن کی قوت اور شان و شوکت دیکھ کر، گھبراہٹ میں مبتلا کر رہے تھے دھو ڈالے۔ یعنی بارش نے خوف و ہراس اور گھبراہٹ کی صورت میں شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کر دی۔

سفیان ثوریؒ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود نقل کیا ہے کہ جنگ کی حالت میں

Marfat.com

نیند اللہ کی طرف سے امن اور اطمینان کی نشانی ہے اور نماز میں نیند شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔(ابن کثیر)(م ج ۴ص ۱۹۶)

سورہ مریم (۴۴، ۴۵) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو شیطان کی پیروی کر کے رحمان کے عذاب میں مبتلا ہونے سے خبردار کیا ہے۔فرمایا **یاابت لا تعبد** .... **للشیطٰن ولیاO** ترجمہ''اباجان آپ شیطان کی بندگی نہ کریں،شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ابا جان مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔''

یہاں شیطان کے ساتھی ہونے سے مراد بت پرستی ہے، جو شیطان کی اطاعت کے مترادف ہے۔شرک جرم اور گناہ کبیرہ ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو بڑے ادب سے خطاب فرما کر شرک وکفر کے بدانجام دے ڈرایا ہے جو شیطان کی پیروی کرنے سے درپیش آسکتا ہے۔

سورہ محمد میں شیطان کی روش کا ذکر فرمایا گیا ہے۔آیت ۲۴، ۲۵ میں فرمایا **افلا یتدبرون القرآن** .... **و املٰی لھمO** ترجمہ''کیاان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت واضح ہونے کے بعد اس سے پھر گئے،ان کے لیے شیطان نے اس روش کو سہل بنادیا ہے اور جھوٹی توقعات کا سلسلہ ان کے لیے دراز کر رکھا ہے۔''

یعنی جو لوگ قرآن کے مضامین پر غور نہیں کرتے،ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں۔ انکار کی وجہ سے وہ قران میں غور وفکر نہیں کرتے۔اور ان کے دل بے حس ہو گئے ہیں۔یہ لوگ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھے ہیں۔واضح ہدایت کے باوجود شیطان کے پیچھے لگ گئے اور ہدایت سے منہ پھیر لیا ہے۔شیطان ان کو انہیں غلط راہوں پر چلنے میں ان کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ برے اعمال کو اچھا اور مزین کرنا اور پھر ان کو طویل آرزوؤں اور امیدوں میں الجھائے رکھنا، شیطان کا بائیں ہاتھ کا کام ہے۔یہ لوگ حق سے منہ موڑ کر جاہلیت کے نظام کی طرف پلٹ گئے ہیں جس میں ہر قسم کا ظلم وجور روا رکھنا جائز ہے۔یہ اخلاص اور اللہ سے وفاداری کے خلاف ہے اور

Marfat.com

منافقت ہے۔ یہاں اشارہ جہاد سے منہ موڑ لینے کی طرف بھی ہے۔

شیطان کا نام لیے بغیر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے دھوکہ دہی کا ذکر فرمایا ہے۔ سورہ الحدید (۱۴) میں فرمایا ینادونھم .... باللہ الغرور O ترجمہ ''وہ مومنوں کو پکار پکار کر کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ مومن جواب دیں گے ہاں مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا، موقع پرستی کی، شک میں پڑے رہے اور جھوٹی توقعات تمہیں فریب دیتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا، اور آخر وقت تک وہ بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکہ دیتا رہا۔''

اس آیت مبارکہ میں شیطان کا نام نہیں لیا گیا مگر اس کی دھوکہ دہی کا بالواسطہ ذکر فرمایا گیا ہے۔ یوم حشر جب فیصلہ سنا دیا جائے گا تو مومنوں اور منافقوں کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی۔ یہ دیوار اعراف میں ہوگی دیوار کے ایک طرف جنت اور دوسری طرف دوزخ ہوگی۔ اس وقت یہ دوزخی لوگ سوال کریں گے اور اپنی حیرت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، نمازیں نہ پڑھتے تھے، روزے نہ رکھتے تھے، حج اور زکوٰۃ کے فرائض ادا نہ کرتے تھے، پھر آج ہم کو کیوں جدا کر دیا گیا ہے؟ مومن ان سے کہیں گے کہ تم خود اپنی حالت کے ذمہ دار ہو۔ تم اپنے شک کی وجہ سے نہ کھل کر کفر کا ساتھ دے رہے تھے نہ پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ اسلام کی حمایت کر رہے تھے اور اس بات کا انتظار کرتے تھے کہ جس کا پلڑا بھاری ہوگا تو اسی کی طرف ہو لیں گے۔ یہ لوگ خدائے واحد کی ہستی، حضور ﷺ کی رسالت، قرآن کے کتاب اللہ ہونے اور یوم آخرت کے بارے میں شک کرتے رہے اور مرتے دم تک خالص مسلمان نہ ہو سکے، اور دھوکے باز یعنی شیطان کے فریب سے نہ نکل سکے، جو تمہارے دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہا کہ حق و باطل کا جھگڑا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اصل چیز یہی دنیاوی زندگی ہے کہ

خوش باش دمے کہ زندگانی ایں است

سورہ التکویر (۲۵، ۲۶) میں شیطان کا ذکر مختلف پیرائے میں کیا گیا ہے۔ فرمایا وماھو بقول .... فاین تذھبون O ترجمہ ''اور یہ (یعنی قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے، پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو''

Marfat.com

یہاں اس بات کی مطلق انداز مین نفی فرمائی گئی ہی کہ قران کا کلام شیطان مردود آ کر حضورﷺ کے کان میں پھونک دیتا ہے۔ منکرین حق قرآن کے بارے میں شک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ محمدﷺ یہ کلام کسی سے سیکھتے ہیں، یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ بھلا شیطان کو کیا پڑی ہے کہ پیغام حق حضورﷺ کو سکھائے جو شرک، بت پرستی، الحاد، بداخلاقی سے ہٹا کر توحید، رسالت اور آخرت کا پرچار کرے۔ یعنی شیطان خود اپنا دشمن کیسے ہوسکتا ہے۔ حضورﷺ نہ مجنون تھے، نہ کاہن، نہ صاحب غرض۔ یہ کلام لانے والے جبریل امین علیہ السلام ہیں اور لامحالہ یہ اللہ کا کلام ہے جو بصد حفاظت اللہ کے رسولﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔

سورہ بنی اسرائیل (۲۷) میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ فرمایاان المبذرین کانوا.................... لربہ کفوراO ترجمہ ''فضول خرچی کرنے والے شیطان کی بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔'' اس فرمان کا مطلب ہے کہ اپنی دولت کو صرف اپنے لیے مخصوص نہ رکھے، اپنی ضروریات اعتدال سے پوری کرنے کے بعد مستحق رشتہ داروں، ہمسایوں اور دیگر ضرورت مندوں پر خرچ کرے۔ دولت کی بہتر تقسیم کے لیے اسلامی معاشرے میں صدقات واجبہ، صدقات نافلہ، وصیت، وراثت اور وقف کے طریقے مقرر کردیئے گئے ہیں۔

یوم حساب شیطان کا رویہ

اللہ نے اپنے بندوں پر کتنا احسان فرمایا ہے کہ شیطان کے دھوکہ دہی کے ہر طریقے کی نشان دہی فرمادی ہے۔ پھر شیطان کے رویے سے بھی آگاہ فرمادیا جووہ یوم حساب اختیار کرے گا۔

سورہ ابراھیم (۲۲) میں فرمایاوقال الشیطن .... عذاب الیم O ترجمہ ''اور جب فیصلہ چکادیا جائے گا تو شیطان کہے گا'' حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی زور نہ تھا۔ میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تمہیں

Marfat.com

دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو۔ یہاں نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں" ایسے ظالموں کے لیے تو دردناک سزا یقینی ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں شیطان کا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سزا اور جزا کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کیا گیا ہے اور جو بھروسے، لالچ اور توقعات کے جال میں میں نے تم کو پھنسایا وہ سب فریب تھا کہ اللہ کے ہاں کسی بت کی سفارش اور نہ رشوت سے کام چلے گا۔ شیطان یہ بھی عذر پیش کرے گا کہ میں نے زبردستی تمہیں راہ حق سے نہیں ہٹایا۔ میں نے تو صرف دعوت باطل آپ کے سامنے پیش کی، میں نے اپنا کہا منوانے کے لیے تمہیں مجبور نہیں کیا۔ یہاں تم خود اپنی باطل پرستی کے ذمہ دار ہو اور میں بھی اپنے کیے کی سزا پا رہا ہوں۔

پھر وہ کہے گا کہ عملی شرک جو تم نے کیا ہے یعنی میری پیروی اور اطاعت کر کے، اس کے بھی تم خود ذمہ دار ہو۔ میں اغواء کا سبب ضرور بنا مگر میرے اغواء کے بعد تم خود مختار تھے۔ میں نے تمہیں اپنا کہا ماننے پر مجبور نہیں کیا۔ اب مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ ظالموں کے لیے جو عذاب ہے تم اس میں پڑے رہو۔ نہ مجھ پر ملامت کرو، نہ مجھ سے کوئی امید رکھو۔ یہ ابلیس کا رویہ یوم حساب ہوگا۔

شیطان کے پیچھے لگنے کا پچھتاوا اور شیطان کی بیوفائی کا ذکر الفرقان (۲۸،۲۹) میں بیان فرمایا گیا ہے۔ فرمایا یٰویلتیٰ .... للانسان خذولا O ترجمہ "ہائے میری کمبختی کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے بہکاوے میں آ کر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی اور شیطان انسان کے حق میں بڑا ہی بے وفا نکلا۔"

یعنی جس دن صرف اللہ کی ہی حقیقی بادشاہی ہوگی، اس دن کوئی فرمانروا، سردار، متکبر اور جبار جن کے کہنے میں آ کر تم نے رحمان کا راستہ چھوڑا، کام نہ آئے گا۔ شیطان کا کہنا ماننے والوں کی پیروی بھی شیطان کی پیروی ہے جو روز حشر تمہارے لیے کچھ نہ کر سکے گا کہ اس کی یہ بے وفائی بھی اس کی مجبوری ہوگی کہ وہ خود (شیطان) بھی بے دست و پا ہوگا۔

یہ آیت ایک خاص واقع میں نازل ہوئی مگر فلاں، کا لفظ استعمال فرما کر حکم عام فرما دیا

Marfat.com

ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ عقبہ بن ابی معیط مکہ کے مشرک سرداروں میں سے تھا۔ یہ ہر سفر سے واپس آ کر معززین مکہ کی دعوت کرتا۔ یہ اکثر رسول اللہ ﷺ سے بھی ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسی ہی ایک دعوت میں حضور ﷺ کو بھی مدعو کیا۔ کھانے کے وقت حضور ﷺ نبی کریم نے فرمایا کہ میں تمہارا کھانا اس وقت تک نہیں کھا سکتا جب تک تم گواہی نہ دو کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ عقبہ نے کلمہ پڑھ لیا اور حضور ﷺ نے کھانا نوش فرمالیا۔

عقبہ کے گہرے دوست ابی بن خلف یہ خبر سن کر بہت برہم ہوا۔ عقبہ نے عذر پیش کیا کہ چونکہ محمد ﷺ میرے گھر تشریف لائے ہوئے تھے اگر وہ کھانا کھائے بغیر میرے گھر سے چلے جاتے تو میری رسوائی ہوتی، اس لیے ان کی خاطر کلمہ پڑھ لیا۔ ابی بن خلف نے کہا میں تیرا عذر اس وقت تک قبول نہ کروں جب تک تو جا کے حضور ﷺ کے منہ پر نہ تھوکے (معاذ اللہ) اس بدبخت نے یہ گستاخی کر ڈالی۔ یہ دونوں جنگ بدر میں مارے گئے۔ یہ اس کے لیے کہا گیا ہے کہ جب وہ آخرت کا عذاب سامنے دیکھے گا تو پچھتائے گا اور کہے گا کہ کاش میں فلاں (یعنی ابی بن خلف) کو دوست نہ بناتا۔ (م ج ۶ ص ۴۷۰، ۴۷۱)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روز قیامت شیطان نما انسانوں کی دوستی باعث ندامت ہوگی اور جہنم کی طرف لے جائے گی۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا

ہر انسان (عادتاً) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے، اس لیے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ سے دریافت کیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں سے کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا ''وہ شخص جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو''۔

سورہ ق (۲۷، ۲۸) میں شیطان کا بالواسطہ ذکر ہے کہ روز حشر وہ اپنی سرکشی اور دوسروں کو سرکشی پر اکسانے کے بارے میں کیا عذر پیش کرے گا۔ فرمایا قال قرینہ .... بالوعید O ترجمہ ''اس کے ساتھی (یعنی شیطان) نے عرض کیا ''خداوندا میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا بلکہ یہ خود ہی حد درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا، جواب

Marfat.com

میں ارشاد ہوگا، میرے حضور جھگڑا نہ کرو، میں تم کو پہلے ہی انجام بد سے خبردار کر چکا تھا۔"

روز حساب جب ہر خیر کو روکنے والے، حد سے تجاوز کرنے والے، بھلائی اختیار کرنے والوں کو ستانے والے، خود شک میں پڑنے والے اور دوسروں کے دلوں میں خدا کی ہستی، آخرت اور ملائکہ اور رسل کے بارے میں شک کے بیج بونے والے کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو وہ عذر پیش کرے گا کہ میرے ساتھی نے یعنی شیطان نے مجھے بہکایا۔ اس کا ساتھی شیطان کہے گا کہ میں نے اس پر کوئی زبردستی نہیں کی، یہ خود گمراہی میں حدیں پھلانگ گیا تھا۔ جب شیطان اور اس کا پروردگار اللہ کی عدالت میں جھگڑ رہے ہوں گے انکو ان کے بدانجام کی سزا سنا دی جائے گی۔ اللہ نے اتمام حجت کے تمام تقاضے پورے فرما دیئے تھے کہ بہکنے والے اور بہکانے والوں کے لیے واضح ہدایات آ چکی تھیں۔

شیطان کے اسی رویہ کا ذکر سورہ الحشر (۱۶، ۱۷) میں آیا ہے۔ فرمایا **کمثل الشیطٰن** .... **رب العالمین** O ترجمہ "ان کی مثال شیطان کی سی ہے کہ پہلے وہ کہتا ہے کہ کفر کر اور جب انسان کفر کر بیٹھتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں بری الذمہ ہوں، مجھے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔"

یہاں یہ مثال ان منافقین کی ہے جو بنی نضیر کے ساتھ وہی معاملہ کر رہے جو شیطان انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ منافقین نے بنونضیر کو جلاوطنی کا حکم نہ ماننے اور حضورﷺ کے مقابلہ میں جنگ لڑنے پر آمادہ کیا اور ان کی مدد کا وعدہ کیا مگر جب مسلمانوں نے انکا محاصرہ کیا تو کوئی منافق ان کی مدد کو نہ آیا۔ قرآن الحکیم میں ان کو شیطان کا سا کہا ہے جو کفر پر جمے رہنے اور بغاوت پر آمادہ کرتا ہے۔ طرح طرح کے وعدے کرتا ہے اور عین وقت پر مکر جاتا ہے۔

شیطان کی مکاری کی اور بھی بہت سی امثال تفاسیر کتب میں ملتی ہیں۔ یہ بنی اسرائیل کے متعدد راہبوں اور عبادت گزاروں کو گمراہ کرنے میں پیش پیش رہا۔ م ج ۸ ص ۳۸۷، ۳۸۸ میں ایک راہب کا واقع مذکور ہے۔ جو ۷۰ سال کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا اور مصنوعی راہب کا روپ دھار کر اس کے پاس گیا۔ مصنوعی راہب نے راہب کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے راہب سے بھی زیادہ عبادت گزار بن بیٹھا۔ اس نقلی راہب نے راہب کو بیماروں کو

Marfat.com

شفایاب کرنے کی کچھ دعائیں سکھائیں۔ پھر وہ خود اپنے اثر سے لوگوں کو بیمار کرتا اور راہب کے پاس بھیجتا اور وہ شفایاب ہو جاتے۔ پھر اس نے ایک اسرائیلی لڑکی پر اپنا اثر ڈال کر بیمار کیا اور راہب کے پاس بھیجا۔ راہب لڑکی کے فریب میں مبتلا ہو گیا اور زنا کا مرتکب ہو گیا اور لڑکی حاملہ ہو گئی۔ رسوائی سے بچنے کے لیے اس نے راہب کو لڑکی کو قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ قتل کے بعد معنوی راہب راہب کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ راہب کی عبادت گاہ صومعہ ڈھا دیا گیا اور اس کو سولی کی سزا دینے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ شیطان پھر اس کے پاس آیا اور کہا کہ تیرے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ تو مجھے سجدہ کرے۔ راہب نے اسے سجدہ بھی کر لیا۔ اس وقت شیطان نے اقرار کیا کہ میں نے یہ سب تجھے کفر میں مبتلا کرنے کے لیے کیا مگر اب میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ شیطان کا یہ رویہ بے وفائی دراصل اس کی شکست کا اعتراف ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب دوم

شیطان کی گمراہی سے بچنے کے طریقے

رب رحمان نے جہاں شیطان کو بندوں کو بہکانے کا اذن دے دیا ہے وہاں شیطان کے وسوسوں سے بچاؤ کے لیے ہدایات اور دعائیں بھی مرحمت فرمائی ہیں۔

سورہ الاعراف (۲۰۰،۲۰۱) میں فرمایا **واما ینزغنک ....فاذاھم مبصرون**

☆ ترجمہ" اور کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے برا خیال اگر انہیں چھو کر بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریقہ کار کیا ہے۔"

اللہ کی پناہ مانگنے سے شیطان کے وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔ شیطان اچھے بھلے انسان کو طرح طرح سے برائی پر آمادہ کرنے کی مسلسل سعی کرتا رہتا ہے۔ اس کا علاج رب کائنات سے پناہ مانگنا ہے۔

اللہ سے پناہ مانگنا:

حدیث میں ہے کہ دو شخص حضورؐ نبی کریم کے سامنے جھگڑا کر رہے تھے اور ایک شخص غصہ میں بے قابو ہو رہا تھا۔ آپؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ کہہ لے تو اس کا اشتعال جاتا رہے گا۔ فرمایا وہ کلمہ یہ ہے **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** "اس شخص نے حضور سے سن کر فوراً یہ کلمہ پڑھ لیا تو فوراً ہی اس کا سارا غصہ اور اشتعال ختم ہو گیا۔

پورے قرآن الحکیم میں تین آیتیں اخلاق فاضلہ کی تعلیم و تلقین کے لیے جامع آئی ہیں

Marfat.com

اور تینوں میں شیطان سے پناہ مانگنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سورہ الاعراف کی یہ ایت (۲۰۰) ان تین آیتوں میں سے ہے۔ دوسری حم السجدہ (۳۶) اور تیسری سورہ مومنون (۹۷) ہے۔

قرآن الحکیم کی تلاوت سے پہلے شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سورہ النحل (۹۸، ۹۹) میں فرمایا **فاذا قرات قرآن .... مشرکون** ☆ ترجمہ "پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اسے ان لوگوں پر تسلط حاصل نہیں ہوتا جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اسکا زور تو انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے ہیں اور اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں شیطان رجیم سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہر نیک عمل میں انسان کا ازلی دشمن شیطان رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ قرات قرآن میں، قرآن کے مفہوم میں شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے میں اور قرآن کی ہدایت پر عمل کرنے میں شیطان انسان کو غلط راہ پر ڈالنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے۔ قرآن پڑھتے وقت مختلف خیالات کا آنا قرآن سے توجہ ہٹا دیتا ہے۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ ابن آدم قرآن الحکیم کی ہدایت حاصل نہ کر سکے۔ اس لیے قرآن الحکیم کی تلاوت سے پہلے شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے کہ کہیں شیطان کی دراندازیاں اسے اس چشمہ رشد ھدا کے فیض سے محروم نہ کردے۔

قرآن کو سمجھنے اور اس پر صحیح عمل کرنے کے لیے شیطانی وسوسوں اور شکوک و شبہات سے بچنا ضروری ہے۔ متقی لوگ جو صراط خیر پر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ انکو شیطان کے فریب سے محفوظ رہنے میں مدد فرماتا ہے۔ حضورؐ سے یہ عمل یعنی تلاوت قرآن سے پہلے اعوذ پڑھنا ثابت ہے۔ اور کبھی کبھی اس کا ترک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس لیے جمہور علما نے اس حکم کو واجب نہیں سنت قرار دیا ہے۔

نماز میں تعوذ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف پہلی رکعت میں پڑھنا چاہیے اور امام شافعیؒ نے ہر رکعت کے شروع میں پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ یعنی تلاوت قرآن چاہے نماز میں ہو یا خارج از نماز، دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے۔ کلام پاک کے علاوہ دوسرا کلام یا کتاب جو علمی ہو، لغو نہ ہو، پڑھنے سے پہلے صرف بسم اللہ کافی ہے۔

Marfat.com

سورہ المومنون (۹۷'۹۸) میں شیطان سے پناہ مانگنے کی دعا کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ فرمایا **وقل رب اعوذبک** ....**ان یحضرون** ☆ ترجمہ "اور دعا کرو کہ پروردگار میں شیاطین کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں' بلکہ اے میرے رب میں تو اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔"

یہ شیطان کے شر اور مکر سے بچنے کے لیے ایک جامع دعا ہے۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو اس دعا کی تلقین فرمائی ہے۔ کمزور لمحوں میں جب انسان کا اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا' شیطان برائی کی طرف راغب کرتا ہے۔ غصہ کی حالت میں اگر ایک شخص بدزبانی کرے تو دوسرے فریق کو شیطان اکساتا ہے کہ تو اس بے عزتی کا جواب بڑھ کر دے۔ ایک گالی کے جواب میں دو گالی دے اور ایک تھپڑ کا جواب دو سے دے۔ اس طرح فساد برپا ہو جاتا ہے جو بعض اوقات قتل و غارت کا باعث بن جاتا ہے۔ شیطان اور کئی لغو باتوں کی طرف بھی رغبت دلاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے برائی کو بھلائی سے اور ظلم کو انصاف کے ذریعے اور بے رحمی کو رحم کے ذریعے دفع کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ یہ اخلاقی اقدار معاشرے میں درگزر اور محبت کی فضا قائم کر سکتی ہیں۔ البتہ کفار کی شیطانیت جب حد سے بڑھ جائے تو اس کا جواب جہاد سے دینے کی اجازت دے دی گئی ہے مگر اس میں بھی حسن اخلاق کا خیال رکھا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر بنؓ عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سے فرمایا کہ شیطان تمہارے ہر کام میں' ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور گناہوں اور غلط کاموں کا وسوسہ ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) (م ج ۶ ص ۳۳۰)۔

سورہ حم السجدہ (سورہ مفصلت) ۳۶ میں فرمایا **واما ینزغنک** ....**ھو اسمیع العلیم** ☆ ترجمہ "اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

شیطان کو ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ وہ کسی طرح حق کے لیے لڑنے والوں سے خاص طور پر ان کے سربرآوردہ اور راہنماؤں سے کوئی گھٹیا حرکت کروا دوں کہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ دیکھو ایمان والے متقی اور مخالفین دونوں برابر ہیں۔ اسی لیے شیطان کی چالوں سے آگاہ

Marfat.com

کر دیا گیا ہے اور خدا کی پناہ مانگنے کی ہدایت کی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حم السجدہ کی آیت ۳۴ کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص تم پر غصہ کا اظہار کرے تم اس کے مقابلے میں صبر سے کام لو جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے تم اس کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرو اور جس نے تمہیں ستایا ہے اسے معاف کر دو۔ (مظہری م ج ۷ ص ۳۵۴)

حم السجدہ کی مذکورہ بالا آیات کی بہترین مثال وہ واقع ہے جو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضورؐ نبی کریم کی موجودگی میں حضرت ابو بکرؓ کو بہت گالیاں دینے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ خاموش رہے اور حضورؐ مسکراتے رہے۔ آخر کار جب حضرت ابو بکرؓ کا پیمانہ صبر چھلک گیا اور انہوں نے اس کے جواب میں ایک سخت بات کہہ دی۔ اس پر حضورؐ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے اور آپؐ فوراً اٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی آپ کے پیچھے ہو لئے اور راستے میں عرض کیا کہ حضورﷺ کیا ماجرا ہے؟ کہ جب وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور میں خاموش رہا آپ مسکراتے رہے اور جب میں نے جواب دیا تو آپ ناراض ہو گئے؟ فرمایا' جب تک خاموش تھے' ایک فرشتہ تمہارے ساتھ رہا اور تمہاری طرف سے اس کو جواب دیتا رہا' مگر جب تم بول پڑے تو فرشتے کی جگہ شیطان آ گیا' میں شیطان کے ساتھ تو نہیں بیٹھ سکتا تھا۔''

مخالفت کے طوفان میں اللہ کی پناہ صبر و سکون' اطمینان قلب اور ٹھنڈک پیدا کرتی ہے۔ مومن کا یہ یقین کہ اللہ سب احوال سے واقف ہے اور مخالفوں کی ساری باتیں سنتا ہے' اس کے لیے ڈھال بن جاتا ہے۔ مومن ایسی حالت میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر کے فکر کے بوجھ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ دعوت حق میں بھی صبر و استقلال سے کام لینا ہے کہ کہیں شیطان کے اکسانے سے ترش روئی اختیار کر کے شیطان کو شر انگیزی کا موقع فراہم نہ کر دے۔

Marfat.com

معوذتین:

قرآن الحکیم کی آخری دوسورتیں معوذتین کہلاتی ہیں' یہ دوسورتیں پناہ مانگنے والی ہیں۔ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں مگر مضامین کے لحاظ سے انہیں مماثلت ہے۔ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں' ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں۔ مگر ترمذی' سنائی اور مسند امام حنبل میں حضرت عقبہ بنؓ عام کی یہ حدیث ان کی مدنی ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ حضورﷺ نبی کریم نے ایک روز مجھ سے فرمایا "تمہیں پتا ہے کہ آج رات مجھ پر کیسی آیات نازل ہوئیں ہیں' یہ بے مثل آیات ہیں' **اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس**"

یہ حدیث اس بنا پر ان کے مدنی ہونے کی دلیل ہے کہ حضرت عقبہ بنؓ عام ہجرت کے بعد ایمان لائے تھے۔ ایک دوسری حدیث کے مطابق یہ اس وقت مدینہ میں نازل ہوئیں جب حضورؐ پر جادو کیا گیا تھا مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ یہ پہلی مرتبہ اس موقع پر نازل ہوئیں ہوں۔ بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک سورت یا آیت جو پہلے نازل ہو چکی ہوئی تھی' اس کو کسی خاص حالت یا موقع پر اللہ کی طرف سے دوبارہ بلکہ کئی کئی بار نازل فرما کر حضورﷺ کی توجہ اس طرف دلائی جاتی تھی۔ یہی معاملہ ان دوسورتوں کا ہے۔ (ت ج ٦ ص ۵۴۷' ۵۴۸)

حافظ ابن قیمؒ نے ان دونوں سورتوں کی تفسیر یکجا لکھی ہے۔ ان سورتوں کی برکات اور حاجت سے کوئی شخص مستغنی نہیں ہوسکتا۔ ان کے مطابق یہ دونوں سورتیں ایک ہی واقعہ میں ایک ہی موقع پر نازل ہوئیں۔ یہ واقعہ حضورؐ پر جادو کرنے کا ہے۔

یہ سورتیں جب نازل ہوئیں اس وقت حضورؐ کی مخالفت عروج پر تھی۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کے رشتہ دار سخت بھڑکے ہوئے تھے اور ہمہ وقت بدلہ لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ آپﷺ کے قتل کی سازشیں کی جاتیں' آپؐ کے خلاف جادو ٹونے سے بھی گریز نہ کیا جاتا کہ آپ بیمار پڑ جائیں یا دیوانے ہو جائیں۔ یہ شیطان صفت انسان اور شیاطین لوگوں کے دلوں میں توحید' رسالت اور آخرت کے خلاف شک کے بیج بوتے رہے۔ وسوسے ڈالتے کہ لوگ اسلام کی طرف راغب نہ ہوں۔ ابوجہل آپؐ کی مخالفت میں حد سے بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اس کے اپنے بیان

Marfat.com

کے مطابق ''کہ ہمارا اور بنی عبدالمناف یعنی حضورؐ کے خاندان کا باہم مقابلہ تھا۔ انہوں نے کھانے کھلائے تو ہم نے بھی کھلائے' انہوں نے سواریاں دیں تو تم نے بھی دیں' انہوں نے عطیے دیئے تو ہم نے بھی دیئے یہاں تک کہ وہ اور ہم عزت و شرف میں برابر کی ٹکر ہو گئے تو اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک نبی مبعوث ہوا ہے' جس پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ بھلا اس میدان میں ہم کیسے ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ خدا کی قسم ہم ہرگز اس کو نہ مانیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔''

ان حالات میں حضورؐ سے فرمایا گیا کہ ان سے کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں رب کی ہر قسم کے شر سے۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی فرعون کے دربار میں متکبر کے مقابلے میں رب کی پناہ مانگی تھی۔ (المومن ۲۷) ''اور رب سے اس بات کی پناہ مانگی کہ تم (فرعون) مجھ پر حملہ آور ہو''۔ الدخان ۲۰' میں فرمادیا ''اور میں نے اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ مانگ لی ہے اس سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو''۔

قرآن کی آخری دو سورتوں اور آغاز کی سورتوں میں مناسبت ہے اس ترتیب کے لحاظ سے (نزول کے لحاظ سے نہیں) ساری نازل ہونے والی سورتوں کو خدا کے حکم سے اس شکل میں مرتب فرمایا جس میں ہم اب ان کو پاتے ہیں۔ آغاز میں سورہ فاتحہ میں رب العزت کی صفات اور بزرگی مان کر' عاجز بندہ بن کر مدد اور ہدایت کی دعا مانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن سیدھا راستہ دکھانے کے لیے نازل فرمادیا اور آخر میں بندہ رب تعالیٰ سے ہر قسم کے دنیاوی اور دینوی شر سے پناہ میں آنے کی درخواست کرتا ہے کہ یہ شر اللہ کے دین پر چلنے کی راہ میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔

یہ دونوں سورتیں سب لوگوں کی حاجت ہیں اور یہ سحر' نظر بد' اور تمام آفات جسمانی اور روحانی' کے دور کرنے میں اکسیر ہیں۔

شان نزول:

واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد (۷ھ) میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ میں ایک مشہور جادوگر' لبید بن اعصم' سے ملا اور کہا کہ محمد ﷺ نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا

Marfat.com

ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہم نے ان پر جادو کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں کیونکہ تم بہت بڑے جادوگر ہو یہ تین اشرفیاں حاضر ہیں انہیں قبول کرلو اور محمد ﷺ پر ایک زور کا جادو کرو۔

اس زمانے میں حضورؐ کے ہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا۔ اس سے ساز باز کرکے ان لوگوں نے حضور ﷺ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کرلیا جس میں آپ کے موئے مبارک تھے۔ انہی بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر جادو کیا گیا اور بعض روایات کے مطابق لبید کی دو بہنیں اس سے بھی بڑی جادوگرنیاں تھیں ان سے جادو کروایا گیا اور بعض روایات میں ہے کہ لبید بن اعصم نے خود جادو کیا۔ حضورؐ کے بالوں کو گرہ دے کر ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر ایک کنویں اروان یا ذی اروان نامی کی تہہ میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا۔ حضور ﷺ پر اس کا اثر ہونے میں ایک سال لگا۔ سال کی دوسری ششماہی میں مزاج میں کچھ تغیر ہونا شروع ہوا اور آخری چالیس دن اور آخری تین دن سخت تھے۔ اس کے تمام اثرات آپؐ کی ذات تک محدود تھے۔ آپ کے نبی ہونے کی حیثیت میں اور آپ کے فرائض میں کوئی خلل واقع نہ ہونے پایا۔ آپ قرآن کی کوئی آیت نہ بھولے اور نہ قرات میں کوئی غلطی ہوئی' نہ آپ کی نماز چھوٹی' نہ آپ کے خطبوں اور وعظوں میں کوئی فرق پڑا۔ اگر ایسا ہوتا تو سارے عرب میں آپ کی بیماری کا چرچہ ہوتا۔

حضور ﷺ اپنی جگہ جادو کے تاثر سے پریشان ہوتے رہے۔ ایک روز آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے ہاں تھے کہ آپ ﷺ نے باری تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اسی حالت میں آپؐ پر غنودگی طاری ہوگئی اور پھر بیدار ہونے پر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میں نے رب تعالیٰ سے جو بات پوچھی تھی وہ اس نے مجھے بتادی ہے۔ فرمایا کہ دو آدمی (فرشتے آدمیوں کی صورت میں) میرے پاس آئے۔ ایک سرہانے کی طرف تھا اور دوسرا پائنتی کی طرف۔ ایک نے پوچھا انہیں کیا ہوا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب میں پوری بات بتادی گئی۔ پوچھا کیا کیا جائے؟ جواب دیا کہ کنویں کا پانی سونت کر پتھر کے نیچے سے اسے نکالا جائے۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ ' حضرت عمار بنؓ یاسر اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا۔ بعد میں حضور ﷺ بھی چند صحابہ کرام کے ساتھ وہاں پہنچ گئے بالوں اور ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں

Marfat.com

پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں۔

جبرئیلؑ نے آ کر بتایا کہ آپ معوذتین پڑھیں۔ حضورؐ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور ایک ایک گرہ کھولی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی۔ اس عمل کے بعد آپ نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ (ان دونوں سورتوں میں گیارہ آیات ہیں)۔ حضورؐ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی۔ قصور ثابت ہونے کے باوجود حضورؐ نے اسے معاف فرمادیا کہ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا۔ حضورؐ نے اس معاملہ کا ذکر کرنے سے بھی منع فرمادیا۔

فرعون کے دربار میں موسیٰؑ کے جادوگروں سے مقابلہ کا ذکر بھی قرآن میں کیا گیا ہے۔ جادو سے انسان کے حواس متاثر ہوتے ہیں اس وجہ سے جسم پر بھی اثر ہوتا ہے۔ جادو کے اثر کو زائل کرنے کے لیے یہ دونوں سورتیں مجرب ہیں۔ حضورؐ سے اور بھی دعائیں مروی ہیں جس میں سانپ، بچھو کے کاٹے یا نظر بد کا مؤثر علاج ہے۔

سورہ الفلق:

سورہ الفلق میں فرمایا گیا ہے **قل اعوذ برب الفلق** .... **اذا حسد**☆ ترجمہ "کہو میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے اور رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے اور گرہوں میں پھونکنے والوں (مرد اور عورتیں) کے شر سے اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔"

یہاں حضور ﷺ کو قل کہہ کر مخاطب فرمایا گیا۔ مگر آپ ﷺ کے بعد ہر مومن بھی اسکا مخاطب ہے۔

پناہ مانگنے کے تین جز ہیں، ایک وہ چیزیں جن کے شر سے محفوظ ہونے کے لیے پناہ مانگی جائے، دوسرا پناہ مانگنے والا اور تیسرا جز وہ ہستی جس کی پناہ میں آنے کی درخواست کی جائے۔ پناہ مانگنا اپنے آپ کو کسی خطرے یا خوف کی حالت میں کسی دوسرے کی حفاظت کے حصار میں آنا ہے، کیونکہ وہ خود مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جس کی پناہ میں آنے کی درخواست کی جاتی ہے وہ ضرور کوئی ایسا شخص یا وجود ہوتا ہے جو پناہ مانگنے والے سے زیادہ طاقتور ہو۔

Marfat.com

پناہ کی پہلی قسم میں مادی چیزوں یا شخص یا طاقت ور ہستی' گروہ یا قوم سے پناہ حاصل کی جاتی ہے۔ مثلاً دشمن کے حملے کے وقت قلعہ میں پناہ لینا' کسی خندق یا دیوار کی اوٹ میں پناہ لینا' ظلم سے بچنے کے لیے کسی شخص یا دوسری قوم سے یا دوسرے ملک میں پناہ لینا' سخت دھوپ میں سایہ دار درخت کی پناہ لینا' دوسری قسم کسی فوق الفطری ہستی کی پناہ مانگنا کہ وہ عالم اسباب پر حکمرانی کرنے والا' ہر چیز پر قادر ہے اور پناہ مانگنے والے کو سامنے دکھائی نہیں دیتا مگر پناہ مانگنے والے کی حفاظت کر سکتا ہے۔ ان سورتوں میں اسی لازوال ہستی' یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی درخواست کی گئی ہے۔ قرآن الحکیم میں جہاں بھی پناہ مانگنے کا ذکر ہے' صرف اللہ ہی سے مانگی گئی ہے جو ہر مادی ذرائع اور وسائل پر قادر ہے۔ مومن کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو سب سے طاقت ور ہستی کی پناہ میں دے دے۔

مشرکین جنوں' دیویوں اور دیوتاؤں سے پناہ مانگتے ہیں جو خود اللہ کی مخلوق ہیں۔ سورہ جن (۶) میں فرمایا گیا ہے یعنی یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگتے تھے۔ مشرکین عرب جب کسی سنسان وادی سے گزرتے ہوئے خوف محسوس کرتے تو اس وادی کے جنوں سے پناہ مانگتے۔ ایمان والوں کا رویہ یہی ہے کہ وہ ہر قسم کے مادی' روحانی یا اخلاقی شر سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ کی برگزیدہ ہستیوں نے اور انبیاء کرام نے بھی اپنے رب سے ہی پناہ مانگی ہے۔ حضرت مریم کے پاس جب فرشتہ ایک مرد کی صورت میں آیا تو انہوں نے خدا سے پناہ مانگی۔ سورہ مریم (۱۸) میں فرمایا قالت انی .... کنت تقیاً ☆ ترجمہ اگر تو خدا سے ڈرنے والا آدمی ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں'' اس وقت حضرت مریم کو یہ علم نہ تھا کہ آدمی کی شکل میں فرشتہ ان کے پاس آیا ہے۔

حضرت نوحؑ نے جب طوفان کے وقت اپنے نافرمان بیٹے کے لیے دعا مانگی جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرما دیا کہ وہ ان کے اہل وعیال میں شمار نہیں ہوتے۔ حضرت نوحؑ نے اللہ سے پناہ مانگی۔ سورہ ھود (۴۷) فرمایا قال رب انی .... من الخسرین ☆ ترجمہ ''نوحؑ نے عرض کیا' اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیز تجھ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو میں برباد ہو جاؤں گا۔''

Marfat.com

حضورﷺ نبی پاک نے بھی اللہ تعالیٰ سے ہر کام کے شر سے' نعمت کے چھن جانے سے' اللہ کی ناراضگی سے' غیر نافع علم سے' خوف خدا سے خالی دل سے' تمام بری بیماریوں سے' برے اخلاق سے' برے عمل سے' اپنی سماعت' بصارت اور زبان کے شر سے' بزدلی' بڑھاپے اور بخل سے' قبر کے عذاب سے' قرض کے بوجھ سے اور مخلوق کے ہر شر سے پناہ مانگی ہے۔ (ت ج ۶ ص ۵۶۶'۵۶۵)

سورہ فلق میں ہمیں حضورﷺ کی وساطت سے اللہ سے پناہ مانگنی سکھائی ہے۔ آیت (۱) میں صبح کے رب کی پناہ مانگی ہے' جب رات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح طلوع ہوتی ہے۔ یعنی اس قادر رب کی پناہ جو صبح نکالتا ہے یعنی رات کے بعد صبح کرتا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ کسی چیز کو پھاڑ کر نکلتی ہیں۔ بیج زمین پھاڑ کر اگتا ہے' چوزہ انڈا پھاڑ کر نکلتا ہے' تمام حیوانات رحم مادر سے نکلتے ہیں' چشمے پہاڑ کا سینہ چیر کر نکلتے ہیں۔ یعنی اس رب کی پناہ میں آنے کی درخواست کی ہے جو ان سب چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ جس سے پناہ مانگی گئی ہو وہ ہستی اپنی صفات میں ہر شے پر قادر ہو تو پناہ مانگنے والے کی حفاظت کر سکتی ہے۔

آیت ۲ میں اللہ کی تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اللہ نے کسی مخلوق کو صرف شر کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ ہر کام خیر و مصلحت ہی کے لیے ہوتا ہے۔ البتہ بعض اقسام کی مخلوقات سے شر رونما ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ لفظ شر دو چیزوں کے لیے عام اور شامل ہے' ایک آلام اور آفات جن سے براہ راست انسان کو رنج اور تکلیف پہنچتی ہے' دوسرے وہ چیزیں جو تکالیف کا موجب بنتی ہیں' جیسے عذاب قبر' عذاب نار' فتنہ' بیماری' بھوک' آگ' سانپ' بچھو وغیرہ۔

ہر مخلوق سے پناہ کی استدعا میں پھر تین چیزوں کی بالخصوص پناہ مانگی ہے۔ گویا کہ عام پناہ مانگنا کافی نہیں ہے۔ آیت ۳ میں رات کی تاریکی کی شر سے' جب وہ چھا جائے' سے پناہ مانگی ہے۔ یہ اس لیے کہ یہی وقت جنات و شیاطین' موذی جانوروں' حشرات الارض' چوروں' ڈاکوؤں کے پھیلنے اور حملہ آور ہونے کا ہوتا ہے۔ شراب خانے' جواء خانے اور طوائفوں کے کوٹھے رات کو ہی آباد ہوتے ہیں۔ صبح کا اجالا پھیلتے ہی ان میں سے بعض چیزوں کا تسلط ختم ہو جاتا ہے

Marfat.com

اور بعض کا کم ہو جاتا ہے۔ حضورﷺ کے زمانے میں کفار اور مشرکین رات کو ہی اپنی مجالس میں اسلام کا راستہ روکنے اور حضورؐ کے قتل کے منصوبے بناتے تھے۔ اسی لیے ان تمام شرور اور آفات سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے' جو رات کے وقت نازل ہوتی ہیں۔

حضورﷺ نبی کریم کا ارشاد ہے کہ "جب سورج غروب ہو جائے تو شیاطین ہر طرف پھیل جاتے ہیں لہذا اپنے بچوں کو گھروں میں سمیٹ لو اور اپنے جانوروں کو باندھ رکھو جب تک رات کی تاریکی ختم نہ ہو جائے۔" گزرے وقتوں میں مائیں اپنے بچوں کو شام کے بعد گھر سے نہ نکلنے دیتیں اور جوانوں کو رات ہونے سے پہلے گھر آنے کی تاکید کرتیں کہ کہیں بری صحبت میں نہ پڑ جائیں۔ اب یہ انداز بدل گئے ہیں اور بعض اوقات بسیار خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ اب تعوذ کی زیادہ ضرورت ہے۔

آیت ۴ میں گرہوں میں پھونکنے والوں کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ گرہ تاگے یا بالوں میں لگائی جاتی ہے اور ہر گرہ لگاتے وقت کچھ جادوئی کلام پڑھ کر پھونکا جاتا ہے۔ اس کی شان نزول بتائی جا چکی ہے۔ ان دونوں سورتوں' سورہ الفلق اور سورہ الناس میں یہی واحد آیت ہے جس کا اشارہ براہ راست جادو کی طرف ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ جس پر جادو کیا گیا ہو اس پر اس کے برے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جادو چونکہ بھلائی کے لیے نہیں کیا جاتا اس لیے اس کے عمل میں شیاطین' ارواح خبیثہ اور پلید چیزوں کی مدد لی جاتی ہے۔ اسی لیے جادو کو قرآن الحکیم میں کفر کہا گیا ہے۔ البقرہ (۱۰۲) میں حضرت سلیمان کے بارے میں فرمایا کہ

"سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا' وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔"

جادو گناہ کبیرہ ہے اگر اس میں کوئی کلمہء کفر یا کوئی فعل شرک نہ بھی ہو تو بھی بالاتفاق حرام ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "سات غارت گر چیزوں سے پرہیز کرو۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہیں یا رسولؐ اللہ؟ فرمایا' خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا' جادو کرنا' کسی ایسی جان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ نے حرام کیا ہے' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جہاد میں دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلنا اور بھولی بھالی مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔"

آیت ۵ میں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔ جس طرح اذا وقب کی قید

Marfat.com

لگادی ہے کہ جب رات پوری طرح چھا جائے یعنی کہ جب شیطانی کارروائیاں شروع ہو جاتی ہیں' اپنے رب سے پناہ مانگو۔ حاسد کے معاملے میں بھی یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ حاسد جب تک اپنے حسد کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچانے کا اقدام نہ کرے اس وقت تک اس کا نقصان محسود کو نہیں پہنچتا بلکہ خود اسے پہنچتا ہے کہ وہ جلتا اور کڑھتا رہتا ہے۔ جب حاسد کوئی ایسا قدم اٹھائے جس سے حسد کیے جانے والے کو ایذا پہنچنے کا خطرہ ہو اس وقت اللہ کی پناہ میں آنے کی استدعا کریں۔

حسد کا مطلب دوسرے شخص کی نعمتوں' خوبیوں اور نیک نامی پر جلنا ہے اور یہ خواہش کرے کہ یہ انعامات اس سے چھن جائیں۔ اگر یہ خواہش ہو کہ میرے اندر بھی ایسی خوبی یا فضیلت ہو یا میرے پاس بھی ایسی نعمتیں ہوں تو یہ حسد کی تعریف میں نہیں آتی۔ جب حاسد کا شر ظاہر ہو جائے تو بچاؤ کی اولین تدبیر اللہ کی پناہ میں آنے کی درخواست ہے۔ دوسرا احصار صبر ہے' اور تیسرا احصار تقویٰ ہے کہ حاسد کو اللہ کے سپرد کر دے۔ حاسد کے حسد کو ختم کرنے کی ایک اور بھی تدبیر ہے کہ حاسد کے ساتھ حسن سلوک کرے یعنی برائی کو نیکی سے رفع کرے۔ اگر محسود حاسد جیسی حرکتیں شروع کر دے تو وہ خود حاسد کی اخلاقی گراوٹ کی سطح پر آ جانے کا مرتکب ہوتا ہے۔

سورہ الناس:

قرآن الحکیم کی آخری سورت بلحاظ ترتیب سورہ الناس ہے۔ یہ چھ آیات پر مشتمل ہے۔ سورہ الفلق میں دنیاوی آفات اور مصائب سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور الناس میں اخروی آفات کے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی اس شر سے جو گناہوں کا سبب ہے۔ ایسی شر میں شیطانی وسوسوں کا بڑا دخل ہے۔ شیطان اور شیطان نما انسانوں کے شر سے اللہ کی پناہ میں آنا ہے کہ تمام گناہوں کا سبب شیطانی وسوسے ہیں۔

پہلی تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں کہ بندے کو یہ باور کرایا جائے کہ جس کی پناہ میں آنے کی وہ درخواست کر رہا ہے وہ ہی اس لائق ہے کہ ہر طرح کے شر سے امان دے سکے۔

Marfat.com

پہلی صفت اس کا رب الناس ہونا ہے کہ اپنی مخلوق کی پرورش کرنیوالا‘ نگہ داشت کرنے والا ہے۔سورہ الفلق میں ہر چیز کے پیدا کرنے والے رب سے پناہ مانگی ہے جب کہ الناس میں رب الناس کہہ کر انسان کو مخصوص فرمایا ہے کہ شیطانی وسواس کا نقصان انسان کو ہی ہوتا ہے۔

دوسری آیت میں ملک الناس کی صفت بیان فرمائی گئی ہے۔یعنی تمام انسانوں کا بادشاہ وفرمانروا۔اللہ کسی ایک چیز کا مالک نہیں کہ ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا۔کوئی زمین کا اور گھر کا مالک تو ہوسکتا ہے مگر ساری بادشاہی رب تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

تیسری آیت میں یہ فرمادیا کہ وہ حقیقی معبود ہے۔خدائے واحد ہے‘ وہی عبادت کے لائق ہے اور کسی خودساختہ معبود کا یہ استحقاق نہیں ہے۔سورہ المدثر ۴۸ میں فرمایا کہ **ھو اھل التقویٰ و اھل المغفرۃ** ☆ اللہ کی ہستی اس کی اہل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی ہے جو بخش دینے کا اہل ہے۔اللہ اپنے بندوں کی راہنمائی فرماتے ہیں اور ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ انسانوں کے رب‘ بادشاہ اور معبود حقیقی ہی پر کامل بھروسہ کیا جاسکتا ہے اور وہی اپنے بندوں کو تحفظ فراہم کرنے پر قادر ہے۔

سورہ الناس کی آخری تین آیتوں میں ان شرور کا ذکر ہے جن سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔یہاں ایسے وسوسوں کا ذکر ہے جو بار بار دل میں ڈالے جائیں۔ایسے غیر محسوس طریقے سے دل میں بری بات ڈالی جائے کہ کوئی آواز سنائی نہ دے۔خناس سے یہاں مراد شیطان جو اپنی کوشش جاری رکھتا ہے۔انسان جب اللہ کا نام لیتا ہے وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور پھر تاک میں رہتا ہے اور انسان کو غافل پاکر پھر لوٹ آتا ہے اور بار بار کسی برے خیال کو دل میں ڈالتا ہے۔یہاں دعوت حق دینے والے اور جس کو دعوت دی جارہی ہے‘ کو ہدایت فرمائی ہے کہ ایسے اشرار سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگ لے اور پھر بے فکر ہوجائے کہ اس کے بعد ان اشرار سے نپٹنا اس کے اپنے بس کا نہیں بلکہ رب الناس‘ ملک الناس اور الہ الناس کا کام ہے۔

دلوں میں وسوسہ ڈالنا شر کے عمل کا پہلا مرحلہ ہے۔پہلے برائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے‘ پھر وسوسہ کی تکرار سے نیت میں فتور آجاتا ہے اور ارادہ بندھ جاتا ہے اور آخری قدم عمل شر ہے۔ پہلے مرحلہ میں دعوت حق سے اللہ والوں کو بددل کرنا ہے‘ پھر بغاوت پر اکسانا ہے۔دین میں نئی

Marfat.com

باتوں کو داخل کرنا' اختلافات پیدا کرنا' اور لوگوں کو بھڑکانا ہے تاکہ وہ نفس امارہ کے تابع ہو کر کوئی اخلاق سے گری ہوئی حرکت کر بیٹھیں' شامل ہے۔

وسوسہ صرف باہر سے شیاطین جن وانس ہی نہیں ڈالتے بلکہ خود انسان کے نفس کا شیطان بھی اندر سے یہ کارروائی کرتا ہے جو بالآخر انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ سینے کے بھیدوں سے واقف ہے۔

قرآن الحکیم کی پہلی سورہ الفاتحہ' میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد اس سے صراط خیر پر چلنے کی مدد مانگی ہے اور یہی انسان کی کامیابی کی کلید ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا رہے۔ مگر سراط مستقیم پر چلنے' میں شیطان اپنے مکر و فریب سے اللہ کے بندوں کو بے راہ کرنے کی پیہم کوشش کرتا رہتا ہے۔ ایسے شیطانی وسوسوں سے چاہے وہ شیاطین جن' شیاطین نما انسانوں یا اپنے نفس کے شیطان کی طرف سے جنم لیں' اللہ کی پناہ مانگنی ہے کہ اگر کبھی بھٹک بھی جائے تو اللہ کی مہربانی سے واپس لوٹ آئے' کہ وہی ذات باری ہے جو بخشنے کا اہل ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب سوم

توبہ استغفار

توبہ کرنا ایمان والوں کی صفت ہے اور معاف کرنا رب رحیم کی صفت اولیٰ ہے' کہ اس کا نام ہی رحمان ورحیم سے شروع ہوتا ہے۔ توبہ استغفار کے لغوی معنی اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور پھر معافی کی درخواست کرنا ہے۔

توبہ کا نظریہ:

اسلام میں توبہ کا نظریہ انسان کو مایوسیوں کے اندھیروں سے نکال کر امید کی روشن صبح کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن الحکیم اس نظریے کی تردید کرتا ہے کہ گناہ یا غلطی کے نتائج بہرحال انسان کو بھگتنے پڑیں گے۔ بعض مذاہب کا یہ نقطہ نظر مایوس کن ہے جس میں سزا سے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اس کے برعکس' قرآن الحکیم میں اللہ کریم نے یہ واضح کردیا ہے کہ جب بھولا بھٹکا انسان' شکستہ دل' شرمندہ' ندامت میں ڈوب کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کرنے کا مصمم ارادہ خلوص نیت سے کرتا ہے تو ذات باری کا رحم جوش میں آتا ہے اور بندے کا قصور معاف فرما دیتا ہے۔ انسان کو اللہ نے خیر و شر کے ساتھ پیدا کیا اور راہ ہدایت اپنے رسولوں اور آسمانی صحیفوں کے ذریعے متعین کردی' مگر پھر بھی انسان کا بہک جانا کوئی بڑی بات نہیں کہ اس کا اپنا نفس اور شیطانی وسوسے اسے راہ ہدایت سے دور لے جاتے ہیں اور اس کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ اسی لیے توبہ کی حد آخری وقت موت کے آثار سے پہلے تک' قائم کردی۔

زندگی میں ہر خطا کے بعد توبہ کرے یعنی بار بار توبہ کرے تو ہی معافی مل جاتی ہے بشرطیکہ عمداً گناہ کا اعادہ' سرکشی کے طور پر نہ کیا گیا ہو البتہ بھول ہو گئی ہو۔

Marfat.com

قرآن الحکیم میں توبہ استغفار کا بلاواسطہ متعدد مرتبہ آیا ہے مثلاً سورہ البقرہ ۳۷'۵۴'
آل عمران ۸۹'۹۰' النساء ۱۷'۱۸'۹۲' المائدہ ۳۳'۳۴'۳۸'۳۹' الانعام ۵۴' الاعراف ۱۵۳' التوبہ
۱۰۴'۱۱۲'۱۱۸' ہود ۳'۵۲'۹۰، النمل ۱۰'۱۱' النحل ۱۹۸۴'۱۱۹' مریم ۶۰' طہٰ ۸۲'۱۲۲، النور ۵' الفرقان ۷۰'۷۱'
القصص ۱۶'۶۷' الحجرات ۱۲' التحریم ۸۔ موقع کی مناسبت سے ان آیات کے خطاب میں تھوڑا بہت
فرق ہے مگر پیغام ایک ہی ہے۔

توبہ کی قبولیت کے لوازم:

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کا احساس ہوتے ہی اللہ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ اللہ کریم ایسے لوگوں پر اپنی عنایت فرماتے ہیں۔ مسلسل برے کام کرنے والے' فاسق و فاجر کے لیے' اس کی موت کے آ جانے کے وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ فرعون نے اپنی غرقابی ہوتے دیکھ کر توبہ کی جو قبول نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ کی دعوت حق قبول نہ کی اور بدانجام سامنے دیکھ کر ایمان لانا چاہا' جو ایمان بالغیب کی نفی تھا۔

مشرکین و کفار کے لیے حلقہء اسلام میں داخل ہونے سے انکے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور ان کے حساب کا نیا کھاتا بحیثیت مسلمان کھل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بندے کا ہر گناہ' کبیرہ' صغیرہ (زنا' چوری' جھوٹی گواہی' قتل' غیبت' بغاوت) معاف فرما دیتے ہیں بشرطیکہ ندامت اور شرمندگی کے ساتھ توبہ کی جائے۔ البتہ دنیاوی سزا معاف نہیں ہوتی۔ مثلاً جھوٹی گواہی دینے والے کے لیے حد قذف جاری کی جانے کے بعد وہ معاشرے میں بے اعتبار ہو کر رہ جاتا ہے اور آئندہ اس کی گواہی قابل قبول نہیں رہتی جو کہ بذات خود بڑی سزا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو وہ دوبارہ معتبر ہو سکتا ہے اس کی توبہ اخروی سزا سے بچنے کے لیے ہے۔

سورہ النساء ۱۷'۱۸ میں فرمایا انما التوبۃ ....عذاباً الیماً ☆ ترجمہ" ہاں یہ

Marfat.com

جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔ مگر توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برے کام کیے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے' اس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی اور اسی طرح توبہ ان لوگوں کے لیے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔"

ان آیات میں رب الکریم نے واضح کر دیا ہے کہ برے فعل کے سرزد ہونے میں نیت کا بڑا دخل ہے۔ نادانی میں بشری کمزوری کے غلبے کے تحت کوئی بلا ارادہ برا فعل کر بیٹھے اور پھر اس کا احساس ہوتے ہی توبہ کر لے تو مالک اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ البتہ کوئی تواتر کے ساتھ' احتساب سے بے خوف ہو کر برے فعل کرتا چلا جائے اور جب موت سامنے آ کھڑی ہو' سانس حلق میں اٹک رہا ہو تو توبہ کرے' تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور وہ سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

کن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے؟

سورہ الانعام (۵۴) میں یہی موضوع ہے فرمایا و اذا جآ ....غفور رحیم ☆

ترجمہ "جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو" تم پر سلامتی ہے۔ تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے یعنی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

توبہ کے ساتھ کفارہ کی اہمیت بھی بتا دی گئی ہے۔ مثلاً قتل کے معاملے میں خون بہا دینا ہے' اگر وارث رضا مند ہوں' اگر ایسا نہ کر سکے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے یا ایک غلام آزاد کر دے اور توبہ استغفار کرے' اللہ قبول فرمانے والا ہے۔

اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہے' البتہ کسی بندے کے ساتھ زیادتی کی

Marfat.com

ہو تو جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتے۔ سورہ المدثر میں فرمایا ھو اھل التقویٰ و اھل المغفرۃ ☆ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سزا سے بچانا چاہتا ہے بلکہ رب کریم اس انتظار میں رہتا ہے کہ اس کا بندہ اس کی طرف لوٹ آئے اور وہ اسے معاف کر دے۔

سورہ التوبہ (۱۱۲) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ التائبون .... وبشر المومنین ☆ ترجمہ ''اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے اس کی بندگی بجالانے والے اس کی تعریف کے گن گانے والے اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے اس کے آگے رکوع و سجود کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے (اس شان کے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ سے خرید و فروخت کا معاملہ طے کرتے ہیں) اور اے نبیؐ ان مومنوں کو خوش خبری دے دو۔''

یہاں ایمان کے بنیادی تقاضوں سے آگاہ کیا گیا ہے اور بالواسطہ روئے سخن ان تین متقی صحابہ کرامؓ کی طرف ہے جو ان صفات کے حامل تھے۔ مگر محض تساہل کی وجہ سے جنگ تبوک میں شامل نہ ہو سکے۔ جہاد میں شرکت نہ کرنا حضورؐ کی نافرمانی اور ایمان کامل کے منافی عمل تھا۔

بار بار توبہ کرنے والے متقی لوگ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔ یہ لوگ کثرت سے توبہ کرتے ہیں کہ نہ جانے انجانے میں کوئی لغزش یا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔ یہ اللہ کی بندگی کرنے والے رکوع سجود کرنے والے خود اچھے کام کرنے والے اور دوسروں کو بھی نیکی کی ترغیب دینے والے اور برائی سے روکنے والے اللہ کے مومن بندے ہیں جن کو اچھی جزا کی بشارت دی گئی ہے۔

پھر آیت التوبہ (۱۰۴) میں توبہ کی قبولیت کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے الم یعلموا ان اللہ .... التواب الرحیم ☆ ترجمہ ''کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور خیرات قبول کرتا ہے اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

پھر التوبہ (۱۱۸) میں ان تینوں ایمان والوں کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے۔ فرمایا و علی الثلثۃ .... ھو التواب الرحیم ☆ ترجمہ ''اور ان تینوں کو بھی اللہ نے معاف کیا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے ساتھ ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود

Marfat.com

اللہ ہی کے دامن رحمت کے سوانہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں' یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا رحیم ہے۔''

جنگ تبوک میں جہاد میں پیچھے رہ جانے والے صحابہ کرامؓ متقی لوگ تھے۔ ان سے بھول ہوگئی اور یہ سوچ کر اپنا سفر جہاد ٹالتے رہے کہ ہم کل بھی چلے جائیں تو ان کو جالیں گے۔ اس طرح وقت گزرتا گیا اور وہ نہ جاسکے اور نافرمانی کے مرتکب ٹھہرائے گئے۔ حضورؐ کے فرمان کے مطابق ان سے کوئی بات نہ کرتا۔ ان لوگوں کے لیے زمین تنگ ہوگئی۔ ان تینوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا اور سوائے ضروری حوائج کے لیے اسی طرح بندھے رہتے۔ انہوں نے توبہ استغفار کی حتیٰ کہ اللہ کی طرف سے معافی کی وعید آئی۔ انہوں نے خود اپنے آپ کو رسیوں سے آزاد نہ کیا جب تک حضورؐ نبی کریم نے خود ان کی رسیاں نہ کھولیں۔

اللہ اپنی مخلوق سے محبت فرماتا ہے اور سزا نہیں دینا چاہتا۔ اللہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب میرا بندہ توبہ کرے' میری طرف لوٹ آئے اور میں اس کو معاف کردوں۔ بندے کے گناہوں کے مقابل اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

توبہ کرنے والے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں اور اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نبی کریم نے دو مثالوں سے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ پہلی مثال آپؐ نے یہ دی کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک بے آب و گیاہ صحراء میں کھو گیا ہو اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اس اونٹ پر ہو اور وہ شخص اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہو چکا ہو اور زندگی سے مایوس ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا ہو اور عین اس حالت میں وہ دیکھے کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے تو اسوقت جیسی خوشی اس کو ہو گی اس سے زیادہ خوشی اللہ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے۔

دوسری مثال میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نبی کریم کی خدمت میں جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی۔ جس کا شیر خوار بچہ اس سے بچھڑ گیا تھا اور وہ مامتا کی ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پالیتی اسے چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی۔ حضورؐ نبی کریم نے اس کا اضطراب دیکھ کر پوچھا کہ کیا تم لوگ توقع رکھتے ہو کہ ایک ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے عرض کیا' ہرگز نہیں' خود پھینکنا تو درکنار وہ

Marfat.com

آپ گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک اسے بچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گی۔ فرمایا ''اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔''

خالص توبہ:

التحریم (۸) میں اللہ سبحان تعالیٰ نے فرمایا ہے یا ایھا الذین آمنوا ....
......علی کل شی قدیر ☆ ترجمہ ''اے ایمان والو توبہ کرو، خالص توبہ، بعید نہیں کہ اللہ تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی۔ یہ وہ دن ہوگا جب اللہ اپنے نبیؐ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا اور وہ یہ کہہ رہے ہوں گے 'اے رب ہمارے ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہم سے درگزر فرما، تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خالص توبہ، خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ' کرنے کا کہا ہے۔ یعنی بندہ ایسی توبہ کرے جس میں ریا اور نفاق کا شائبہ تک نہ ہو۔ یہی توبہ اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرنا ہے جس سے معاشرے کی خیر خواہی وابستہ ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ توبہ کرکے بندہ اپنے آپ کو انجام بد سے بچالے، اپنی اصلاح کرلے اور دوسروں کے لیے مثال بن جائے۔

ایک حدیث مبارکہ میں اس کی تشریح فرمائی گئی ہے۔ ابن حاتم نے زرین بن حبیش کے واسطے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابی کعبؓ سے توبہ نصوح کا مطلب پوچھا' انہوں نے کہا میں نے رسولؐ اللہ سے یہی سوال کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ''اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو، پھر شرمندگی کے ساتھ اللہ سے استغفار کرو اور آئندہ کبھی اس فعل کا ارتکاب نہ کرو۔''

ایک اور روایت میں حضرت عمرؓ نے توبہ نصوح کی تعریف بیان کی ہے کہ ''توبہ کے بعد اس گناہ کا اعادہ تو درکنار' اس کے ارتکاب کا ارادہ تک نہ کرے۔''

حضرت علیؓ کے قول کے مطابق توبہ نصوح کے ساتھ چھ چیزیں ہونی چاہئیں۔

Marfat.com

(۱)۔ جو کچھ ہو چکا اس پر ندامت

(۲)۔ جن فرائض سے غفلت برتی ہو ان کو ادا کرے

(۳)۔ جس کا حق مارا ہو اس کو واپس کرے

(۴)۔ جس کو تکلیف پہنچائی ہو اس سے معافی مانگے

(۵)۔ آئندہ کے لیے عزم کرے کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا

(٦)۔ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے

ندامت میں اللہ کی نافرمانی کا احساس ہونا لازمی ہے' ورنہ دنیاوی فائدے کے لیے پرہیز کرنا' بدنامی' صحت یا نفع نقصان کی خاطر کسی گناہ کو ترک کرنا توبہ میں نہیں آتا۔ جس وقت احساس ندامت ہو جائے' اسی وقت توبہ کر لینی چاہیے۔ بار بار توبہ کر کے توڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ ندامت اور شرمساری تہہ دل سے نہیں ہے۔ توبہ کوئی کھیل نہیں۔ البتہ اگر ترک گناہ کے بعد کسی بشری کمزوری کی بنا پر غیر ارادی طور پر اس کا اعادہ ہو جائے تو پچھلے گناہ کا حساب نہ ہوگا۔ آئندہ کے لیے سختی سے ارادہ کرنا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ گناہ سرزد ہو تو توبہ کرے بلکہ اپنے سابق گناہ جب بھی یاد آئیں تو بار بار توبہ کرے۔ مومن کثرت سے توبہ کرنے والے ہوتے ہیں کہ بعض وقت خود کو پتا نہیں چلتا کہ کوئی غلطی ہو گئی ہو۔

خالص توبہ کرنے والوں کو جنت کی وعید دی گئی ہے اور میدان حشر کی طرف جاتے ہوئے اللہ کا نور ان کے آگے ہوگا تا کہ راستہ دکھائی دے اور یہ صرف اہل ایمان کے لیے ہوگا ورنہ گھپ اندھیرا ہوگا۔ مومن متقی لوگ اس وقت بھی اللہ سے مغفرت مانگیں گے کہ کہیں یہ نور ان سے چھن نہ جائے۔ یہ نور پل صراط پر سے گزرنے میں راہبری کرے گا۔ اللہ کریم خالص توبہ کو رد نہیں کرتا۔

انبیاء کی توبہ:

عام انسانوں سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں مگر انبیاء اور رسول گناہوں سے مستثنیٰ ہیں۔

Marfat.com

ان کی معمولی لغزش بھی پکڑ کا باعث بن سکتی ہے اور رجوع الی اللہ ہی سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔
چونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے نمونہ بنا کر پیش کیا ہے اس لیے وہ اپنی رحمت سے ان ہستیوں کو لغزشوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہے۔

حضرت آدمؑ اور اماں حوا کی توبہ:

سب سے پہلی توبہ حضرت آدمؑ اور اماں حوا کی تھی۔ یہ توبہ آدمؑ کے زمین پر خلافت سے سرفراز ہونے سے پہلے، جنت کی زندگی میں، ایک لغزش کی پاداش میں کی گئی۔ قرآن الحکیم میں اس کا ذکر البقرہ (۳۷) میں کیا گیا ہے۔ جب حضرت آدمؑ سے بھول ہوگئی اور اللہ کے فرمان کے برخلاف شیطان کے بہکاوے میں آ کر ممنوعہ شجر کا پھل کھالیا تو فوراً اپنی لغزش کا احساس ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **فتلقی آدم ....هو التواب الرحيم** ☆ ترجمہ "اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کرلیا، کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

سورہ الاعراف (۲۳) میں فرمایا **قالا ربنا ظلمنا ....من الخاسرين** ☆ ترجمہ "دونوں بول اٹھے اے رب ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ سورہ طٰہٰ (۱۲۲) میں ان کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں فرمایا **ثم اجتبه ربه ....وهدىٰ** ☆ ترجمہ "پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کرلی اور اسے ہدایت بخشی۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو انعامات سے نوازا، برگزیدہ کیا اور نور ہدایات سے سرفراز فرمایا، خلیفۃ الارض کی ذمہ داری سونپی۔

حضرت موسیٰ کی توبہ:

جب اللہ تعالیٰ کسی کو رسالت کے منصب پر فائز کرتا ہے تو وہ خود اس منصب کی حفاظت

Marfat.com

فرماتا ہے۔ نادانستگی میں کسی غیر معمولی واقعہ کے سرزد ہونے سے خوف نہ کھانا چاہیے۔ حضرت موسیٰؑ سے نادانستگی میں قتل ہو گیا تھا۔ سورہ النمل (۱۰،۱۱) میں اس واقعہ کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔ فرمایا **یموسیٰ لاتخف**.......... **غفور الرحیم** ☆ ترجمہ ''اے موسیٰؑ ڈرو نہیں۔ میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے الا یہ کہ کسی نے قصور کیا ہو' پھر اگر برائی کے بعد اس نے بھلائی سے اپنے فعل کو بدل لیا تو میں معاف کرنے والا مہربان ہوں۔''

حضرت موسیٰؑ نے فوراً اپنے رب سے معافی مانگ لی۔ القصص (۱۶) میں موسیٰؑ کی معافی کی درخواست کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا رب **انی ظلمت نفسی فاغفرلی** (ترجمہ) ''اے میرے پروردگار میں اپنے نفس پر ظلم کر گزرا' مجھے معاف کر دے۔'' اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا **فغفرله ' انه هوا الغفور الرحیم** ☆ حضرت موسیٰؑ سے رسالت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے' نادانستہ طور پر ایک قتل ہو گیا تھا۔ فرعون کے کارندے آپ کی تلاش میں تھے کہ اس کو سزا دی جائے۔ حضرت موسیٰؑ مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے' اپنے رب کے حضور اپنے جرم کا اعتراف کیا اور توبہ قبول ہوئی۔

حضرت یونسؑ (صاحب حوت ذوالنون) کی توبہ:

قرآن الحکیم میں اس کا ذکر سورہ الانبیاء ۸۷،۸۸' سورہ یونس اور سورہ الصفت اور القلم میں آیا ہے۔ (الصفت ۱۳۹ تا ۱۴۸) یونس ۹۸۔

سورہ الانبیاء میں فرمایا **وذالنون** .... **ننجی المومنین** ☆ ترجمہ ''اور مچھلی والے کو ہم نے نوازا' یاد کرو جبکہ وہ بگڑ کر چلا گیا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔ آخر کو اس نے تاریکیوں میں سے پکارا ''نہیں ہے کوئی خدا مگر تو' پاک ہے تیری ذات' بے شک میں نے قصور کیا۔ تب ہم نے اس کی دعا قبول کی اور غم سے اس کو نجات بخشی' اور اسی طرح ہم مومنوں کو بچا لیا کرتے ہیں۔''

سورہ الصفت (۱۳۹ تا ۱۴۸) میں اس واقعہ کے بارے میں ذرا تفصیل سے بیان آیا ہے

Marfat.com

فرمایاوان یونس...............الی حین ☆ترجمہ ''اور یقیناً یونسؑ بھی رسولوں میں سے تھا۔یاد کرو جب وہ بھری کشتی کی طرف بھاگ نکلا' پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوااوراس میں مات کھائی۔ آخر کار مچھلی نے اسے نگل لیااور وہ ملامت زدہ تھا۔اب اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو روز قیامت تک اسی مچھلی کے پیٹ میں رہتا۔آخر کار ہم نے اسے بڑی سقیم حالت میں ایک چٹیل زمین پر پھینک دیااوراس پر ایک بیلدار درخت اگا دیا۔اس کے بعد ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجاوہ ایمان لائے اور ہم نے ایک وقت خاص تک انہیں باقی رکھا۔''

سورہ یونس (۹۸) میں اسی بابت فرمایا''فلو لا کانت ....الی حین ☆ترجمہ ''پھر کیاایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہواوراس کا ایمان اس کے لیے نفع بخش ثابت ہوا ہو؟ یونس کی قوم کے سوا (اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی) وہ قوم جب ایمان لے آئی تھی تو البتہ ہم نے اس پر سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ٹال دیا تھااوراس کوایک مدت تک زندگی سے بہر مند ہونے کا موقع دے دیا تھا۔''

سورہ القلم (۴۸ تا ۵۰) میں اس واقعہ کامختصر تذکرہ ہے۔فاصبر لحکم ربک .... من الصلحین ☆ترجمہ ''پس اپنے رب کا فیصلہ ہونے تک صبر کرواور مچھلی والے (یونسؑ) کی طرح نہ ہو جاؤ' جب اس نے پکارا تھااور غم سے بھرا ہوا تھا۔اگر اس کے رب کی مہربانی اس کے شامل حال نہ ہو جاتی تو وہ مذموم ہو کر چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا۔آخر کار اس کے رب نے اسے برگزیدہ فرمالیااوراسے صالح بندوں میں شامل کر دیا۔''

حضرت یونسؑ کے بارے میں ان ساری آیات اوران آیات کی تفسیر سے جو واقعہ سامنے آتا ہے وہ ذیل میں درج ہے:

حضرت یونسؑ کا زمانہ تقریباً ۸۶۰ سے ۷۸۵ ق م کے درمیان کا بتایا جاتا ہے۔ حضرت یونسؑ کواشور (اسریا) والوں کی ہدایت کے لیے عراق بھیجا گیا تھا۔اس قوم کامرکزی شہر نینویٰ کامشہور شہر تھا۔یہ کافراور مشرک لوگ تھے۔حضرت یونسؑ نے ان کوخدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی اور بت پرستی سے روکا۔لیکن یہ قوم مسلسل حضرت یونسؑ کو جھٹلاتی رہی۔ حضرت یونس نے ان کوخبر دی کہ تیسرے دن ان پر عذاب آجائے گا۔حضرت یونسؑ تیسرا دن

Marfat.com

آنے سے پہلے آدھی رات کو بستی سے نکل گئے اور کشتی میں سوار ہو گئے۔

حضرت یونسؑ اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکلنا' ہجرت کا فعل تھا مگر ابھی ان کو اللہ کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ آپ جس کشتی میں سوار ہوئے وہ گنجائش سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔ کشتی ڈولنے لگی۔ تمام مسافروں کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ لہذا قرعہ اس غرض سے ڈالا گیا کہ جس کا نام قرعہ میں نکلے اسے پانی میں پھینک دو۔ قرعہ حضرت یونسؑ کے نام نکلا اور ان کو پانی میں پھینک دیا۔ ایک مچھلی نے اللہ کے حکم سے ان کو نگل لیا۔

حضرت یونسؑ اپنے آقا یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ آئے تھے۔ یعنی وہ آقا سے فرار ہونے والے غلام تھے۔ اور وہ اپنے قصور کی وجہ سے ملامت زدہ ہو گئے۔ حضرت یونسؑ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ تھے اور جب وہ مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو انہوں نے اللہ سے رجوع کیا اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں سے پکارا **لا اله** ....**من الظالمین** ☆ ''نہیں ہے کوئی خدا مگر تو پاک ہے تیری ذات' بے شک میں قصوروار ہوں''

اللہ نے ان کی فریاد سن لی اگر ایسا نہ ہوتا تو قیامت تک اس مچھلی کا پیٹ ہی حضرت یونسؑ کی قبر بنا رہتا مچھلی نے اللہ کے حکم سے ان کو ساحل پر اگل دیا' جہاں کوئی سایہ نہ تھا اور نہ غذا کی سبیل۔ اللہ نے ایک بیل معجزانہ طریقے سے پیدا کر دی جس کے پتے حضرت یونسؑ پر سایہ کریں اور اس کا پھل کھا کر اپنی غذائی ضروریات پوری کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غم سے نجات دی۔

آج کل صرف عقلی دلیل کی بنا کر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں جا کر انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اللہ قادر مطلق ہے اور حضرت یونسؑ اسے کے برگزیدہ بندے تھے۔

انگلستان کے ساحل کے قریب ایک واقعہ پیش آ چکا ہے کہ خدائے برتر ہر شے پر قادر ہے۔ اگست ۱۸۹۱ء میں ایک جہاز میں کچھ ماہی گیر وہیل مچھلی کے شکار کے لیے گہرے پانیوں میں گئے۔ وہاں انہوں نے ایک مچھلی جو ۲۰ فٹ لمبی' ۵ فٹ چوڑی اور سوٹن وزنی تھی' کو زخمی کر دیا۔ مچھلی نے پکڑنے کے دوران جنگ کرتے ہوئے اس نے جیمز بارٹلے نامی ایک مچھیرے کو نگل لیا۔ دوسرے روز وہی مچھلی اس جہاز کے لوگوں کو مری ہوئی ملی۔ انہوں نے بڑی تگ و دو سے اسے

Marfat.com

جہاز پر چڑھایا اور اس کا پیٹ چاک کیا تو بارٹلے اس کے اندر سے زندہ برآمد ہوا۔ یہ مچھلی کے پیٹ میں ۶۰ گھنٹے رہا۔ (اردو ڈائجسٹ فروری ۱۹۹۴) (ت ج ۴ صفحہ ۳۰۷ '۳۰۸)

سورہ النحل (۱۱۹) میں توبہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ **ثم ان .... لغفور الرحیم** ☆ ترجمہ "البتہ جن لوگوں نے جہالت کی بناء پر برا عمل اور پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی تو یقیناً توبہ و اصلاح کے بعد تیرا رب ان کے لیے غفور اور رحیم ہے۔" یعنی ان جانے میں سرزد ہونے والے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں بشرطیکہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی جائے۔

سورہ ھود (۹۰) میں توبہ کا ذکر پچھلی نافرمان قوموں کی تباہی کے حوالے سے کیا گیا ہے جو کفر و شرک اور بداخلاقی سے باز نہ آئی باوجودیکہ ان کے پاس واضح ہدایات آ گئی تھیں۔ اس کے برعکس یہ فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئیں ان کے اگلے پچھلے سارے گناہ' کبیرہ و صغیرہ' معاف کر دیئے جائیں گے۔ فرمایا **واستغفروربکم .... رحیم و دود** ☆

آج توبہ کرنے والوں یعنی موت سے پہلے' ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو فلاح پانے کی وعید سنائی ہے (القصص ۶۷)

پھر رب کریم تہمت لگانے والوں اور غیبت کرنے والوں' جھوٹی گواہی دینے والوں کی بھی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ (النور ۵ والحجرات ۱۲)

سورہ المومن (۲'۳) میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مغفرت کرنے والی ہے اور توبہ قبول کرنے والی ہے۔ **تنزیل الکتب .... الیہ المصیر** ☆ ترجمہ "اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے (یعنی یہ کسی کی تصنیف نہیں) جو زبردست اور سب کچھ جاننے والا ہے' گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں' اسی کی طرف پلٹنا ہے۔"

اللہ کے فرمان سے منہ موڑ کر جانے والا اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔ وہ نیتوں کا حال جانتا ہے کہ کون اس کے احکامات سے سرکشی' جان بوجھ کر کرتا ہے۔ اللہ ہی توبہ قبول فرماتا ہے۔ بغاوت اور سرکش لوگوں کے لیے' جب وہ حد سے گزر جائیں' اتنا ہی سخت ہے جتنا وہ نیک بندوں کے لیے رحیم ہے۔ وہ غنی اور کشادہ دست ہے اور تمام مخلوق پر اس کی نعمتوں کی اور

Marfat.com

احسانات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

ہر بندے نے اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنا حساب چکانا ہے۔ یہی دعا مانگی جانی چاہیے یا غافر الذنب اغفرلی یا قابل التوب اقبل توبتی یاشدید العقاب لا تعاقبنی یا ذی الطول طل علی بخیر لا اله الا الله الیه المصیر۔ (م ج ۷ ص ۶۱۰، ۶۱۱)

دعا کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، چند ذیل میں درج ہیں:

۱۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ دعا سے عاجز نہ ہو کیونکہ دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہیں ہوتا (حاکم عن انسؓ)

۲۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور آسمان وزمین کا نور ہے (حاکم فی المستدرک عن ابی ہریرہؓ)

۳۔ رسول اللہؐ نے فرمایا جس شخص کے لیے دعا کے دروازے کھول دیئے گئے اس کے واسطے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا اس سے زیادہ محبوب نہیں مانگی گئی کہ انسان اس سے عافیت کا سوال کرے۔ (ترمذی حاکم عن ابن عمرؓ) کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا مانگنا حرام ہے، وہ دعا اللہ کے نزدیک قبول بھی نہیں ہوگی۔

دعا کی قبولیت کے لیے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں۔ کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ ابلیس کی دعا تا قیامت زندہ رہنے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی بھی قبول ہوگئی۔ دعا کے لیے وقت، طہارت اور باوضو ہونے کی کوئی قید نہیں البتہ رزق حرام اور لباس حرام والے کی دعا کہاں قبول ہوگی۔

کچھ دعا ایسی قبول ہوتی ہے کہ جو مانگا مل گیا کچھ اس طرح کہ اس کے بدلے میں آخرت کا اجر وثواب دے دیا گیا پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو مانگا نہ ملا مگر کوئی آفت ومصیبت جو آنے والی تھی ٹل گئی۔ م ج ۷ ص (۶۱۲، ۶۱۳)

☆☆☆

(ختم شد)

Marfat.com

یایھا الذین آمنوا

فہرست آیات

نمبر	مضمون	سورۃ	پارہ	آیت
۱	حرمت رسول مقبول ﷺ	البقرہ	۱	۱۰۴
۲	صبر وصلوٰۃ' نسخہ کیمیاء	......ایضاً......	۲	۱۵۳
۳	اکل حلال	......ایضاً......	۲	۱۷۲
۴	قصاص' معاشرے کا اہم قانون	......ایضاً......	۲	۱۷۸
۵	صوم' ضبط نفس واکل حلال	......ایضاً......	۲	۱۸۳
۶	اسلام میں مکمل داخل ہونے کا حکم	......ایضاً......	۲	۲۰۸
۷	انفاق فی سبیل اللہ	......ایضاً......	۳	۲۵۴
۸	صدقات دے کر ایذا نہ دینے کا حکم	......ایضاً......	۳	۲۶۴
۹	حلال کمائی' حلال چیزوں کا صدقہ	......ایضاً......	۳	۲۶۷
۱۰	حرمت سود' پہلا حکم	......ایضاً......	۳	۲۶۸
۱۱	لین دین کے معاملات اور تحریری دستاویز کا حکم	......ایضاً......	۳	۲۸۳
۱۲	اہل کتاب کی باتوں میں نہ آؤ	آل عمران	۴	۱۰۰
۱۳	تقویٰ' اتحاد اور تفرقہ کے بارے میں	......ایضاً......	۴	۱۰۲
۱۴	رازداری کا حکم وحکمت	......ایضاً......	۴	۱۱۸
۱۵	حرمت سود۔ قطعی حکم	......ایضاً......	۴	۱۳۰
۱۶	کفار کے اشاروں پر نہ چلنے کا حکم	......ایضاً......	۴	۱۴۹
۱۷	کفار کی سی باتیں نہ کرنے کی ہدایت	......ایضاً......	۴	۱۵۶
۱۸	صبر' تقویٰ' باہمی ربط' مومنوں کی ڈھال	......ایضاً......	۴	۲۰۰
۱۹	عورتوں کے حقوق	النساء	۴	۱۹
۲۰	دوسروں کے مال اور جان کی حرمت	......ایضاً......	۵	۲۹
۲۱	نشے کی حالت میں نماز کی ممانعت شراب کی حرمت کا پہلا حکم اور تیمم کی اجازت	......ایضاً......	۵	۴۳
۲۲	اللہ' رسول اور اُولی الامر کی اطاعت	......ایضاً......	۵	۵۹
۲۳	جہاد کیلئے تیار رہنے کا حکم	......ایضاً......	۵	۷۱
۲۴	جہاد میں دوست دشمن کی تمیز	......ایضاً......	۵	۹۴
۲۵	حق گوئی اور انصاف	......ایضاً......	۵	۱۳۵
۲۶	ایمان کی تعریف	......ایضاً......	۵	۱۳۶
۲۷	کافروں سے دوستی کی ممانعت	......ایضاً......	۵	۱۴۴

Marfat.com

۲۸	ایفائے عہد اور حرام و حلال	المائدہ	۶	۱
۲۹	شعائر اللہ کا احترام اور حلال و حرام اور خالص خدا پرستی	......ایضاً......	۶	۲
۳۰	وضو کا طریقہ اور بعض حالتوں میں تیمم کی اجازت	......ایضاً......	۶	۶
۳۱	حق گوئی اور انصاف	......ایضاً......	۶	۸
۳۲	تقویٰ اور اللہ پر بھروسہ	......ایضاً......	۶	۱۱
۳۳	تقویٰ، وسیلہ اور جہاد فی سبیل اللہ	......ایضاً......	۶	۳۵
۳۴	یہود و نصاریٰ کی دوستی کی ممانعت	......ایضاً......	۶	۵۱
۳۵	ارتداد اور بہتر قوم کا نعم البدل	......ایضاً......	۶	۵۴
۳۶	اہل کتاب اور کفار و مشرکین سے دوستی نہ کرنیکی ہدایت	......ایضاً......	۶	۵۷
۳۷	حلال کو حرام نہ کرنے اور حد سے تجاوز نہ کرنے کے احکامات	......ایضاً......	۷	۸۷
۳۸	شراب، جواء، آستانے اور پانسے کی حرمت	......ایضاً......	۷	۹۰
۳۹	احرام کی حالت میں مومنوں کی آزمائش	......ایضاً......	۷	۹۴
۴۰	حالت احرام میں شکار کی حرمت و کفارہ	......ایضاً......	۷	۹۵
۴۱	مومنو کو رسول اللہ سے غیر ضروری سوالات نہ کرنیکی ہدایت	......ایضاً......	۷	۱۰۱
۴۲	مومنوں کو ہدایت پر قیام اور اپنی فکر کے بارے میں	......ایضاً......	۷	۱۰۵
۴۳	وصیت کے بارے میں ہدایات	......ایضاً......	۷	۱۰۶
۴۴	جہاد میں پیٹھ نہ موڑنے کا حکم	الانفال	۹	۱۵
۴۵	اللہ اور اس کے رسول مقبول کی اطاعت	......ایضاً......	۹	۲۰
۴۶	اطاعت اور نصرت خداوندی	......ایضاً......	۹	۲۴
۴۷	اللہ اور رسول کے ساتھ اور امانتوں میں خیانت	......ایضاً......	۹	۲۷
۴۸	تقویٰ اختیار کرنیوالوں کیلئے مغفرت	......ایضاً......	۹	۲۹
۴۹	جہاد میں ثابت قدمی	......ایضاً......	۱۰	۴۵
۵۰	کافر باپوں اور بھائیوں کو رفیق نہ بناؤ	التوبہ	۱۰	۲۳
۵۱	مسجد حرام کی حرمت	......ایضاً......	۱۰	۲۸
۵۲	اہل کتاب کے درویشوں کا ناحق مال کھانا اور جمع کرنا باعث عذاب	......ایضاً......	۱۰	۳۴
۵۳	جہاد سے جی چرانے والوں سے خطاب	......ایضاً......	۱۰	۳۸
۵۴	پرہیزگاری اور سچے لوگوں کا ساتھ دینے کا حکم	......ایضاً......	۱۱	۱۱۹
۵۵	منکرین حق سے جہاد کرنا	......ایضاً......	۱۱	۱۲۳
۵۶	اللہ کی بندگی، رکوع، سجود و فلاح کا راستہ	الحج	۱۷	۷۷
۵۷	شیطان کی پیروی کرنے کے نتائج	النور	۱۸	۲۱
۵۸	دوسرے گھروں میں داخل ہونے کے آداب	......ایضاً......	۱۸	۲۷
۵۹	تخلیہ کے اوقات کے آداب	......ایضاً......	۱۸	۵۸
۶۰	غزوہ احزاب میں اللہ کا مومنوں پر کرم	الاحزاب	۲۱	۹

Marfat.com

۶۱	مومنوں کو ذکر کثیر کا حکم	......ایضاً......	۲۲	۴۱
۶۲	رشتۂ ازدواج قائم ہونے سے پہلے طلاق کے بارے میں احکامات	......ایضاً......	۲۲	۴۹
۶۳	نبیؐ کے گھرانے کی حرمت	......ایضاً......	۲۲	۵۳
۶۴	حضرت موسیٰ کی قوم کی طرح نبیؐ پاک کو اذیت دینے والے نہ بنو	......ایضاً......	۲۲	۶۹
۶۵	تقویٰ اختیار کرنے اور سچی بات کرنے کا حکم	......ایضاً......	۲۲	۷۰
۶۶	جہاد کرنیوالوں کیلئے نصرت کی وعید	محمدؐ	۲۶	۷
۶۷	اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت	......ایضاً......	۲۶	۳۳
۶۸	احترام رسولؐ کریم	الحجرات	۲۶	۱
۶۹	احترام رسول ﷺ کریم	......ایضاً......	۲۶	۲
۷۰	فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم	......ایضاً......	۲۶	۶
۷۱	طعن زدی اور تمسخر نہ اڑانے کی ہدایت	......ایضاً......	۲۶	۱۱
۷۲	بدگمانی اور تجسس اور غیبت سے اجتناب	......ایضاً......	۲۶	۱۲
۷۳	تقویٰ اور ایمان باعث رحمت	الحدید	۲۷	۲۸
۷۴	پوشیدہ بات کرتے وقت نیکی اور تقویٰ کی بات کرنیکی ہدایت	المجادلہ	۲۸	۹
۷۵	مجلس کے آداب	......ایضاً......	۲۸	۱۱
۷۶	حضورؐ سے بات کرنے کا صدقہ	......ایضاً......	۲۸	۱۲
۷۷	آخرت کیلئے زادراہ یاد الٰہی	الحشر	۲۸	۱۸
۷۸	جہاد غیر مسلموں سے دوستی اور افشائے راز	الممتحنہ	۲۸	۱
۷۹	ہجرت کر کے آنیوالی عورتوں کی جانچ پڑتال کا حکم	......ایضاً......	۲۸	۱۰
۸۰	مغضوب لوگوں سے دوستی نہ کرنیکا حکم	......ایضاً......	۲۸	۱۰
۸۱	قول و فعل میں مطابقت	الصف	۲۸	۲
۸۲	عذاب الیم سے بچانے والی تجارت' اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان و جہاد	......ایضاً......	۲۸	۱۰
۸۳	حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرح اللہ کے مددگار بنو	......ایضاً......	۲۸	۱۴
۸۴	نماز جمعہ کی اہمیت	الجمعہ	۲۸	۹
۸۵	ایمان والوں کو اولاد اور مال اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں	المنافقون	۲۸	۹
۸۶	مسلمانوں کیلئے بیویوں میں سے اور اولاد میں سے کچھ تمہاری آزمائش ہیں	التغابن	۲۸	۱۴
۸۷	ایمان والو خود اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ	التحریم	۲۸	۶
۸۸	خالص توبہ اور رجوع الی اللہ کے انعامات	التحریم	۲۸	۸

☆☆☆☆☆

Marfat.com

چیدہ چیدہ حوالہ جات

تفہیم القرآن ...... جلد اول تا ششم، ...... حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ
معارف القرآن ...... جلد اول تا ہشتم، ...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب
مکمل بیان القرآن ...... ۱، ۲ ...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علیؒ تھانوی
ترجمان القرآن ...... جلد اول، دوئم وسوئم ...... ابوالکلام آزادؒ
تفسیر ابن عباسؓ ...... جلد اول، دوئم وسوئم ...... عبداللہ بن عباسؓ
انوار القرآن ...... جلد اول ودوئم ...... ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ
فیوض القرآن ...... جلد اول ودوئم ...... ڈاکٹر حامد حسن بلگرامیؒ
القرآن الکریم ...... حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
احسن الکلام تفسیر ...... صحیح بخاری تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی سے ماخوذ
'The Holy Quran ...... Vol-I,II,III ...... عبداللہؒ یوسف علی
سیرت النبیؐ ...... جلد اول تا ششم ...... علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ
نور مبین ...... ڈاکٹر حامد حسن بلگرامیؒ
محسن انسانیت ...... نعیم صدیقی
رحمت اللعالمین ...... جلد ۱، ۲، ۳ ...... قاضی محمد سلیمان، سلمان منصور پوری
عکس سیرت ...... کونسٹن ورجیل جورجیو (رومانیہ کے مستشرق)
سیرت سرور عالم ...... جلد ۱، ۲ ...... حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

نسخہء کیمیاء اردو ترجمہ کیمیائے سعادت ...... حجتہ الاسلام امام ابوحامد محمد الغزالیؒ
تنویر سحر ...... ڈاکٹر حامد حسن بلگرامیؒ
چہار اسلام (ارتقائے اسلام) ...... محمد عبیداللہؒ درانی

Marfat.com

سائبان رحمت.......................ڈاکٹر حامد حسن بلگرامیؒ

قصص القرآن......جلد ۱، ۲، ۳......مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحبؒ سیوہاروی

Speeches for an inquring mind..................امتیاز احمد

How Islam touched their hearts............امتیاز احمد

محسن انسانیت..نعیم صدیقی

اسوۂ حسنہ......جلد ۱، ۲ ....بنت الاسلام

اللولووالمرجان......جلد ۱، ۲......صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث کا مجموعہ

مؤطا..........امام مالکؒ

بخاری شریف جلد ۱، ۲، ۳............ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ

اختصاریات

ا۔ انوارالقرآن

ب۔ بیان القرآن

ت۔ تفہیم القرآن

م۔ معارف القرآن

ج۔ جلد

ص۔ صفحہ

ن۔ ناموس رسالت وقانون توہین رسالت محمد اسماعیل قریشی

☆☆☆

Marfat.com

کچھ مؤلفہ کے بارے میں

میں شعبہ جغرافیہ جامعہ پنجاب کی ریٹائرڈ پروفیسر وسابقہ سربراہ ہوں۔ میں نے پنجاب یونیورسٹی سے جغرافیہ میں ماسٹر کی ڈگری ۱۹۴۸ء میں حاصل کی اور ریکارڈ نمبر حاصل کیے۔ اور اسی سال شعبہ جغرافیہ میں ملازمت ملی۔ میں جامعہ پنجاب میں MA کی تدریس کیلئے پہلی خاتون ہوں جسے یہ اعزاز حاصل ہوا۔ پھر حکومت پاکستان کی طرف سے دو سال لندن یونیورسٹی میں Ph.D کیلئے وظیفہ ملا۔ ۱۹۵۲ء میں Ph.D ڈگری حاصل کر کے واپس شعبہ میں تدریسی کام جاری رکھا۔ میں ۱۹۸۵ء میں ریٹائر ہوگئی۔ اسی دوران میرے ۲۶ تحقیقی مقالے شائع ہوئے اور پاکستان کا ایک دیواری نقشہ چھپوایا۔

میرا تعلق ایک دینی گھرانے سے ہے۔ ہمارے آباواجداد نے قرآن کی تدریس کا سلسلہ جاری کیا جو اس گھرانے میں اب تک جاری ہے۔ مجھے بھی یہ لگن تھی کہ قرآن الحکیم کو پڑھوں اور سمجھنے کی کوشش کروں۔ اسی وجہ سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنی پوری توجہ اس طرف مبذول کردی۔ اپنے گھر میں قرآن کا درس جاری کیا اور کالونی کی گھریلو عورتیں اس میں دلچسپی لیتی ہیں۔

میرے ذاتی مطالعے سے مجھے کچھ لکھنے کا شوق بھی در آیا۔ تفاسیر تو بہت سی لکھی گئی ہیں اس لیے میں نے اس کتاب میں صرف یاایھاالذین آمنوا سے شروع ہونے والی ۸۸ آیات کی تفسیر کی تالیف کی ہے۔ اپنی اتنی استطاعت نہیں کہ خود سے کچھ لکھتی۔ بہرحال اللہ کا شکر بجالاتی ہوں کہ یہ توفیق بھی اس کی دی ہوئی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ میری اس کاوش کو قبول کرے اور کوئی غلطی سہواً ہوگئی ہو تو معاف فرمادے۔

اس سے پہلے میرا نعتیہ کلام 'ردائے نور' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب کا نام 'دریائے نور' رکھا ہے۔ سارا قرآن سمندر ہے جبکہ سورتیں دریا ہیں اور آیات ندیاں ہیں جو اسے سیراب کرتی ہیں۔

اس کتاب سے پہلے مندرجہ ذیل کتابوں کی تالیف اس بندی کے حصے میں آئی ہیں۔

ا۔ حق کے متلاشی کی ڈائری	۲۔ نعلین مبارک تک
۳۔ حکمت فروغ کن حصہ اول	۴۔ حکمت فروغ کن حصہ دوئم

مؤلفہ

ڈاکٹر مریم کرم الٰہی (مریم جمیلہ)

Marfat.com

دریائے نور

مصنفہ

ڈاکٹر مریم کرم الٰہی

ایم اے، پی ایچ ڈی

سابقہ چیئرپرسن جغرافیہ ڈیپارٹمنٹ

پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com